امداد الاحکام

امداد الفتاوی کا تکملہ

جو حضرت حکیم الامت کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبد الکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ

زیر نگرانی

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

ناشر

مکتبہ دار العلوم کراچی

جون ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

"امداد الاحکام" ان فتاویٰ کا نادر روزگار مجموعہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی رہنمائی میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے جاری ہوئے۔ ان میں اکثر فتاویٰ تو حضرت شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے تحریر فرمائے ہیں اور کچھ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ہیں۔

اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کا تعارف "امداد الاحکام جلد اوّل" کے مقدمہ میں استاد محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کروایا ہے۔ اس تعارف کیلئے مقدمہ جلد اوّل کی مراجعت کرنا مناسب ہے۔

جلد اوّل اور جلد دوم کے طبع ہو کر منظر عام پر آنے کے بعد اس علمی و تحقیقی مجموعے کے تعارف کی اب چنداں حاجت نہیں، جلد اوّل و دوم کی طباعت کے بعد ہر شخص اسکی بقیہ جلدوں کی اشاعت کیلئے بے قرار تھا، مگر بوجوہ تا حال اس عظیم سرمایہ کے بقیہ ابواب پر کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔

واضح رہے کہ جلد اوّل و دوم "باب الطلاق" تک کے ابواب پر مشتمل ہیں اور اسکے بقیہ ابواب یعنی "کتاب الایمان والنذور" سے کتاب الفرائض تک کے جمیع ابواب تشنۂ تکمیل تھے۔ اگرچہ ان ابواب پر بھی کام جاری تھا، لیکن ذمہ داری کے ساتھ اس پر کام کرنے کا موقع کسی کو نہ مل سکنے کے باعث بقیہ کام غیر معمولی تاخیر کا شکار ہوا۔

دراصل یہ کام پہلی دو جلدوں کی حد تک عدہ اور راست استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ نے حسن و خوبی انجام دیا ہے، مگر ہجوم مشاغل کے باعث بقیہ کام استاد محترم حضرت مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد تھا۔ حضرت استاد محترم مدظلہم نے اپنی زیر نگرانی اس پر کافی حد تک کام کروالیا تھا، مگر تدریس، افتاء و تصنیف و تالیف کی مشغولیات کے باعث گزشتہ سال بندہ کو اس کام کی تکمیل کیلئے اپنے ساتھ ملالیا اور شفقت

فرماتے ہوئے قدم قدم پر اس کام کی تکمیل میں مدد کی، رہنمائی فرمائی اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اس قابل ہوئے کہ بقیہ ابواب کی فہرست و ترتیب جلد سوم و جلد چہارم کی شکل میں تیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور اس مجموعہ کو زیادہ نافع اور مفید بنائے (آمین)۔

جلد سوم "کتاب الایمان والنذور" سے "کتاب الضحایا" اور جلد چہارم "کتاب الغصب" سے "کتاب الفرائض" تک کے ابواب پر مشتمل ہے۔ جس کی اجمالی اور تفصیلی فہرستیں شامل اشاعت ہیں۔ جلد سوم و چہارم پر کام کے دوران عبارات کی تصحیح، تخریجات کی متون کے ساتھ مطابقت کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ جہاں جہاں عربی عبارات کی تصحیح کیلئے اصل کتاب کی مراجعت کی ضرورت پڑی تو مراجعت کے بعد مروجہ نسخہ کا حوالہ بقید صفحات، جلد نمبر حاشیہ میں لگا دیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی تصحیح کی طرح سوال و جواب کی اردو عبارات کی بھی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم کتابت کی غلطیاں رہ جانے کا امکان پھر بھی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا استفادہ کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غیر معمولی غلطی طباعت کی یا کتابت کی پائیں تو اس کی اطلاع فرمادیں تاکہ آئندہ طباعت میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔

آخر میں اپنے تمام مشفق اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر عافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے جنہوں نے اپنی انتھک محنت سے ہمیں اس قابل بنایا کہ دین کی ادنیٰ خدمت کی توفیق نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اخلاص و للہیت کے ساتھ دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق نصیب فرمائے اور شہرت طلبی اور جاہ پسندی سے کوسوں دور رکھے (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بندہ محمد افتخار بیگ عفا اللہ عنہ

رفیق دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ ۱۴

فہرست امداد الاحکام جلد سوم

صفحہ

کتاب الأیمان والنذور

كتاب اللقطة و اللقيط

كتاب الوقف

احکام المساجد و المدارس

كتاب الشركة و المضاربة

کتاب البیوع (المتفرقات)

صفحہ	عنوان

فصل فی خیار الرؤیة و خیار الشرط و خیار العیب

عنوان	صفحہ

فصل فی بیع الوفاء

باب الحقوق

مسائل جدیدہ متعلقہ بیوع

کتاب الربوا و القمار

مسائل جدیدہ متعلقہ ربوا و قمار

باب القرض و الدین

مضامین — صفحہ

کتاب الرّہن

کتاب الاجارہ

صفحہ	عنوان

كتاب الوديعة و العارية

كتاب الغصب

كتاب الضمان

کتاب الایمان والنذور

نذر میں قواعد قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہے جبکہ نذر کسی خاص جانور کی نہ ہو

سوال :- اگر کسی نے نذر کی کہ اگر میرا بیٹا یا بیٹی فلاں بیماری سے اچھی ہو جائے تو ایک بکری یا گائے بنذر کسی فقیر کو دونگا تو کیسی بکری و گائے دینا ہوگا ؟ آیا دو برس کی گائے یا ایک برس کی بکری جو قربانی میں شرط ہے وہ دینا چاہئے یا جس سن کی ہو جیسے سے نذر ادا ہو جاویگی ؟

الجواب

اگر نذر میں کوئی خاص جانور معین نہیں کیا تو قواعد قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہوگا یعنی بکری ایک سال کی اور گائے وغیرہ دو سال کی لانہ هو المعهود فی الشرع واللہ اعلم و یمکن الاستئناس له بما فی الهدایة قال: مالی فی المساکین صدقة فهو علی ما فیه الزکوٰۃ - استحساناً ووجه الاستحسان ان ایجاب العبد یعتبر بایجاب اللہ تعالیٰ فینصرف ایجابه الی ما اوجب الشارع فیه الصدقة من المال (ھدایہ ص ۱۳۳ - ج ۳)

واللہ اعلم

۱۵ محرم ۴۵ھ

(تنقید) اس میں نقل کی ضرورت ہے کیونکہ احتمال یہ بھی ہے کہ شاید قیمت کے اعتبار سے وسط واجب ہو اور ان دونوں مفہوموں میں عموم وخصوص من وجہ ہے۔

اشرف

اقول وباللہ التوفیق - ما قاله الشیخ دام مجده وعلاه من احتمال ایجاب الوسط من حیث القیمة وان کان محتملاً ولکن یختلج فی صدری التفرقة بین العبادات والمعاملات فی ذالك فالمبهم فی باب العبادات ینبغی ارجاعه الی ایجاب الشارع وفی باب المعاملات الی المتعارف ثم وجدت نظیره فی الهدایة فی باب الهبة من نذر ان یتصدق بماله یتصدق بجنس ما یجب فیه الزکوٰۃ (ص ۲۷۷ ج ۳)

وفیه ایضاً فی باب القضاء: من قال: مالی فی المساکین صدقة فهو علی

ما فيه الزكوٰة وان اوصٰى بثلث ماله فهو على ثلث كل شيئ والقياس ان لا فرق بين يلزمه التصدق بالكل وبه قال زفرؒ: لعموم اسم المال كما في الوصية ووجه الاستحسان ان ايجاب العبد يعتبر بايجاب الله تعالٰى فينصرف ايجابه الى ما اوجب الشرع فيه الصدقة من المال اھ (ص ۲۳۰ ج ۳)

قال المحشي تحت قوله الكفاية (ص ۲۳۰ ج ۳): اي يجب عليه صدقة جميع ما يملك من اجناس الاموال التي يجب فيها الزكوٰة كالنقدين ومال السوائم واموال التجارة بقليلها وكثيرها ولا يفرق بين قدر النصاب وما دونه لان ذلك ينعقد به الزكوٰة اذا انضم اليه غيره فكانهم اعتبروا الجنس دون القدر ولا يجب عليه التصدق بما لا يكون من جنس ما يجب فيه الزكوٰة كالعقار والرقيق واثاث المنزل وثياب البذلة وغير ذالك اھ فهذا يفيد بان المعتبر في باب النذر التصدق ثم يرجع فيه الى ايجاب الشرع فاذا نذر بتصدق حيوان غير معين ينبغي ان ارجاعه الى ما اوجب الشرع تصدقه من الحيوان.

وقال في البحر (ص ۲۹۶ ج ۳): ولو قال لله علي ان اذبح جزورا واتصدق بلحمه فذبح سبع شياه جاز اھ دل على ان الجزور في كلامه يحمل على ما هو المعتبر في الاضحية فان سبع شياه انما يكون قائمة مقامه لا ما دونه مع ان التصدق باللحم يجزيه من كل جزور من سبع شياه كما لا يخفٰى اذ قل ومع ذالك حملوا الجزور على ما يكون سبع شياه بدلا عنه سواء كان نذر بالذبح او بالتصدق من اللحم[1]

واللہ اعلم

۱۸ / محرم [illegible]

جب تک حج ادا نہ کر دوں بیٹے کی شادی نہیں کروں گی، پھر حج ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں نکاح کا کیا کرے؟

سوال:- ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالٰی مجھ کو اولاد بخشے تو میں جب تک حج ادا نہ کروں اسکی شادی نہ کروں گی خدا کے فضل سے اسکا لڑکا پیدا ہوا اب وہ لڑکا شادی کے لائق بھی ہو گیا مگر وہ عورت حج ادا کرنے سے عاجز ہے تو کیا کرے امید آں ذات والا درجت سے یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ کی تصریحات سے سرفراز فرمائیں فقط

احقر محمد عبد الجلیل عفا اللہ عنہ

[1] کذا فی الدر المختار مع الشامیۃ ج ۳ ص ۴۰

الجواب

جب وہ لڑکا بالغ ہے تو وہ خود اپنا نکاح کرلے یا کوئی دوسرا بزرگ سرپرست اس کا نکاح کردے بہ صورت اس کے نکاح کا بندوبست وانتظام نہ کرے اور یہ حکم جب ہے کہ مسماۃ مذکورہ نے یہ کلام قسم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا نام لیکر کہا ہو کہ واللہ جب تک حج ادا نہ کروں اس کی شادی نہ کروں گی اور اگر قسم کا لفظ خدا تعالیٰ کا نام لیکر نہیں کہا تھا صرف نذر یا منت کا لفظ کہا ہو تو یہ نذر منعقد نہیں کیونکہ نذر کے لئے قربت مقصودہ ہونا ضروری ہے اور اولاد کا نکاح کرنا قربت مقصودہ نہیں اور یہاں نذر فقط فعل حج پر نہیں ہے بلکہ بغیر حج کے بیٹے کی شادی نہ کرنے پر ہے اور بیٹے کی شادی کرنا قربت مقصودہ نہیں ہے[1]

واللہ اعلم
۵ر شوال ۱۳۴۲ھ

مسجد کے لئے نذر کا حکم | سوال:- ایک مسئلہ میں چند آدمیوں کے درمیان تنازع ہو کر حضور کو ثالث مانا لہٰذا جواب کو مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں اور مہربانی فرما کر حوالہ کتب بھی تحریر فرمائیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ:-

ایک شخص نے اپنے مرض میں اس طرح منت مانی کہ اگر خدا تعالیٰ شفا دے تو فلاں مسجد میں مبلغ سٹھ روپیہ بھیجدوں گا اور بعد اس کے وہ شخص شفا پایا اب یہ منت ہوئی یا نہیں؟ اور ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ اور اس روپیہ کو مسجد کی بنا میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

مہربانی فرما کر جواب عطا فرمائیں - والسلام

العارض محمد نور الہدیٰ ملک جنگلا ضلع نواکھالی

الجواب

مسجد میں روپیہ دینے سے اگر مسجد کی تملیک بطور ہبہ کے مراد ہے تو یہ نذر صحیح نہیں. گو احوط ایفاء نذر ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ ان روپیوں کی کوئی چیز خرید کر مسجد کے لئے وقف کی جائے جیسے لوٹا اور بوریا وغیرہ تو اس صورت میں نذر صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا بعد وجود شرط کے واجب ہے۔

قال ابن العابدين فی حاشية البحر عن البدائع : ومن شرطه ای

[1] الدر المختار ج ۳ ص ۔

النذر ان یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بعیادة المریض وتشییع الجنازة والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغیر ذلک وان کانت قربة لانها غیر مقصودة اھ فھذا صریح فی ان الشرط کون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما کان من جنسه ویدل علیه انھم صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وھو وقف مسجد للمسلمین وقد علمت ان بناء المسجد غیر مقصودة اھ (ص ۲۹۰ ج ۳)

قلت: وکذا الھبة للمسجد وان کانت قربة فھی غیر مقصودة، ووقف مصالحه علیه من القربة المقصودة ومن جنسها واجب وھو وقف مسجد کما مر۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ر جمادی الاولیٰ سنہ ۴۳ھ

ایصال ثواب کی نذر کرنا **سوال**: اگر کوئی شخص کسی مردے کو ایصال ثواب کی منت مانے تو یہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ یعنی اس کا ادا کرنا (شرعی قواعد کے مطابق) واجب ہوگا یا نہیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ منت مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فقراء و مساکین کو کھانا یا شیرینی وغیرہ کھلا کر یا اور طرح سے صدقہ دے کر فلاں بزرگ یا عام مومن کی روح کو ایصال ثواب کروں گا تو اس مقصد کے پورا ہونے کے بعد آیا نہیں انہی ارواح مخصوصہ کو ایصال ثواب نذر معینہ کی طرح اس شخص کے ذمہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اور ایصال ثواب خاص اسی صورت سے واجب ہوگا جو بوقت نذر اس نے اپنے ذہن میں قرار دی تھی یا بربنائے مصلحت وقت صدقہ کی صورت بدل دینے کا اختیار بھی ہوگا؟

عبدالرافع متعلم بی کوم بچھراؤں ضلع
مرادآباد (بی اے تجارت) لکھنؤ یونیورسٹی

الجواب

ایصال ثواب کی نذر منعقد نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ما لیس من جنسه واجب لا ینعقد النذر به، اور گو تصدق کی جنس سے واجب ہے مگر یہاں اصل مقصود ایصال ثواب بروح میت ہے تصدق کی نذر تبعاً ہے اور نذر صحیح

میں بھی بعد صحت نذر کی تعیین مکان و زمان و تعیین فقیر لازم نہیں بلکہ اس میں تغییر کا اختیار رہتا ہے

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

نذر اور دیگر کا طعام خلط کرنا

سوال:- (۱) میں نے کہا تھا کہ تنخواہ میں سے کچھ بھوکوں کو اور کچھ لڑکیوں کو دوں گا تنخواہ مقرر ہو گئی اب جس قدر بھوکوں کے واسطے تنخواہ میں سے نکالنا چاہتا ہے اس میں یہ خیال ہے کہ اندازہ سے بھوکوں کا حصہ نکال دیں اور کچھ دوستوں وغیرہ کو دعوت دیدیں لیکن کھانا ایک جگہ پکوالیا جائے یہ مناسب ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر جنس وغیرہ گھر کی ہوں اور اسی رقم کے مطابق یعنی جتنی جنس ان داموں میں آتی ہو اور گھر سے لے کر کھلا دے تو اس طرح ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ یا اُن ہی داموں سے خریدنے کی ضرورت ہے؟

محمد ساقی خان از بستی

الجواب

(۱) اگر بھوکوں کو کھلانے کی منت نہیں مانی تھی بلکہ بدون لفظ نذر اور منت کے یوں ہی ارادہ کیا تھا تب تو بھوکوں اور دوستوں کے لئے ملا کر کھانا پکانے میں کچھ بھی حرج نہیں اور اگر نذر و منت کا لفظ کہا تھا جب بھی خلط کر کے پکانے میں تو حرج نہیں لیکن پکانے کے بعد اتنی مقدار الگ کر دی جائے جو بھوکوں کے واسطے نذر کی گئی تھی پھر ما بقی کو دوستوں کی دعوت میں خرچ کر دیا جائے دونوں کو مخلوط رکھ کر ملا جلا تقسیم نہ کیا جائے ورنہ ادائے نذر میں شبہ رہے گا۔

(۲) رقم کی جگہ جنس دینا یا کھانا پکا کر دینا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ہر فقیر کو کھانے یا جنس کا مالک بنا دیا جائے بطور دعوت کے نہ کھلایا جائے۔

قال فی الہدیۃ: نذر ان یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ اجازان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ اھ (ص ۲۰۸ ج ۳)

قلت: والمدار علی المساوات و قد جوزوا دفع الزکاۃ بالعین والنقد سواء فکذا ھذا۔

لیکن جب نذر نقد کی ہو تو نقد ہی دینا افضل ہے۔

واللہ اعلم

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

نذر میں نقد کے بجائے جنس دینا جائز ہے

سوال :۔ جس قدر بھوکوں کو کھلانا ہے اور جتنے دوست وغیرہ شامل کرنے ہیں دونوں کا اندازہ سے ملاکر یکجائی کھانا پکاکر بعض جنس بھوکوں کے نام کی ہے اور جتنی دوست وغیرہ کے نام کی دونوں کو ایک جگہ پکاکر اور یہ خیال کرکے کہ اس جنس بعض کھانے کو اس قدر آدمی کھا دیں گے اور دوسرے کھانے کو اسقدر کھلائیں تو درست ہے یا نہیں؟ جیسا اس سے اگلے سوال میں بیان کیا گیا ہے۔ یا بھوکوں کا علیحدہ اور دوست وغیرہ کا علیحدہ کھانا پکایا جائے گا؟

محمد ساقی خان از بستی

الجواب

اس کا جواب پہلے سوال کے جواب سے معلوم ہو چکا۔

واللہ اعلم

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ یوم الجمعہ

اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں" کے الفاظ سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔

سوال :۔ ایک عورت نے یہ کہا کہ اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں۔ بعد اچھی ہو جانے کے اس نے لڑکوں کو بانٹ دی اس صورت میں نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ اور نذر ماننے سے غریبوں کا حق ہوتا ہے اور لڑکے امیر کے اکثر ہوتے ہیں۔ غریب کا لڑکا ایک یا دو ہوں گے تو پھر سے بانٹنا ہوگا یا نہیں؟

تنقیح

کیا اس کی نیت میں خاص غریب لڑکے تھے یا عام تھے؟

جواب تنقیح

متعلق مسئلہ نذر اس عورت نے نیت عام لڑکوں کی کی تھی۔

الجواب

الفاظ مذکورہ فی السوال سے نذر منعقد نہیں ہوتی اس لئے اول تقسیم ہی ضروری نہیں تھی

پس اعادہ کیا ؟

کما فی العالمگیریۃ - (ص ۳۳ ج ۳) رجل قال : ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرأ لایلزمه شیٔ الا ان یقول : ان برأت فلله علی ان اذبح شاة -

اور اگر الفاظ مسطورہ کے ساتھ خدا کے واسطے بھی کہا تھا تب بھی اعادہ کی حاجت نہیں کیونکہ اغنیاء پر تصدق کی نذر صحیح نہیں ہوتی اور فقراء کے متعلق صحیح ہوتی ہو تو پوری ہو چکی۔

وفی القنیۃ : نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینو ابناء السبیل (ص ۱۰۵ در مختار مع الشامی)

ولو نوی ان النذر بالتصدق علی الفقیر والغنی جمیعا یصح ، مرلا ؟ و الظاهر انه لا یصح لان من شرطه ان یکون من جنسه واجب والتصدق علی الفقیر والغنی جمیعا لیس کذالک .

الاجوبۃ صحیحۃ
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

واللہ اعلم
کتبہ الاحقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

قرآن مجید پر حلف اٹھانا | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان کسی معاملہ میں قرآن مجید کی قسم اٹھائے تو کیا اس پر از روئے احکام شرعیہ کفارۂ قسم لازم ہے یا نہ ؟

الجواب

قرآن شریف کی قسم کھا کر اگر خلاف کرے تو کفارہ لازم ہے۔

کما فی العالمگیریۃ (ص ۵۳ ج ۲) : وقال محمد بن مقاتل الرازی : لوحلف بالقرآن یکون یمینا وبه اخذ جمهور مشائخنا کذا فی المضمرات -

وفی الدر المختار : قال الکمال : ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا (شامی ص ۸۰ ج ۳) -

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ - ج ۲ - ۱۳۶۲ھ

عبدالکریم عفی عنہ
۱۸ - ج ۲ - ۱۳۶۲ھ

ولکن ینبغی ان یفرق بین قوله حلفت بالقرآن او بکلام الله وبین حلفه بوضع المصحف علی یده وقوله احلف بهذا المصحف فان الاول کونه بعزة الله وجلاله والثانی لیس کذالک فان المصحف لیس من صفات الله تعالی۔

واللہ اعلم

ایک شخص نے ان الفاظ سے نذر مانی کہ "فلاں کام ہو جائے تو چار مسکینوں کو کھلادوں" تو چار مساکین کے بجائے ایک مسکین کو چار وقت کھلا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال:- ایک شخص نے بطور نذر یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو چار آدمیوں کو ایک وقت کھانا کھلاؤں لیکن اس کی بابت خاص طور سے یہ نہیں سوچا کہ چار آدمیوں کو ایک وقت یا ایک آدمی کو چار وقت کھلانے سے نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں۔ فقط

فرید الدین از لکھنؤ ۱۷ مارچ سنہ ۲۶ھ

الجواب

فی الشامی (ص ۱۰۸ ج ۳): قلت: وکما لا یتعین الفقیر لا یتعین عدده ففی الخانیة: ان تزوجت بنتی فالف درهم من مالی صدقة لکل مسکین درهم فزوج ودفع الالف الی مسکین جملة جاز اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں اختیار ہیں خواہ چار مساکین کو ایک وقت کھلائے یا چار وقت ایک مسکین کو کھلادے۔ فقط

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

عبدالکریم عفی عنہ
۸ رمضان سنہ ۴۴ھ

تحریم الحلال یمین ہے

سوال:- بندہ اور زید دونوں صبح کو سفر کے واسطے تیار تھے کہ سفر کے واسطے روٹی کا ذکر آیا بندہ نے غصہ سے زید کو کہا کہ تو بہت خرچ کرائے گا اس واسطے روٹی پکانی پڑی اس بات سے زید نے قسم کھائی کہ میں تمہاری روٹی سفر میں نہ کھاؤں گا۔ صبح کو بندہ نے روٹی پکائی زید نے کہا کہ زیادہ نہ پکاؤ مجھ کو تو راستہ میں تمہاری روٹی نہیں کھانی ہے اور روٹی لیکر اس وقت مکان پر کھانے کا ارادہ کیا بندہ نے غصہ ہو کر کہا کہ حرام کھاوے جو ہماری روٹی کھاوے اس پر زید نے غصہ میں آکر روٹی پھینک دی اور کہہ دیا کہ میرے پر تمام عمر کو حرام ہے مراد روٹی سے تھی۔ جواب میں بندہ نے کہا کہ میرے پر تیری ساری چیزیں حرام ہیں مراد قسم کی

چیزیں مثلاً خورد و نوش پوشاک وغیرہ تھی ہفتہ کے بعد دونوں نے باہم ایک دوسرے کی چیز کھا پی لی، آیا کیا اس کی بابت کفارہ ہے؟

ان دونوں مذکورالصدر کا باہم نکاح کا ارادہ ہے بوقت قسم دونوں جانتے تھے کہ ہمیں نکاح کرنا ہے اور خیال تھا مگر غصہ میں قسم کھالی گئی اب اگر فریقین کا نکاح ہو جائے تو کیا اس قسم کا اثر باقی رہے گا اور جب قسم ٹوٹ چکی ہے تو اب جو کفارہ واجب الادا ہوگا وہ دیکر پھر بعد نکاح تو کوئی کفارہ نہ دینا پڑے گا یا کیا کرنا چاہئے۔ الحاصل

① آیا قسم شرعاً درست ہوئی؟ اگر درست ہوئی تو کیا کفارہ ہوگا؟
② خلاف ورزی کے وقت اول نیت کفارہ ادا کرنے کی کر کے قسم توڑی گئی۔
③ بعد نکاح فریقین کیا قسم کا اثر باقی رہے گا اور کیا کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب

"تحریم الحلال یمین" قاعدہ فقہیہ ہے اس بنا پر زید و ہندہ دونوں کو قسم کا کفارہ دینا چاہیے جو دس مسکینوں کا کفارہ ہے یا تو دس مسکینوں کو صبح و شام پکا ہوا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دیا جائے یا ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں (جو پونے دو سیر ہندوستانی وزن سے جو اسی روپیہ کے سیر سے ہے) دیدیا جائے یا ہر مسکین کو نصف صاع کی قیمت دیدی جائے اگر اسکی وسعت نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھ دئے جائیں اور چونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید و ہندہ میں اس وقت تک تعلق نکاح کا نہ تھا آئندہ نکاح کا ارادہ تھا لہٰذا اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی لعدم صحۃ الطلاق ان جز بدون النکاح نیز زید نے لفظ "میرے پر تمام عمر کو حرام ہے" سے ہندہ کی روٹی کا حرام کرنا مراد لیا تھا فلم تکن نیۃ الطلاق بوجود النکاح ایضاً اور اس قسم کا اثر بعد نکاح کے کچھ نہ رہے گا بس ایک دفعہ کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے خواہ قبل نکاح دیدیا جائے یا بعد نکاح۔

واللہ اعلم

۳۰ شعبان ۱۳۴۵ھ

سوال:- ① ایک شخص نے یہ نیت کی کہ اس بکری کو خدا کے واسطے دیدوں گا یا اس کی قیمت کا کھانا کھلادوں گا اور زبان سے بھی الفاظ مذکور کہے ——— اب سوال

یہ نیت کی کہ اس بکری کو اللہ کے واسطے دوں گا تو اس کو خود رکھ کر قیمت دینا کیسا ہے؟

یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس بکری کو خود رکھ لے اور اس کی قیمت کا کھانا کھلادے یہ جائز ہے یا نہیں؟

② اور چند روز ہوگئے اس نے اس بکری کو فروخت کرنا چاہا تو جو ابتدائی قیمت خریداروں نے کہی اسی قیمت پر اس نے خود رکھ لیا کہ میں خود اتنی رقم نقد دوں گا لیکن کچھ دن گذر گئے اور اس نے اب تک کھانا نہیں کھلایا اب اس کی قیمت (یعنی بکری کی) زیادہ ہوگئی ہے تو اب وہ شخص پیشتر طے کردہ قیمت دیوے یا حال کی قیمت دینا پڑے گی۔

③ اور وہ شخص اس بکری کو عقیقہ میں ذبح کرسکتا ہے یا نہیں؟

سائل رونق علی چٹھی رسان تھانہ بھون

۱۸ رمضان [illegible]

الجواب

① ہاں جائز ہے۔

قال في الدر: نذر التصدق بهذه المائة يوم كذا على زيد فتصدق بمائة أخرى جاز اهـ.

وفيه أيضا: نذر التصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق من غيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه اهـ.

قال الشامي: وإنما لم يختص النذر بزمان ونحوه خلافا لزفر لأن الذي لزمه ما التزمه باعتبار ما هو قربة لا باعتبارات أخر لا دخل لها في صيرورته قربة اهـ (ص ۱۰۸ ج ۳).

قلت: والسائل لم ينذر ذبح هذه الشاة وإنما نذر التصدق بها نفسها فلا يتقيد النذر بالذبح ولا بهذه الشاة بل يجوز بثمنه أيضا لأن التصدق بها وبثمنها سواء فلا دخل لتعيين الشاة في القربة ولا يقاس ذلك على شراء الشاة للأضحية فإنها تتعين لها بشروط أحدها: الفقر فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها لا تتعين والثاني الشراء للأضحية فلو اشتراها ولم ينو الأضحية لا تتعين والثالث: كون المشتري فقيرا فلو كان غنيا لا تتعين إلا بعد مضي أيام النحر وأما قبلها فلا وفي الصورة المسئولة لم توجد نية الأضحية ولا نية الذبح ولا وجه للتعين

في مثل هذه الصورة والله اعلم لا نسيًا وقد ... والنذر في كلامه يعني تصدقها وتصدق قيمتها۔

(۲) یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا پس جس دن نذر کو پورا کرنا چاہے اس دن یا تو اس بکری کو خیرات کردے یا اس کی قیمت جو اس دن ہو وہ خیرات کردے اور ایک قول پر ممکن ہے کہ یوم الوجوب یعنی یوم النذر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، والمسئلة قياس على مسئلة الغاصب اذا هلك المغصوب هل يضمن قيمته يوم الغصب او يوم الهلاك او يوم الاداء، اور اقرب یہ ہے کہ انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے یوم الاداء و یوم الوجوب میں سے جس دن کی قیمت فقراء کے لئے انفع ہو وہ ادا کی جائے، ولم اره صریحًا اور بہتر یہ ہے کہ نذر کو صورت نذر ہی پر ادا کر دیا جائے خروجًا من الخلاف فان تادی الكفارات والنذور والصدقات بالقيمة مختلف فيه بين الائمة۔ والله اعلم۔

(۳) سائل کے الفاظ نذر یہ ہیں کہ "اس بکری کو خدا کے واسطے دے دوں گا" یا "اس کی قیمت کا کھانا کھلا دوں گا" پس اگر عقیقہ میں ذبح کر کے فقراء کو اس کا کھانا پکا کر کھلا دیا جائے اور وہ پکا ہوا کھانا لاگت میں اس بکری کی قیمت حیات کے برابر ہو جائے تو نذر اور عقیقہ دونوں ادا ہو جائیں گے۔ اما العقيقة فباراقة الدم فهي حقيقتها واما النذر فبتصدق القيمة

واللہ اعلم

۱۹ رمضان [illegible]

تفصیل الکلام فی الحلف بکلام اللہ ملک العلام، یعنی قرآن کی قسم کا حکم اور اس کی تفصیل۔

سوال:- گزارش خدمت میں یہ ہے کہ مسئلہ مندرجہ ذیل میں ہمارے ملک میں بہت زور و شور سے بحث ہو رہی ہے۔ بدیں وجہ قوی امید ہے کہ کرم فرما کر جواب مدلل مع حوالہ کتب معتبرہ دیگر عند اللہ ماجور ہوں۔

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں گو کلام اللہ ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی شخص کلام اللہ کی قسم کھائے تو بھی معتبر اور جائز نہیں، کھانے کے بعد حانث نہیں ہوگا۔

(۲) عمر کہتا ہے کہ میں نے مانا کہ غیر اللہ کی قسم نہیں کھا سکتا ہے لیکن فی زمانا اگر کوئی شخص کلام اللہ کی قسم کھائے بعدہ توڑ دے ضرور حانث ہوگا کھانا جائز ہے یعنی معتبر ہے کیونکہ کلام اللہ صفات اللہ میں شامل ہے۔ بینوا توجروا۔

خادم محمد صدیق رنگونی [illegible] متعلم دار العلوم دیوبند

الجواب

قرآن کی قسم کھا کر کوئی بات کہی تو قسم ہو گئی (یعنی شرعاً یہ قسم منعقد ہے اگر توڑ دے گا تو کفارہ لازم آئے گا) ہاں اگر کلام مجید کو ہاتھ میں لیکر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی لیکن قسم کے الفاظ استعمال نہیں کئے تو قسم نہ ہو گی (ص ۵۲ ج ۳ درمختار و شامی) وکذا فی بہشتی زیور (ص ۱۰ ج ۳) والمسئلة معروفة۔ البتہ قرآن کی قسم کھانا بوجہ ایہام حلف بغیر اللہ کے جائز نہیں مگر اس سے عوام کو سند ملتی ہے اور وہ صفت و غیر صفت کا فرق نہیں جانتے۔ واللہ اعلم

۹ صفر ۴۳ھ از تھانہ بھون

تفصیل الکلام
فی
الحلف بکلام اللہ الملک العلام

قال فی الدر: او بصفة یحلف بها عرفاً من صفات اللہ تعالیٰ صفة ذات لا یوصف بضدها، وقید بکون الحلف بها متعارفاً سواء کانت صفة ذات او فعل وهو قول مشائخ ما وراء النهر، ولمشائخ العراق تفصیل آخر وهو ان الحلف بصفات الذات یمین لا بصفات الفعل وظاهره انه لا اعتبار عندهم للعرف وعدمه فتح ملخصاً ومثله فی الشرنبلالیة عن البرهان بزیادة التصریح بان الاول هو الاصح ۔ وقال الزیلعی: والصحیح الاول، شامی. کعزة اللہ وجلاله وکبریائه وملکوته وجبروته وعظمته وقدرته او صفة فعل یوصف بها وبضدها کالغضب والرضاء فان الایمان مبنیة علی العرف فما تعورف الحلف به فیمین وما لا فلا لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبة ۔ قال الکمال: ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمیناً واما الحلف بکلام اللہ فیدور مع العرف (قوله قال الکمال الخ) مبنی علی ان القرآن بمعنی کلام اللہ تعالیٰ فیکون من صفاته کما یفیده کلام الهدایة حیث قال: ومن حلف بغیر اللہ تعالیٰ لم یکن

حالفاً كالنبي و الكعبة لقوله عليه السلام من كان منكم حالفاً فليحلف بالله او ليذر وكذا اذا حلف بالقرآن لانه غير متعارف اهـ فقوله وكذا يفيد انه ليس من قسم الحلف بغير الله تعالى بل هو من قسم الصفات ولذا علله بانه غير متعارف ولو كان من القسم الاول كما هو المتبادر من كلام المصنف (صاحب التنوير) و القدوري لكانت العلة فيه النهي المذكور لان التعارف انما يعتبر في الصفات المشتركة لا في غيرها۔

وقال في الفتح: وتعليل عدم كونه يميناً بانه غيره تعالى لانه مخلوق لانه حروف وغير المخلوق هو الكلام النفسي منع بان القرآن كلام الله منزل غير مخلوق ولا يخفى ان المنزل في الحقيقة ليس الا الحروف المنقضية المنعدمة وما ثبت قدمه استحال عدمه غير انهم اوجبوا ذلك لان العوام اذا قيل لهم ان القرآن مخلوق تعدوا الى الكلام مطلقاً اهـ۔ و قوله ولا يخفى الخ رد للمنع وحاصله ان غير المخلوق هو القرآن بمعنى كلام الله الصفة النفسية القائمة به تعالى لا بمعنى الحروف المنزلة غير انه لا يقال القرآن مخلوق لئلا يتوهم ارادة المعنى الاول۔

قلت: فحيث لم يجز ان يطلق عليه انه مخلوق ينبغي ان لا يجوز ان يطلق عليه انه غيره تعالى بمعنى انه ليس صفة له لان الصفات ليست عيناً ولا غيراً كما قرر في محله ولذا قالوا من قال بخلق القرآن فهو كافر ونقل في الهندية عن المضمرات و قد قيل هذا في زمانهم اما في زماننا فيمين وبه نأخذ ونعتقد وقال محمد بن مقاتل الرازي: انه يمين وبه اخذ جمهور مشائخنا اهـ فهذا مؤيد لكونه صفة تعورف الحلف بها كعزة الله وجلاله قوله فيدور مع العرف الخ لان الكلام صفة مشتركة (شامي) ــــــــ قلت: ولكن كلام الله في عرفنا مرادف للقرآن فيكون يميناً۔

قال في الدر: و قال العيني وعندي ان المصحف يمين لا سيما في زماننا (عبارته وعندي انه لو حلف بالمصحف او وضع يده عليه و قال وحق هذا فهو يمين) واقره في النهر و فيه نظر ظاهر اذا المصحف ليس صفة لله تعالى حتى يعتبر فيه العرف والا لكان الحلف بالنبي والكعبة يميناً لانه متعارف نعم لو قال اقسم بما في

المصحف من كلام الله تعالى ينبغي ان يكون يمينا اهـ (ص ۵۵ ج ۳)

قلت: وفي عرفنا القرآن والمصحف وكلام الله كله بمعنى واحد قال في الدر

وعند الثلاثة المصحف والقرآن وكلام الله يمين اھ (صفحہ مذکورہ)

فينبغي ان يكون الحلف بالثلاثة يمينا في عرفنا لكون القرآن من صفات الله والمصحف

وكلام الله بمعناه ولا يراد بهما الا القرآن فقط نعم لو وضع المصحف على يده وقال

احلف به لا يكون يمينا لكون المراد به الجلد والنقوش ونحوهما لكن قال الشيخ عبد

الحلف بوضع اليد على المصحف ابلغ عند العوام من الحلف بالقرآن وبكلام الله وشبه

وليس ذلك لكون الجلد والنقوش اعلى عندهم من القرآن بل لانهم يريدون

بالحلف بوضع اليد عليه الحلف بالقرآن ويضمون اليد عليه استحضارا لعظمة بعد

ما يتضمنه وعلى هذا فينبغي ان يكون الحلف بوضع اليد يمينا كما هو قول الثلاثة نعم

وضع اليد بدون صيغة الحلف لا يكون يمينا اھ۔

قلت: ولعل الحق لا يتجاوز عنه واما القرآن وكلام الله وان كان المراد به

عند العوام الكلام اللفظي ولكنه لا يجوز عليه اطلاق انه مخلوق او غيره تعالى كما

مر فيلتحق بالكلام النفسي في كونه يمينا لا سيما في عرف الحلف به هذا۔

والله اعلم وعلمه اتم واحكم

۱۰ رمضان ۸۶ھ

الفاظِ قسم کے بغیر محض قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں!!

سوال: اگر کسے قرآن شریف بر سر نہادہ خبرے گفتہ و لفظ قسم بقرآن شریف یا بخدا نگوید ایں را قسم گفتہ شود شرعاً یا نہ؟

الجواب

محض قرآن سر پر رکھنا جب تک لفظ قسم زبان سے نہ کہے قسم نہیں۔

واللہ اعلم

۸ شعبان ۸۸ھ

نذر کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال: میاں بیوی نے اولاد کی خاطر بارگاہ تبارک و تعالے میں یہ منت مانی تھی کہ اگر ان کی اولاد ہوئی تو وہ بعد فراغت نفاس اکیس اکیس بار روزہ

یٰسین شریف ورد کریں گے اور دس دس روزے رکھیں گے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی تھی کہ صرف شب
پنجشنبہ میں یکجائی کی جائے گی اگر اس کے خلاف ہوا تو ہر سہو کے معاوضہ میں تین تین روزے مزید رکھے
جائیں گے چنانچہ ان سے تین مرتبہ سہو ہوا اور ان کے یہاں بفضلہ تعالیٰ اولاد ہوئی اور خلوص سے
جملہ انتیس روزے رکھے اور اکیس اکیس بار سورہ یٰسین شریف بھی پڑھی لیکن چونکہ بیوی کے
دودھ زیادہ نہ تھا بچہ کی پرورش کے خیال سے وہ روزے نہ رکھ سکیں اور پھر حمل ہو گیا
اس خاطر سے بھی وہ مجبور رہیں تو ایسی حالت میں وہ کفارہ ادا کرنا چاہتی ہیں تو براہ کرم احکام کفارہ
کا خلاصہ تحریر فرمایا جائے اور یہ بھی صراحت فرمائی جائے کہ ہر دو صورتوں کا کس طرح کفارہ
ادا کیا جائے۔ فقط۔

خواجہ حسن محلہ کروڑگری نامپہ
دکن ریاست حضور نظام

الجواب

سائل کا یہ قول کہ "اگر اس کے خلاف ہوا تو ہر سہو کے معاوضہ میں تین تین روزے رکھے
جائیں گے" اس میں صیغۂ نذر صراحۃً مذکور نہیں اس لئے قیاساً روزے واجب نہ ہوں گے
مگر استحساناً روزے واجب ہیں۔ لکون النذر مراداً عرفاً ولکونه متضمناً لغرض الحلال.

قال الشامی عن البزازیة: لو قال: ان سلم ولدی اصوم ما عشت فهذا وعد
ولکن فی البزازیة ایضاً: ان عوفیت صمت کذا لم یجب ما لم یقل لله علی، وفی
الاستحسان یجب، ولو قال: ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه الحج اھ (ص ۱۰۰ ج ۳)

وفیه ایضاً: وان علقه بما لم یرده کان زنیت بفلانة مثلاً فحنث وفی نذره
او کفر لیمینه اھ (ص ۱۰۵ ج ۳)

قلت: ولا یشترط فی النذر المعلق بشرط لا یرید کونه ان یکون الشرط معصیة
بل الشرط لا یرید وقوعه سواء کان معصیة او غیر معصیة۔

قال فی الفتح القدیر: ان المراد بالشرط الذی یجزئ فیه الکفارة الشرط الذی
لا یرید کونه مثل دخول الدار وکلام فلان فانه اذا لم یرد کونه یعلم انه لم یرد
کون المنذور حیث جعله مانعاً من فعل ذالك الشرط لان تعلیق النذر علی ما لا
یرید کونه بالضرورة یکون لمنع نفسه عنه اھ (ص ۳۷۹ ج ۳)

اور اگر روزے نہ رکھ سکیں یا رکھنا نہ چاہیں تو کفارہ قسم بھی کافی ہے یعنی دس مسکینوں کو ہر ایک کو نصف صاع گیہوں دیدینا ایک مسکین کو دس روز تک دو دفعہ پیٹ بھر کر کھانا کھلا دینا یا ایک دن میں دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلا دینا۔

واللہ اعلم

۱۸؍ صفر [illegible]

نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت ادا کرنے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال:- نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کرنے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں اور بہتر جانور دینا ہے یا اس کی قیمت؟

واللہ اعلم

احقر اطہر علی جامعہ طبیہ

ششم کلاس، ضلع تیرہ

الجواب

اگر نذر ذبح حیوان کی تھی تو ذبح ہی واجب ہے تصدق قیمت کافی نہیں اور اگر ذبح کی نیت نہ تھی تو تصدق قیمت بھی کافی ہے۔

واللہ اعلم

۲۳؍ رجب [illegible]

متعدد مساجد میں تراویح پڑھانے کی نذر کا حکم!

سوال:- ایک شخص نے یہ کہا کہ میں اگر اس مقام پر رہ گیا تو جتنی یہاں مسجدیں ہیں گی اُن میں حتی الوسع تراویح پڑھاؤنگا بشرطیکہ وہاں کے مصلیان سننے پر راضی ہوں تو صرف ان الفاظ سے نذر منعقد ہوگی یا نہیں یا نذر کے انعقاد کے لئے لفظ اللہ یا اس کے مثل دوسرا لفظ کہنے کی ضرورت ہے مدلل و مشرح جواب ارسال فرمائیں۔

سائل محمد ایوب اسراوی

الجواب

بیس رکعات سے زیادہ یہ شخص تراویح پڑھا ہی نہیں سکتا پس اگر اس کو نذر مان بھی لیا جائے جب بھی اس کے ذمہ سب مسجدوں میں تراویح پڑھانا لازم نہیں، کیونکہ نذر مطلقاً

تراویح تھی اور تراویح بیس رکعت سے زائد نہیں ہو سکتی اور یہ سب مسجدوں میں تراویح پڑھا ہی نہیں سکتا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ نذر کے لئے کافی نہیں ہیں کیونکہ ان میں کوئی لفظ لزوم و التزام کا نہیں ہے نہ لفظ نذر ہے نہ لفظ منت ہے نہ کوئی اور لفظ مفید لزوم ہے۔

واللہ اعلم

۱۲ رمضان [illegible]

ایضاً ایضاً ایضاً | سوال :۔ اگر کسی نے کہا کہ "میں اگر یہاں رہا تو جتنی مسجدیں خالی رہیں گی وہاں تراویح پڑھاؤں گا" صرف ان لفظوں سے نذر منعقد ہوگی یا نہیں۔ کیا انعقاد نذر کے لئے "للہ" یا اس کے مثل دیگر الفاظ کی ضرورت ہے۔ اور لفظ "تراویح" بجائے "للہ" کافی ہے یا نہیں؟ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتویٰ دیا ہے کہ "تراویح" کا لفظ بجائے "للہ" کافی ہے کیونکہ نماز خود "للہ" ہے۔

السائل :

محمد ایوب حنفی

الجواب

تراویح بیس رکعت سے زائد نہیں لہذا اگر اس کو نذر مان بھی لیا جائے جب بھی یہ شخص اس نذر کی وجہ سے بیس سے زائد تراویح دوسروں کو نہیں پڑھا سکتا کیونکہ وہ تراویح نہ ہوگی بلکہ محض نفل ہوگی اور نذر متعلق بالتراویح ہے۔

دوسرے : نذر میں تعیین مکان لغو ہے اگر کوئی نذر کرے کہ میں ہر مسجد میں دو دو رکعت پڑھوں گا اس کے ذمہ ہر مسجد میں پڑھنا لازم نہ ہوگا بلکہ ایک مسجد میں پڑھ لینا کافی ہے۔

قال الشامی: لو عین درهما او فقیرا او مکانا للتصدق او للصلاۃ فالتعیین
لیس بلازم فتح و بحر اھ (ص ۱۰۳ ج ۳)

لہذا ان لفظوں سے وہ نذر منعقد نہیں ہوئی جو مولانا عبد الحی رح کی تلخیص میں مراد ہے
مولانا کی مراد یہ ہے کہ تراویح سے الگ تراویح کے بعد یوں نذر کرے کہ میں اللہ کیلئے اپنے
اوپر اتنی رکعات نافلہ لازم کرتا ہوں پھر ان رکعات منذورہ میں دوسرے لوگ بہ نیت تراویح
اسکی اقتدا کرلیں یہ جواب تو اس صورت میں تھا کہ جبکہ ان الفاظ مذکورۂ سوال کو نذر
کیلئے کافی مان لیا جائے مگر درحقیقت یہ الفاظ نذر کے واسطے کافی نہیں کیونکہ نذر کا حقیقت
التزام قربت غیر لازم عرفا من جنسہا واجب شرعا (کشاف اصطلاحات
نقلا عن جامع الرموز والکبیر للرازی وشرح المنہاج فتاوی الشافعیہ
اور التزام کیلئے صیغہ دال بر لزوم ہونا چاہئے اور صورت مسئولہ میں کوئی صیغہ
مفید لزوم نہیں ہے۔ اور کسی کا یہ کہنا کہ "تراویح" بجائے "خود نذر" کافی ہے غلط ہے کیونکہ
اس میں لزوم کے معنی نہیں اور جو دلیل بیان کی ہے کہ نماز خود نذر ہے عجیب ہے کیونکہ
مقتضا یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کی نذر منعقد ہونے کیلئے صیغہ لزوم کی ضرورت ہی نہ ہو
بس جہاں زبان سے اتنا نکلا کہ "میں نماز پڑھونگا، روزہ رکھونگا، حج کرونگا" اسی وقت
اس کے ذمہ نذر لازم ہو جائیگی کیونکہ نماز، روزہ، حج وغیرہ نذر ہوتا ہے۔ حالانکہ فقہاء
تصریح کرتے ہیں کہ صرف اتنا کہدینا کہ "اصوم کذا" و "اصلی کذا" نذر منعقد کیلئے کافی نہیں
جب تک صیغہ لزوم کا اسکے ساتھ نہ ہو جیسے "للہ علیّ ان اصوم کذا" یا "علیّ ان اصوم
او اصلی کذا" جس سے معلوم ہوا کہ عبادت کا فی نفسہ نذر ہونا کافی نہیں بلکہ صیغہ
لزوم کا استعمال ضروری ہے اور لفظ تراویح کو کوئی عاقل مفید لزوم نہیں کہہ سکتا فقط

واللہ اعلم

۲۰ رمضان [illegible]ھ

نذر کی ایک صورت کا حکم

سوال:- ناظرہ و عبد اللہ دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں ناظرہ
ایک معمولی حیثیت کے یہاں بیاہی ہے اور عبد اللہ معمولی آدمی ہے اور اکثر بسلسلہ ملازمت باہر
رہا کرتا ہے اسطرف سی ماہ سے بعارضہ ضعف قلب بیمار تھا اب گھر آیا ہے تو ناظرہ اسکی
بہن اسکو دیکھنے آئی۔ دیکھکر اس نے منت اسطرح مانی کہ یا اللہ اگر میرا بھائی اچھا ہو جائے

تو میں دس روزے رکھونگی۔ اور عبداللہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائیگا۔ فاطمہ چونکہ نادار ہے اس وجہ سے دس روزے کی منت اپنے ذمہ مانی اور ساٹھ محتاجوں کے کھانے کی منت عبداللہ کے ذمہ مانی۔ بغیر اطلاع و اجازت عبداللہ کے پس اگر عبداللہ اچھا ہوگیا تو اطعام مسکین کی منت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوگی تو کس کے ذمہ اسکی ادائیگی واجب ہوگی۔

کمترین احمد علی۔ الہ دانی آباد ضلع بارہ بنکی۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جب عبداللہ تندرست ہوجائے تو فاطمہ کے ذمہ تو دس روزہ رکھنا لازم ہے لیکن فاطمہ کے کہنے سے عبداللہ کے ذمہ مساکین کو کھلانا واجب نہیں فقط

واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
یکم رجب [illegible]ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
یکم رجب [illegible]ھ

سوال:۔ اگر کوئی کہے کہ میرے ہاتھ کی لائی ہوئی چیز اگر کھاؤں تو اس پر جنت حرام ہے، یمین ہوگی یا نہیں؟ مجموعۃ الفتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یمین نہ ہوگی۔

"فلاں کام کردن تو جنت حرام" کہنے سے یمین نہیں ہوتی

الجواب:۔ فی العالمگیریۃ: ولو قال: حرم اللہ علیہ الجنۃ ان فعل کذا او عذبہ بالنار فشیئٌ من ھذا لا یکون یمینًا (ص ۳۳۰ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مجموعۃ الفتاویٰ کا جواب صحیح ہے اور اس صورت میں یمین نہ ہوگی۔

واللہ تعالےٰ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ صفر ۱۳۵۶ھ

وقد عزمت علی الرحیل الی رنگون بعد غدٍ وفقنی اللہ تعالیٰ للعود الی الخانقاہ باتم سرورٍ وافضل وجہ فانی واللہ انہ لاحب البقاء الیٰ بعد بیت اللہ وبیت رسولہ ولکن الحاجۃ اضطرتنی الی السفر البعید جعلہ اللہ سببًا للفوز المزید وذریعۃ لرضاء وجہہ الکریم۔

یہ میرے لڑکے کو خدا نے صحت دی تو ہم اور یہ لڑکا اور آپ تینوں حج کو چلیں گے الخ کہنے سے نذر نہیں ہوتی۔

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے کہا کہ میرا یہ لڑکا جو بی۔اے پاس ہے تو تین سال سے مجنون ہے اگر خدا نے اسے صحت دی تو ہم اور یہ لڑکا اور آپ یعنی بکر تینوں حج کو چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکے کو صحت دی، صحت کے بعد اسکی شادی بھی ہوگئی اب زید کا خیال ہے کہ یہ نذر نہیں، جو پورا کرنا واجب ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ یہ منت یعنی نذر کی صورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو صرف زید کے واسطے یا تینوں کے واسطے؟

معرفت مولانا محمد شفیع صاحب لکھنوی

الجواب:- اگر الفاظ یہی تھے جو سوال میں مذکور ہیں تو نذر منعقد نہیں ہوئی۔

قال الشامی عن الخانیة: قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا یلزمه شئ الا ان یقول فللّٰه علیّ ان اذبح شاة اه وهی عبارة متن الدرر وعللها فی شرحه بقوله لان اللزوم لا یکون الا بالنذر والدال علیه الثانی لا الاول اه فافاد ان عدم الصحة لکون الصیغة المذکورة لا تدل علی النذر ای لان قوله ذبحت شاة وعد لکن فی البزازیة: ان عوفیت صمت کذا لم یجب مالم یقل للّٰه علیّ وفی الاستحسان یجب ولو قال: ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه الحج (ص ۱۰۰ ج ۳). ای لما علم ان المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمة فان قوله انا احج لا یلزمه به شئ ولو علق وقال: ان دخلت الدار فانا احج یلزمه الحج اه

(ص ۳۰۳ ج ۲ شامی)

قلت: وهذا الاستحسان مبناه ما علم من عرف ذلک الزمان من ارادة الایجاب بمجرد التعلیق والا فالاصل عدم الایجاب بدون الصیغة الموضوعة له والتعلیق لیس للایجاب وضعًا فالظاهر عدم انعقاد النذر فی الصورة المسئول عنها لکون قوله ظاهرًا فی الوعد دون النذر لکون المعلق فعله وفعل غیره وابنه وما هکذا یکون الایجاب عرفًا وانما

الايجاب فی مثل قوله ان فعلت كذا فانا احج اذا جعل الحج مانعا من الفعل او فی مثل قوله ان عوفيت صمت كذا اذا كان الجزاء مطلوبا و لكنه فعل النائل او وصفه واما وهو فعله وفعل غيره فالظاهر عدم تعارف النذر بمثل هذا التعليق۔ والله تعالىٰ اعلم

۲۳ ر رمضان ۱۳۸۰ھ

کتاب اللقطة واللقيط

کیا تعریف کے بعد تصدق لقطہ تملیکاً ضروری ہے یا بدون تملیک بھی جائز ہے۔

سوال :- مال لقطہ کے تبدل کے بارہ میں ایک مسئلہ کی سخت ضرورت ہے از روئے مہربانی بحوالہ کتب ارشاد فرمادیں۔ ایک شخص کے پاس مال لقطہ کا بہت سا روپیہ ہے اور لقطہ کی تعریف باقاعدہ ہو چکی ہے اب وہ چاہتا ہے کہ اس روپیہ سے ایک غریب مفتی عالم کو چند کتب معتبرہ فقہی خرید کر دیدے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شرح وقایہ میں مرقوم ہے ”و يتصدق بها فقيرًا“، اب اس تصدق میں تبدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضور تصدق میں تملیک متصدق علیہ صرف رکن ہے کیا بدون تملیک نہیں پائی جاتی ہے حضور مال زکوٰۃ میں عند الفقہاء تبدل جائز ہے یعنی زکوٰۃ کے روپیہ سے اگر مسکین کو غلہ یا کپڑا خرید کر کے دیدے تو جائز ہے کیونکہ تملیک تو موجود ہے پس مال لقطہ میں یہ کیوں جائز نہ ہوگا۔ خیر اگر تبدل جائز نہ ہو تو اسطرح پر کہ ایک غریب کو دیدے۔ وہ مفتی کو دیدے یہ حیلہ کرنے سے کیا وہ ملتقط گنا ہگار ہوگا یا نہیں؟ حضور صاف طور سے لکھیں۔ اس مسئلہ میں علماء دیار حیران ہیں با تحقیق بحوالہ کتب از روئے مہربانی جلد تحریر فرمائیں۔

عرضگذار محمد عبد المجیب غفر لہ بیڈ مولوی دولت خان
بانیٔ اسکول بریسال

الجواب :- لقطہ کے بارہ میں فقہاء کے اقوال سے اتنا تو ثابت ہے کہ غنی پر اس کا تصدق واجب ہے لیکن آیا اس کو یہ مطلب ہے کہ لقطہ کا حکم وقت تصدق صدقہ

واجب کا ہے (حتی یجب فیہ التملیک کالصدقات الواجبة) یا مطلب یہ ہے کہ صرف تصدق واجب ہے اور صدقات واجبہ کے مثل نہیں ہے کما اذا اجمع مالاً من کسب حرام فیجب علیہ التصدق بہ ولا یکون کالصدقة الواجبة حتی یبرأ ذمتہ بالتصدق علی ابنہ الکبیر الفقیر۔ احقر اب تک اسکو مثل صدقات واجبہ کے لازم التملیک سمجھتا تھا اور حضرت حکیم الامت واجب التصدق سمجھتے ہیں صدقہ واجبہ نہیں سمجھتے اور اب تک کسی جزئیہ صریحہ سے یہ اختلاف مرتفع نہیں ہوا البتہ رجحان قول حضرت حکیم الامت کو معلوم ہوتا ہے وجداناً۔ بعد میں جزئیہ مل گیا کہ اس میں دونوں قول ہیں مگر مشہور تملیک فقیر ہے۔ رہا یہ کہ اس میں تبدل جائز ہے یا نہیں؟ سو بظاہر لقطہ کا حکم امانت کا حکم ہے اور امانات میں اداء عین واجب ہے اسلئے جب تک عین قائم ہو اسی کو تصدق کیا جائے اگر غلطی سے ہلاک کیا جائے تو پھر تصدق قیمت سے بھی ذمہ بری ہو جائیگا وبہ افترق عن الزکاة۔ پس یہی رقم مفتی کو دیدی جائے یا حیلہ کر کے دیدی جائے۔ واللہ اعلم

از تحادعون خانقاہ اشرفیہ

تتمة الجواب

قال: فی الدر فی مصارف بیوت المال: ما نصہ ورابعھا الضوائع مثل مالا یکون لہ اناس وارثوھا الی ان قال ورابعھا فمصرفہ جھات تساوی النفع فیھا المسلمون اھ

قال الشامی: قولہ الضوائع جمع ضائعة ای اللقطات وقولہ مثل مالا الخ ای مثل ترکة لا وارث لھا اصلاً اولھا وارث لا یرد علیہ کاحد الزوجین الخ وقولہ ورابعھا فمصرفہ جھات الخ موافق لما نقلہ ابن الضیاء فی شرح الغزنویة عن البزدوی من انہ یصرف الی اللقیط والزمنی واللقیط و عمارة القناطیر والرباطات والثغور والمساجد وما اشبہ ذالک اھ ولکنہ مخالف لما فی الھدایة والزیلعی افادہ الشرنبلالی ای فان الذی فی الھدایة وعامة الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین ھو الثالث کما مر واما الرابع فمصرفہ المشہور ھو اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لھم فیعطی منہ نفقتھم وادویتھم وکفنھم وعقل

جنایتهم کما فی الزیلعی وغیرہ۔ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء فلو ذکر الناظم الرابع مکان الثالث لم فقال، وثالثها حولہ عاجزون ورابعها مصرف فیہ لم یوافق ما فی عامۃ الکتب اھ (ص ۸۲ ج ۲)

وفی الھدایۃ: ولا یتصدق باللقطۃ علی غنی لان المامور بہ ھو التصدق لقولہ علیہ السلام فان لم یأت یعنی صاحبہا فلیتصدق بہ والصدقۃ لا تکون علی الغنی فاشبہ الصدقۃ المفروضۃ اھ (ص ۵۹۳ ج ۲) وھذا یفید تقویۃ ما اجبت بہ من اشتراط التملیک فیہ۔ واللہ اعلم

۲۳ رجب ۱۳۷۲ھ

کتاب الوقف

مالِ وقف سے ملازم کو اسکی اجرت سے زیادہ دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موقوفہ زمین پر مسجد اور مدرسہ قائم کیا اور مسجد کی خدمت کیلئے دو شخص امام اور مؤذن مالِ موقوفہ سے مقرر کئے ہیں اور مدرسہ میں چند مدرس پڑھانے کیلئے معین کئے۔ مگر جس دن صاحبان مذکور غیر حاضر رہتے ہیں اس دن کی تنخواہ متولی مالِ موقوفہ سے دے سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- جس دن مؤذن اور امام غیر حاضر ہوں اور غیر حاضری بلا عذر کے ہو اس دن کی تنخواہ کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ البتہ اگر کسی کو نائب کر دیں تو پھر اجرت کے مستحق ہونگے۔ یا غیر حاضری سال بھر میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہو تب بھی مستحق ہونگے۔ اور اگر غیر حاضری کیلئے متولی نے کوئی قاعدہ تجویز کر رکھا ہو تو اس قاعدہ کے موافق عمل ہوگا۔

قال فی الشامیۃ (ص ۴۲۱ ج ۳) وفی القنیۃ من باب الامامۃ: امام یترک الامامۃ لزیارۃ اقربائہ فی الرساتیق اسبوعا او نحوہ او لمصیبۃ او لاستراحۃ لا باس بہ ومثلہ عفو فی العادۃ والشرع اھ

وقد ذکر فی الاشباہ فی قاعدۃ العادۃ محکمۃ عبارۃ القنیۃ ھذہ وحملھا علی انہ یسامح اسبوعا فی کل شھر واعترضہ بعض محشیہ بان قولہ فی کل شھر

ليس في عبارة القنية ما يدل عليه۔

قلت: والاظهر ما في آخر شرح منية المصلي للحلبي ان الظاهر ان المراد في كل سنة اھ

قال الطرطوسي: ومقتضاه ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لا يمكنه المباشرة لا يستحق المعلوم لانه ادار الحكم في المعلوم على نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهذا هو الفقه اھ ملخصاً۔

قلت: ولا ينافي هذا ما مر من المسامحة باسبوع ونحوه لان القليل مغتفر كما سومح بالبطالة المعتادة على ما مر بيانه في محله اھ

قال الخير الرملي: وكل هذا اذا لم ينصب نائباً عنه والا فليس له اخذ وظيفة اھ۔ والله اعلم

۱۲؍ محرم سنہ ۳ھ

متولی کے مال وقف سے بخشش دینے کا حکم

سوال: کیا وقف کے مال سے متولی کسی شخص کو بخشش کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالبینة وبالدلیل توجروا بالاجر الجزیل مع حوالہ الکتب الفقهیة لکن لنا کالبدعیة۔

الجواب: متولی کو مال وقف سے بخشش دینا ان لوگوں کو جائز ہے جو اس وقف کے ملازم اور مستحق ہیں بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ یہ لوگ وقف کا کام اچھی طرح کریں گے متولی کسی اپنی غرض سے یا رعایت اور محاظت سے نہ دیتا ہو۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ بخشش اس قدر ہو جس قدر عام طور پر کام لینے والے کام کرنے والوں کو دیا کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ ہو۔

تجوز الزيادة من القاضي على معلوم الامام اذا كان لا يكفيه وكان عالماً تقياً الخ

قلت: ويؤيده ما في البحر من جواز اخذ الامام فاضل الشمع في رمضان اذا جرت به العادة الخ۔ والله اعلم

۲۱؍ محرم سنہ ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت

سوال: وقف کے متعلق تین سوالات دریافت طلب ہیں ان مسائل کا جواب بالتفصیل بحوالہ کتب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سوال اول یہ کہ علاوہ مساجد و خانقاہ و دیگر کار خیر کے اپنی اولاد کیلئے جائیداد کا وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر زید نے اپنی کل جائیداد اسطرح وقف کردی ہو کہ

(۱) اسکی کل جائیداد موقوفہ کا متولی بڑا بیٹا ہوگا اور بعد وفات بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے کا بڑا بیٹا متولی ہوگا علیٰ ھذا القیاس اور جب بڑے بیٹے کی نسل منقطع ہو جائیگی تب جائیداد کی تولیت اسکے بعد جو بڑا بیٹا ہوگا اسکے خاندان میں منتقل ہو جائیگی تو تولیت بڑے لڑکے کے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو جائیداد سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

(۲) جائیداد کی کل آمدنی متولی اپنے ذاتی تصرف میں لائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے کسی کو اس سے محاسبہ کا حق نہ ہوگا جائیداد موقوفہ کی صرف ایک ربع آمدنی مرمت مساجد و امداد فقراء کیلئے ہے۔

اس پر یہاں سے سوال کیا گیا

اور دوسری اولاد کہاں گئی اس سوال کے جواب کے بعد دوسرے سوالات کا جواب دونگا۔

اسکا یہ جواب آیا

حضور کے اس سوال کا جواب کہ اور دوسری اولاد کہاں گئی مفصلہ ذیل ہے۔

زید کو انتقال کئے ہوئے قریب ڈھائی سال ہوگئے انتقال کے وقت زید نے دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ بڑا لڑکا جائیداد کا متولی ہے دوسرا لڑکا اپنے والد کی حیات ہی سے نوکری کرتا ہے اور اب ایک سال سے اپنے سسرال میں رہتا ہے لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہو چکی کئی سال ہوگئے اسلئے وہ اپنے اپنے شوہروں کے یہاں رہتی ہیں سب سے چھوٹی لڑکی ہنوز نا کتخدا ہے اور وہ اپنے بڑے بھائی یعنی متولی صاحب کے یہاں رہتی ہے اب بڑے بھائی صاحب کی مہربانی پر موقوف ہے کہ جسطرح اس کا سامان کردیں، سوائے اس لڑکی کے بقیہ بھائی اور دو شادی شدہ بہنوں کو جائیداد موقوفہ سے نفع نہیں پہونچتا ہے اور نہ از روئے وقف نامہ انکو کوئی دعوی کرنیکا حق معلوم ہوتا ہے زید نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی

جائیداد وقف کی اور بینک میں کچھ نقد روپیہ جمع تھا۔ جس سے اپنی اوقات گذاری کرتا تھا۔ بعد مرنے
زید کے جو کچھ روپیہ بینک سے نکلا سب ورثاء نے حسب حصہ شرعی تقسیم کر لیا لیکن جائیداد جو کہ
حسب شرائط مندرجہ سوالات وقف ہے اسکے ورثاء خواہاں ہیں۔

(۴) جائیداد کی آمدنی صرف خرچ کرنیکا حق ہوگا ورنہ کسی متولی کو منقولہ محبوسہ
یا رہن یا بیع کرنیکا حق نہ ہوگا۔

سوال دوئم۔ اگر زید نے وقف مذکورہ بالا میں یہ شرط لگائی ہو کہ جب خاندان زید
میں کوئی باقی نہ رہے اور سلسلہ نسل منقطع ہو جائے تو اسکے بھائی کے خاندان میں جائیداد
منتقل ہو جائے اور جب بھائی کے خاندان میں کوئی نہ رہے تو زید کی بہن کے خاندان میں جائیداد
موقوفہ کی تولیت منتقل ہو جائے اور تولیت میں جائیداد موقوفہ کی ذکور کو اناث پر قریب کو بعید
پر بڑے کو چھوٹے پر ہمیشہ ترجیح ہوگی اور اگر خاندان زید برادر زید و ہمشیرہ زید سب میں کوئی فرد
باقی نہ رہے تو مسلمانان جائیداد موقوفہ کا انتظام کریں اور آمدنی اسکی کارخیر میں صرف
کیا کریں۔ کیا یہ شرائط درست ہیں؟

سوال سوئم۔ اگر زید نے اپنی بیوی کا دین مہر نہ ادا کیا ہو اور اپنی کل جائیداد اسطرح
وقف کردی ہو تو وقف صحیح ہے یا نہیں؟

تنبیہ۔ مندرجہ بالا ہر سوالات میں زید حنفی المذہب ہے

پھر یہاں سے یہ سوال کیا گیا۔

واقف نے ایک ربع آمدنی تو فقراء کیلئے وقف کی ہے باقی تین ربع جو وقف
علی الاولاد ہے اسمیں یہ تصریح ہے یا نہیں کہ اگر نسل بالکل منقطع ہو جائے تو
سب مساکین کیلئے وقف ہے اس کا جواب ضرور ہے اور بہتر یہ ہے کہ وقف نامہ یا اسکی نقل
یہاں بھیجدی جائے۔ اور یہ سوالات بھی واپس آئیں۔

اسکا یہ جواب آیا۔

حضور نے یہ دریافت فرمایا ہے کہ ایک ربع آمدنی تو فقراء کیلئے وقف کی ہے باقی
تین ربع جو وقف علی الاولاد ہے اسمیں یہ تصریح ہے یا نہیں؟ کہ اگر نسل بالکل منقطع
ہو جائے تو سب مساکین کیلئے وقف ہے اسکے جواب میں یہ عرض ہے کہ بیشک یہ تصریح
ہے کہ جب نسل زید برادر زید و ہمشیرہ زید میں سے کوئی نہ رہے اور نسل بالکل منقطع

ہو جائے تو کل جائیداد بلا استثناء غرباء و مساکین کے مصرف میں خرچ ہو اور اس وقت کل جائیداد مساکین کیلئے وقف ہے لیکن جب تک کہ زید مع اور زید و ہمشیرہ زید کے خاندان میں کوئی شخص بھی باقی ہے مذکور ہو یا اناث اس وقت صرف ایک ربع آمدنی غرباء و دیگر کار خیر کیلئے وقف ہے سوال دوم کے آخر میں میں نے اس سوال کا جواب پہلے ہی احتیاطاً لکھ دیا ہے سوال دوم کے زیر تحریر یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"میں وقف نامہ یا اس کی نقل ضرور روانہ کرتا، لیکن چونکہ وقف نامہ ثبوت میں داخل عدالت ہے اسلئے مجبور ہوں دو مہینہ سے قبل وقف نامہ ملنے کی امید نہیں میں نے وقف نامہ کو پانچ چھ مرتبہ بخوبی پڑھا ہے اسمیں کوئی اور خاص شرط نہیں اگر یہ جواب جو میں بھیج رہا ہوں قابل تشفی نہ ہو اور کوئی نئی شق معلوم ہو تو کل سوالات وجوابات واپس فرمائیں انشاء اللہ جب وقف نامہ واپس ہوگا مع سوالات روانہ خدمت کرونگا فقط۔"

میں فتوے بروقت تحریر نہیں پڑھتا اور انشاءاللہ مجھے اس فتوے سے فائدہ اٹھانا ہے اتباع شرع کی کوشش کررہا ہوں تاکہ حق العباد مجھ پر یا واقف مرحوم پر نہ رہے۔

الجواب

(۱) وقف علی الاولاد جائز ہے۔

قال فی الشامیۃ ناقلاً عن الخانیۃ: وقف ضیعۃ فی صحتہ علی امرأتہ ونصفہا علی ولدہ وقید علی انہ ان ماتت المرأۃ فنصیبہا علی اولادہ ثم ماتت المرأۃ فالنصف لا ینقض ونصیب المرأۃ لسائر الاولاد ولزید اھ (ص ۴۳۰ ج ۳)

صورت مسئولہ میں زید کا بڑے بیٹے کو متولی بنانا صحیح ہے مگر دوسری اولاد کو منافع جائیداد سے محروم کردینا اور ساری آمدنی میں تصرف کرنیکا حق متولی کو دیدینا یہ شرط ناجائز ہے متولی کو لازم ہے کہ تمام اولاد ذکور و اناث کو حصہ شرعی کے موافق آمدنی تقسیم کرکے دیتا رہے۔

قال فی الشامیۃ ناقلاً عن الفتح: فان شرائط الواقف معتبرۃ مالم تخالف الشرع وھو مالک فلہ ان یجعل مالہ حیث شاء مالم یکن معصیۃ اھ (ص ۵۵۵ ج ۳)

قلت: ولا یخفی ان شرط التصرف لولدہ الکبیر فی جمیع المال وجعل سائر الاولاد محرومین منہ شرط مخالف للشرع فلا یصح تامل۔ نعم لو وقف علی احد ولدیہ معیناً ولم یقف علی غیرہ صح الوقف ولم یبق فیہ حق لغیرہ وھھنا لم یقف

على الوقف الا كبير مثل شرط له الثواب وجعل له التصرف في كل ما له فهو الذي يريد في الوقف فلا يصح لكونه معصية، والله اعلم

پس جائیداد مذکورہ کا ایک ربع سب بیویوں کیلئے ہوا۔ باقی آمدنی زید کی تمام اولاد پسر اور زوجہ وغیرہ وارثان شرعی پر موافق حصہ شرعی تقسیم ہوتی جائے۔

(۲) زید نے تولیت کیلئے جو شرائط مقرر کی ہیں وہ سب معتبر ہیں مگر متولی کیلئے ساری آمدنی میں حق تصرف دینا اور بقیہ ورثاء کو محروم کر دینا یہ شرط باطل ہے۔

(۳) اگر دین مہر بیوی کا ادا نہ کیا ہو تو وقف تو صحیح ہو گیا مگر آمدنی وقف میں سے دین مہر ادا کرنا متولی کے ذمہ لازم ہے بیوی متولی سے مطالبہ کرے۔

قال في الدر عن الوهبانية: فان مات عن دين يقضى (والدين لا يبطل الوقف) اي وان لا في بيتين او للغلة به هل ويقضى فيه عن ابي السعود بان الوقف لا يصح ولا يلزمه يعتد بما شغل بالدين هـ (ص [illegible] ج ۳) ملخصا

والله اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ
ربیع الثانی [illegible]ھ

السلام علیکم۔ جواب مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب وقف سب اولاد پہ ہے تو یہ شرط لغو ہے کہ بڑا بیٹا کل آمدنی اپنی ذاتی تصرف میں لائے نا جائز ہے

اشرف علی

(نوٹ) ہم نے سوالات سے یہ سمجھا ہے کہ جائیداد وقف تو اولاد پر ہے لیکن صرف حق تولیت بڑے بیٹے کو دیا گیا ہے پس یہ جواب اسی صورت پر ہے اور اگر سب اولاد پر وقف نہیں بلکہ صرف بڑے بیٹے پر وقف ہے اور اسی طرح آئندہ نسل میں جو بڑا ہو اس پر وقف ہے تو اس صورت میں یہ جواب نہ ہوگی اگر یہ صورت ہو تو اسکی تصریح لکھکر سوالات مع اس جواب کے پھر واپس کئے جائیں۔ والسلام

اپنی کل جائیداد وقف کر دینے کا حکم اور مرض وفات میں وقف کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص باولاد اپنی حالت صحت میں اپنی جائیداد کو بذریعہ دستاویز جس میں یہ مضمون ہو کہ میں نے اپنی جائیداد کو اسطرح وقف کردی کہ ایک حصہ ...

کے نام وقف کردیا اور ایک حصہ بغرض ایصال ثواب کے وقف کرکے اس کا فلاں شخص کو متولی بنا دیا وقف
کردے تب بعد وفات واقف کے وراثت جاری ہوگی یا نہیں اور خرچ تجہیز متوفی کہاں سے کیا جائیگا؛

اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں حسب مضمون بالا دستاویز لکھدے یا وصیت کردے
اور وصیت یہ ہو کہ میری جائیداد اس طرح پر وقف کردی جائے کہ ایک حصہ مسجد محلہ کے نام کردیا جائے اور
ایک حصہ کی آمدنی میرے ایصال ثواب میں صرف کی جائے اور اس کا فلاں متولی رہے اس صورت میں کل
جائیداد میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں ؟ اور خرچ متوفی کس کے ذمہ ہے کیا یہی ثلث حصہ پانے
والے کے ذمہ یا دوسرے دو ثلث میں ؟ بینوا توجروا۔

السائل: پیرجی ظفر صاحب گنگوہی۔

الجواب: جس شخص لاولد نے بحالت صحت اپنی جائیداد کو حسب مضمون دستاویز
مذکور سوال وقف کردیا ہے اور جو حصہ مسجد کیلئے وقف کیا ہے اس میں یہ بھی لکھدیا ہے کہ اگر
مسجد نہ رہے تو اسکی آمدنی غرباء و مساکین کو دی جائے تو یہ وقف صحیح ہوگیا اب اس میں وراثت
جاری نہ ہوگی اور تجہیز و تکفین واقف کی اس زمین کی آمدنی سے جائز نہیں ہے بلکہ اگر اسکی اور
کوئی چیز اسباب و متاع و مکان مسکونہ کی قسم سے ہو تو اس میں سے تجہیز و تکفین کی جائے اور اگر
اس کے ترکہ میں کچھ بھی نہ ہو تو عام مسلمانوں سے چندہ کیا جائے۔

اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ دستاویز وقف مرض الموت میں لکھی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر
اس نے زبانی وقف حالت صحت میں کردیا تھا صرف دستاویز کا لکھنا مرض الموت میں ہوا اور حالت
صحت میں وقف کرنیکے گواہ بھی دو آدمی کم از کم ہیں تب بھی یہ وقف صحیح ہوگیا بشرطیکہ اس نے یہ بھی
کہدیا ہو کہ اگر مسجد نہ رہے تو آمدنی مساکین کو دی جائے اور وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر زبانی وقف
حالت صحت میں بالکل نہیں کیا بلکہ مرض الموت ہی میں زبانی وقف بھی کیا یا صحت میں وقف کرنا
مریض مدعی ہے مگر گواہ نہیں ہیں اور ورثا بھی تسلیم نہیں کرتے تو اس صورت میں یہ وقف ثلث
مال میں جاری ہوگا بشرطیکہ یہ بھی کہدیا ہو کہ اگر مسجد نہ رہے تو مسجد کے حصہ کی آمدنی مساکین کو
دی جائے۔

اور تیسری صورت میں جبکہ مریض نے مرض الموت میں محض وصیت کی ہو کہ میرے بعد میری جائیداد
کو اسطرح وقف کردیا جائے اس صورت میں بھی یہ وصیت ثلث مال میں جاری ہوگی البتہ اگر
ورثاء راضی ہوجائیں تو کل میں بھی جائز ہوجائیگی۔ واللہ اعلم[1]

۱۰؍ شوال سنہ [illegible]ھ

[1] تفصیل ملاحظہ ہو۔ شامی ص ۴۱۰ ج ۳ مطبع کراچی، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲۳، وہندیہ تاتارخانیہ۔ مفتی

اگر حالتِ مرض میں ثلث سے زائد مال وقف کردیا اور بعد میں تندرست ہوگیا تو وقف صحیح ہے

سوال: اڑہائی سو بیگہ میرے پاس زمین ہے اولاد ذکور میری نہیں دو لڑکیاں اور ایک بیوی سرپرست وارث ہیں۔ جائیداد وقف کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ سمجھ کر میں نے ایک سو پچاس بیگہ اراضی خدا کے نام وقف کردیا ہے۔ وقف کرنے کے بعد یہاں کے لوگ کہنے لگے کہ اس قدر جائیداد وقف کرنا جائز نہیں، تم سخت گناہگار ہوگئے۔ تم نے ورثاء کی حق تلفی کی۔ تیسرے حصہ سے زیادہ وقف اور ہبہ جائز نہیں ہے۔ بایں وجہ میں نے اس اطراف کے عالموں سے فتویٰ کرایا ہے۔ یہاں کے عالموں نے بھی فتویٰ دیا کہ تیسرے حصہ سے زیادہ جائیداد وقف کرنا جائز نہیں ہے وقف کو توڑ دینا چاہئے۔ فتویٰ بھی ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرماکر جواب عنایت فرمائیں۔ آپ کے جواب سے تسکین ہوجائیگی۔

سائل: یوسف منڈل از موضع لاؤجھانگا

پوسٹ بارہ گھریہ ضلع مالدہ۔

الجواب: قال فی العالمگیریة: وان نجز الوقف فی المرض فهو بمنزلة المعلق بالموت فيما ذكره الطحاوى والصحيح انه بمنزلة المنجز فی الصحة عند ابی حنيفة فلا يلزم وعندهما يلزم من الثلث كذا فی التبيين، واذا كان الملك يزول عندهم يزول بالقول عند ابی يوسفؒ وهو قول الائمة الثلاثة وهو قول اكثر اهل العلم وعلى هذا مشائخ بلخ - وفی المنية: وعليه الفتوى كذا فی الفتح وعليه الفتوى كذا فی السراج الوهاج وقال محمد: لا يزول حتى يجعل للوقف وليا ويسلمه اليه وعليه الفتوى كذا فی السراجية وبقول محمد يفتى كذا فی الخلاصة فيصح عند ابی يوسفؒ وقف المشاع خلافا لمحمدؒ اھ (ص ۱۹۰ ج ۳)

وفيه ايضا: وقف المشاع المحتمل للقسمة لا يجوز عند محمدؒ وبه اخذ مشائخ بخارا وعليه الفتوى كذا فی السراجية والمتاخرون افتوا بقول ابی يوسفؒ انه يجوز وهو المختار كذا فی خزانة المفتين اھ -

وفی احكام الاوقاف للخصاف: فان وقف ارضا له فی مرضه ...... على المساكين مؤبدا وصح ثم توفى بعد ذالك قال: هذا قد صار وقفا فی الصحة لما برأ من مرضه ذالك اھ (ص ۲۶۳)۔

صورت مسئولہ میں یہ وقف تمام صحیح ہوگیا ثلث مال تک محدود نہیں کیونکہ ثلث مالی ہے

وقف مریض اس وقت موقوف ہوتا ہے جبکہ اس مرض میں واقف مرجائے اور جب اس مرض سے صحت ہوگئی تو یہ وقف مثل وقف صحت کے کل مال میں صحیح ہوگا[1]

رہا یہ کہ آیا جائیداد کے وقف کرنے سے ورثاء کے محروم کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسکے متعلق یہ تفصیل ہے کہ جتنی زمین واقف نے اپنے ورثاء کیلئے چھوڑی ہے وہ اگر انکے لئے کافی ہے تب تو کچھ گناہ نہیں اور اگر کافی نہیں تو واقف کو چاہئے کہ اپنی آمدنی میں سے ورثاء کی امداد کرتا رہے اور جو زمین اس نے اپنے واسطے رکھی ہے آئندہ اسکو وقف نہ کرے بلکہ ورثاء کیلئے چھوڑ جائے۔ واللہ اعلم

۲ رجمادی الثانیہ ۱۳۷۲ھ

موروثی زمین وقف کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایسی اراضی خرید کر وقف کرنا چاہتا ہے جو کہ کاشتکار و دخیلکار کے قبضہ میں ہے اور بکر عرصہ دراز سے اس اراضی کا دخیلکار و کاشتکار رہے زید کا نام تو تیا کا غذات سرکاری میں بخانہ مالک درج ہوسکتا ہے اور کاشتکار مع لگان مجوزہ عدالت پانے کا مستحق ہے لیکن اراضی پر کسی قسم کو تصرف زید کا نہیں ہوسکتا ہے اگر زید ایسی اراضی دخیلکاری کو خرید کر مسجد کے نام وقف کردے تو یہ وقف شرعاً صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قال فی العالمگیریۃ بعد بیان شرائط الوقف ما نصہ واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن والاجارۃ فلیس بشرط فلو آجر ارضا عدة سنین ثم وقفھا قبل مضیھا لزم الوقف بشرطہ ولا یبطل عقد الاجارۃ فاذا انقضت المدۃ رجعت الارض الی ما جعلھا لہ من الجھات وکذا لو رھن ارضہ ثم وقفہ قبل ان یفتکہ لزم الوقف ولا یخرج عن الرھن بھذا القول اھ (ص ۱۹۹ ج ۳)

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: سئل فیما اذا کان لزید مشد مسکۃ فی ارض وقف سلیخۃ ومات عن ابن وفوض المتولی المشد نظام لولدہ علی وجہ الاحقیۃ من الغیر فھل یکون ذالک وقف موقعہ الشرعی؟ ــــــ الجواب: نعم اھ (ص ۲۰۵ ج ۱)

صورت مسئولہ میں زید ایسی اراضی کو خرید کر وقف کرسکتا ہے جو بکر کی کاشتکاری و دخیلکاری میں ہے اور یہ وقف صحیح و لازم ہوجائیگا اور زمین مذکور کا لگان مصالح وقف میں صرف کیا جائیگا۔ اور بکر دخیلکار کو واجب ہے کہ زمین وقف کا لگان بدون کمی کے یعنی جو لگان عرفاً اس زمین کا ہونا چاہئے وہ ادا کرے حق دخیلکاری کی وجہ سے اگر لگان کم ادا کردے گا تو

[1] سوال میں واقف کے مریض ہونے کا ذکر نہیں۔ اور جب وقف مریض کا ہے۔ تاہم حالت صحت میں مذکورہ وقف بلا جرح رہیگا۔

عند اللہ ماخوذ و گناہگار ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۸ رجب سنہ ۱۳۳۱ھ

مقروض شخص کے وقف کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پر بار قرض کثیر تھا اور جائیداد سکنائی و صحرائی اس کے پاس کم مالیت کی تھی اور وہی اسکی معاش تھی قرضہ ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا تھا اس نے قرضہ مارنے کی نیت سے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد کر دیا اور اب اس وقت قرضہ دین میں ڈگری شدہ ہے تو کیا۔

(۱) ایسا وقف شرعاً صحیح و جائز ہے؟

(۲) جائیداد بغرض ادائیگی قرضہ فروخت ہوسکتی ہے

سائل۔ سید واجد علی ولد سید حیات علی۔ محلہ مغل پورہ حصہ اول متصل مکان مولوی نور الحسن صاحب ممبر۔

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں وقف صحیح ہوگیا۔

(۲) اب اسکو بغرض ادائیگی قرضہ کے فروخت نہیں کرسکتے۔

قال فی الدر: ویبطل وقف راهن معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح لو قبل الحجر اھ

قال الشامی: قولہ بخلاف صحیح ای وقف مدیون صحیح فانہ یصح ولو قصد بہ المماطلة لانہ صادف ملکہ کما فی انفع الوسائل عن الذخیرة۔ قال فی الفتح وهو لازم لا ینقضہ ارباب الدیون اذا کان قبل الحجر بالاتفاق لانہ لم یتعلق حقہم بالعین فی حال صحتہ اھ وبہ افتی فی الخیریة من البیوع وذکر انہ افتی بہ ابن نجیم وسیاتی فیہ کلام عن المعروضات اھ (ص ۱۱ ج ۳)

قلت: والکلام الذی یاتی عن المعروضات رد الشارح بانہ خلاف المنقول الصریح الا ان یخصص بالمدیون المریض (ص ۶۱۲ ج ۳) وبعد ذلک فلا یلتفت الیہ۔ واللہ اعلم۔

رہا یہ امر کہ اس وقف کی آمدنی سے بھی قرضہ وصول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کا فیصلہ وقف نامہ کی عبارت دیکھ کر ہو سکتا ہے اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اگر وقف نامہ کی نقل بھیجی جائے تو اس کے ساتھ یہ سوال وجواب بھی واپس کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۷ رجب سنہ ۲۲ھ

اس وقف قدیم کا حکم جس کے وقف ہونیکا ثبوت موجود نہ ہو۔

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً ومصلیاً

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جسکی مدت نہ معلوم ہے یعنی بہت عرصہ کی پرانی مسجد ہے اور ہمیشہ سے مسلمان قابض ہیں اور اس مسجد کے متعلق کچھ زمین ہے جو مسلمانوں نے اس کو عیدگاہ قرار دے رکھا ہے اس وقت سے جب سے مسجد بنی تب سے عیدگاہ قرار دیا گیا اور ہمیشہ عیدین کی نمازیں اس بقیہ زمین میں مع مسجد کے ہوتی ہیں جس کی شکل میں جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ شکل یہ ہے۔

جنوب

اس زمین پر مقدمہ ہے۔ دعویٰ ہے کفار کا۔

A A A

یہ مسجد ہے

یہ دروازہ ہے

یہ کل زمین مسجد کے احاطہ میں ہے اور مسجد کی اس زمین پر جو عیدگاہ ہے اس پر کفار نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ عیدگاہ نہیں ہے مسلمانوں کی بلکہ یہ زمین ہم لوگوں کی ہے لہذا عرض ہے کہ ہم مسلمانوں پر اسکی محافظت فرض ہے یا نہیں یعنی ہم مسلمانان اپنی جان و مال قربان کریں یا نہیں؟ اور یہ مسجد اور عیدگاہ وقف ہے پھر اسکی حفاظت سے ہم مسلمانوں کو روگردانی کرنا کیسا ہے؟ فقط

نور محمد میاں صاحب نازپوری مکان بھاٹ باڑا۔

الجواب: قال في احكام الاوقاف للخصاف (ص ٣٠٣): أرأيت هذه الوقوف التي تقادم امرها ومات الشهود الذين يشهدون عليها ما السبيل فيها؟ قال ما كان في ايدي القضاة منها وما كانت لها رسوم في دواوين القضاة اجريت على الرسوم الموجودة في دواوينهم استحسانا اذا تنازع اهلها فيها وما لم يكن لها رسوم في دواوينهم يعمل عليها فالقياس فيها اذا تنازع القوم فيها ان يحكم لها بمعنى التثبيت فمن ثبت في ذلك شيئا حكم له به اهـ۔

صورت موجودہ میں اگر اس زمین کے متعلق پرانے کاغذات میں کوئی تصریح مل سکے تو اسکو تلاش کیا جائے اگر وقف ہونا معلوم ہو جائے تو بقدر وسعت اسکی حفاظت میں کوشش کی جائے فساد اور جنگ و جدال سے پرہیز کیا جائے۔ اور اگر پرانے کاغذات سے کچھ پتہ نہ ملے تو مسلمانوں کی تحاریر تصریحات گو بظاہر یہ مسلمانوں کی زمین معلوم ہوتی ہے مگر یقین نہیں کیا جا سکتا لاحتمال ان تكون حال المسلمين في معاملة الاراضي فربما يتصرفون على ملك الغير ويدخلونه في المسجد وهو وقف له ظهرا۔ بلکہ مدعی سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی ملکیت کا ثبوت دے! اگر وہ اپنی ملکیت قاعدہ شرعیہ کے موافق شہادت رجال یا شہادت کاغذات قدیمہ سے ثابت کر دے تو مسلمانوں کو یہ زمین مدعی کے حوالہ کر دینی چاہئے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۸ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ

کسی شخص اور اسکی اولاد پر کچھ زمین نسلاً بعد نسل امامت کے واسطے وقف کر دینا مسئلہ

سوال: علا واقف نے زید اور اسکی اولاد و نسلاً بعد نسل الی یوم القیامۃ کیلئے ایک مسجد میں امامت کرنے کیلئے تھوڑی زمین وقف کی اور اس شرط کے موافق ابتک جاری رہا اور اب زید کی اولاد تین چار پشت ہو کر انکے خاندان میں سو آدمی سے زیادہ ہو گئیں اب اس وقف کی زمین کی آمدنی ان لوگوں کو کفایت نہیں ہوتی ہے اور ان میں اکثر آدمی نماز پڑھانیکو لائق ہیں پس ان لوگوں میں کون امامت اور وظیفہ پانے کو مستحق ہے؟

علا واقف نے زید کو ایک مسجد میں امامت کرنے کو تھوڑی زمین وقف کیا اب جماعت والے ان کو اس مسجد میں نماز پڑھانے کو حسد و تعصب کی وجہ سے منع کرتے ہیں اور جماعت والوں نے چندہ کر کے دوسرا امام مقرر کر لیا ہے حالانکہ زید امامت کرنیکو لائق تھا اب زید نے دوسرے محلے میں ایک مسجد بنا کر اسمیں وقف زمین کی آمدنی سے وظیفہ پا کر زید کیلئے نماز پڑھانا جائز

ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اس وقف میں صرف وہ وارث مستحق ہیں جو اقرب بطن میں ہوں اور مسجد مذکور میں امامت کرے بقیہ اس میں مستحق نہیں ہیں اگر زید کی اولاد میں بطن اقرب میں لائق امامت چند اشخاص ہوں تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر اہل محلہ ان میں سے کسی ایک ہی کی امامت تجویز کریں بوجہ کسی ترجیح و افضلیت کے تب تو وہی شخص واحد آمدنی وقف کا مستحق ہے اور اگر سب کی امامت کو نوبت بہ نوبت منظور کرلیں تو ہر قابل امامت جو امامت کو بجالائے مستحق ہوگا اور آمدنی وقف ان سب پر تقسیم کی جائے گی نیز جو شخص اولاد زید میں قابل امامت نہیں یا قابل امامت ہے مگر اہل محلہ و اہل مسجد اسکی امامت منظور نہیں کرتے وہ اس وقف میں مستحق نہ ہوگا هذا ما فهمته من القواعد۔ واللہ اعلم

(۲) سوال دوم کا جواب بدون عبارت وقف نامہ دیکھے ہوئے نہیں دیا جاسکتا فقط

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

(دلیل الاول) قال فی الفتاوی الحامدیہ، ونقل فی الاسعاف فی باب الوقف علی الاولاد و اولاد الاولاد و لو ذکر البطون الثلاثة ثم قال: علی الاقرب فالاقرب او قال: علی ولدی ثم علی ولد ولدی ثم و ثم او قال: بطنا بعد بطن يبدأ بما بدأ به الواقف ولا يكون للبطن الاسفل شئ ما بقی من الاعلی احداً اھ (ص ۱۳۶ ج ۱).

قلت: فقوله: نسلا بعد نسل فی معنی قوله بطنا بعد بطن فلا يستحق الاسفل شيئاً ما بقی من الاعلی احد و يصلح للامامة وليس للاناث فی هذا الوقف شئ لانهن بمعزل عن الامامة۔

وفيه ايضاً: لا يستحق الا من باشر العمل اھ

وفی الاشباه: وقد اغتر كثير من الفقهاء فی زماننا فاستباحوا تناول معاليم الوظائف من غير مباشرة اھ (ص ۲۰۵ ج ۱)

قلت: ومباشرة الامامة ليس باختيار المباشر بل تتوقف علی نصب

اهل المحلة اباد لها۔ واللہ اعلم

مرض الموت میں وقف کرنیکا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ ہندہ نے اپنے مرض الموت میں اپنا حصہ مکان متروکہ پدری غیر منقسم حسب دستاویز وقف نامہ مصدقہ تحریر شدہ وقف لوجہ اللہ بمسجد محلہ کیا اور دیگر جہات ہیں اسپر متولیان تا بعض مری مکان مذکور میں کرایہ دار حسب دستور سابق رہتے ہیں لہذا شرعاً واقفہ کی طرف سے بعد الوقف تسلیم اور قبضہ متولیان صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز وقف نامہ مذکورہ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ بعد میرے اس کا متولی فلاں بجائے میرے رہیگا اور متولی موصوف کو اختیار ہوگا وہ حصہ موقوفہ کو فروخت کرکے زر ثمن اس کا مسجد موصوف تعمیر طلب میں لگادے چنانچہ بعد انتقال واقفہ کے متولی نے شئی موقوفہ بحیثیت متولیانہ تحریر کرایہ نامہ کرایہ دار سے مصدقہ رسیدی کرالیا مگر چونکہ وہ موقوفہ نہایت قلیل آمدنی قابل المنفعت نہیں تقریباً آٹھ فٹ گز عریض اور بارہ گز طویل تقسیم میں آتی ہے جو سوائے فروختگی اس کے کوئی حصول منفعت نہیں بدیں لحاظ متولی کو حسب شرائط واقفہ بمشورہ واقفان صاحبان اہل الرای و دیندار کے فروخت کرکے زر ثمن اس کا تعمیر مسجد موصوف میں صرف کردینا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اگر یہ حصہ مکان متروکہ پدری و مملوکہ ذاتی ہندہ کے تمام ترکہ کا ثلث ہے یا ثلث سے کم ہے تو وقف صحیح و نافذ ہوگیا اور اگر زائد ثلث سے کچھ ہے تو ثلث میں وقف صحیح ہے اور زائد کا وقف ہندہ کے وارثوں کی رضا پر موقوف ہے اگر وہ جائز رکھیں تو جائز ہے اور اگر راضی نہ ہوں تو زائد از ثلث میں وقف صحیح نہیں۔ اگر یہ زمین موقوفہ نہایت قلیل غیر قابل منفعت ہے تو متولی مسجد کو چاہئے کہ اسکو فروخت کرکے اس کے ثمن سے کوئی دوکان مسجد کیلئے چھوٹی یا بڑی تعمیر کردے یا کوئی زمین خریدے جس کا کرایہ مسجد میں آتا رہے یا مسجد میں تعمیر کی ضرورت ہو تو تعمیر مسجد میں لگادے واللہ اعلم

قال في الدر في بيان شرائط الاستبدال بما نصه وكون البدل عقاراً وقال الشامي، وزاد العلامة قنالي زاده في رسالته (شرطاً) ثامناً وهو ان يكون البدل والمبدل من جنس واحد ثم قال: والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس في الموقوفة للاستغلال لان المنظور فيه كثرة الريع وقلة المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بارض تزرع و تحصل منها غلة قدر اجرة

الحانوت کان احسن لان الارض ادوم و ابقی و اغنی عن کلفة الترمیم والتعمیر اھ (ص ۱۰۲۰ ج ۳۔ شامی)

قلت : دل قولہ : لان المنظور فیہ کثرۃ الریع علی عدم جواز الاستبدال بما لاریع فیہ اصلاً۔ واللہ اعلم۔

وفی الخلاصۃ : ولو شرط فی الوقف ان یبیعہ ویجعل ثمنہ فی وقف افضل منہ لہ ان یبیعہ ولا یبیعہ الامام الحاکم لکن اذا رأی الحاکم اذن لہ اھ (ص ۲۱۳ ج ۴)

قلت : ظھر منہ جواز صرف ثمن الدار فی عمارۃ المسجد لاجل اجازۃ الواقف واذنہ فی ذالک ولعل منعھم الحاکم عن ذالک لوقایتہ من التھم فقط۔ واللہ اعلم

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

وقف علی الاولاد میں لڑکوں اور لڑکیوں کی برابری بعض وارثوں کو مالدار یا کسی وجہ محروم یا حصہ کم رکھنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکار کا قانون جدید وقف علی الاولاد کی رُو سے اپنی جائیداد کی آمدنی کا کل یا جزو اپنی اولاد واقارب کی پرورش کیلئے وقف کرنے کی صورت میں اگر کوئی شخص بیٹے اور بیٹیوں کا برابر حصہ رکھے یا مثلاً تین چار بھائیوں یا بھتیجوں وغیرہ میں سے بعض کو مالدار ہونیکی وجہ سے محروم رکھے تو ایسا کرنے میں واقف گنہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز غیر مانوس یا ناخوش ہوجانے کی وجہ سے واقف کا بعض وارثوں کو محروم کردینا یا ترکہ کے اعتبار سے کم مقرر کرنا یا بعض ان اقارب کو جوکہ شرعی وارث نہیں ہیں مثلاً ایک یا دو بیٹیوں کے ہوتے ہوئے نواسی یا نواسے کو آمدنی جائیداد موقوفہ میں سے ایک بیٹی کے برابر حصہ مقرر کرنا یا خلافاً بیٹی کے ساتھ اخیافی بھائی کیلئے آمدنی وقف سے حصہ مقرر کرنا اور اس کے ساتھ ہی بھتیجے یا چچازاد بھائی کیلئے جوکہ عصبہ ہے وقف کی آمدنی سے حصہ مقرر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

داؤد ھاشم یوسف از رنگون۔

الجواب:۔ وقف علی الاولاد بحالت صحت کا حکم ھبہ بحالت صحت کا ہے۔

" ہدایۃ انہ ینفذ ویصح فی کل المال ولا یتقید بالثلث " اور وقف علی الاولاد بحالتِ مرض کا حکم وصیت کا حکم ہے " ہدایۃ انہ یقسم الورثۃ حسب الفرائض الشرعیۃ ویتقید بالثلث " اس کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ وقف علی الاولاد میں ایک روایت میں بہتر یہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا حق برابر رکھا جائے اکثر مشائخ نے اسی کو افضل کہا ہے اور بعض نے قول محمدؒ کے موافق تفاضل کو افضل کہا ہے یعنی للذکر مثل حظ الانثیین۔

قال فی الشامیۃ: فالعدل من حقوق الاولاد فی العطایا والوقف عطیۃ فیسوی بین الذکر والانثیٰ لانہم فسروا العدل فی الاولاد بالتسویۃ فی العطایا حال الحیاۃ الیٰ ان قال: وفی الظہیریۃ قبیل المحاضر والسجلات عند الکلام علی کتابۃ صک الوقف ان اراد الوقف علی اولادہ یقول للذکر مثل حظ الانثیین وان شاء یقول الذکر والانثیٰ علی السواء ولکن الاول اقرب الی الصواب واجلب للثواب اھ فہذا نص صریح فی التفرقۃ بین الہبۃ والوقف فتکون الفریضۃ الشرعیۃ فی الوقف ہی المفاضلۃ اھ ملخصاً (ص ۶۵۴-۶۵۵ ج ۳)

پس وقف علی الاولاد میں لڑکیوں اور لڑکوں کا حصہ برابر رکھنا بدون گناہ کے جائز ہے گو اس میں اختلاف ہے کہ افضل کیا ہے یہ حکم تو تسویۃ اولاد کے بارے میں ہے باقی وارثوں کے متعلق سوال کا جواب یہ ہے کہ واقف اگر کسی کو محروم کرنا چاہے تو اسکو یہ حق حاصل ہے اب اگر یہ محروم کرنا کسی شرعی وجہ سے ہے مثلاً فسق وایذا رسانی وظلم وغیرہ تب تو محروم کرنے میں گناہ بھی نہ ہوگا اور اگر بغیر وجہ محروم کیا ہے تو گناہ ہوگا پس جو اقارب شرعی وارث نہیں ہے ان کیلئے وقف کرنا اور شرعی وارثوں کو محروم کرنا بلا وجہ شرعی جائز نہیں ہاں کوئی شرعی وجہ ہو کہ وارث بدکار فاسق یا ایذاء رساں ہوں اور غیر وارث صالح و محتاج ہوں تو ایسا کرنے میں گناہ نہیں رہا یہ کہ کسی وارث کو وقف اولاد میں حصہ کم دینا اور کسی کو زائد دینا یہ جائز ہے۔

قال فی العالمگیریۃ: ولو کان فی ولدہ فاسق واراد ان یصرف مالہ فی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ہذا خیر من ترکہ کذا فی الخلاصۃ۔

وفیہ: وہب فی صحتہ کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون آثماً فیما صنع کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (ص ۱۰۲۴، و ۱۰۲۵ ج ۳ نولکشوری) [1]

[1] ایضاً فی تتمہ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۰۔

وفی الشامیۃ: وقع فی السوال الذی سئل عنہ المصنف انہ آل الوقف الی اخی المیت لامہ واخیہ الشقیق فاجاب بانہ تقسم الغلۃ بینہما نصفین لا قسمۃ المیراث ای لایعطی للاخ للام السدس والباقی للشقیق وقال ان ھذا ھو الموافق لغالب احوال الواقفین وھو قصد التفاوت بین الذکر والانثی (لا بین الذکرین) فاذا قال علی حکم الفریضۃ ینزل علی غالب المذکور. اھ (ص۶۵۱ ج ۳)

قلت:۔ ولا یخفی ان فیہ تقلیل حق الاخ الشقیق ومع ذالک اذا قال الواقف یقسم علی الفریضۃ لا یعطی لہ الباقی بعد السدس بل یسوی بینہ وبین الاخیافی وھذا یدل علی جواز المفاضلۃ بین الورثۃ فی الوقف وجواز تقلیل حق بعض عن فرضہ الشرعی۔ واللہ اعلم۔

۲۲ محرم ۱۳۲۲ھ

عیدگاہ کے موقوفہ تالاب سے مچھلی پکڑنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں عیدگاہ کی زمین میں ایک تالاب ہے اور وہ عیدگاہ کا حوض اور تالاب کی زمین موقوف ہے اس میں مچھلیاں بہت ہیں تو اگر لوگ ان مچھلیوں کو پکڑلیں تو درست ہے یا نہیں؟ یا قیمۃً خریدیں بازار کے دام سے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تالاب کے وقف ہونے سے مچھلیاں وقف نہ ہونگی بلکہ جو کوئی پکڑے وہی ان کا مالک ہوجائیگا لان السمک یتولد من الماء فیکون مباحًا کما سلف۔

واللہ اعلم

۲ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

قمار اور سٹہ کا کام کرنے والے کی اذان یا مسجد وغیرہ کا متولی بنانا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص باوجود مسلمان ہونے کے دعویٰ کرتا ہے قسمیہ اعلان کرتا ہے کہ میرا کام تو اسپیکولیشن ہے (یعنی سٹے کا کام جو اکثر چاول کی تجارت کے متعلق خرید وفروخت میں بطور بازجیت کے ہوتا ہے کرتا ہوں) اور پکا گیمبلنگ یعنی پکا قماربازی کا میرا کام ہے اور یہ ایسا جوا ہے جو اوپر ہی اوپر صرف کاغذ پر چلتا ہے تو ایسے شخص کو کسی مذہبی معاملہ میں مختار کرنا

اور مذہبی اوقاف میں سے کسی وقف مثلاً مسجد، مدرسہ، ۔ ۔ ا ئے ، مسافرخانہ، دارالکتب جامعہ میں اسلامیہ وغیرہ کیلئے اسکو متولی یا ناظم و معتمد بنانے کا شرعی حکم کیا ہے ؟ براہ کرم موافق مذہب حنفی کی کتاب وسنت سے سرفراز فرمائیں ۔

الجواب: سائل نے یہ بتلایا کہ اگر اس شخص کو متولی وقف نہ بنایا جائے تو اسکی جگہ کوئی دوسرا شخص اس سے زیادہ امانت دار ورامور انتظامیہ میں ہوشیار باسانی مل سکتا ہے یا نہیں اور وہ دوسرا شخص تو کسی گناہ میں مبتلا نہیں ۔ اگر کوئی شخص ان گناہوں سے جن میں یہ متولی مبتلا ہے محفوظ بھی ہو تو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ان گناہوں سے بھی وہ بچتا ہے یا نہیں ؟ اگر وہ بھی کسی گناہ میں مبتلا ہے تو وہ اور یہ دونوں برابر ہوئے پھر اس کے علیحدہ کرنے میں کیا نفع ؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص پورا متقی ہو مگر امور انتظامیہ میں ہوشیار نہ ہو تو وہ متولی بننے کے قابل نہیں بلکہ اس سے مقدم وہ شخص ہے جو امانت میں کامل ہو اور خیانت نہ کرتا ہو اور امور انتظامیہ میں پورا ہوشیار ہو گو تقویٰ میں دوسروں سے کم ہو ۔

قال فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ : سئل فی الصالح للنظر من هو الجواب هو من لم یسأل الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف هکذا فی فتح القدیر ۔

وفی الاسعاف لا یولی الا امین قادر بنفسه او نائبه ویستوی فیه الذکر والانثیٰ وکذا الاعمیٰ والبصیر وکذا المحدود فی قذف اذا تاب ویشترط للصحة عقله وبلوغه (بحر ص ۱۹۳ ج ۱)

عبارت اسعاف سے معلوم ہوا کہ ولایت وقف کیلئے امانت وقدرت انتظام زیادہ قابل نظر ہے گو تقویٰ میں وہ دوسروں سے کم ہو حتیٰ کہ محدود فی القذف بھی توبہ کے بعد اسکے لئے اہل ہے ۔

وفیه ایضاً : وفی النهر عن الاسعاف : شرط الافضل اولاده فاستویا فلا ثبوتهم فلو احدهما اورع والآخر اعلم بامور الوقف فهو اولیٰ اذا امن خیانته اهـ (ص ۱۹۰ ج ۱)

پس صورت مسئولہ میں اگر متولی امانت ودیانت میں کامل ہو اور امور

انتظامیہ میں دوسروں سے زیادہ ہوشیار ہو اور اسکی مجموعی حالت اور اس کے کارناموں اور واقعات سے خیر خواہی ونفع وقف متوقع ہو اور اسکی تولیت میں اصلاح وقف کی زیادہ امید ہو تو اس کا متولی بنا دینا درست ہے۔

قال فی الدر: واھله (ای القضاء) اھل الشھادۃ والفاسق اھلھا فیکون اھله لکنه لا یقلد وجوبًا یأثم مقلدہ کقابل شھادته (الی ان قال) واستثنی الثانی (ای ابی یوسف رح) الفاسق ذا الجاہ والمروۃ فانه یجب قبول شھادته۔ بزازیه۔ قال فی النھر وعلیه فلا یأثم ایضًا بتولیته القضاء حیث کان کذلک الا یفرق بینھما انتھٰی۔

قلت: صیحح تضعیفه فراجعه اھ۔

قلت: اجاب عنه الشامی بما لا مزید علیه (ص ۴۶۳ و ۴۶۵ ج ۴)۔ ویرجح قول ابی یوسف متعینًا بانه لو اعتبر ماقاله الشارح لانسد باب القضاء وخصوصًا فی زماننا فراجعه واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا یخفیٰ ان تولیة الوقف ادنیٰ منزلة من القضاء فاذا جاز عند ابی یوسف رح تقلید الفاسق ذی الجاہ والمروۃ القضاء فجواز تقلیدہ تولیة الوقف اولیٰ فافھم۔

اور اگر متولی مذکور سٹہ بازی وقمار بازی کفار حربی کے ساتھ کرتا ہو مسلمانوں کے ساتھ نہ کرتا ہو تو اس صورت میں یہ گناہ مجتہد فیہ ہے محض اسکی وجہ سے اسکو تولیت سے الگ نہ کیا جائیگا۔ فقد قال ابو حنیفة رح یجوز الربوا والقمار بین المسلم والحربی فی دار الحرب اھ اور متولی مذکور کو بھی چاہئے کہ ایسے کاموں سے پرہیز کرے جو شرعًا گناہ ہیں یا عادۃً مسقط مروت ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۲۴ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

الجواب صحیح
اشرف علی

ایسی زمین کا حکم جس کی آمدنی ہمیشہ سے مسجد پر صرف ہوتی رہی ہو مگر وقف اور واقف کا علم نہیں۔

سوال (۲) حامدًا ومصلیًا۔ امابعد کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع

متبین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ کوئی قبرستان یا کوئی محلہ کے پاس کا کوئی میدان جنکے وقف ہونیکی
مطلقاً اطلاع نہیں ہے البتہ اتنی واقفیت ہے کہ قبرستان قاضی عنایت علی صاحب کی طرف
سے میت دفن کرنیکیلئے اہل محلہ ہذا کو ملی تھی اور میدان مذکور کو تمام اہل محلہ نے اپنے
دام سے خرید کرکے اسٹاپ کیا تھا اور قدیم زمانے سے ابتک اس میدان اور قبرستان
کے درختوں وغیرہ کی آمدنی مسجد محلہ میں صرف ہو رہی ہے کسی نے کبھی ان پر ملکیت کا دعویٰ
نہیں کیا اور نہ اب کوئی مدعی ہے (قاله السائل من اهل المحلة شفاهاً) مگر
اس کی اطلاع نہیں کہ دونوں زمین مذکور وقف بھی کردی گئی تھیں یا نہیں؟ اور اپنے پاس
کوئی حسب استطاعت اب کوئی ذریعہ تحقیق باقی نہ رہا لھذا اس مسئلہ کو دریافت کرنا
چاہتا ہوں کہ ایسی زمین کے گھاس یا درخت خرید کر یا بیچنا اور اسکی قیمت اپنے محلہ کی
مسجد میں لگانا یا وہاں کی اینٹ خواہ قبروں کی ہو یا ویسی ہی قبروں کے لگانے سے
بچی کچھی ہوں کسی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی بدرالدین

الجواب :۔ قال فی الدر: لو انقطع ثبوته فما كان فی دواوين القضاة اتبع
والا فمن برهن على شیٔ حكم له به والا صرف للفقراء ما لم يظهر وجه
بطلانه بطريق شرعی فيعود للمالك او واقفه او ورثته او لبيت المال اهـ.
قال الشامی: المراد علم انه وقف بالشهرة ولكن جهلت شرائطه
ومصارفه بان لم يعلم حاله ولا تعرف قوامه السابقين كيف كانوا يعملون
فحينئذ ينظر الى ما فی دواوين القضاة الخ (ص ۱۵۷ ج ۳)
قلت: وقيود الفقه احترازية فاذا لم يعلم كونه وقفاً بالشهرة اصلاً
فلا يتبع ما فی دواوين القضاة بل كل من برهن على شیٔ حكم له به۔
وقال فی الهداية: من بنى سقاية للمسلمين او خاناً يسكنه بنو السبيل
او رباطاً او جعل ارضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلك حتى يحكم به الحاكم عند
ابی حنيفة رح (وكذا لو بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه ويأذن
للناس بالصلاة فيه) وعند ابی يوسف يزول ملكه بالقول كما هو اصله
اذ التسليم عنده ليس بشرط والوقف لازم (كما يزول الملك عنده بقوله

ای بقول جعلته مقبرة او جعلته مسجداً) وعند محمدؒ اذا استقی الناس من السقایة وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرة زال الملک لان التسلیم عنده شرط والشرط تسلیم نوعه وذلک بما ذکرناه ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کله اھ (ص ۴۳۷ ج ۵ مع الفتح)۔

صورت مسئولہ میں گو یہ معلوم نہیں کہ اہل محلہ نے اس زمین کو وقف کیا یا نہیں؟ لیکن اتنی بات معلوم ہے کہ یہ زمین مقبرہ کے واسطے خریدی گئی اور اسکو خریدنے کے بعد قبرستان ہی بنایا گیا اور اس میں مردے دفن کئے گئے اور اس وقت سے اس وقت تک اسکے درختوں وغیرہ پر کسی نے ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اب کوئی مدعی ہے اور مقبرہ میں اصل یہ ہے کہ وقف ہوتا ہے جیسا کہ مسجد و رباط میں اصل وقف ہی ہے اس لئے اس زمین کو وقف ہی مانا جائے گا۔ لانہ ھو الظاھر من جعلہ مقبرة وھو الظاھر من عدم دعویٰ احد فیہ وفی اشجارہ الملک۔ اور یہی حکم اس میدان کا ہے جو محلہ کے پاس ہے کہ سابق سے جسطرح اسمیں تصرف ہو رہا ہے اسی تصرف کو باقی رکھا جائیگا یعنی اسکی آمدنی اگر مسجد میں صرف ہوتی رہی ہے تو مسجد ہی میں صرف ہوگی اور اسکو وقف مانا جائیگا کیونکہ اس میں تصرف مثل اوقاف کے ہو رہا ہے اور کسی نے اس تصرف پر اعتراض یا دعویٰ ملک نہیں کیا۔

قال فی الفتاویٰ الحامدیة: رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولدہ فتترک فی ید المتصرف لان الحال شاھد اھ۔ وقال قبل ذلک وتترک فی ید المتصرف قطعاً للاطماع الفاسدة لان السکوت کالافصاح قطعا للتزویر والحیل وا لمسئلة فی کثیر من المعتبرات کالتنویر والکنز والملتقی فی مسائل شتی اھ (ص ۱۹ ج ۲)۔

قلت: فکذلک متولی الفناء والمقبرة ھناک متصرف فی ریع اشجارھا للمسجد مذ زمان وکذا متولی قبلہ وھلم جرا ولم یدع احد فیہ ملکہ ورأی تصرفہ جمیع اھل المحلة وسکتوا فتترک المقبرة والفناء فی تصرفہ ولا یسمع فیھا دعوی احد من الناس وصرف اشجار المقبرة وبیعھا الی المسجد جائز۔

قال فی العالمگیریۃ : سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیہا اشجار ہا ھل یجوز صرفہا الی عمارۃ المسجد قال : نعم ان لم یکن وقفا علی وجہ آخر اھ (ص ۲۲۳ ج ۲) لاسیما اذا علم من تصرف قوامہ السابقین صرف ریعہا الی المسجد فیلزم ابقاءہ علی حالہ واللہ اعلم۔

اور جب یہ مقبرہ ومیدان وقف مان لیا گیا تو اس کے درختوں میں وہی عملدرآمد کیا جائیگا جو سابق سے ہوتا رہا ہے کہ انکی آمدنی مسجد میں صرف کی جائیگی جسطرح کہ پہلے سے مسجد میں صرف ہوتی آرہی ہے۔ واللہ اعلم۔

(تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۷ ربیع الثانی ۸۳ھ

وقف کی ایک صورت کا حکم

سوال :۔ واقعہ یہ ہے کہ آج سات آٹھ برس ہو گئے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بیوہ عورت تھی وہ مرض حیضہ میں گرفتار ہو کر یہ کہا کہ میرے پاس بارہ روپیہ موجود ہے اس میں سے کفن دفن میں لگا کر جو روپیہ بچے وہ سب کسی کار خیر میں لگا دینا اس کے کہنے کے موافق میں نے چند کتب خرید کر کے وقف کر دیں لیکن اس عورت کے دو یتیم نواسے اس وقت موجود تھے ان دونوں کا حصہ رسد الگ نہیں کیا تھا۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ وہ دونوں نواسے اب بالغ ہو گئے ہیں ان دونوں کا حصہ رسد معاف کرانے سے معاف ہوگا یا نہیں؟ ارشاد فرما کر مسرور فرمائیں۔

الجواب : اگر اس عورت کا وارث اسکی موت کے وقت بجز دو نواسوں کے کوئی نہ تھا تو اب ان کی اجازت سے یہ وقف صحیح ہو جائیگا اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی تھا تو اس سے بھی اجازت لینا چاہئے اور صحت وقف کی صورت یہ ہے کہ اب یہ لوگ مستقل طور پر از سر نو وقف کریں یعنی بقیہ ترکہ انکو دیکر یہ کتابیں انکے ہاتھ فروخت کی جائیں پھر وہ ان کتابوں کو وقف کریں کیونکہ پہلا وقف بوجہ ملک غیر میں واقع ہونے کے باطل ہو چکا ہے موقوف نہ تھا پس بدون مر صورت کے وقف صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۲۸ ربیع الثانی ۸۳ھ

مفاد عامہ کیلئے وقف یا مسجد کے نیچے سے گٹر نالہ نکالنا جائز نہیں

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ...... کسی مال وقف میں

گورنمنٹ یا اہل ہنود یا مسلمانوں کے دیگر دنیوی مفاد یا آسائش کیلئے کوئی تصرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں یعنی
دنیوی مصالح کو مدنظر رکھکر مسلم یا غیر مسلم قوم کو اجتماعی یا انفرادی طور پر شریعت ایسی اجازت
دے سکتی ہے کہ فرش مسجد یا دیگر وقف زمین میں اپنے مکانات اور روزمرہ کے غلیظ پانی کی نکاسی
کیلئے کوئی بدررو نیچے کے طبقے میں بنالیں کیا شرعی حیثیت سے کسی وقف یا مسجد کی
زمین کا داخلی طبقہ ایسی وقف یا مسجد کے خارجی اور ظاہری طبقہ کے مانند پاک متبرک
اور وقف نہیں ہے جو اس میں ایسا تصرف کیا جاسکے۔ بینوا توجروا۔

محمد الیاس خان در قصبہ نہٹور ضلع سہارنپور

۴ ر اکتوبر ۱۹۳۸ء

الجواب:- زمین وقف میں کوئی تصرف صرف اس کے مصالح کیلئے ہوسکتا ہے
دوسرے مصالح کے لحاظ سے تصرف نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ دوسرے مصالح خود
مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے اور بالخصوص مسجد میں تو کوئی تصرف صرف مصالح
مسجد ہی کیلئے ہوسکتا ہے اگر مسجد کے متعلق کوئی زمین وقف ہو تو اسکے مصالح سے
بھی مسجد میں تصرف جائز نہیں چنانچہ دیوار مسجد پر مکان خارج مسجد کی کڑی رکھنا
جائز نہیں گو وہ مکان مسجد ہی کیلئے وقف ہو۔

وفی البحر عن الوقف من فصل المسجد ولا یضع الجذع علی جدار
المسجد وان کان من اوقافہ اھ کذا فی الفتاوی الحامدیہ (ص ۱۸۲ ج ۱)
واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ ای المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل
لغیرہا لا ولو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت
المسجدیۃ ثم اراد البناء منع اھ

پس صورت مسؤلہ میں مسجد کے نیچے یا کسی اور وقف کے نیچے دوسرے مکانات
کی غلیظ اور ناپاک پانی کیلئے بدررو وغیرہ بنانا جائز نہیں اور اگر گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے
تو اسکو مسئلہ سے مطلع کردیا جائے امید ہے کہ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد وہ ایسا
نہ کرے گی فقط واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲ ر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

وقف جائیداد مرہونہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی شیخ علی محمد مرحوم نے اپنی جائیداد کو وقف علی النفس و علی الاولاد کیا تھا۔ اسی جائیداد موقوفہ میں ایک حصہ جائیداد کا رہن تھا۔ عبارت وقف نامہ حسب ذیل ہے۔

عرصہ دراز سے مقر کا قصد تھا کہ اپنی جائیداد غیر منقولہ کا کوئی ایسا بندوبست کر دوں کہ وہ قائم و برقرار رہے اور قرضہ زندگی خود بھی ادا ہو جائے۔ مقر کے ورثاء میں بجز محمد مجتبیٰ پسر کے اور کوئی وارث شرعی میرا نہیں ہے اور یہی بعد میرے متولی ہوگا۔

اپنی جائیداد غیر منقولہ باقی ماندہ مصرحہ ذیل کو اچھی طرح سوچنے و سمجھنے کے بعد وقف علی النفس و علی الاولاد کرتا ہوں آج کی تاریخ سے جملہ اختیارات انتقالات مثل بیع، ہبہ، رہن، تملیک وغیرہ کے جو مقر کو حاصل تھے یا بعد وفات میرے وارث مقر کو حاصل ہو سکتے تھے نسبت جائیداد مندرجہ وقف نامہ ہذا کے وہ سب ساقط ہو گئے اور یہ جائیداد اس وقت سے ملکیت اللہ جل شانہٗ کی ہے اور اس جائیداد کے محاصل میں سے بعد میرے دو پیسہ فی روپیہ بعد منہائی اخراجات کے خیرات و حسنات میں حسب صوابدید خود خرچ کیا کریں اور بقیہ میں سے دو ثلث خود پسر محمد مجتبیٰ اور ایک ثلث ابن الابن محمد خفیف سلمہ کو دیا کریں۔

واقف نے یہ بھی تحریر کیا ہے وقف نامہ میں، چونکہ دوکانات مسقف روڈ پر بالاخانہ تعمیر کرانا لابدی ہے جس کیلئے معقول رقم کی ضرورت ہے اور میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے و نیز قرضہ زندگی خود بھی ادا کرنا ہے جس کیلئے میں متولی کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ احاطہ نمبر ۳۹/۳ محدودہ ذیل جو زیر بار رہن بھی ہے اس کی آمدنی کرایہ یا احاطہ مذکورہ سے بذریعہ کسی دیگر طریقہ احسن و مناسب کے روپیہ حاصل کر کے زر قرضہ بھی ادا کریں اور دوکانات مذکورہ پر بالاخانہ بھی تعمیر کر دیں۔

واقف نے یہ وقف نامہ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھا جس میں صراحت کر دی ہے کہ یہ جائیداد احاطہ نمبری ۳۹ زیر بار رہن ہے یہ رہن شرعی رہن نہیں ہے جس میں جائیداد بطور ضمان کے ہوتی ہے یہاں اس رہن کی صورت اس رہن نامہ سے جو اس وقف نامہ سے چار یوم قبل ۱۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو اسی جائیداد کے متعلق واقف نے لکھا تھا بیع بالوفا کی ایسی صورت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ عبارت رہن نامہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

عبارت رہن نامہ نوشتہ شیخ علی محمد مرحوم واقف محررہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء حسب ذیل ہے۔

یہ کہ درصورت وعدہ خلافی یعنی بعد گذرنے تین سال میعاد مذکور کے مرتہن موصوف کو اختیار حاصل ہوگا کہ بذریعہ نالش عدالت اپنا زر رہن مع سود و بالائے سود و خرچہ نالش جائیداد مرہونہ سے وصول کرلیں مجھ مقر و وارثان و قائم مقامان مقر کو کچھ عذر و حیلہ نہ ہوگا۔ یہ کہ اگر جائیداد مرہونہ مطالبہ مرتہن کے واسطے کافی نہ ہو تو مرتہن مذکور کو اختیار حاصل ہوگا کہ بقیہ مطالبہ اپنا ذات و جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میری سے وصول کرلیویں مجھ مقر و وارثان و قائم مقامان مجھ مقر کو کوئی عذر و حیلہ نہ ہوگا۔

اب دریافت طلب حسب ذیل امور ہیں۔

(۱) متولی کو جب چندہ و قرض حسنہ سے کوئی رقم نہ ملے تو آیا اس جائیداد مرہونہ کو بیع کرکے بار رہن ادا کردے جس سے واقف مرحوم اور متولی اس گناہ کبیرہ سود دینے سے بچیں یا اس جائیداد مرہونہ کو رہن رہنے دے (جس کا سود اسکو دینا پڑتا ہے) اور سود در سود ادا کرتا ہے۔

(۲) مجملہ جائیداد موقوفہ کے یہ جائیداد مرہونہ احاطہ نمبر ۵۰/۲ بار سود کے مواخذہ سے بچنے کیلئے بیع ہوسکتی ہے یا نہیں اور اسی بیع کے ذریعہ سے متولی شرط تعمیر بالاخانہ کی پوری کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس صورت میں جبکہ واقف نے تین سال کی مدت گذرنے پر مرتہن کو اختیار دیدیا تھا کہ وہ جائیداد مرہونہ سے جسطرح چاہے اپنا روپیہ وصول کرلے مجھکو کچھ عذر نہ ہوگا یہ جائیداد وقف (ملکیت اللہ جل شانہ کی) ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۴) جبکہ کرایہ کی آمدنی سود میں جاتی ہو اور متولی کو قرض حسنہ و چندہ سے بار کے ادا کرنے اور سود سے بچنے کیلئے رقم نہ ملے اور اجارہ و ٹھیکہ پر دینے سے شرط تعمیر بالاخانہ (جس کیلئے واقف نے اپنے وقف نامہ میں پابندی و ضروری تحریر کیا ہے) پوری نہیں ہوسکتی تو کوئی طریقہ احسن ایسا ہے جس سے جائیداد بیع نہ ہو اور بار قرضہ ادا ہو جائے اور سود کا مواخذہ نہ ہو اور واقف کی شرط تعمیر بالاخانہ پوری ہو جائے اگر ہے تو از روئے شرع شریف مع حوالہ کتب بتلایا جائے۔

(۵) اگر مواخذہ سود سے بچنے اور واقف کی برسم شرائط۔ تعمیر للاخانہ۔ و دارئیگی قرضہ ذی کی خود و گذر اوقات۔ متول مع متعلقین و ترقی وقف اگر جائیداد مرہونہ کو بیع کرکے کیا جائے (جس سے یہ سب امور بآسانی حل ہو سکتے ہیں) تو شرعاً یہ بیع جائز ہو سکتی ہے یا نہیں مع حوالۂ کتب بتلایا جائے۔ بینوا توجروا فقط

المستفتی خاکسار حاجی محمد قمر الدین مالک مطبع قیومی

محلہ ٹپکاپور کانپور

الجواب:- قال فی العالمگیریۃ :- واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن و الاجارۃ فلیس بشرط الی ان قال : ولو رھن ارضہ ثم وقفہا قبل ان یفتکہا لزم الوقف ولا یخرج من الرھن بذالک ولو اقامت سنین فی ید المرتھن ثم افتکہا تعود الی الجھۃ ولو مات قبل الافتکاک وترک قدر ما یفتک بہ افتک ولزم الوقف وان لم یترک وفاء بیعت وبطل الوقف اھ (ص ۱۹۹ ج ۲)

وفی الدر : وبطل وقف راھن (ای سیبطل کما صرح بہ الشامی)

معسر و مریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح فان شرط وفاء دینہ من غلتہ صح وان لم یشترط یوفی من الفاضل عن کفایتہ بلا سرف ولو وقفہ علی غیرہ فغلتہ لمن جعلہ لہ خاصۃ۔

قلت : قید بمحیط لان غیر المحیط یجوز فی ثلث ما بقی بعد الدین لو لہ ورثۃ والا ففی کلہ اھ۔

قال الشامی : قولہ : بطل فیہ مسامحۃ والمراد انہ سیبطل (الی ان قال) : ولو مات فان عن وفاء عاد الی الجھۃ والا بیع وبطل الوقف کذا فی الفتح اھ (ص ۶۱۱ ج ۳)

خلاصہ ان اقوال کا یہ ہے کہ مرہون کا وقف، وقف لازم نہیں بلکہ موقوف ہے اگر واقف وقف سے الگ اتنی رقم اور سامان چھوڑ کر مرا ہو جس کے ثلث سے زر دین ادا ہو کر رہن چھوٹ جائے تب تو وقف لازم ہے اور اگر اتنی رقم چھوڑ کر نہ مرا ہو تو اگر مرہون کی آمدنی سے دین ادا ہو جائے جب بھی وقف لازم ہو جائیگا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے اور ورثہ ترکہ اور مرہون کی آمدنی ادائے دین کو کافی نہ ہو تو اگر کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے ادا ہو سکے

اور ورثا اس پر راضی ہوں تو کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے دین ادا کیا جائے اور اگر ورثہ کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے دین ادا کرنا نہ چاہیں تو بجز زمین مرہون کو بیع کردیا جاوے وقف باطل ہوجاویگا اور ادا ء دین کے بعد جو رقم بچے اسکو مصالح وقف میں یعنی عمارت وغیرہ میں لگا دینا چاہئے۔ واللہ اعلم

از تتمۂ اولیٰ مجموعۂ فتاویٰ امدادیہ

۱۸ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۳۲ھ

حکم رجوع واقف از شروط وقف نامہ وتفویض برائے متولی در مخالفت شروط

سوال: والد صاحب مرحوم نے وقف نامہ لکھا تھا خاکسار نے دریافت کیا اس پر عمل کرونگا فرما دیا تھا کہ تمہارے سپرد ہے جو چاہو کرو یا نہ کرو کتاب ہے۔ خادم نے کیا تھا۔ در مختار و رد المحتار میں دیکھی ہیں مخالفۃ شرط الواقف، مثلاً گوشت، روٹی کی مسجد میں تقسیم کرنا شرط کیا اسکی مخالفت کرنا لکھا ہے جو سہل ہے عمل نہ کیا۔ اور والد صاحب نے شرط برادری لکھا ہے جو تصدیق لیاقت کی کریں اور جائیداد لینے کی غرض سے محی الدین کیلئے فتنہ وفساد بلکہ برادری قتل پر آمادہ ہیں کیا اس پر مخالفت کرنا جائز نہ ہوگا؟ اب آنحضور سے اگر کوئی کہے کہ شرط برادری پر عمل کرادیں تو مہر ثبت نہ فرمائیں بلکہ خلاف تحریر کریں۔

راقم آثم مسیح الدین از الہ آباد

مدرسہ احیاء العلوم

ضمیمۂ سوال: عرض یہ ہے کہ وقف نامہ والد صاحب کا لکھا ہوا وہ درحقیقت نوکروں کا لکھا ہوا تھا اور خادم نے والد صاحب سے دریافت کیا تھا کہ میں کسی شرط پر عمل نہ کرونگا بجز مدرسہ کے کام کے اور جس قدر میرا جی چاہیگا اسقدر تنخواہ لونگا اور آزاد رہونگا۔ اور والد صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ وقف نامہ فرضی بغرض حفاظت جائیداد لکھوایا ہے اور نوکروں نے اسکی تحریر میں بہت غلطیاں کیں ہیں، فرمایا تھا کہ تم ان باتوں پر عمل نہ کرنا۔ اب آنحضور اس کا خیال فرماکر جواب مسئلہ مخالفت شرط واقف تحریر فرمادیں اور وہ مخالفت بغرض سہولت عمل اور دفع فتنہ وفسادات عوام ہے۔ اور خادم مسئلہ دریافت نہ کرتا۔ مگر اس خیال سے دریافت کیا کہ شاید عدالت انگریزی میں اس کی ضرورت واقع ہو لوگ فتنہ وفساد پر آمادہ ہیں، مجھکو دعا کی بہت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہوں اور یہ بھی تحریر

فرمائیں کہ والد صاحب مرحوم کا فرمودہ میری مخالفت شروط کیلئے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب: قال العلامة الشامی تحت قول الدر: لا یجوز الرجوع عن الوقف بعد تفصیل طویل ما نصہ: وقد ظهر ان لیس المراد انه یجوز للواقف الرجوع عن شروط الوقف كما فهمه الشارح حتى تكلف فی شرحه على الملتقى للجواب عما قدمه عن الدرر قبیل قول المصنف: اتحد الواقف والجهة من انه لیس له اعطاء الغلة لغیر من عینه لخروج الوقف عن ملكه بالتعیین اه فانه صریح فی عدم صحة الرجوع عن الشروط وفی الاسعاف: ولا یجوز له ان یفعل الا ما شرط وقت العقد اه. وفی فتاوی الشیخ قاسم: وما كان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولا سیما بعد الحكم اه فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا یصح الا التولیة ما لم یشترط ذالك لنفسه فله تغییر الشروط مرة واحدة اھ (۴۸۱ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد تکمیل وقف تمام شروط وقف کے خود واقف کو بھی شروط سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے پھر متولی کو مخالفت شروط کیونکر جائز ہوگی؟ صورت مسئولہ میں واقف کا یہ کہنا کہ ان باتوں پر عمل نہ کرنا شرائط سابقہ سے رجوع ہے جو کہ صحیح نہیں پس متولی کو اس کے موافق عمل جائز نہیں اور مخالفت شروط واقف کی جو صورت شامی میں مذکور ہے اسمیں قاضی یا امام کیلئے مخالفت کو جائز کہا ہے نہ کہ متولی کیلئے۔ اور دوسری قاضی وامام کیلئے جب جائز ہے جبکہ مخالفت اصلح للوقف ہو۔ ہاں! متولی کیلئے مخالفت شرط واقف اس وقت جائز ہے کہ واقف کی شرط شرعاً معتبر نہ ہو یعنی وہ شرط خلاف شرع ہو۔ دل علیہ قولہ شرط معتبر کما ذکرناہ فی العبارۃ المذکورۃ۔

ونص عبارة الدر والشامی هذا: واما الاستبدال بدون الشرط فلا یملكه الا القاضی والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل وهی احد المسائل السبع التی یخالف فیها شرط الواقف قال الشامی: الثانیة شرط ان القاضی لا یعزل الناظر فله عزل غیر الاهل. الثالثة: شرط ان لا یؤجر وقفه اكثر من سنة والناس لا یرغبون فی استئجار سنة او كان فی الزیادة

نفع للفقراء فللقاضي المخالفة دون الناظر (قلت: فليتنبه له) الرابعة: لو شرط ان يقرأ على قبره فالتعيين باطل۔ الخامسة: شرط ان يتصدق بفاضل الغلة على من يسأل في مسجد كذا فللقيم التصدق على سائل غير ذالك المسجد او خارج المسجد او على من لا يسأل۔ (قلت: والوجه كون الشرط خلاف الشرع) السادسة: لو شرط للمستحقين خبزا ولحما معينا كل يوم فللقيم دفع القيمة من النقد وفي موضع آخر: لهم طلب المعين واخذ القيمة اي فالخيار لهم لا له وذكر في المنتقى انه الراجح۔ السابعة: تجوز الزيادة من القاضي على معلوم الامام اذا كان لا يكفيه وكان عالما تقيا وزاد عليها اخرى وهي جواز مخالفة السلطان الشروط اذا كان اصل الوقف لبيت المال اھ (ص ۴۰۲ ج ۳)

لحم وخبز کے جزئیہ سے جو سائل کو شبہ ہوا ہے اس کا جواب شامی کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ اس میں متولی کو اختیار نہیں بلکہ فقراء کو اختیار ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۴ رمضان ۴۳ھ

الوقف على مرمة المسجد والرباط وتسريج المزارات وفاتحة المشائخ وهدايا القوالين وامثالها هل يصح الوقف ام لا۔

السوال: رجل وقف على مرمة المسجد والرباط وتسريج المزارات وفاتحة المشائخ وهدايا القوالين وامثالها هل يصح الوقف على الكل وعلى البعض؟ وعلى الثاني فهل تكون الارض كلها موقوفة او بعضها؟ بينوا بالدليل۔

الجواب: يصح الوقف في الارض كلها ويكون تصرف في المصارف الشرعية فقط دون غيرها فصح الوقف على مرمة المسجد والرباط ولا يصح صرف ريعه على ما سواها۔

قال في الهندية: ولو قال: تجري غلتها على بيعة كذا فان خربت

البیعۃ کانت الغلۃ للفقراء والمساکین فانہ تجری غلتہا علی الفقراء والمساکین ولا ینفق علی البیعۃ شئ کذا فی المحیط فان وقف علی ابواب البر فابواب البر عندہ عمارۃ البیع وبیوت النیران والصدقۃ علی المساکین فاجیزہ من ذالک الصدقۃ وابطل غیرہا کذا فی الحاوی اھ۔ واللہ اعلم۔

۵ر شوال ۱۳۳۲ھ

وقف کی ایک صورت کا حکم | **سوال** :۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ط کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے انتقال کے بعد اس کا متروکہ زید کے ورثاء میں بذریعہ ایک ثالث تقسیم ہوا۔ بوقت تقسیم اسکے برادر حقیقی بکر نے دیگر ورثاء سے خواہش ظاہر کی کہ زید لاولد تھا اور اسکی یہی خواہش اور آرزو تھی اسلئے اگر بنظر ثواب آخرت نیز لقائے نام و یادگار زید قطعات اراضی بیرون موری دروازہ کوچہ معطر خان تقسیم نہ کر کے علیحدہ کر دئے جائیں تو بہتر ہے بکر کی رائے سے دیگر کل ورثاء نے بھی اتفاق کیا اور روبرو ثالث اس امر کی استدعا کی، چنانچہ ثالث نے تقسیم نامہ میں چند قطعات اراضی بدیں الفاظ تقسیم جائیداد متروکہ سے علیحدہ کر دیا۔

عبارت تقسیم نامہ متعلق قطعات اراضی مذکور

سیزدہم۔ جو آٹھ قطعات زمین مع مکانات مذکورہ بالا واقع دہلی موری دروازہ اندر کوچہ معطر خان مالیتی مبلغ بارہ ہزار روپیہ ملکیت زید کی تھی اور جملہ ورثاء، انکے نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ مورث متوفی کی یہ منشا تھی کہ منجملہ جائیداد اپنی کے کسی قدر وقف کر دوں مگر ان کو موقع نہ ملا۔ مگر ہم سب ورثاء انکے یہ چاہتے ہیں کہ یہ قطعات زمین کے وقف سمجھے جائیں تو بہتر ہے چنانچہ انہوں نے ۳۰ ماہ جون ۱۹ء کو ایک درخواست بہری مہر دستخطی اپنی میرے پاس بھیجدی پس بموجب مرضی وموافق تحریر درخواست کی بابت ان قطعات زمین کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قطعات مندرجہ بالا در حد بست قطعی وقف سمجھے جائیں گے اور بقبضہ بکر رہیں گے اور وہی ان کا متولی رہیگا اور جو آمدنی ہوگی وہ جمع کرینگے اور وقت موقعہ انکو اپنے اقرار سے فروخت کر کے زر قیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف بھیجکر حسب مرضی ورثاء دیگر رباط الزام زید تعمیر کرادیں اور اس کے متولی خود رہیں یا حسب مرضی ورثاء کسی اور کو متولی کر دیں۔ اور بکر حساب آمدنی اسکی

جائیداد وقف کا اپنے پاس تحریر کرتے رہیں باقی ماندہ ورثاء کو اختیار ہے کہ جب چاہیں حساب آمدنی وخرچ جائیداد موقوفہ کا متولی مذکور سے سمجھتے رہیں حساب سمجھانے میں متولی کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

کوئی وقف نامہ علیحدہ تحریر نہیں ہوا، بکر برادر حقیقی جو کہ بروئے تقسیم نامہ مذکور اس جائیداد موقوفہ پر متولیانہ قابض ودخیل ہے اور جملہ انتظام ونگرانی کر رہا ہے اور کرایہ داروں سے کرایہ وصول کر رہا ہے۔ بکر نے اپنی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی اولاد ذکور واناث میں ہبہ کردی ہے چونکہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ہے اسلئے بکر کی خواہش ہے کہ جہاں تک ہو سکے جلد اپنی زندگی میں اپنے برادر حقیقی زید کی یادگار کو قائم کردے ان قطعات اراضی کو فروخت کرکے زر قیمت ان کے سے نیز آمدنی کرایہ ان قطعات سے جو کچھ زر نقد میرے پاس باقی ہے اسکو ملی اور مذہبی کاموں میں صرف کردوں چونکہ موجودہ فضاء انتظام مکہ کی سخت ناقابل اطمینان ہے اور بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ان خطرات میں جبکہ زائرین حجاز کا پہونچنا ہی مشکل ہے وہاں روپیہ کا بھیجنا یا خود جاکر رباط کا حسب دلخواہ تعمیر کرنا بہت محال اور دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ معلوم موجودہ حاکم مکہ معظمہ تعمیر رباط کی اجازت بھی دے یا نہ دے اور اگر اجازت مل بھی گئی تو سامان تعمیر کا ملنا مشکل ہے۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ میں رباطیں یا اس قسم کے اوقاف میں ان کا انتظام واقفوں اور بانیوں کی منشا اور نیتوں کے موافق نہیں اور دوری ودرازی کی وجہ سے مالک در واقف نگرانی ودیکھ بھال بذات خود نہیں کرسکتے۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد اس کے نگران اس پر قابض ہوکر مالک بن جاتے ہیں کرایہ وصول کرنے لگتے ہیں۔ بہر حال آجکل مکہ معظمہ اور جدہ وغیرہ میں، امیر علی اور امیر ابن مسعود کے مابین جنگ جاری ہے جس سے راستے مخدوش ہیں انتظامات ناقابل اطمینان اور نامکمل ہیں اور پھر نہ معلوم یہ جنگ کب تک جاری رہے اور بعد جنگ کے جو حاکم ہو اس کا قانون اور طرز عمل نیز طریقہ حکومت کیا ہو اور اس قسم کے اوقاف اور رباطوں کیلئے کیا قانون ہو بصورت مندرجہ بالا بحالت موجودہ بکر چاہتا ہے کہ ان قطعات کو فروخت کرکے اسکی قیمت سے ہندوستان ہی میں از نام زید یادگار قائم کردے مثلاً تعمیر یتیم خانہ، تعمیر دار الحدیث، مساجد ومدارس اسلامیہ وتعمیر ومرمت مساجد نیز دیگر مذہبی وملی کاموں میں صرف کردے۔

ان قطعات کی فروختگی کے بعد انکی قیمت کا روپیہ اپنے پاس یا کسی بنک میں امانت رکھنا مناسب نہیں سمجھتا حاصل یہ ہے کہ بکر برادر زید متوفی کی تحریک پر جملہ ورثاء زید چند قطعات آراضی کو من جانب زید وقف کرنے پر راضی ہوئے اور سب نے اپنی رضامندی کی تحریر لکھ کر ثالث کو دیدی ثالث نے اس تحریک کے حوالہ سے قطعات اراضی کو وقف قرار دیکر بکر کو اس کا متولی قرار دیا اور سب ورثاء نے اسکی تولیت کو تسلیم کرلیا علیٰ ھذا ثالث نے جو شرائط وقف کی اپنے فیصلہ میں درج کیں اور جو مصرف متعین کیا خواہ وہ ورثاء نے اپنی تحریر میں لکھ کر دی ہوں یا ثالث نے خود تجویز کی ہوں مگر سب ورثاء نے اسکو تسلیم کرلیا۔ ثالث نے تجویز کیا جسکو واقفین نے تسلیم کیا کہ حسب موقع قطعات موقوفہ کو فروخت کرکے زرقیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف مکہ معظمہ حسب مرضی ورثاء و دیگر رباط از نام زید تعمیر کرائے اور متولی خود رہے لیکن بکر کو مکہ مکرمہ کے حالات اختلافی جنگ وجدل وغیرہ مذکورہ بالا کی وجہ سے اطمینان نہیں کہ وہاں جائیداد موقوفہ قائم رہ سکے یا صحیح مصرف میں صرف ہو یا اسکی نگرانی و انتظام بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ سے کرسکے اس لئے چاہتا ہے کہ زرقیمت اور آمدنی سے ہندوستان میں یتیم خانہ، یا دارالحدیث، مساجد و مدارس اسلامی تعمیر کرکے مستقل صدقہ جاریہ قائم کردے۔

بیس منظر حالات موجودہ سوالات یہ ہیں۔

(۱) کیا بکر متولی شرعاً مجاز ہے کہ برخلاف تصریح شرائط ثالث مسلمہ واقفین آمدنی اور قیمت کو بجائے مکہ معظمہ کے ہندوستان کے اندر تعمیر مساجد و مدارس، و یتیم خانہ، و دارالحرب ہیں صرف کرکے صدقہ جاریہ قائم کردے۔

(۲) اگر زید کے بعض ورثاء اس پر رضامند ہوں کہ قطعات اراضی موقوفہ کے روپیہ سے ہندوستان کے اندر صدقات جاریہ قائم کردئے جائیں یا اسکو منظور تو کرتے ہیں مگر بلا وساطت بکر متولی کے اپنی رائے سے ہندوستان میں کوئی صدقہ جاریہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں بکر کو بوجہ متولی ہونیکے یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ کہ اپنے اختیار سے جملہ قیمت کو صدقات جاریہ میں صرف کردے اور ورثاء کی رضامندی و اجازت کا انتظار نہ کرے۔

(۳) اور کیا شرعاً یہ صورت بھی ممکن ہے کہ بکر جائیداد موقوفہ میں سے اپنے حصے اور

نیز ان ورثاء کے حصے وقف کردہ کو جو رضامند نہیں ہیں انکو اختیار دیدے کہ اپنے حصے کی جائیداد موقوفہ میں اپنے اختیار سے عملدرآمد کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واضح ہو کہ وقف مذکور صحیح ہے کیونکہ جبکہ ورثاء نے ثالث کو وکیل بالوقف بنادیا تو وقف کردینا اس کا صحیح ہے پس جیسا کہ ورثاء اگر خود وقف کرتے تو وقف صحیح ہوتا اسیطرح جبکہ ثالث نے ان کی طرف سے ان کے اذن سے وقف کردیا تو وہ بھی صحیح ہے جیسا کہ درمختار کتاب الوکالۃ میں ہے۔

التوکیل صحیح وھو اقامۃ الغیر مقام نفسہ الخ۔ فی تصرف جائز معلوم ممن یملکہ الخ لکل ما یباشر الموکل بنفسہ الخ انتھی ملخصاً۔

اور اسطرح بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے کہ بوقت وقف یہ شرط کی جائے کہ اس کو فروخت کرکے دوسری زمین و مکان وغیرہ خرید کر وقف کردیا جائے۔

کما فی الدر المختار۔ وجاز شرط الاستبدال بہ ارضا اخری او شرط بیعہ ویشتری بثمنہ ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیۃ کالاولی فی شرائطھا الخ (شامی)

اور بعض صورتوں میں بلاشرط واقف بھی استبدال صحیح ہے مثلاً جبکہ وقف اول بیکار ہوجائے اور اس سے کچھ نفع حاصل نہ ہو تو قاضی عادل و عالم و عامل بلاشرط واقف بھی اسکو فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین و مکان خرید کر وقف کرسکتا ہے کیونکہ غرض یہ ہے کہ جس میں نفع زیادہ اور غرض واقف اس سے پوری طرح حاصل ہو۔ اسکی رعایت کرنا ضروری ہے۔

وکذا یفتی بجواز ما ھو انفع للوقف فیما اذا اختلف العلماء فیہ حاوی القدسی ومتی قضی بالقیمۃ شری بھا عقارا آخر فیکون وقفا بدل الاول (در مختار) ومراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامی)

پس بعد تمہید کے جواب سوالات کا حسب ذیل ہے۔

(۱) بکر متولی کو جائز ہے کہ جبکہ کہ مکرمہ میں بنا رباط وغیرہ متعذر و مخدوش ہے جسکی تفصیل سوال میں ہے کہ وہ بر خلاف تصریح ثالث اور بر خلاف شرائط مسلم واقفین کے ہندوستان میں کوئی مسجد یا مدرسہ یا یتیم خانہ یا دارالحدیث تعمیر کرکے وقف کردے تاکہ یہ

صدقہ جاریہ باقی رہے اور اس کا ثواب دائماً پہنچتا رہے کیونکہ غرض واقفین حصول ثواب اخروی ہے اور یا کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو کہ صدقہ جاریہ ہو تو ہندوستان میں مسجد و مدرسہ و دھمیتیم خانہ و دار الحدیث بنانے میں بھی یہ غرض حاصل ہے اسلئے یہ بھی جائز ہے جیسا کہ گذرا کہ رعایت رکھنا غرض واقف کی ضروری ہے۔ مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ الخ (شامی)

(۲) بکر کو بحیثیت متولی ہونے کے یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے اختیار سے جملہ قیمت کو کسی صدقہ جاریہ کی تکمیل میں صرف کر دے کیونکہ ورثاء کو بعد وقف ہو جانے قطعہ مذکورہ کے کچھ تعلق وقف سے باقی نہ رہا لھذا انکی اجازت کی تصرف مذکور میں کچھ ضرورت نہیں ہے اور متولی خود اپنی رائے سے مصلحت کے موافق عملدرآمد کر سکتا ہے کیونکہ وقف کر دینے کے بعد حق واقف وقف سے منقطع ہو جاتا ہے۔

(۳) بکر کو لازم ہے کہ موافق شرط طے شدہ بوقت وقف کے تمام جائیدادوں کی قیمت کو صدقہ جاریہ کی تعمیر و تکمیل میں صرف کر دے اور یہ صورت جائز نہیں ہے کہ بعض حصہ داروں کے حصص میں سے خود کوئی تعمیر کرائے اور بعض حصہ داران جو کہ راضی نہیں ہیں انکو اختیار دیدے کہ وہ بطور خود عملدرآمد کریں کیونکہ وقف کامل ہو جانے کے بعد یہ ارادوں کے اختیار سے باہر ہو گیا اور شروط طے شدہ کی تکمیل متولی کے ذمہ لازم ہے اسمیں تغافل و تساہل نہ کرے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند

۰ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی العالمگیریۃ (ص۲۱۶): ولو قال ارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ ابداً علی ان لی ان استبدل بھا اخری یکون الوقف جائزاً استحساناً اذا کان المشتری بثمن الاولی کذا فی محیط السرخسی و کما لو اشتری الثانیۃ تصیر الثانیۃ وقفاً بشرائط الاولی قائمۃ مقام الاولی ولا یحتاج الی مباشرۃ الوقف بشروطہ فی الثانیۃ کذا فی فتاوی قاضی خان واذا قال بمعنی ان استبدل ارضاً اخری لیس لہ ان یجعل البدل داراً وکذا علی العکس کذا فی فتح القدیر۔ ولیس للقیم

ولایة الاستبدال الا ان ینص له بذالك ولو شرط له ولم یشترط لنفسه کان له ان یستبدل بنفسه کذا فی فتح القدیر ولو قال بارض من البصرة لیس له ان یستبدل من غیرها وینبغی ان کانت احسن ان یجوز لانه خلاف الی خیر کذا فی فتح القدیر اھ (ص۲۲۳)
وفی الشامیة، وفی الاسعاف: ولا یجوز ان یفعل الا ما شرط وقت العقد اھ

وفی فتاوی الشیخ قاسم: وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره ولا تخصیصه بعد تقرره ولا سیما بعد الحکم اھ.
فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا یصح الا التولیة ما لم یشترط ذالك لنفسه فله تغییر المشروط مرة واحدةً الا ان ینص علی انه یفعل ذالك کلما بدا له والا اذا کانت المصلحة اقتضته فاغتنم هذا التحریر آھ (ص۶۲۸ ج۳)۔
وفی الدر: قولهم: شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به اھ (ص۴۳۳ ج۳)

حاصل ان عبارات کا یہ ہوا۔
(۱) کہ متولی پر شرائط وقف کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔
(۲) متولی یا واقف کوئی بھی شرائط وقف سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔
(۳) مگر جب مصلحت رجوع کی مقتضی ہو تو واقف رجوع کر سکتا ہے۔
(۴) اور بعض صورتوں میں متولی کو بھی مخالفت شروط واقف کی اجازت ہے۔
(۵) وقف بشرط الاستبدال جائز ہے۔
(۶) اگر کسی خاص شہر کی زمین کے ساتھ استبدال کو مقید کیا ہو تو اس کے سوا کسی اور شہر کی زمین کے ساتھ استبدال جائز نہیں مگر یہ کہ دوسرے شہر کی زمین احسن ہو تو قیاساً جواز کی گنجائش ہے مذہب میں تصریح[1] نہیں۔
(۷) متولی کو استبدال کا حق بدون اذن صریح واقف کے نہیں ہے۔
(۸) اگر واقف نے متولی کو استبدال کی اجازت دی ہو اور اپنے لئے اس حق

---

[1] دل علیه لفظ ینبغی ان کانت احسن یجوز۔

کو ذکر نہ کیا ہو تو واقف کو خود بھی حق استبدال ثابت ہوگا اب اس کے بعد صورت
مسئلہ میں غور کیا جائے تو ثابت ہے نفس استبدال کو بھی متولی کیلئے مطلقاً مشروط
نہیں کیا بلکہ رضاء ورثاء کے ساتھ مقید کیا ہے پھر استبدال مشروط میں تغییر کرنیکا
حق بدون رضاء ورثاء کے متولی کو کیونکر حاصل ہوگا پس صورت مسئولہ میں متولی کو
اس وقف کا بیع کرنا بغرض بناء رباط فی بیت اللہ بھی بدون رضاء واقفین جائز
نہیں اور بناء رباط فی بیت اللہ کے علاوہ کسی اور جگہ رباط وغیرہ بنانے کے لئے بیع
کرنا تو بدون رضاء واقفین کے کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ اسکو حق استبدال
مطلقاً نہیں دیا گیا۔ اور مطلقاً بھی دیا گیا ہوتا تو واقفین کو بذات خود بھی استبدال
کا حق قائم رہتا کما مر فی الجزئیۃ الثالثۃ المنقولۃ عن فتح القدیر۔ لہٰذا
مجیب مسئلہ کا یہ کہنا کہ یہ صورت جائز نہیں کہ بعض حصہ داروں کے حصص میں سے
خود کوئی تغیر کیا جائے۔ ورنہ بعض حصہ داران جو راضی نہ ہوں انکو اختیار دیدے الخ
سمجھ میں نہیں آیا اگر سب ورثاء راضی نہ ہوں تو ہر وقف کو اپنے حصہ وقف میں
برضاء خود استبدال کا حق باقی ہے وقف کرنے سے واقف کی ملک منقطع ہو جاتی ہے
نہ کہ حق تولیت و تصرف وغیرہ اور واقفین کو بھی بناء رباط فی بیت اللہ کی شرط کی
مخالفت اس وقت جائز ہے کہ بناء رباط فی غیر بیت اللہ احسن ہو یا بیت اللہ میں
رباط کا بنانا دشوار ہو اور دشواری کا خیال محض اخباری خبروں پر قائم نہ کرنا چاہئے بلکہ
براہ راست ان معتبر لوگوں سے جو کہ مکہ میں رباطات و مدارس کے متولی و مہتمم ہیں اسکو
دریافت کرنا چاہئے مکہ میں سب رباطات و مدارس کے مہتممین و متولیین خائن نہیں
ہیں بعض ثقہ و معتبر بھی ہیں مثلاً مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ سے دریافت
کیا جائے کہ آیا مکہ میں کسی رباط کا بننا ممکن ہے یا نہیں؟ مدرسہ صولتیہ کیلئے تعمیر
مکان برائے اقامت طلبہ کی ضرورت مدرسہ مذکورہ کی رپورٹ میں عرصہ سے ظاہر کی
جا رہی ہے اگر مہتمم مدرسہ صولتیہ اس کا امکان ظاہر کریں اور اس کام کو اپنے
اہتمام سے انجام دے سکیں تو غرض واقفین کے یہ زیادہ موافق و مناسب ہوگا
اور صرف اپنا ایک آدمی نگرانی کا وہاں بھیجنا کافی ہوگا۔ اگر وہاں تفتیش تام
کے بعد بناء رباط ممکن نہ ہو تو پھر ہندوستان میں بھی واقفین کی رضا سے بنانا جائز

ہے اگر سب راضی نہ ہوں تو ہر واقف اپنے حصہ وقف میں استبدال و عدم استبدال کا مختار ہے فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۲ محرم الحرام ۴۳ھ

ہذا ہو الحق عندی
اشرف علی
۱۲ محرم ۴۳ھ

واقف کو شروط وقف میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں

سوال :- زید کے پاس ایک قطعہ قبرستان کا جو پیشتر سے وقف تھا شرکا سے تقسیم ہو کر سب اس کے حصہ میں آگیا اور اس قطعہ میں چند قوموں کے موتی دفن ہوتے ہیں اور زید کے جد امجد کے بھی دو مقبرے ہیں ایک دانا اور دو زمانہ زید نے اپنی لاگت اور صرف سے بیریوں کے درخت لگادیے جب وہ بہ درشی ہوگئے اور پھل دینے لگے اس قطعہ کا مع بیریوں کے ملکر وقف نامہ لکھدیا اور یہ نیت کی ۔ اور یہی عبارت اسمیں لکھی کہ تا زندگی نصف آمدنی اپنے صرف میں لاؤنگا اور نصف آمدنی مکہ معظمہ میں مہاجرین و مساکین پر صرف کرونگا اور بعد مرنے زید کے اس کا جو متولی ہوگا اور کل آمدنی اسکے گاؤں میں جو مدرسہ اسلامیہ یا قرآن کا مکتب ہو اسمیں صرف ہوگی اور جو نہ ہو وہ گاؤں کی مساجد میں ۔

اب یہ دریافت کرنا ہے کہ مصرف اس آمدنی کا جو نیت زید نے کی تھی وہی ہے یا شرعا اور مصرف بھی ہو سکتا ہے اور وہ مصرف کیا ہے ؟

المستفتی حاجی محمد یاسین خان صاحب اسلام پوری

الجواب :- صورت مسئولہ میں جبکہ زید نے اس وقف کا مصرف متعین کردیا تو اس تعیین کے موافق تاحیات صرف کرنا واجب ہے اور بعد میں اس تعیین کے موافق صرف کرنا ضروری ہے جو بعد کیلئے متعین کی گئی اسمیں تغیر کرنیکا نہ واقف کو حق ہے نہ متولی مابعد کو ۔

قال فی العالمگیریۃ : اذا قال ارضی صدقۃ موقوفۃ للہ تعالی ابدا علی من یضع غلتہا حیث شئت جاز ولہ ان یضع غلتہا حیث شاء فان وضع فی المساکین او فی الحج او فی انسان بعینہ فلیس لہ ان یرجع عنہ وکذالک لو قال

جعلتها لفلان او اعطیتها فلانا فلا یرجع منه اھ (ص ۲۱۷ ج ۳)

وفیہ ایضاً: ولو وقف ارضه علی بنی فلان علی ان لی ان اعطی غلتها من شئت فشاء صرفها الی واحد من بنی فلان بعینه جازت مشیته وان شاء کلها عامة فتعم الکل ولو شاء صرفها الی غیر بنی فلان بطلت مشیته کذا فی محیط السرخسی۔ فان قال: جعلت الغلة لابن فلان دون اخوته جاز ولو لم یکن له ان یحوله اھ (ص ۲۱۸ ج ۳)

قلت: فلما لم یجز التحویل فیما اذا جعل المشیة له ثم عین مصرفاً فان لا یجوز فیما لا یجوز المشیة له اولی

اور اگر ان مصارف میں صرف کرنا دشوار و متعذر ہوگیا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

۳ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

بیع اراضی وقف و عکم تولیت | سوال (در عبارت تقسیم نامہ متعلق قطعات اراضی ومکانات موقوفہ) جو آٹھ قطعات زمین معہ مکانات مذکورہ بالا واقع دہلی موری دروازہ کوچہ معظم خاں مالیت مبلغ . . . . . روپیہ ملکیت زید کی تھی اور جملہ وارثان متوفی نے مجھ سے بیان کیا کہ مورث متوفی کی یہ منشاء تھی کہ جملہ جائیداد میں سے کسی قدر جائیداد وقف کردوں، مگر ان کو موقع نہ ملا مگر ہم سب ورثاء ان کے یہ چاہتے ہیں کہ یہ قطعات زمین کے وقف سمجھے جائیں تو بہتر ہے چنانچہ انہوں نے بتاریخ ۲۸ر جنوری سنہ کو ایک درخواست معری و دستخطی اپنی میرے پاس بھیجی کہ پس بموجب مرضی اور موافق تحریر درخواست کے بابت ان قطعات زمین کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قطعات مندرجہ بالا درد بست قطعی وقف سمجھے جائیں گے اور بقبضہ بکر رہیں گے اور وہی ان کا متولی رہیگا اور جو آمدنی ہو وہ جمع کریں اور وقت موقع ان کو اپنے اقرار سے فروخت کرکے زرقیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف بھیج کر حسب مرضی ورثاء و دیگر رباط از نام زید تعمیر کرادیں اور اسکے متولی خود رہیں یا حسب مرضی ورثاء کسی اور کو متولی مقرر کردیں اور بکر حساب آمدنی اس جائیداد وقف کا اپنے پاس تحریر کرتے رہیں باقی ماندہ ورثاء کو اختیار ہے کہ جب چاہیں حساب آمدنی و خرچ جائیداد موقوفہ کا متولی مذکور سے سمجھنے

رہیں حساب سمجھانے میں متولی کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

اب سوال بصورت مندرجہ بالا یہ ہے

بعد انتقال بکر متولی برادر حقیقی زید کے ان قطعات اراضی و مکانات موقوفہ پر بکر کے پسران بحیثیت متولیانہ قابض و دخیل ہیں اور ان کا ہر ایک قسم کا انتظام اور نگرانی و وصول کرایہ وغیرہ اپنے اختیار متولیانہ سے انجام دے رہے ہیں پسران بکر متولیان (جو کہ شرعی طور پر اسی اراضی میں منجانب پدر خود حصہ دار اور حقدار ہیں) کی خواہش ہے کہ وہ اراضی و مکانات موقوفہ مذکورہ کو جہانتک ہوسکے جلد از جلد فروخت کر کے زر قیمت اسکی صدقات جاریہ میں لگا دیں تاکہ زید انکے چچا کی یادگار بہت جلد قائم ہو جائے اور ثواب اس صدقہ جاریہ کا چچا مرحوم کو پہونچ جائے نیز جس قدر کام بکر متولی نے ناممکل چھوڑے ہیں اور انکی تمنا و آرزو تھی کہ اپنی حیات میں اپنے بھائی زید کی یادگار قائم کر دوں مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ تمنا اپنے ساتھ لے گئے بکر متولی کی تمنا بھی ان کے بقیہ کاموں کی تکمیل کر کے پوری کر دی جائے۔ پسران بکر کی تولیت شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ اور پسران متولیان موجودہ کو مثل بکر متولی متوفی کے جملہ اختیارات بیع و تعمیر وغیرہ حاصل ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ان پسران بکر کو بکر متولی سابق نے برضاء دیگر ورثاء زید اپنی حیات یا مرض موت میں متولی کر دیا تھا تو انکی تولیت صحیح ہے کیونکہ ثالث نے بکر متولی کو کسی دوسرے کے متولی بنانیکا اختیار اسی شرط سے دیا ہے پس بکر کو بدون رضاء دیگر ورثاء کسی کے متولی بنانے کا حق نہ تھا تو اگر بکر نے اپنے بیٹوں کو اپنی حیات میں متولی نہ بنایا ہو یا بنایا ہو مگر دیگر ورثاء زید کی رضاء کی رعایت نہ کی ہو تو پسران بکر کی تولیت صحیح نہیں۔ ہاں اگر بعد انتقال بکر کے دیگر ورثاء زید نے پسران بکر کو متولی بنا دیا ہو تو اس صورت میں بھی تولیت صحیح ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ان کی تولیت صحیح نہیں اور بصحت تولیت کے پسران بکر کو ان اراضی موقوفہ کی بیع کرنے اور انکی قیمت سے رباط تعمیر کرنیکا حق نہیں بلکہ اب یہ حق واقفین کو ہے اگر ان سے کوئی زندہ ہو یعنی ورثاء زید کو۔

قال فی العالمگیریۃ: ولو قال: ولیتک ھذا الوقف فاستمالہ

الولایۃ حال حیاتہ لا بعد وفاتہ (ای الواقف) اھ (ص ۲۲۰ ج ۳)
واذا مات المتولی والواقف حی فالرأی فی نصب قیم آخر الی الواقف لا الی
القاضی وان کان الواقف میتا فوصیہ اولی من القاضی وان لم یکن اوصی الی
احد فالرأی فی ذلک الی القاضی اھ (ص ۲۲۱ ج ۳) ـــــ ولو شرط الواقف
فی الوقف الاستبدال لکل من ولی ھذا الوقف صح ذلک ویکون لکل من
ولی الوقف ولایۃ الاستبدال اما اذا کان الواقف علی ان لفلان ولایۃ
الاستبدال فمات الواقف ولا یکون لفلان ولایۃ الاستبدال بعد موت
الواقف الا ان یشترط الولایۃ بعد وفاتہ کذا فی فتاوی قاضیخان اھ (ص [illegible])
وفیہ ایضاً: ولیس للمشروط لہ ذلک ان یجعل لغیرہ الا لو اوصی
بہ لہ کذا فی البحر الرائق اھ (ص ۲۱۴ ج ۳) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ جمادی الثانی [illegible]ھ

حکم وقف ثلث ترکہ بر مسجد بدون اذن وارث

سوال (۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ھندہ فوت ہوئی اس نے ایک چچازاد بہن کی
لڑکی مسماۃ زینب اور ایک اپنے خاوند کا رشتہ جدی کا برادر زادہ مسمّی زید
اور ایک خالہ زاد برادر مسمّی خالد وارث چھوڑے پھر چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب
اور مسماۃ ھندہ متوفیہ کے خاوند کے رشتہ جدی برادر زادہ مسمّی زید میں باہم جھگڑا ہوا
کہ میں اس کا مالک ہوں حالانکہ خاوند مرحوم نے اپنی حیات میں تمام مال و اسباب
خانہ و صحرائی جائیداد و مکان کا ہبہ نامہ باقاعدہ اپنی اہلیہ کے نام کر دیا تھا اب اسکے
رشتہ جدی کے برادر زادہ مسمّی زید کو متوفیہ کی جائیداد سے کچھ شرعاً تعلق نہ تھا اور
چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب نے کہا کہ ہم مالک ہیں چنانچہ یہ جھگڑا پنچایت میں شرعاً
کی پیش ہوا اسکے بعد پنچایت کو چند اشخاص مرد و عورت سے معلوم ہوا کہ متوفیہ مسماۃ
ھندہ یہ بیان کیا کرتی تھی کہ میں اپنے تمام گھر کا سامان و مکان و صحرائی جائیداد تین سہام
پر تقسیم کر دونگی ایک حصہ مسجد کو اور ایک حصہ چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب کو اور
ایک حصہ اپنے خاوند کے جدی برادر زادے زید کو دونگی۔ چنانچہ اس کا عملدرآمد سرکاری

کاغذات میں کرنیکو ایک شخص بھی مقرر کیا تھا مگر اس کے تاحال میں عملدرآمد کاغذات
سرکاری میں نہ ہوا تھا کہ وہ فوت ہوگئی چنانچہ پنچائیت نے دو عالم طلب کرکے ارادہ
متوفیہ کو بیان کیا علماء نے فریقین سے دریافت کیا کہ اس تقسیم کو تم بھی منظور کرتے ہو یا
نہیں؟ چنانچہ انہوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کرکے روبرو پنچائیت ترکہ مذکور اسی
طرح تقسیم کرلیا۔ مسجد کا حصہ مسجد کے متولیان کو دیدیا گیا چند روز کے بعد متوفیہ کا خالہ زاد
بھائی آیا جس کا حال کسی کو معلوم نہ تھا اور نہ وہ یہاں کا باشندہ تھا وہ شرعاً کل ترکہ کا مالک تھا
اس نے اثاث البیت وغیرہ کل ترکہ متوفیہ کا ثلث حصہ تو مسجد کو حسب فیصلہ مذکور چند
معتبرین کے سامنے بخوشی دیکر کہدیا کہ متوفیہ کو اس کا ثواب پہنچیگا میں برضا ورغبت اسکو
تسلیم کرتا ہوں مگر ایک حصہ چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب کا اور برادر زادہ جدی مسمی زید
متوفیہ کے خاوند کا حصہ اثاث البیت کا قیامت میں مواخذہ کرونگا اب صحرائی جائیداد و
مکان کے حصہ کی بابت برادر زادہ جدی خاوند متوفیہ مسمی زید نے وارث مذکور یعنی خالہ زاد بھائی
کو فریب دیا اور اس فریب میں اس کے چند شناسا دوسرے بھی شامل ہوگئے کہ میرے نام
کی تمام جائیداد میں سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہوگیا اب تم دعوی کروگے تو روپیہ
بہت خرچ ہوگا۔ لھذا نصف تم مجھے دیدو اور نصف کا تم روپیہ لیکر میرے نام بیع نامہ کردو
چنانچہ متوفیہ کے خالہ زاد بھائی مسمی خالد نے اس کے فریب میں آکر مکان اور صحرائی حصہ کا
بیع نامہ اسی طرح کردیا اور اثاث البیت کا حصہ تو کارکنان مسجد کے قبضہ میں پیشتر سے
حسب رضامندی جائز و ناجائز وارثان آہی چکا تھا اب صحرائی و مکان کے حصہ کی بابت
کارکنان نے دعوی عدالت میں کیا چنانچہ دوران مقدمہ میں برادر زادہ خاوند نے کارکنان
مسجد سے مبلغ تین سو روپیہ پر فیصلہ کرلیا اور رقعہ لکھدیا کہ روپیہ مسجد کو ادا کرونگا چنانچہ
رقعہ موجود ہے ـــــ تو اب سوال یہ ہے کہ اثاث البیت کا حصہ جو قبل البیع نامہ وارث
شرعی نے مسجد کو دیدیا اور وارث ناجائز نے بھی دیا مسجد کا ہے یا کس کا؟ وارث ناجائز
اب کہتا ہے کہ میں وارث جائز ہے تمام اثاث البیت اور مکان اور جائیداد صحرائی کا حصہ
خرید چکا ہوں لھذا حصہ اثاث البیت جو مسجد کو دیا گیا ہے مجھکو واپس دیا جائے حالانکہ بیع
نامہ میں اثاث البیت کی خریداری کا لفظ کہیں موجود نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ اب کارکنان مسجد کو بابت جائیداد صحرائی کے تین سو روپیہ خریدار سے

شرعاً لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور مسجد اس کی مالک ہے یا نہیں اور اثاث البیت کا حصہ جو مسجد
میں موجود ہے شرعاً کس کا ہے اور اثاث البیت بلا صراحت کیا بعینہا مد میں داخل ہو سکتا
ہے یا نہ ؟ اور جبکہ حصہ مسجد کا ہوا تو اس کے لینے والے اور دلانے والے کو شرعاً مسجد کو دینا
واجب ہوگا یا نہ ؟ اور جس وقت وارث شرعی اور دوسرا مستحق زید بلا دو زادہ اور جدی
خاوند متوفیہ بھی مسجد کو دے چکے تو واپسی کا حق شرعاً ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر ہوگا تو کس کو
ہوگا ؟ جواب حوالہ کتب سے ارقام فرمایا جائے اور تمام علماء والا قدر کی مہریں اور دستخط
سے فتوی مزین کرا کر بہت جلد ارسال فرمائیں ۔ فقط

الجواب :۔ صورت مذکورہ میں مسماۃ ہندہ متوفیہ کا وارث شرعی اس کا خالہ زاد
بھائی ہے مکوحہ اقرب الی المیت پس اس کی رضامندی سے پہلے جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ محض
لغو تھا پھر بعد میں اگر اس نے بخوشی ثلث ترکہ مسجد کو دیدیا تو جس چیز پر تقسیم کے بعد مسجد
کے متولی کا قبضہ ہو گیا وہ تو مسجد کی ملک ہو گئی اور جس چیز کو ابھی تقسیم نہیں کیا گیا اور اس پر
متولی مسجد کا قبضہ نہیں ہوا۔ وہ ابھی مسجد کی نہیں ہوئی کیونکہ اس صورت میں ھبہ مشاع بھی
لازم آتا ہے جو قابل تقسیم اشیاء میں مانع صحت ہے اور مشاع بھی نہ ہو تو ھبہ بدون تسلیم
وقبض کے تام نہیں ہوتا اور صورت سوال میں خالہ زاد نے وقف کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ
دینے کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

قال فی العالمگیریۃ : ولو قال : وھبت داری للمسجد او اعطیتھا
لہ صح ویکون تملیکا ویشترط التسلیم کما لو قال : وقفت ھذہ المأۃ للمسجد
یصح بطریق التملیک اذا سلم للقیم کذا فی الفتاوی العتابیۃ (ص ۴۶۰ ج ۲)

وفی الدر : والصدقۃ کالھبۃ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم اھ
(ص ۹۶ ج ۴)

پس جس اثاث البیت پر کارکنان مسجد کا برضامندی خالہ زاد قبضہ ہو چکا ہے وہ تو مسجد
کا ہے اس میں کسی کا دعوی صحیح نہیں اور جائیداد و مکانات کا ثلث جس پر خالہ زاد نے

ملہ بشرطیکہ ہندہ کے شوہر نے خود ہندہ کو ہبہ کیا ہے وہ شرائط کے موافق ہو ورنہ زید مالک
رہیگا ۔ اور اس کے ورثاء کو وہ ترکہ ملیگا ۔

ہنوز مسجد کا قبضہ نہیں دلایا مسجد کی ملک نہیں ہوگی نہ اہل مسجد کو اس کے دعویٰ کرنے کا حق ہے جبتک کہ خالد خود قبضہ نہ دلائے پس اہل مسجد نے جو تین سو روپیہ پر زید سے فیصلہ کیا ہے یہ فیصلہ حرام ہے زید کے ذمہ ان تین سو روپیہ کا دینا مسجد میں واجب نہیں اور زید نے بھی جو خالد پر دباؤ ڈالکر نصف حصہ بلا معاوضہ لیا ہے یہ نصف حصہ شرعاً اس کیلئے حلال نہیں کیونکہ صرف نام چڑھنے جائیداد ملکیت نہیں ہوجاتی لہذا شرعاً زید پر واجب ہے اور اسیطرح زینب پر کہ خالد کو کل ترکہ پر قبضہ دلا دے پھر چاہے وہ ان کو از خود ہبہ کردے یا ان کے پاتھ بیع کردے۔ واللہ اعلم

۱۰ر شعبان سنہ ۴۳ھ

مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرنا۔

سوال:۔ مسجد کی ایک موقوفہ جائیداد ہے اسکی آمدنی سے کوئلہ، لکڑی خرید کر نمازیوں کیلئے پانی گرم کرنا بالخصوص جبکہ وقف نامہ بھی گم ہوگیا ہو اور واقف کی نیت بھی معلوم نہیں کہ اس نے کون کون سی ضروریات کیلئے جائیداد وقف کی تھی تو ایسی صورت میں مسجد کی آمدنی سے پانی گرم کرنا جائز ہے یا ناجائز جواب سے مطلع فرمائیں۔

المرسل محمد میاں عفی عنہ الکوہ منصوری

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جبکہ وقف نامہ موجود نہیں تو پہلے متولیوں کا طرز عمل دیکھا جائے اگر پہلے متولیوں کا طرز عمل یہ رہا ہو کہ اس زمین کی آمدنی سے کوئلہ، لکڑی خرید کر نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہوں تو یہ فعل اب بھی جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ مصالح مسجد میں اسکی آمدنی کو صرف کیا جائے البتہ اگر جاڑے کے موسم میں پانی گرم نہ کرنے سے نمازی اس مسجد میں نہ آتے ہوں یا بہت کم آتے ہوں تو ہر حال میں یہ فعل جائز ہوگا کیونکہ اب یہ مصالح مسجد میں داخل ہوگیا۔ لان تکثیر الجماعۃ من مصالحہ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ر ذی قعدہ سنہ ۴۳ھ

دو منزلہ مکان دو شخصوں پر اس طرح وقف ہو کہ ایک منزل ایک پر اور دوسری دوسرے پر تو نچلی منزل کی چھت کی مرمت کس کے ذمہ ہوگی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان دو منزلہ وقف کیا ایک منزل نچلی اپنے اہل وعیال

پر اور دوسری اور تیسرے گھر کے اہل و عیال پر اور وقف نامہ میں یہ تحریر کر دیا کہ ہر دو منزل کی مرمت اسکے ساکنین کے ذمہ رہیگی۔ تو سوال یہ ہے کہ پہلی منزل کی چھت کی (جو کہ پہلی منزل والوں کیلئے چھت کا کام اور دوسری منزل والوں کیلئے زمین کا کام دیتی ہے وغیرہ اس چھت مذکورہ پہ تمام ضروریات کیلئے پختہ عمارت بنی ہوئی ہے از قسم کمرہ کوٹھری غسل خانہ وغیرہ) مرمت کس کے ذمہ ہونا چاہئے؟ ساکنین منزل زیریں پہ یا ساکنین منزل بالا پر؟ بینوا توجروا۔

سائل محمد عبد الشہید

الجواب: قال فی الفتاوی الحامدیة (سئل) فی علو جار فی ملك زید وتحته سفل جار فی وقف بر فتكسر بعض اخشاب السفل فهل تكون عمارتها علی جهة الوقف دون زید؟ الجواب: نعم: والمسئلة فی الخیریة من الوقف۔ وقال فی الدر: شرطه شرط سائر التبرعات اھ (ص [illegible] ج ۳)۔ وفیه ایضاً تجوز هبة حائط بین داره ودار جاره لجاره وهبة البیت من الدار اھ (ص [illegible] ج ۴)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح ہے اور فتاوی حامدیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ چھت کی شکست و ریخت کی مرمت حصہ زیریں والوں پر ہے حصہ بالائی والوں پر اس عمارت کی چھت اور دیواروں کی مرمت ہے جو حصہ زیریں کی چھت پہ بنے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم

۲ محرم ۸۵ھ

وقف زمین موہوبہ بالغیر جبکہ واہب رجوع فی الھبہ کا دعوی کرے اور اس وقف کی آمدنی سے مصارف مقدمہ لینے کا حکم

سوال ۵۴: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ اراضی منجملہ اپنے کل حصہ کے بکر کو ہبہ کی اور قبضہ وغیرہ مکمل کر دیا۔ ہبہ کرنے کے کچھ عرصہ بعد زید نے واپسی ہبہ کا دعوی کیا جس میں دو عدالتوں سے ناکام ہو کر عدالت عالیہ میں اپیل کی ہنوز مقدمہ اپیل سے فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ زید نے اپنا کل حصہ جس میں اراضی موہوبہ بکر بھی ہے وقف لوجہ اللہ کر کے مکمل کر دیا اور اراضی موہوبہ کی بابت حسب ذیل عبارت تحریر وقف نامہ کیا۔

زمین نے جو جائیداد بکر کو ہبہ کی اسکی تنسیخ کا مقدمہ عدالت جوڈیشلی میں دائر ہے اگر ہبہ نامہ منسوخ ہوکر جائیداد واپس ہوگئی تو وہ بھی شامل وقف نامہ ہذا تابع شرائط وقف نامہ ھذا رہیگی۔

مقدمہ اپیل زید کے خلاف فیصلہ ہوا اور زید کو بکر کا خرچہ ادا کرنا پڑا۔ زید جائیداد موقوفہ کا متولی ہے اور وقف مذکور ایک کمیٹی کی زیر نگرانی ہے زید کمیٹی سے یہ خواہش کرتا ہے کہ اسکو وہ روپیہ جو بکر کو بعد خرچہ مقدمہ دینا پڑا ہے آمدنی وقف سے مل جائے کیا صورت حال بموجب عبارت وقف نامہ جائیداد موہوبہ اگر واپس ہو جاتی تو وقف شمار ہوتی اور خرچہ مقدمہ جسکی خواہش متولی واقف کرتا ہے آمدنی جائیداد موقوفہ سے کمیٹی دے سکتی ہے اور وہ صرفہ جائز ہوگا جبکہ وقف نامہ میں اس خرچہ کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

احقر امتیاز علی از خیر آباد، ڈاکخانہ خرا ما
محمد شیخ سرائے ضلع سیتاپور، اودھ۔

الجواب:- صورت مسئولہ میں زید نے جو زمین موہوبہ کو تعلیق کے ساتھ وقف کیا تھا یہ وقف صحیح نہ تھا۔ کیونکہ وقف کیلئے مملوک ہونا شرط ہے اور یہ زمین مملوکہ زید نہ تھی بلکہ مملوکہ غیر تھی اور مملوکہ غیر کا وقف تعلیقاً و تنجیزاً ہر طرح باطل ہے اگر یہ زمین واپس آجاتی اور یہ واپسی قواعد شرع کے موافق برضا موہوب لہ واقع ہوتی تب اس کا وقف ہم پہلی عبارت سے پھر بھی صحیح نہ ہوتا بلکہ وقف مستقل کی حاجت ہوتی پس زید کو اس زمین کے مقدمہ کا صرفہ آمدنی وقف سے لینا جائز نہیں کیونکہ اس مقدمہ کو وقف سے کوئی تعلق نہ تھا کمیٹی وقف کو بھی اس کا خرچ زید کو دینا آمدنی وقف سے جائز نہیں۔

قال فی الدر مع الشامیة: وشرطه شرط سائر التبرعات (افاد ان الواقف لا بد ان یکون مالکاً له وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد۔ ش) وان یکون منجزاً لا معلقاً الا بکائن ولا مضافاً ولا موقتاً (لان الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر لکونه مما لا یحلف به کما لا یصح تعلیق الهبة بخلاف النذر وقوله: الا بکائن اوموجود للحال خلا فیا فی عدم صحته معلقاً بالموت قال فی الاسعاف: ولو قال: ان کانت هذه الارض فی ملکی

فھی صدقۃ موقوفۃ۔ فان کانت فی متنہ وقت الکل صح الوقف والا فلا اھ شامی (ص ۱۸ ج ۳) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲ر محرم الحرام ۳۵ھ

ایسے مسافرخانہ کا حکم جس کا مالک معلوم نہ ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک چھوٹی سی مسجد کچی جو ٹاٹ کی چھپرا پوش بنی ہوئی ہے اور اسی مسجد کے احاطہ میں مغربی جانب اسکے متعلق ایک مسافرخانہ بھی اسی طرح چھپرا پوش بنا ہوا ہے چنانچہ اس مسجد کو شہید کرکے اور مسافرخانہ کو گرا کر از سر نو مسجد کو پختہ و وسیع چھت دار اور مسافرخانہ کو سامنے مشرقی جانب بنانے کا خیال ہے جس میں موذن وغیرہ کے رہنے کا بھی سامان ہوگا جس کا کل سامان ہو چکا ہے بلکہ مسافرخانہ ٹوٹ چکا ہے مگر کام بند ہے اس وجہ سے چند شکوک ایسے پیدا ہوئے کہ اس کا فتویٰ طلب کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہذا مندرجہ ذیل سوال معروض ہیں۔

(۱) جس طرح مسجد کے کل ٹین و سامان (کھپرا، چھپا، بانس و اینٹیں وغیرہ) مال وقف ہیں غالباً اس مسافرخانہ کے کل سامان و اسباب کھپرا تیلی و اینٹیں وغیرہ بھی مال وقف ہوں گے کیونکہ اس کا خاص کوئی مالک نہیں ہے اور مفاد عام کیلئے ہے اور کل بنائی اسی کے ساتھ مسجد کے متعلقات کی طرح کئے جاتے ہیں۔

الجواب: تحقیق کے بعد اگر اس مسافرخانہ کا کوئی خاص مالک معلوم نہ ہو تو اسکو وقف ہی شمار کیا جائیگا کیونکہ عرف یہی ہے کہ سرائے اور مسافرخانہ بطور وقف کے بنائے جاتے ہیں۔ دوسرے جس چیز کا کوئی مالک نہ ہو اس کا مالک بیت المال ہے اور بیت المال نہ ہو تو عامۂ مسلمین ہیں یعنی عام مسلمین کو اسکے انتظام کا حق ہے اس کا مرجع بھی وقف ہی کی طرف ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۵ر محرم الحرام ۳۵ھ

وقف علی الاولاد اور تعلیق توقیت علی شرط

سوال: مخدوم و مکرم و معظم جناب حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب دام فیوضکم۔ السلام علیکم۔

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ میرا ارادہ اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد اپنے پوتے انعام اللہ خان اور اپنی پوتی بندا بیگم کے نام کرنیکا ہے انعام اللہ خان عرصہ سے مفقود الخبر ہے۔ وقف نامہ میں تحریر کیا جائیگا کہ اول انعام اللہ خان اگر آجائے تو متولی رہے ورنہ پوتی اور اس کے بعد نسلی اولاد از قسم ذکور متولی ہونگے کیا اس قسم کا وقف بنام پوتا و پوتی شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر بجز پوتا اور پوتی کے اور کوئی وارث نہیں یا ہے مگر ان سے مؤخر ہے تو اس وقف میں کوئی کراہت نہیں جبکہ وقف نامہ میں آخری جہت ایسی ہو جو غیر منقطع ہو مثلاً یہ لکھدیا جائے کہ اگر ان کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو اس زمین کی آمدنی فقراء کو دی جائے اگر جہت غیر منقطع کا ذکر نہ کیا گیا تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

قال الشامی: والصحیح ان التابید شرط اتفاقاً لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وعند محمد لابد ان ینص علیہ وصححہ فی الہدایۃ۔

ایضاً فی الاسعاف: لو قال: وقفتُ ارضی ہذہ علی ولد زید و ذکر جماعۃ باعیانہم لم یصح عند ابی یوسف ایضاً لان تعیین الموقوف علیہ یمنع ارادۃ غیرہ بخلاف ما اذا لم یعین لجعلہ ایہ علی الفقراء اھ

(ص ۵۲۲ - ج ۳)

وفی الخلاصۃ عن شرح الطحاوی: تعلیق العزل باطل وتعلیق الوکالۃ بالشرط جائز متعارفاً کان او غیر متعارف اھ (ص ۱۵۰ - ج ۴)

قلت: والتولیۃ کالتوکیل۔

اور اگر ان دونوں کے سوا اور بھی وارث ہیں جو ان سے محجوب نہیں اور وقف سے انکو محروم الارث کرنا مقصود ہے تو کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

متولی اگر بدون وصیت مرجائے تو متولی مقرر کرنے کا حق کس کو ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی ملکیت کی آمدنی میں سے آٹھواں حصہ وقف کیا اور وصیت نامہ لکھا جس میں واقف نے اس کے

خرچ کرنیکی تفصیل بھی بتائی اور اس کے دو متولی مقرر کئے اور خرچ کرنیکی تفصیل یہ
کہ اعظم میں مجلس روپیہ سالانہ اور تیس روپیہ صرف مقررہ میں بھیجے جائیں اس کے علاوہ
جو حصہ آمدنی کا باقی رہے اس کو طالب علموں کو کتاب وغیرہ و دیگر کار خیر میں ثواب کے کاموں
میں خرچ کرنا اور اس کا اختیار مقرر کردہ متولیان کو دیتا ہوں کہ مقرر کردہ آمدنی کو تم
خرچ کریں اور اگر ان میں سے دونوں کی یا ایک کی موت واقع ہو تو انکو اختیار ہے کہ یہ
اپنی جانب سے کسی کو متولی مقرر کردیں مذکور شخص یعنی واقف کے انتقال کے بعد دونوں متولیان
نے موقوفہ آمدنی کو اپنے قبضہ میں لیکر وصیت نامہ کے مطابق خرچ اور اسکی دیکھبھال
کی متولیان میں ایک واقف کا لڑکا تھا اور ایک بھتیجا ان میں سے ہر ایک متولیان نے
یکے بعد دیگرے انتقال کیا دونوں متولیان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی جانب سے کسی کو
متولی مقرر نہیں کیا بلکہ وہ موقوفہ آمدنی کا حصہ بعد انتقال متولیان کے جو کہ واقف کا بھتیجا
تھا اسکی اولاد نے اپنے قبضہ میں لیکر اسکی آمدنی کو وصول کر کے اپنے اختیار سے وصیت
نامہ کے خلاف جسکی تفصیل اوپر مذکور ہے آمدنی کو خرچ کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ متولی قابل تسلیم ہیں یا نہیں؟ اور یہ انکا خرچ کرنا
خلاف وصیت نامہ کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو انہوں نے جو آمدنی وصول
کر کے وصیت نامہ کے خلاف خرچ کردی ہے اسکا بار ان کے ذمہ ہے یا نہیں؟ یعنی جو آمدنی
وہ وصیت نامہ کے خلاف خرچ کر چکے ہیں وہ ان سے وصول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس واقف کے وارث یعنی اولاد موجود ہے انکو یہ اختیار
ہے کہ نہیں کہ موجودہ متولی جو از خود بنے ہوئے اور خلاف وصیت خرچ اپنے اختیار سے
کر رہے ہیں ان کے قبضہ سے لیکر کسی دوسرے کو متولی بنائیں یا خود متولی بنیں۔

دیگر یہ کہ موجودہ متولیان نے واقف کے رشتہ داروں کو خلاف شرط وصیت نامہ
سب جگہ سے بند کرکے انکو اپنے اختیار سے دیتے آیا جائز ہے یا نہیں؟ زیادہ حد ادب والسلام

المرسل نیاز محمد یوسف [illegible] ضلع سوات

الجواب:- قال في الدر (ص ۴۲۶ ج ۳) ثم اذا مات المشروط له
بعد موت الواقف ولم يوص لاحد فولاية النصب للقاضي اذ لا ولاية لمستحق
الا بتولية كما حرره مـ ه وما دام احد يصلح للتولية من اقارب الواقف لا يجعل

لمتولی من الاجانب لانه اشفق اھ۔

وفی الشامی تحت قول الماتن: وولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی اھ ما نصه ثم اتفق المتاخرون ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی اموال الاوقاف وکذا لک اذا کان الوقف علی ارباب معلومین یحصی عددھم اذا نصبوا متولیا وھو من اھل الصلاح اھ (ص ۴۲۳ ج ۳)

صورت مسئولہ میں جب دونوں متولیوں نے کسی کے واسطے تولیت کی وصیت نہیں کی تو متولیوں کے ورثاء کا از خود متولی ہو جانا درست نہیں ہوا۔ بلکہ متولی بنانے کا اختیار قاضی کو تھا۔ اور جہاں قاضی نہ ہو یا ہو مگر عادل نہ ہو وہاں اس مقام کے اہل صلاح مسلمین کو متولی بنانے کا اختیار ہے پس اس صورت میں بلد واقف کے اہل صلاح علماء و رؤساء و صلحاء جس کو متولی بنا دیں وہ متولی ہوگا اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک واقف کے اقارب میں تولیت کے قابل کوئی ہو اس وقت تک اجنبی کو متولی نہ بنائیں بلکہ اقارب واقف کو مقدم کریں البتہ اگر اقارب واقف میں کوئی لائق نہ ہو تو اجنبی کو متولی کر دیا جا سکتا ہے لیکن بعد میں اگر کسی وقت اقارب واقف میں کوئی قابل پایا گیا تو اجنبی کو الگ کر کے قریب واقف کو متولی کر دینا لازم ہوگا پس اجنبی کو اس شرط کے ساتھ متولی بنایا جائے کہ جب تک اقارب واقف میں کوئی لائق تولیت نہ ہو اس وقت تک اجنبی متولی ہے۔

قال الشامی نقلا عن کما فی البحر: ولا یجعل القیم فیه من الاجانب ما وجد من ولد الواقف واھل بیته من یصلح لذالک فان لم یجد فیھم من یصلح لذالک فجعله الی اجنبی ثم صار فیھم من یصلح له صرفه الیه اھ

(ص ۶۲۲ ج ۳)

پس جب واقف کی اولاد موجود ہے تو وہ سب سے زیادہ مستحق تولیت ہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت و دیانت موجود ہو اور جو لوگ از خود متولی بنکر خلاف شرط وصیت نامہ واقف کے عمل کر رہے ہیں ان کا یہ عمل جائز نہیں۔ اور وہ اس رقم کے ضامن ہیں جسکو انہوں نے خلاف شرائط وقف دوسری جگہ صرف کیا ہے وھذا ظاھر

واللہ اعلم

۱۵ ر صفر ۱۳۵۲ھ

ایسے وقف کا حکم جو بدون صیغہ تابید و جہت غیر منقطعہ شخص معین پر کیا گیا ہو۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فی سبیل اللہ ۱۲ کنال زمین بکر کو وقف کر دی ہے اور بکر نے اپنی گرہ سے اور نیز کوشش کر کے چند اہل اسلام مؤمنین کی امداد مالی و بدنی لسانی سے زمین وقف شدہ مذکور میں مدرسہ اسلامیہ بنا کر اس میں کتب ذیل کی تعلیم دینی شروع کر دی، قرآن شریف، تفسیر، کتب فقہ، فارسی اور چند رسالے مسائل ضروریات دینیات ہیں سے بزبان اردو مصنفہ مولوی غلام قادر صاحب اور حساب و تحریرات مروج دنیاوی مدرسہ مذکورہ میں جاری کر دیا اور چند معلمین کو بھی مقرر کر دیا جس میں کہ گرد و نواح کے عوام الناس نے علم دینی سے بہت فیض پایا اور مدرسہ مذکورہ بالا کی رونق دن بدن ترقی پر ہو آ گئی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممتحان نے بھی اسمیں اپنے دورہ کرنے شروع کر دئے اور ہر معلم کو متفرق ماہواری مقرر ہو گئی ڈسٹرکٹ بورڈ کی جانب سے یہ سلسلہ متواتر تین سال نافذ رہا۔ بعد ازیں وقف کنندہ اپنے وقف کردہ زمین مذکورہ سے صاف انکاری ہو گیا کہ میں نے زمین وقف کی ہے اور نہ میں زمین وقف کرنا چاہتا ہوں۔ القصہ! وقف کنندہ نے بعد چند دیگر اشخاص کی امداد سے عمارات آبادی شدہ بنا یا مدرسہ کی گرا دی اور ایسی مدرسہ کی لکڑی پتھر وغیرہ سے بجائے مدرسہ کے مسجد اسی جگہ اور اسی وقف زمین میں بنا دی۔

(۱) کیا وقف کنندہ زمین کو استحقاق واپسی زمین وقف شدہ کا ہے جو کہ زمین واپس وقف شدہ کو کرے۔

(۲) مسجد کے متعلق کیا حکم ہے؟ اسمیں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ مسجد کی بناء مدرسہ کی لکڑی پتھر سے ہوئی ہے۔

(۳) اور زید کے متعلق کیا حکم ہے کہ جس نے زمین وقف کر کے انکار کر دیا ہے اور عمارت مدرسہ کے انہدام کا موجب ہوا ہے۔

الجواب: سوال مذکور کے ساتھ جو دوسرا پرچہ منسلک ہے اس میں اس وقف کا جو واقعہ مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقف شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ زید نے بکر سے صرف یہ کہا ہے کہ اے بکر! یہ زمین استقدر اسکو میں نے راہ اللہ تجھے وقف کر دی ہے تجھے ہر قسم کے اختیارات ہیں الخ اس میں کوئی لفظ تابید کا مذکور نہیں اور تابید صحت

وقف کیلئے شرط ہے کہ جہت غیر منقطع کا ذکر ہو اور جب وقف صحیح نہیں ہوا تو یہ زمین بدستور زید کی ملک تھی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا اختیار تھا چنانچہ اس نے اس زمین میں جو مسجد بنائی ہے وہ مسجد صحیح ہے اور اب یہ زمین وقف ہو گئی البتہ مدرسہ کی لکڑی تھم جو مسجد میں لگائی ہے اسکے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر یہ لکڑی اور پتھر زید نے اپنی رقم سے مدرسہ میں لگایا تھا تب تو اس کا مسجد میں لگانا درست ہوا اور مسجد میں نماز بھی درست ہے اور اگر یہ چندہ عامہ سے مدرسہ میں لگایا گیا تھا تو اب بدون چندہ دینے والوں کی اجازت کے مسجد میں اس کا لگانا جائز نہیں ہوا بلکہ غصب ہوا اور جب تک چندہ دینے والوں کی صریح اجازت نہ ہو یا اس ملبہ کا ضمان ادا نہ کیا جائے اس وقت تک مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ نماز پڑھنے سے فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائیگا لیکن ثواب کم ہوگا اور گناہ کا بھی خطرہ ہے۔

یہ جواب اس واقعہ پر مبنی ہے جو سائل نے تحریر کیا ہے اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

لا یقال: اذا لم یصح الوقف فلیکن ذالک ھبۃ من زید لبکر وقد قبض علیہ فلیکن الھبۃ تامۃ لانا نقول: ان الھبۃ لا تصح بلفظ الوقف.

قال فی الھندیۃ: والاصل فی ھذہ المسائل انہ اذا اتی بلفظ ینبئ عن تملیک الرقبۃ یکون ھبۃ واذا کان منبئا عن تملیک المنفعۃ یکون عاریۃ اھ

(ص ۲۲۸ ج ۴)

قلت: والوقف علی معین انما ینبئ عن تملیک المنفعۃ دون الرقبۃ فیکون عاریۃ والعاریۃ مردودۃ الی صاحبہا. واللہ اعلم.

۱۰ ربیع الاول [illegible]

وقف علی الفقراء واولاد واقف پر جبکہ وہ محتاج ہوں صرف کرنا کیسا ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائیداد جسکی آمدنی ۳۶ ہزار روپیہ سالانہ ہے وقف کردی اور کہدیا کہ اس وقف سے مسجد اسمٰعیل بیگ کے مصارف اور روزانہ غرباء و مساکین کو روٹیاں تقسیم کی جائیں اور ایک مدرسہ اسلامیہ دینیات کی تعلیم کا جاری کیا جائے اور علاوہ اس کے سادات کرام یمنی کو بھی اس وقف سے امداد و اعانت کی جائے چنانچہ اس کے بعد عدالت نے مجموعی رقم سے دس ہزار روپیہ مدرسہ

دسپرد خیر غربا کیلئے اور سادات کرام کیلئے مخصوص کر دئے ہیں اور بقیہ مخصوص کرلئے واقف کی اولاد سے چند اشخاص اب بالکل نادار اور غیر مستطیع ہوگئے ہیں نان شبینہ کے محتاج ہیں موجودہ وقت جیسی جیسے شہر میں روز مرہ کے غیر معمولی مصارف کے ہوتے ہوئے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور ان اولادوں کو کیا ملنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب واقف نے وقف میں غربا و مساکین کیلئے روٹیاں تقسیم کرنا لکھا ہے تو واقف کی اولاد و اقربا جب نادار و مسکین ہیں تو وہ دوسرے غربا و مساکین سے مقدم ہیں متولی کو مناسب ہے کہ اولاد واقف کو بھی بقدر کفایت اس میں سے دیدیا کرے جسکی کوئی مقدار ہم متعین نہیں کرسکتے بلکہ متولی یا حاکم مسلم جس قدر مناسب سمجھیں دیدیا کریں۔

قال ابوبكر: في رجل جعل ارضاً له صدقة موقوفة لله ابدا في ابواب البر فاحتاج ولده او ولد ولده او قرابته هل يعطون من غلة هذا الوقف قال: نعم يعطون من ذالك لان الصدقة من ابواب البر.

قلت: فان جعلها صدقة موقوفة على المساكين فاحتاج ولده هل يعطون من غلتها قال: نعم.

قلت: فان جعل غلتها في الحج عنه او في الغزو او في ابن السبيل او في الرقاب او في مرمة المساجد او في اكفان الموتى او في حفر القبور للفقراء هل يعطون المساكين؟ قال: توضع غلة هذه الصدقة فيما سمى لا يتعدى بها الى غيره.

قلت: فلم قلت: اذا جعلوا في المساكين اعطى اذا افتقر ولده او قرابته اعطوا من الغلة قال: من قبل ان هؤلاء الذين افتقروا هم من المساكين الا ترى انه جاء في الحديث: لا تقبل صدقة وذو رحم محتاج. فولد الواقف وقرابته احق ان يعطوا من غيرهم.

قلت: افهو حق واجب لهم؟ قال: لا ليس بحق واجب لهم لكني استحب ان يعطوا من الوقف الذي وقف قرابته على الفقراء اهـ من كتاب احكام الاوقاف للخصاف (ص ۲۲۴) ثم ذكر ان تعيين القدر الى

القاضی و الناظر ولا یکون ذالک الا بقدر المعین حقًا واجبًا لہم۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۷ر جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ

قرض سے بچنے کیلئے وقف کرنیکا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ڈاکٹر خورشید علی خان نے یکے بعد دیگرے دو نکاح کئے اول آفتاب بیگم سے دوسرے سکینہ بیگم سے تیسری ایک عورت مسماۃ نظیر بیگم برھما سے لائے تھے وہ بلا نکاح ان کے گھر میں رہتی تھی۔ منکوحہ دونوں بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی نظیر بیگم غیر منکوحہ عورت سے ایک لڑکی جس کا نام احمدی بیگم ہے پیدا ہوئی بوجہ نہ ہونے اولاد کے احمدی بیگم کو نام نہاد کی غرض سے دختر بنا کر رکھے تھے مسماۃ آفتاب بیگم و سکینہ بیگم خورشید علی خان کے سامنے انتقال کر گئیں اور ان کا مہر بھی نہیں دیا گیا احمدی بیگم کا بالغ ہونے پر نذیر خان سے نکاح کر دیا گیا اور اس سے تین بچے دو لڑکی پیدا ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں خورشید علی خان نے اپنی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ وقف کر کے تمام حقوق ملکیت بذریعہ تولیت محمد مشتاق علی خان کو دیدیا جو احمدی بیگم کا بڑا لڑکا ہے اور نظیر بیگم بلا نکاح عورت کا نواسہ ہوتا ہے اور دیگر اولاد و احمدی بیگم کو کچھ نہیں دیا۔ صرف ایک مکان احمدی بیگم کو دیا ہے آفتاب بیگم کے انتقال کو تقریبًا ایک سال کا عرصہ ہوتا ہے وارثوں کے محروم کرنے اور دین مہر کی ادائگی سے بچنے کے واسطے یہ وقف کیا گیا ہے

اب سوال یہ ہے کہ یہ وقف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل دوست محمد خان از جلال آباد

۱۲ر جمادی الاول ۱۳۶۲ھ

الجواب: وقف نامہ[عہ] دیکھا گیا اس میں تمام شرائط وقف موجود ہیں اسلئے اس وقف کی صحت میں کچھ کلام نہیں اور خورشید علی خان واقف نے اس وقف نامہ میں مشتاق علی خان کو صرف متولی بنایا ہے مالک نہیں بنایا اور تولیت کی وجہ سے اس کا حق دوسرے ورثاء سے دو چند رکھا ہے۔ اور دوسرے ورثاء کو سہام شرعیہ کے موافق دینے کی ہدایت کی ہے پس دوسرے ورثاء اپنی وراثت کا ثبوت دیکر اس وقف نامہ کی بناء پر عدالت

عہ سوال کے ساتھ وقف نامہ بھی آیا تھا جس کی نقل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (مرتب)

ہے متولی کو اپنا حق دینے پر مجبور کر سکتے ہیں ——— رہا یہ کہ وقف دوسرے ورثاء کو محروم کرنے کیلئے کیا گیا ہے تو اس سے صحتِ وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ کہ ادائیگی مہر سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے تو واقف نے وقف نامہ میں دعویٰ کیا ہے کہ ہر دو زوجہ نے دین مہر مجھکو معاف کر دیا ہے اور اس وقف نامہ پر دونوں کے نشانات انگوٹھا ہیں اسلئے مفتی اس دعوی کو قبول نہیں کر سکتا کہ یہ وقف دین مہر سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہر دو زوجہ کے نشانات انگوٹھا جعلی ہیں یا جبراً لئے گئے ہیں اور اسکی تحقیق حاکم مسلم یا حَکَم کر سکتا ہے اور بعد تحقیق کے بھی وقف پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

قال في الدر: ويبطل وقف راهن معسر ومريض مديون بمحيط بخلاف صحيح لو قبل الحجر فإن شرط وفاء دينه من غلته صح وإن لم يشترط يوفى من الفاضل عن كفايته بلا سرف اهـ

قال الشامي تحت قوله: بخلاف صحيح: أي وقف مديون صحيح فإنه يصح ولو قصد به المماطلة لأنه صادف ملكه كما في أنفع الوسائل عن الذخيرة ۔ قال في الفتح: وهو لازم لا ينقضه أرباب الديون إذا كان قبل الحجر بالاتفاق لأنه لم يتعلق حقهم بالعين في حال صحته اهـ وبه أفتى في الخيرية من البيوع، وذكر أنه أفتى به ابن نجيم وسيأتي قبيل كلام عن المعروضات اهـ (ص ۴۱۱ ج ۳)۔۔۔ وكلام المعروضات ما ذكره في الدر بعده: سئل (المفتي أبو السعود) عمن وقف على أولاده وهو مستغرق الديون هل يصح؟ فأجاب لا يصح ولا يلزم والقضاة ممنوعون عن الحكم وتسجيل الوقف بمقدار ما شغل بالدين انتهى۔ فليحفظ اهـ وتعقبه الشامي

واللہ اعلم

۱۲ر جمادی الثانی [illegible]ھ

وقف کتب خانہ سے مدرسین یا طلبہ کو مستعار کتابیں دینا جائز ہے یا نہیں۔

سوال: ایک کتب خانہ وقف ہے جس کے متولیان حسب علم و ارادہ واقف سابق متولی اس کتب خانہ سے کتب وقتاً فوقتاً قصبہ کے وقفی مدرسہ میں بغرض تعلیم و درس و مطالعہ وغیرہ مدرسین و طلباء کو مستعار دیتے ہیں اور بیرونجات بھی بھیجتے ہیں ایسا تصرف متولیان کا

جائز ہے یا نہیں؟ دو صورتیں اس معاملہ میں لوگ کرتے ہیں

۱ یہ کہ وقف اس وجہ سے کہ لوگ نفع اٹھائیں اسلئے دیا جاتا ہے

۲ یہ کہ امین کو امانت کا مستعار دیا جاتا ہے، پس کونسا قول صحیح مان کر

اس پر عمل کرنا چاہئے دیگر یہ کہ بسا اوقات مستعار لینے والے یہاں سے کتاب بوجہ بوسیدہ

ہو کر خراب حالت میں آتی ہے اس کی درستی کس کے ذمہ ہے؟ یا اگر خدانخواستہ کسی سے

بوقت مستعار کتاب تلف ہو جائے تو نقصان کس کے ذمہ ہے پس کن شرائط پر دینا چاہئے یا

نہ دینا چاہئے؟ وقف نامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں ۱ بغرض بقاء و درستی کتبخانہ قدیم و

جدید عربی و فارسی مدرسہ کا وقف فرمودہ والد ماجد مغفور و مغفرہ موجودہ لاہیرپور میں بقدر

مناسب صرف کیا جائے ـــــــ دوسرے وقف نامہ کی عبارت حسب ذیل ہے

۱ خریداری و تبع و نقل کتب و مرمت جلد وغیرہ میں اس کتب خانہ کے جس کا ذکر وقف

نامہ شوہر مقرہ میں ہے بوقت ضرورت حسب رائے متولیان صرف ہوتا رہے ـ

۳ ان وقف ناموں کے علاوہ بعض اصحاب نے مدرسہ عربیہ لاہیرپور کے واسطے

کتب درسیات منگا کر داخل کتب خانہ کئے اور بہت سی درسیات اصل وقف سے شامل

کتب خانہ موجب وقف نامہ نمبر ۲ شامل ہو کر رہتی ہیں ـ

سائل: امیر محمد خاں صاحب از لاہیرپور محلہ شعور ضلع سیتاپور

۲۵ جمادی

الجواب: ان کتب خانہ مدرسین وطلبہ کو اسی شرط پر جس پر یہ کتب خانہ

سے کتب مستعار دی جاتی ہیں اور شہر سے باہر بھیجنا جائز نہیں اور جو کتابیں خراب و

بوسیدہ واپس آتی ہیں یا ضائع ہو جاتی ہیں ان کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مستعیر نے قصداً

کتاب کو خراب کیا یا حفاظت نہیں کی تو اس کا ضمان مستعیر پر ہے اور اگر اس نے قصداً ایسا

نہیں کیا بلکہ بدون اس کے فعل کے اتفاقاً ایسا ہو گیا تو مستعیر پر ضمان نہیں ـ

قال فی الدر: و به عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محلها للانتفاع

بها والفقهاء بذلک مبتلون فان وقفها علی مستحق وقفه لم یجز

نقلها وان علی طلبة العلم وجعل مقرها فی خزانته التی فی مکان کذا

ففی جواز النقل تردد: نهر (ص: ۵۸۰ ج ۳)

قلت: والنقل منه فی هذہ البلدۃ لیس من النقل عرفاً فان اهل المدارس یعیرون الکتب لطلبۃ العلم وسکونتهم فی البلدۃ فی امکنۃ شتی ولا ینکرہ الواقفون ولا احد من العلماء وایضاً لا یحصل الانتفاع بدونہ فان اجتماعهم فی المکتبۃ باسرهم متعذر والنقل عن البلدۃ لا یخلوا عن خطر الضیاع عادۃ فیمتنع الا ان یکون الناقل من مدرس هذہ المدرسۃ او متولی المکتبۃ وهو علی عزم الرجوع الی هذہ البلدۃ فقیہ مندرجہ فی الجملۃ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۹ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۹ھ

وقف کی ایک خاص صورت کا حکم | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔ زید نے پانچ اولاد ذکور حامد، محمود، راشد، مسعود، احمد اور زوجہ ثانیہ اور ایک لڑکی بالغہ چھوڑ کر رحلت پائی اور مرض موت میں اپنی کل کتابیں متروکہ وقف علی الاولاد الذکور بدون تعلیق بالموت کی اور مرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پیشتر وقف نامہ لکھکر ظاہر کیا لیکن اس وقف پر حکم حاکم یا قاضی اسکا نہوا اور زید نے اپنے بڑے لڑکے حامد کو وقف نامہ میں متولی قرار دیا اور محمود برادر حقیقی حامد کو نائب متولی، لیکن کتابوں کو ان کے حوالہ کرکے قبضہ نہیں کرایا نہ الماریوں کی کنجیاں سپرد کیں کیونکہ دونوں مکان پر نہیں تھے کتابیں اور کنجیاں حامد ومحمود کی سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر رحلت کرگیا اور کسی سے یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں شخص کو سب دیدینا۔

زید کی ملک میں ایک دوسرا مکان اس مکان سے جس میں رحلت کی تھی ایک میل کے فاصلہ پر تقریباً ہے حامد کو زید نے اپنی حیات میں حالت صحت میں اس مکان کو زبانی ھبہ کرکے قبضہ کرادیا تھا جس میں حامد مع اپنے اہل وعیال کے بود وباش کئے رہتا تھا اور ہے۔

حامد چاہتا ہے کہ اس مکان سے کتابیں منتقل کرکے اپنے مکان میں لے جائے اور اسکی سوتیلی ماں اور اس کے بطن کی تین اولاد راشد، مسعود، احمد چاہتے ہیں کہ کتابیں اسی جگہ رہیں جس مکان میں وقف ہوئی ہیں اسلئے کہ انکو حامد پر اعتماد

نہیں ہے انکو اپنے انتفاع کے انقطاع کا اندیشہ ہے ورنہ تعاقیل انتفاع بوجہ بعد مسافت لازمی امر ہے اسی صورت میں چند سوالات ہیں :

(۱) بدون حکم حاکم اشیاء موقوفہ ملک واقف سے خارج ہو جاتی ہیں یا نہیں ؟ درصورت اختلاف مفتی بہ قول کیا ہے ؟

(۲) وقف منجز میں اشیاء موقوفہ متولی کو سپرد کر کے قبضہ کرا دینا صحت وقف کیلئے شرط ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر واقف نے کسی کو متولی قرار دیا اور کاغذ پر لکھدیا اور قبضہ نہیں کرایا تو بعد رحلت واقف وہ خود متولی ہو جائیگا یا نصب من القاضی کی ضرورت ہے یا وقف کی عدم صحت کی وجہ سے متولی قرار نہیں دیا جائیگا ؟

(۴) مرض موت میں وقف علی الاولاد کل ترکہ میں نافذ ہوگا یا ثلث میں اگر ثلث میں نافذ ہو تو ثلثین میں حقدار ان اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو ان کو ان کا حق دینا واجب ہے یا نہیں ؟ اور اگر ورثہ میں نابالغ ہوں تو کیا انکی اجازت سے ان کا حصہ وقف ہو سکتا ہے ؟

(۵) اگر ورثاء زید مثل برادر و زوجہ و اولاد اسی مکان میں یا اسکے قریب ہیں جس جگہ زید نے وفات پائی اور کتابیں چھوڑی اور کتابوں سے تعلیم، تعلم و افتاء کا کام جاری ہے ان سے کتابوں کو بعید کر کے انتفاع سے منع کرنا یا اس میں تقلیل کرنا کیا شرعاً جائز ہے خصوصاً جب حامد و محمود سیکڑوں کوس پر کھانے کمانے میں مشغول ہوں اور بچہ چھ ماہ پر مکان میں آتے ہوں ؟

(۶) وقف نامہ میں زید نے اس قصبہ سے کتابوں کو نکالنے کی ممانعت لکھی ہے کہ عاریۃً نہ دی جائے مگر اس قصبہ کے کسی محلہ کی تخصیص نہیں لکھی کہ فلاں محلہ میں رہیں پس بصورت تنازع مرتے وقت جس جگہ کتابیں چھوڑی وہیں رہنا چاہئے یا متولی کو اختیار ہے کہ جس محلہ میں چاہے لیکر رکھے خصوصاً دوسری صورت میں کہ اولاد زید کو انتفاع میں قلت ہو ؟ بینوا بالدلائل توجروا من اللہ الجلیل ۔

تنقیح :۔ (۱) اس وقف علی الاولاد میں واقف نے کوئی جہت غیر منقطعہ بھی بیان کی ہے یا نہیں ؟ اور اگر کسی وقت سلسلہ اولاد منقطع ہو جائے تو ان کتابوں

کو کیا کیا جاسکے ؟
(۲) یہ مریض مدیون تو نہیں تھا ؟ نیز زوجہ اولیٰ وثانیہ کا مہر ادا ہوگیا یا دونوں نے معاف کردیا ، یا کچھ نہیں ہوا ؟
(۳) متولی ان کتابوں کو دوسرے محلہ کی طرف کیوں منتقل کرتا ہے ؟ کیا انکو عدم انتقال کی صورت میں ذمہ داری کتابوں کی دشوار ہے ؟

جواب تنقیح :- (۱) بیان کی ہے اور کسی مدرسہ دینیہ میں دیدی جائیں
(۲) مدیون نہ تھا ۔ نیز مہر زوجین ادا کرچکا ہے ۔
(۳) متولی حامد پہلے ہی سے دو سال المار یوں کو یہاں سے منتقل کرکے اپنے مکان میں لے گیا ۔ منشا اس کی اپنے قبضہ میں اور مکان میں رکھنا ہے زوجہ الاب اور اسکی اولاد سے عرصہ سے تنازع و مخالفت ہے جس سے انکو خطرہ ہے کہ وہ انکو استفادہ سے محروم کردے اگر الماریاں یہاں واپس لائی جائیں اور منتقل بھی ہوں تو حفاظت ہو سکتی ہے بصورت مخالفت وہ صاف کہہ سکتا ہے کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اولاد زوجۃ الاب سے نکی بعید کا خواہاں ہے کہ اسکو انپر اعتماد نہیں اور انکو متولی پر اعتماد نہیں اسلئے منتقل کرنے سے مانع ہیں تاکہ استفادہ بند ہو جائے اس صورت میں منتقل کرنا جائز ہوگا یا ناجائز ؟

الجواب :- مرض الموت میں ثلث مال سے زیادہ میں وقف صحیح نہیں تو اب یہ تلانا ضروری ہے کہ یہ کتب موقوفہ ثلث مال سے زائد تو نہیں ۔ اگر زائد نہیں تو وقف صحیح ہوگیا اور صحت وقف کیلئے قول مفتی بہ میں حکم حاکم شرط نہیں اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف تام ہو جاتا ہے اور متولی بھی صرف قول یا کتابت واقف سے متولی ہو جاتا ہے قبضہ شرط نہیں اور جب واقف نے ایک شخص کو متولی قرار دیدیا اور اسکی تصریح نہیں کی کہ کتابیں اسی موضع میں کہ رکھی جائیں تو متولی کو قضاء حق حاصل ہے کہ وہ جس جگہ چاہے رکھکر ان کی حفاظت کرے اگر وہ موضع رحلت میں رکھکر حفاظت سے معذوری ظاہر کرے تو اس کو نقل سے روکنا قضاءً درست نہیں ، ہاں دیانۃً اس کے ذمہ لازم ہے کہ اگر نقل میں موقوف علیہم کو انتفاع دشوار ہے اور عدم نقل میں خطرہ نہ ہو تو کتابوں کو ایسے موضع میں رکھیں جہاں

سبکو استفاع آسان ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر یہ کتابیں ثلث مال سے زائد ہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۴ ر ذی الحجہ [illegible]ھ

کمپنی کے حصص کا وقف جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سورتی بڑا بازار کمپنی رنگون کے کچھ شیرز (حصص) خرید کر کے وقف علی الاولاد یا کسی دوسرے نیک کام مسجد وغیرہ کیلئے وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سورتی بڑا بازار کمپنی رنگون کی ملکیت میں بازار کی دوکانیں اور شہر کے دوسرے مکانات ہیں جس کے حصے ہر شخص خرید سکتا ہے اُن حصوں کا منافع ہر حصہ دار کو ملا کرتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: چونکہ ان حصوں کا وقف متعارف ہے اس لئے جائز ہے اگر خریدار کی ملک میں مکانات و دوکانات وغیرہ ہیں جب تو یہ وقف عین مشاع ہے اور وقفِ مشاع امام ابویوسف رح کے نزدیک صحیح ہے اور اگر خریدار کی ملک میں مکانات و دوکانات نہیں بلکہ صرف رقم اور اس کا منافع ہے تو یہ وقف دراہم کی جنس سے ہے جو امام محمد رح کے نزدیک بوقت تعارف جائز ہے اس لئے بہرحال ان حصص کا وقف جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
یکم محرم [illegible]ھ

استفتاء نمبر ۱۰۲۵ کے جواب پر چند شبہات اور ان کا تفصیلی جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ: زید نے پانچ اولاد ذکور حامد، محمود، راشد، مسعود نابالغ، احمد نابالغ، اور زوجہ ثانیہ، اور ایک لڑکی بالغہ چھوڑ کر رحلت پائی اور مرض موت میں اپنی کل کتابیں متروکہ وقف علی اولادہ الذکور بدون تعلیق بالموت کی اور مرنے سے تقریباً ایک ہفتہ بیشتر وقف نامہ لکھکر ظاہر کیا لیکن اس وقف پر حکم حاکم یا قاضی اب تک نہ ہوا اور زید نے اپنے بڑے لڑکے حامد کو وقف نامہ میں متولی قرار دیا اور محمود برادر حقیقی حامد کو نائب متولی لیکن

مسمّٰی یوں کو ان کے حوالہ کر کے قبضہ نہیں کرایا نہ الماریوں کی کنجیاں سپرد کیں کیونکہ وہ
دونوں مکان پر نہیں تھے کتابیں اور کنجیاں حامد و محمود کی سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر
رحلت کر گیا اور کسی سے یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں شخص کو یہ سب دیدیا زید کی ملک میں
ایک دوسرا مکان اس مکان سے جس میں رحلت کی تھی ایک میل کے فاصلہ پہ تقریباً ہے
حامد کو زید نے اپنی حیات میں حالت صحت میں اس مکان کو زبانی ھبہ کر کے قبضہ کرا دیا تھا
جس میں حامد مع اپنے اہل و عیال کے بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے ۔
حامد چاہتا ہے کہ اس مکان سے کتابیں منتقل کر کے اپنے مکان میں لے جائے
اور اسکی سوتیلی ماں اور اس کے بطن سے تین اولاد وارث، مسعود، احمد چاہتے ہیں
کہ کتابیں اسی جگہ پر رہیں جس مکان میں وقف ہوئی ہیں اس لئے کہ انکو حامد پر اعتماد
نہیں ہے انکو اپنے انتفاع کے انقطاع کا اندیشہ ہے ورنہ تقلیل انتفاع بوجہ بعد
مسافت لازمی امر ہے اس صورت میں چند سوالات ہیں :-

(۱) بدون حکم حاکم اشیاء موقوفہ ملک واقف سے خارج ہو جاتی ہیں یا نہیں؟
درصورتِ اختلاف مفتی بہ قول کیا ہے ؟

(۲) وقف منجز میں اشیائے موقوفہ متولی کو سپرد کر کے قبضہ کرا دینا صحتِ
وقف کیلئے شرط ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر واقف نے کسی کو متولی قرار دیا اور کاغذ پر لکھدیا اور قبضہ نہیں کرایا تو بعد
رحلتِ واقف وہ خود متولی ہو جائیگا یا نصب من القاضی کی ضرورت ہے یا وقف کے عدم
صحت کی وجہ سے متولی قرار نہیں دیا جائیگا۔

(۴) مرض موت میں وقف علی الاولاد کل ترکہ میں نافذ ہوگا یا ثلث میں اگر
ثلث میں نافذ ہو تو ثلثین میں حقداران اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو ان کو ان کا حق دینا
واجب ہے یا نہیں ؟ اور اگر ورثاء میں نابالغ ہوں تو کیا ان کی اجازت سے ان کا حصہ
وقف ہو سکتا ہے ؟

(۵) اکثر ورثاء زید بمثل برادر، و زوجہ، و اولاد اسی مکان میں یا اس کے
قریب ہیں جس جگہ زید نے وفات پائی اور کتابیں چھوڑیں اور کتابوں سے تعلیم و تعلم
و افتاء کا کام جاری ہے ان سے کتابوں کو بعید کر کے استفادہ سے منع کرنا یا اس میں

تعطیل کرنا کیا شرعاً جائز ہے؟ خصوصاً جب کہ حامد و محمود سینکڑوں کوس پر کھانے کمانے میں مشغول ہوں چھ چھ ماہ پر مکان پر آتے ہوں۔

(۶) وقف نامہ میں زید نے اس قصبہ سے کتابوں کے نکالنے کی ممانعت لکھی ہے کہ عاریۃً نہ دی جائے مگر اس قصبہ کے کسی محلہ کی تخصیص نہیں لکھی کہ فلاں محلہ میں رہیں پس بصورت نزاع مرنے وقت جس جگہ کتابیں چھوڑی وہیں رہنا چاہئے یا متولی کو اختیار ہے جس محلہ میں چاہے لے جا کر رکھے خصوصاً اس صورت میں کہ اولاد اقرباء کو انتفاع میں قلت ہو۔ بینوا بالدلیل توجروا من اللہ الجلیل۔

تنقیح

(۱) اس وقف علی الاولاد میں واقف نے کوئی جہت غیر منقطع بھی بیان کی ہے یا نہیں؟ اگر کسی وقت سلسلہ اولاد منقطع ہو جائے تو ان کتابوں کو کیا کیا جائے؟

(۲) یہ مریض مدیون تو نہیں تھا زوجہ اولیٰ و ثانیہ کا مہر ادا ہو گیا یا دونوں نے معاف کردیا، یا کچھ نہیں ہوا۔؟

(۳) متولی ان کتابوں کو دوسرے محلہ کی طرف کیوں منتقل کرتا ہے کیا ان کو عدم انتقال کی صورت میں ذمہ داری کتابوں کی دشوار ہے؟

جواب تنقیح

(۱) بیان کی ہے، کسی مدرسہ دینیہ میں دیدی جائیں

(۲) مدیون نہ تھا، مہر زوجین ادا کر چکا ہے

(۳) متولی حامد پہلے ہی سے دو سال الماریوں کو یہاں سے منتقل کر کے اپنے مکان میں لے گیا منشاء اس کی اپنے قبضہ میں اور مکان میں رکھنا ہے زوجۃ الاب اور اسکی اولاد سے عرصے سے نزاع و مخالفت ہے جس سے انکو خطرہ ہے کہ وہ انکو استفادہ سے محروم کردے اگر الماریاں یہاں واپس لائی جائیں اور منتقل ہوں تو حفاظت ہو سکتی ہے بصورت مخالفت وہ صاف کہہ سکتے ہیں کہ ہم ذمہ دار نہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اولاد زوجۃ الاب سے انکی تبعید کا خواہاں ہے کہ اسکو ان پر اعتماد نہیں اور انکو متولی پر اعتماد نہیں اسلئے منتقل کرنے سے مانع ہیں تاکہ استفادہ بند نہ ہو جائے اس صورت میں منتقل

کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

الجواب: مرض الموت میں ثلث مال سے زیادہ میں وقف صحیح نہیں تو اب یہ بتلانا ضروری ہے کہ یہ کتب موقوفہ ثلث مال سے زائد تو نہیں اگر زائد نہیں تو وقف صحیح ہوگیا اور صحت وقف کیلئے قول مفتی بہ میں حکم حاکم شرط نہیں اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف تمام ہوجاتا ہے اور متولی بھی صرف قول یا کتابت واقف سے متولی ہوجاتا ہے قبضہ شرط نہیں اور جب واقف نے ایک شخص کو متولی قرار دیدیا اور اسکی تصریح نہیں کی کہ یہ کتابیں اس موضع میں کس جگہ رکھی جائیں تو متولی کو قضاءً حق حاصل ہے کہ وہ جس جگہ چاہے رکھکر انکی حفاظت کرے اگر وہ موضع رحلت میں رکھکر حفاظت سے معذوری ظاہر کرے تو اسکو نقل سے روکنا قضاءً درست نہیں ہاں دیانۃً اس کے ذمہ لازم ہے کہ اگر نقل میں موقوف علیہم کو انتفاع دشوار ہو اور عدم نقل میں خطرہ نہ ہو تو کتابوں کو ایسے موضع میں رکھے جہاں سب کو انتفاع آسان ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر یہ کتابیں ثلث مال سے زائد ہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

الاشکال علی الجواب

دوسرے سوال (یعنی وقف منجز میں اشیاء موقوفہ متولی کو سپرد کرکے اس پر قبضہ کرادینا صحت وقف کیلئے شرط ہے یا نہیں) اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا گیا کہ: "اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف ہوجاتا ہے" اسکے متعلق یہ شبہ ہے کہ یہاں سوال کتابوں کے وقف کا ہے اور مجرد قول سے وقف کی صحت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحؒ کے نزدیک کتابوں کا وقف جائز نہیں۔ کتابوں کا وقف امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اور تسلیم الی المتولی واقرار جب تک نہ ہو امام محمدؒ کے نزدیک اشیاء موقوفہ ملک واقف سے نہیں نکلتی۔

کما فی الهداية: وعند محمد لا بد من التسليم الى المتولى الى قوله فيتنزل منزلة الزكوة والصدقة

وفى العالمگيرية: وقال محمد: لا يزول (اى ملك الواقف) حتى

يجعل الوقف دينا ويسلم اليه وعليه الفتوى كذا في السراجية وبقول محمد رح يفتى كذا في الخلاصة اه

پس امام محمدؒ کے قول سے جواز وقف کتب اور امام ابو یوسف رح کے قول سے بدون تسلیم واقرار وقف کے جواز کا قائل ہونا اگرچہ تعلیق حقیقی نہ ہو اور حاکم وقاضی کو اس نوع کا تصرف جائز ہے (کما فی رد المحتار مع الشامی ص ۵۱۲ ج ۳ کتاب الوقف)

مگر صورت تعلیق معلوم ہوتی ہے کیا اس طریقہ سے وقف کا جواز ثابت کرکے اموال یتامی ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کرنا جائز ہو سکتا ہے؟ علاوہ بریں شامی وجامع الرموز وقاضی خان وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کا قول اس مسئلہ میں راجح ہے اگرچہ فتوی دونوں کے قول پر ہے

قال العلامة الشامي في رد المحتار (ص ۴۰۲ ج ۳) اما اذا اخرجه عن القضاء فلا يكون لازما الا بعد هذه الشروط عند محمد رح واختاره المصنف رح تبعا لعامة المشائخ وعليه الفتوى وكثير من المشائخ اخذوا بقول ابي يوسف رح وقالوا عليه الفتوى اه

وفي جامع الرموز (ص ۴۲۴ ج ۲) وقول ابي يوسف رح اقوى من حيث انه اقرب من العتق وقول محمد رح اقوى لكونه اقرب من الآثار كما في الكرماني وذكر في الخلاصة ابو حنيفة رح ضيق كل التضييق لذا اخذ اكثر الاصحاب بقوله وابو يوسف رح قد اوسع كل التوسيع ولذا افتى بقوله كما في الظهيرية والمضمرات ومحمد وسط بين القولين ولذا اخذ به عامة المشائخ كذا في الخلاصة وبه يفتى كما في الكبرى۔

وفي قاضي خان (ص ۳۰۳ ج ۲) امرأة وقفت دارا في مرضها على ثلاث بنات لها آخرها للفقراء وليس لها ملك غير الدار ولا وارث لها غيرهن قالوا ثلث الدار وقف والثلثان لهن يصنعن ما شئن فيها وهذا قول ابي يوسف رح لان عنده وقف المشاع جائز وعلى قول محمد رح لا يجوز والفتوى على قول محمد رح اه

اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف اشتراط تسلیم وعدم اشتراط تسلیم سے پیدا ہوتا ہے

اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ فتویٰ دونوں اماموں کے قول پر مساوی درجہ کا ہے تو اس صورت میں موافق قواعد کے عمل متون پر ہونا چاہئے

کما فی الشامی: من انہ اذا اختلف التصحیح والفتویٰ فالعمل علیٰ ما وافق المتون (الیٰ قولہ) عدم التصریح اصلاً اھ (ص ۳۲ ج ۱)

اور صاحب تنویر الابصار، وکنز، و دیگر متون میں تسلیم کو شرط لکھتے ہیں پس صورت مسئولہ وقف کتب بدون تسلیم الی المتولی و بدون افراز کے جواز کا قول کس کا ہے امام ابو حنیفہ رح و امام ابو یوسف رح کے نزدیک کتابوں کا وقف سرے سے ناجائز ہے۔ کما ھو مصرح فی الھدایۃ و عالمگیریۃ، و در المختار و غیرھا اور امام محمد رح کے نزدیک اگرچہ وقف کتب جائز ہے مگر بدون تسلیم الی المتولی ناجائز ہے جب ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک صورت مسئولہ میں وقف درست نہیں ہوا تو وقف کے جواز کا فتویٰ کس کے قول پر دیا گیا کہ اموال یتامیٰ ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کیا جائے؛ در یتامیٰ کو جو نفع حاصل ہو سکتا ہے اس سے منع کیا جائے ——— وقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ الآیۃ فادفعوا ھذا الاشکال لیندفع ما تخلج فی البال واللہ یجزیکم جزاءً حسناً و ھو جواد کریم کبیر متعال۔

الجواب لرفع الاشکال

قال فی رد المحتار (ص ۵۴۸ ج ۳): ونقل فی المجتبیٰ عن السیر جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد رح واذا جری فیہ التعامل عند ابی یوسف رح و تمامہ فی البحر والمشھور الاول اھ

وفی الدر: والملک یزول بقضاء القاضی او بالموت اذا علق بہ ای بموتہ فالصحیح انہ کوصیۃ تلزم من الثلث بالموت لا قبلہ

قلت: ولو لوارثہ وان ردوہ الخ (ص ۵۲۰ ج ۳ مع الشامی)

اس سے معلوم ہوا کہ منقول متعارف میں امام ابو یوسف رح سے بھی روایت جواز ہے لہٰذا صورت تلفیق کا شبہ مرتفع ہے۔ دوسرے وقف مریض میں زوال ملک بالموت اور اس وقف کا مثل وصیت ہونا ہی صحیح ہے اور اسی کو متون میں اختیار کیا گیا ہے لہٰذا

عہ وکتاب السیر متواتر عن محمدؒ

یہ اشکال بھی صحیح نہیں کہ اموال یتامیٰ کو ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کیا گیا ہے الخ کیونکہ میت اگر وصیت کرتا تو یقیناً وصیت ثلث میں نافذ ہوتی اور انفاذ وصیت من ثلث کو مصالح یتامیٰ کے خلاف ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا فکذا ھذا فانہ کالوصیۃ ولما کان ھذا الوقف جائز کان کالوصیۃ المنجزۃ۔ دوسرے یہ مال در اصل میت کا ہے یتامیٰ کا نہیں یتامیٰ کی ملک بعد میں ثابت ہوگی لہٰذا اسمیں رعایت جانب میت اولیٰ ہے تو جب میت نے مرض وفات میں کتب کو وقف کردیا اور یہ وقف قول صحیح مفتی بہ پر صحیح ہے تو تو یتامیٰ کا اس سے متعلق نہیں اور تلفیق بین اقوال ائمۃ المذہب الواحد جائز ہے کما اعترف بہ السائل اور صورت مسئولہ میں تو تلفیق بھی نہیں کما ذکرناہ آنفاً فافہم ۔ واللہ اعلم

الراقم محمد خالق امدادیہ

سوال ۲؍ تتمۃ الجواب المذکور

تتمۂ مسئلہ وقف مذکورہ

قال الامام شمس الائمۃ السرخسی فی شرح السیر الکبیر لمحمد بن الحسن الامام (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ص ۲۱۲ ج ۲) ولو ان رجلا فی یدہ افراس حبس فی سبیل اللہ الی آخر المسئلۃ قال: والمراد بالافراس الحبس الموقوفۃ للجہاد وذلک جائز اما علی اصل محمد رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ فلانہ یجوز الوقف فی المنقولات وعلی اصل ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کذلک فیما فیہ عرف ظاہر کثیاب الجنازۃ والآلات التی یغسل بہا الموتی فکذلک یجوز فی الافراس التی یقاتل علیہا فی سبیل اللہ اھ۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ وقف منقول میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ میں اختلاف اسطرح ہے کہ امام محمدؒ وقف منقول کو مطلقاً جائز کہتے ہیں اور امام ابو یوسف منقول متعارف کے وقف کو جائز کہتے ہیں جسکی مثال ثیاب جنازہ وآلات غسل موتیٰ شرح سیر میں مذکور ہے اور یقیناً وقف کتب میں بھی عرف ظاہر ہے۔ زمانہ قدیم سے اہل اسلام میں وقف کتب خصوصاً وقف مصاحف متعارف ہے[۱] پس یہ وقف بھی امام ابو یوسف رح کے قول پر صحیح ہے پس وقف کتب میں افراز وتسلیم الی المتولی کا مشروط ہونا اور بدون اسکے وقف کو نام کہنا تلفیق ہرگز نہیں بلکہ امام ابو یوسف رح کے قول پر فتویٰ دینا ہے

[۱] فی شرح السیر ایضاً ان حفصۃ رضی اللہ عنہا حبست مصحفاً لہا۔

اور وقف میں انہیں کا قول مختار ہے اور مجد تسیم حزین کا یہ کہنا کہ تلفیق مجتہد
قاضی ہی کو جائز ہے یہ قول باطل ہے۔ مدعی کو اس دعویٰ پہ دلیل قائم کرنا لازم ہے۔

ولا یجد الی ذالک سبیلاً قال الطحطاوی فی حاشیتہ علی مراقی الفلاح (ص۱۰۲) ــــ وحکایۃ الاجماع علی بطلان الملفق منقوض فیہا فان الاصح من مذہب الامام مالک رضی اللہ عنہ جوازہ وانما نہی عنہ تتبع الرخص من المذاہب اھ۔

اسمیں صاف تصریح ہے کہ مذاہب اربعہ کے درمیان وہ بھی تلفیق وہ ناجائز ہے جو تتبع رخص کیلئے ہو اور اگر اس غرض سے نہ ہو تو تلفیق بین المذاہب المختلفہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جواز کسی دلیل سے مقید بالمجتہد والقاضی نہیں بلکہ اطلاق کلام اس طرف مشیر ہے کہ مطلقاً ہر شخص کو جائز ہے اور صورت مسئولہ میں اگر مان لیا جائے کہ واقف نے تلفیق کی تو اس کی منشا تتبع رخص ہرگز نہ تھا بلکہ تتبع نفع للموقوف تھا فلا شک فی جوازہ خصوصاً جبکہ یہ تلفیق بین المذاہب المختلفۃ بھی نہیں بلکہ تلفیق بین اقوال الائمۃ المتحدۃ اصولاً ہے اور اس تلفیق کے عدم جواز پر کوئی بھی دلیل نہیں۔ الا اذا کان لتتبع الرخص فمنہی عنہ مطلقاً قال العلامۃ ابن عابدین فی الحامدیۃ: انہ لیس من الحکم الملفق الذی نقل العلامۃ قاسم انہ باطل بالاجماع لان المراد بما جزم ببطلانہ ما اذا کان من مذاہب متباینۃ کما اذا حکم بصحۃ نکاح بلا ولی بناءً علی مذہب ابی حنیفۃ رح وبلا شہود بناءً علی مذہب مالک رح بخلاف ما اذا کان ملفقاً من اقوال اصحاب المذہب الواحد فانہا لا تخرج عن المذہب فان اقوال ابی یوسف و محمد وغیرہما مبنیۃ علی قواعد ابی حنیفۃ رح او ہی اقوال مرویۃ عنہ وانما نسبت الیہم لا الیہ لاستنباطہم لہا من قواعدہ او لاختیارہم ایاہا کما اوضحت فی صدر شرحی علی الدر المختار بما لا مزید علیہ ویؤیدہ ما مر عن الشلبی من حکم القضاۃ الماضین بذالک وکذا

عمل الذی مر قبیل ما نصہ ولکن الطرسوسی ذکر ان فی منیۃ المفتی ما یفید جواز

ما في الدرر من كتاب القضاء في القضاء بخلاف مذهبه ناسيا مذهبه او عامدا حيث قال: ما نصه المراد بخلاف الرأي خلاف اصل المذهب كالحنفي اذا حكم على مذهب الشافعي رح او نحوه واما اذا حكم الحنفي بما ذهب اليه ابو يوسف رح او محمد رح او نحوهما من اصحاب الامام فليس حكما بخلاف رأيه اهـ ـ ملخصا ومن شاء التفصيل فليراجعه (ص ـ ج ۱)۔

اسلئے ہمارے نزدیک یہ وقف صحیح ونافذ ہے اور اس کے ابطال میں سعی کرنا سعی فی الباطل ہے ـــــ رہا یہ کہ وقف جمیع کتب میں صحیح ہے یا بعض میں؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جمیع کتب ثلث ترکہ ظاہرہ سے زائد نہ ہوں تو وقف سب میں نافذ ہے اور زائد ہوں تو قدر ثلث میں نافذ ہے زائد میں نہیں ـــــ رہا یہ کہ وقف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعہ کتب ثلث کے اندر ہیں اور نقود موجودہ بھی ترکہ میں ہیں جنکو ورثاء نے دبالیا سو جب تک ورثاء پر کسی دلیل شرعی سے نقود کا دبالینا ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک یہ حکم نہیں کیا جاسکتا کہ کتب ثلث کے اندر ہیں۔ ہاں، متولیان کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ وہ اس شبہ اور تہمت کی حالت میں ورثاء متہمین سے یمین مغلظہ لیں کہ ترکہ میت کل یہی ہے جو ظاہر کیا جاتا ہے اسکے سوا کچھ نہیں۔ اگر ورثاء نے قسم کھالی تو ترکہ ظاہرہ ہی کو کل ترکہ قرار دیکر اس کے ثلث میں وقف کو صحیح زائد میں غیر صحیح کہا جائیگا اور رد وقف کے متعلق تاویل کرلی جائیگی کہ شاید امر تخمینا قیمت میں غلطی ہوئی اور وقف مشاع امام ابو یوسف رح کے نزدیک صحیح ہے وعلی قولہ مدار الافتاء بہذا الملک۔ واللہ اعلم

رفع الاشکال بعد الاشکال

اشکال: رفع الاشکال میں جو جوابات قلم ہوا اس کے اندر کچھ شبہ اور باقی رہ گیا امید کہ ایک مرتبہ اور بغور ملاحظہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔ یہاں معاملہ وقف و مال یتامی کا ہے جانبین میں خطرہ ہے اور جواب استفتاء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: حكم المركب من مذهبين وعلى هذا يتخرج الحكم بوقف البناء على قسم في مصرف او قال كثيرة على هذا النمط حكم بها القضاة انما يقولون لحاكم ينوه على ما ذكرنا من جواز الحكم المركب من مذهبين الخ (ص ۱۰۹ ـ ج ۱)

اسلئے پھر تکلیف دینے کی حاجت ہوئی شامی سے جو عبارت نقل کی گئی یعنی "ونقل عن المجتبی الخ" اس روایت کو قاضی خان، اور صاحب ھدایہ، اور فتاوی سراجیہ، و نہایہ، و خلاصہ، اور فتح القدیر وغیرھا نے نہیں لیا اور صاحب بحر نے بھی محض نقل پہ اکتفا کیا اس کے نزدیک بھی روایت مشہورہ معتبر ہے اور صاحب درمختار، و جامع الرموز نے بھی روایت مشہور کا اعتبار کیا ہے اور شامی نے بھی المشہور الاولیٰ زیادہ کر کے اس کے معتمد علیہا ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

الجواب:۔ سبحان اللہ کیا غیر مشہور کیلئے ضعیف ہونا لازم ہے تو بجز خبار مشہورہ کے تمام احادیث آحاد ضعیف ہو جائینگی۔

اشکال:۔ پس بنا بر قول مشہور تلفیق ضرور پائی جاتی ہے۔ روایت مجتبیٰ جب معتمد علیہ نہیں تو اس سے استدلال کسطرح صحیح ہوگا؟

نقل عن الفقیہ ابی اللیث: انہ قال: قال ابو نصر ام الفقیہ: فانی لا اریٰ احداً ان یفتی بشئ لا یفہمہ ولا یحمل اثقال الناس فان کانت مسائل قد اشتہرت وظہرت وانجلت عن اصحابنا رجوت ان یسع لی الاعتماد علیہا (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۴۲ ج ۱)

پس نزدیک ابو یوسف رح کے روایت عدم جواز وقف کتب مشہور و معتمد ہے تو اس بناء پر صورت تلفیق پائی گئی پس اس کے متعلق اولاً یہ سوال ہے کہ تلفیق کا جواز بوقت ضرورت ہے یا بلا ضرورت بھی؟ اگر کہا جائے کہ وقف کا اثبات خود ضروری ہے تو اموالِ یتامی میں بیجا تصرف اور ان کے مال کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ فاتی الضروریتین احق للرعایۃ ـــــ ثانیاً:۔ تلفیق کی حاجت اس وقت ہو سکتی ہے کہ امام محمد رح کا قول مفتی بہ ہو حالانکہ بموجب امام محمد رح کا قول در باب اشتراط تسلیم و افراز خود مفتی بہ ہے جیسا کہ عبارت مرقومہ اشکال سے ظاہر ہے۔

الجواب:۔ اس سے ظاہر ہے کہ کثیر نے قول ابی یوسف رح پر فتویٰ دیا ہے اور اسی کو اخذ کیا ہے اور بعض مشائخ نے محمد رح کے قول پر فتویٰ دیا ہے واذا تعارض الافتاء فالمرجع الیٰ قوۃ الدلیل۔

اشکال:۔ تو اسکو ترک کر کے صورت تلفیق اختیار کرنی کی وجہ کیا ہے خصوصاً

اس صورت میں کہ امام محمد رح کا قول راجح ہو اور اصحاب متون اور شروح و فتاویٰ اسکی تصریح کرتے ہوں کہ امام محمد رح کے قول پر فتویٰ ہے۔

قال في البحر الرائق: والخلاف فيما يحتملها اى القسمة فمن اخذ بقول ابي يوسف في خروجه بمجرد اللفظ وهم مشائخ بلخ اخذ بقوله في هذه ومن اخذ بقول محمد رح في القبض وهم مشائخ بخارا اخذ بقوله في وقف المشاع وصرح في الخلاصة من كتاب الوقف بان الفتوى على قول محمد في وقف المشاع وكذا في البزازية والولوالجية، وشرح المجمع لابن الملك و التجنيس وبقوله يفتي وتبعه في غاية البيان۔

اور اشکال یہ ہے کہ فتاویٰ کی عبارت جامع رموز سے و قاضی خان کی عبارت بھی منقول ہے اور ظاہر ہے کہ وقف مشاع کا اختلاف اشتراط تسلیم و عدم اشتراط پر مبنی ہے نیز وقف مشاع کے جواز کیلئے اصحاب متون تعذر قاضی شرط لکھتے ہیں کما فی الکنز و تنویر الابصار وغیرہ، گرچہ امام ابو یوسف رح کے نزدیک شرط نہیں ہے مگر اصحاب متون کا اختیار کرنا بصورت اختلاف فتویٰ دلیل رجحان قول امام رح ہے پس باوجود مفتی بہ ہونے قول امام محمد رح کے تلفیق اختیار کرنے کی وجہ کیا ہے؟

ثالثاً: جب یہ وقف امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ناجائز ہے اس بناء پر وقف کتب نزد امام ناجائز ہے تو وہ کتب یتیموں کا مال اور ملک ہے اور بنا بر قول مشہور نزد امام ابو یوسف بھی وقف کتب ناجائز ہے اموال یتامیٰ میں داخل ہے اور بنا بر قول امام محمد بھی ناجائز ہے کہ تسلیم و افراز پایا نہیں گیا۔ اور امام زفر رح اور امام حسن رح وغیرہ سے کوئی قول منقول نظر نہیں آتا تو اس کا جواز ثابت کرنا دو قول کو ملا کر قاضی یا مفتی کی رائے ہوگی کہ امام ابو یوسف رح کا قول بدون اشتراط تسلیم و افراز وقف کا جواز اس کی نظر میں راجح ہے اور وقف کتب کا جواز موافق امام محمد رح اسکی نظر میں راجح اور مصلحت یہ سمجھتا ہے کہ دونوں قول کو ملا کر جائز ثابت کر دیا جائے اس صورت میں شبہ یہ ہے کہ اس نوع کا تصرف قاضی یا مفتی کو جائز ہے یا کہ اس کے لیے کچھ شرائط ہیں۔

قال في المختار في كتاب القضاء: اعلم ان في كل موضع قال الرأي فيه للقاضي فالمراد قاضي له ملكة الاجتهاد (شامی ص ۔ ۲۲۱ ج ۴)۔

وایضاً فیہ: المفتی وھو عند الاصولیین المجتہد اما من یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفت وفتواہ لیس بفتوی بل نقل کلام کما بسطہ ابن الہمام

(ص ۲۲۳ ج ۴ شامی)

رابعاً: تو بلکو تلفیق بین اقوال ائمۃ المذاہب جائز ہے یہاں جائز سے مراد جواز مع الوجوب ہے یا محض جائز غیر واجب اگر تلفیق واجب ہے تو وجوب کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: یجب العمل والافتاء بالقول دلیلاً فاذا کان الملفق اقوی دلیلاً وجب العمل بہ والافتاء ھھنا کذالک فان القول بجواز وقف المنقول المتعارف قوی دلیلاً وکذا القول بتمام الوقف بمجرد القول من غیر حاجۃ الی الافراز فان الذی اشترط الافراز والتسلیم انما قالہ قیاساً علی الصدقۃ وھو قیاس ضعیف فان فی الصدقۃ ید المتصدق علیہ غیر ید المتصدق فلا تتم الا بقبضہ بخلاف الوقف فان ید المتولی فیہ ید الواقف لکونہ وکیلاً عنہ وید الوکیل ید الموکل فکیف یصح تعلیق تمام الوقف علی ید ھی ید الواقف بعینہ فافہم فلعلک تجدہ الفقہ بعینہ واللہ تعالیٰ اعلم

اشکال: اور اگر جائز غیر واجب ہو تو یہ بھی جائز ہونا چاہئے کہ تلفیق نہ کی جائے کسی ایک کا قول بشرطیکہ وہ بھی مفتی بہ ہو لے لیا جائے اور اس پر فتویٰ دیا جائے اس صورت میں عامل کو اختیار ہونا چاہئے کہ غیر ملفق قول پر عمل کرے یا ملفق پر کیا یہ صحیح ہے؟ — مثلاً کسی نے دو مجلس میں غثیان واحد سے تھوڑی تھوڑی قے کی اور بدون تعدیل ارکان اسی وضو سے نماز پڑھ لی امام محمدؒ کے نزدیک وضو شکست ہوا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ترک تعدیل سے نماز درست نہ ہوئی لہذا دونوں اماموں کے نزدیک نماز باطل ہوئی اور اگر وضو میں امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا جائے اور نماز میں امام محمد کا تو نماز درست ہوگی اس صورت میں کیا واجب ہے کہ نماز درست ہونے ہی کا فتویٰ دیا جائے یا یہ بھی جائز ہے کہ عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر عدم جواز کا فتویٰ دیکر نماز کے اعادہ کا حکم دیا جائے کہ اس کے اندر احتیاط ہے۔

الجواب: جو تلفیق تتبع رخص کیلئے ہو وہ اتفاقاً جائز نہیں۔

اشکال: کہ عدم جواز پر دونوں امام کا اتفاق ہے اور جواز ان دونوں کے قول کو ملا کر مفتی نے ثابت کیا ہے نہ ان اماموں نے علی ھذا القیاس جب وقف کتب بدون تسلیم واقرار دونوں اماموں کے نزدیک ناجائز ہے تو اس کا جواز دونوں کے قول سے کو ترکیب دیکر ثابت کرنا خلافِ احتیاط ہونا چاہئے کہ تینوں ائمہ کے نزدیک تو وہ مال متروکہ اموالِ یتامیٰ میں داخل ہے مفتی اس کو اموالِ یتامیٰ سے خارج کرتا ہے اپنی طرف سے بذریعہ تلفیق کے پس اس کے وجوب کی کونسی دلیل ہے؟ اگر ممنوع نہ ہو تو خلافِ احتیاط تو ضرور ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو صحیح کیا ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو جب عبادات میں اس نوع کا تصرف خلافِ احتیاط ہے تو معاملات اور حقوقِ عباد میں خصوصاً حقوقِ یتامیٰ کے معاملہ میں اگر قول غیر ملفق سے فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج ہے؟

واما قولکم: دوسرے: وقف مریض میں زوال ملک بالموت اور اس وقف کا مثل وصیت ہونا ہی صحیح ہے۔ ماحصلہ أن ھذا فی الوقف المنجز غیر معلق بالموت او فی المعلق ان کان المراد الثانی فالسائل یسأل عن الوقف المنجز فی مرض الموت ولا یسئل من الوقف المعلق بالموت فلا یفید بک نقلاً عبارة الدر وان کان المراد الاول فدعوۃ الصحة غیر مسلم کیف؟ وقد قال فی الفتاوی الهندیة ناقلاً عن التبیین وان نجز الوقف فی المرض فهو بمنزلة المعلق بالموت فیما ذکرہ الطحاوی والصحیح انه بمنزلة المنجز فی الصحة فلا یلزم وعندهما یلزم من الثلث اھ (۳۵۶ ج ۲) ـــــــ فلما لزم الوقف عندهما من الثلث فعند ابی یوسفؒ یصح بمجرد القول لکن عندہ لا یجوز وقف الکتب۔

الجواب: فیہ نظر کما سیاتی۔

اشکال: وعند محمد لا یصح الا بعد التسلیم والاقرار کما قال العلامة الشامی فی رد المحتار: واصله فی الخانیة حیث قال فیها قال الشیخ الامام ابن الفضل الوقف علی ثلاثة اوجه، اما فی الصحة،

او فی المرض او بعد الموت فالقبض والافراز شرط فی الاول کالھبۃ دون الثالث لانہ وصیۃ واما الثانی فکالاول وان کان یعتبر من الثلث کالھبۃ فی المرض وذکر الطحاوی انہ کالمضاف الی ما بعد الموت وذکر السرخسی ان الصحیح انہ کوقف الصحۃ حتی لا یمنع الارث عند ابی حنیفۃ ولا یلزم الا ان یقول فی حیوتی وبعد مماتی اھ وبہ علم ان المراد بالقبض قبض المتولی وھو مبنی علی قول محمد باشتراط التسلیم والافراز کما مر بیانہ اھ فھذا الوجہ الثالث الذی ذکرتم لصحۃ الوقف بدون التسلیم والافراز انما ھو للوقف المعلق بالموت والسوال من المنجز وفی المنجز لا بد من التسلیم والافراز عند محمد وبہ الفتوی کما مر سابقاً

الجواب: قلت: علیہ فتوی البعض وافتی الاخرون بقول ابی یوسف وھو الحق عندنا لکون قول ابی یوسف ھو الماخوذ بہ فی باب الوقف۔

اشکال: فابقیت صورۃ للجواز الا ان یلتفت قول ابی یوسف بقول محمدؒ وقد مرت الاشکالات فیہ مرۃ ثانیۃ فی ھذا القرطاس فاجیبوا اجرکم اللہ۔

الاعتذار

سلسلۃ الکلام لاسیما بین من قرأ الکتب ودرسہا لا نہایۃ لہا ولا غایۃ ولسان البنان وبیان اللسان لا یمنعہا مانع ولا تردھا آیۃ والظاھر من اعتراض المعترض السائل جمودہ علی رأیہ وظنہ فالالزم لنا لا نتکلم الا فیما یعنیہ ان یصرف عنان البیان ویخلی بینہ وبینما رأہ بعلمہ وعقلہ والحق عندنا ما اشرنا الیہ اولاً لان الروایۃ التی نقلہا الشامی عن المجتبی مذکورۃ فی شرح السیر للامام شمس الائمۃ السرخسی وذکرھا شمس الائمۃ جازما بہا فھی وان کانت غیر مشہورۃ لیست بضعیفۃ فلا یلزم ان یکون غیر المشہور ضعیفاً کما لا یخفی وانما مدار الضعف علی ضعف الناقل او ذکرہ بصیغۃ التمریض وکل ذلک

لیس بموجود فکیف یجوز ادعاء الضعف فی ھذہ الروایۃ لاسیما وھی قویۃ بالدلائل الحدیثیۃ فان وقف الافراس وحبسوا فی سبیل اللہ لم یزل من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی زمان الخلفاء المتقدمین منھم والمتاخرین وھلم جرا وکذا وقف المصاحف فقد ثبت فی الصحیح قول یزید بن عبید کنت آتی مع سلمۃ بن الاکوع فیصلی عند الاسطوانۃ التی عند المصحف ولمسلم انہ کان یتحری موضع المصحف یسبح فیہ وذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فیہ اھ قال الحافظ ھذا دال علی انہ کان للمصحف موضع خاص بہ اھ (ص ۴۷۷ ج ۱)

قلت: وکان ھذا المصحف وقفاً وکذا المصاحف السبعۃ التی بعث بھا عثمان رضی اللہ عنہ الی البلاد بعد ماجمع القرآن ورتبہ سوراً وھذا یدلک علی ان وقف الکتب متعارف من زمن الصحابۃ فکیف یظن بابی یوسف ان یقول ببطلان وقف المنقول مطلقاً بل الصحیح ما ذکرہ السرخسی ان محمد یقول بجوازہ مطلقاً وابو یوسفؒ بجوازہ فیما فیہ عرف ظاھر کثیاب الجنازۃ وآلات غسل الموتیٰ ونحوھا اھ فھذا ھو المعتمد من ابی یوسفؒ عندنا لقوۃ الدلیل فلا تلفیق عندنا اصلاً وان سلمنا فالمنھی عنہ من التلفیق ما کان لتتبع الرخص ولا یخفی ان ذلک معدوم فی الصورۃ المسئول عنھا فان التلفیق ان کان فیھا فلرعایۃ الوقف وصیانتہ عن الابطال ولو راجع السائل کتاب الوقف والقضاء لعلم ان المعتمد فی ذلک بین قول ابی یوسفؒ مطلقاً وقولہ ھو المفتی بہ فی البابین وان کان بعض المشائخ اخذ بقول محمدؒ فی بعض الفروع ولکن الترجیح فی الاغلب بقول ابی یوسفؒ فیہ ناخذ ونفتی وھو احق عندنا

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ صفر المظفر ۱۳۵۰ھ

ارض موقوفہ یا مملوکہ کی مٹی بلا اجازت استعمال کرنیکا حکم	سوال: (۱) ارض موقوفہ خواہ مقبرہ ہو یا مدرسہ وغیرہ وہاں کی مٹی با اجازت یا بلا اجازت متولی کسی کو اپنے ذاتی کام میں لگانا

جائز ہے یا نہیں اور اسمیں قلت و کثرت کا فرق ہے یا نہیں ؟
(۲) بلا اجازت اگر کسی کے یہاں سے کھودی ہوئی مٹی لائی جائے تو اتنی ہی مٹی اسکے بدلے میں دینے سے رہائی ہوجائیگی یا معافی لینا اور مالک کو مطلع کرنا بھی ضروری ہے بعضے لوگ بڑے رئیس ہوتے ہیں دو چار ڈھیلے کے متعلق ان کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے اسکی احسن تدبیر کیا ہے ؟ اور بصورت کفایت تبادلہ میں ایک ہی رنگ اور ایک ہی قسم کی مٹی دینی چاہئے یا نہیں ؟

المستفتی اظہر علی مدرسہ جامعہ ملیہ شہر کملا ضلع تیرہ

الجواب

(۱) ارض موقوفہ کی مٹی کو استعمال نہ کرنا چاہئے نہ با اجازت اور نہ بلا اجازت نہ قلیل نہ کثیر ھذا ھو الاحوط وان کان القلیل الذی لا یضر بالارض فیہ مندوحۃ بین الاباحۃ ولکن المنع اولی سداً للذریعۃ

(۲) مٹی کی قلیل مقدار ارض مملوک سے اٹھا لینا جائز ہے اور قلیل وہ ہے جس سے عرفاً منع نہ کیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم

۲۴ رجب ۱۳۴۲ھ

اگر واقف متولی کے عزل یا سلسلہ تولیت میں تغیر و تبدل کے اختیار کو باطل کردے تو کیا اس کا یہ اختیار باطل ہوجائیگا یا اس شرط کے بعد بھی اسکو اختیار حاصل رہیگا	سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی واقف نے اپنے وقف کا کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط بھی لکھدی کہ اسکو کبھی معزول نہ کرونگا اور عزل کے اختیار کو باطل کرتا ہوں

یا آئندہ تولیت کا ایک خاص ترتیب سے کوئی سلسلہ تجویز کیا اور یہ شرط لکھدی کہ اس میں کبھی تغیر و تبدل نہ کرونگا اور تغیر و تبدل کے اختیار کو باطل کرتا ہوں۔ آیا اس شرط سے واقف کو متولی کے عزل کا یا سلسلہ تولیت میں تغیر و تبدل کا اختیار باطل ہوجائیگا یا باقی رہیگا ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ شرط لغو و باطل ہے واقف کو عزل متولی و تغیر ترتیب کا حق حاصل ہے۔

قال فی العالمگیریۃ: وان شرط ان یلیہ فلان ولیس لی اخراجہ

ذلک لتوبیة جائزة وشرط منع الاخراج باطل کذا فی محیط السرخسی ولو ان الواقف شرط الولایة لنفسه وشرط ان لیس لسلطان او قاضی عزل له فان لم یکن هو ماموناً فی ولایة الوقف کان الشرط باطلاً وللقاضی ان یعزل ویولی غیره کذا فی قاضی خان اھ (ص ج ۳ ص ۲۲۰)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ رجب سنہ ۴۲ھ

وقف مشروط کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس میں منجملہ دیگر شرائط مروجہ کے ایک شرط حسب ذیل کا اضافہ کیا کہ اگر اراضی موقوفہ میں تعلیم عربی وقرآن کا انتظام نہ کیا گیا تو یہ وقف کالعدم سمجھا جائیگا اور واقف یا وارثان واقف کو حق استرداد وقف حاصل ہوگا صورت مسئولہ بالا میں آیا یہ شرط وقف کی صحت میں کچھ خلل انداز تو نہیں اور تعلیق مذکور کی صورت میں وقف صحیح ہوگا یا نہیں؟

تنقیح

(۱) اس سوال کے جواب کیلئے وقف نامہ کی بجنسہ نقل کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ شرط مذکور سوال مفید تعلیق وقف ہے یا تقیید مطلق

(۲) یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ تحریر وقف نامہ سے پہلے واقف نے زبانی بھی وقف کیا تھا یا نہیں؟ اور زبانی وقف میں یہ شرط تھی یا نہیں؟

(۳) اگر وقف تحریراً ہوا تو یہ شرط مذکور فی السوال ایک ہی مجلس میں فی کرو وقف کے ساتھ اضافہ کی گئی یا پہلے وقف کی عبارت لکھدی گئی بعد میں شرائط کا یا شرط مذکور کا اضافہ ہوا؟

(۴) وہ یہ شرط خود واقف نے بڑھائی یا محرر نے بڑھادی اور واقف نے بدون دیکھے دستخط کردئیے۔

سوال دوبارہ قائم کیا جائے اور ان تنقیحات کو اس میں حل کیا جائے اور وقف نامہ کی نقل بھیجی جائے تو جواب جلد دیا جائے گا

ان شاء اللہ۔

والسلام

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۰ رجب ۱۳۴۷ھ

نقل مطابق اصل وقف

(جو کہ پچاس روپیہ کے اسٹامپ پر ہے جس میں سے ایک تیس روپیہ کا اور ایک بیس روپیہ کا)

منکہ راؤ عبدالعزیز خان خلف راؤ مہتاب علی خان قوم راجپوت ساکن زمیندار قصبہ رائے پور پرگنہ فیض آباد تحصیل و ضلع سہارنپور کا ہوں، میں نے بخوشی و رضا و بحالت صحت نفس و ثبات عقل خود بلا اکراہ و اجبار دیگرے ہمگی و تمامی اپنی جائداد مع جملہ حق حقوق متعلقہ اس کے مملوک و مقبوضہ و زرخرید بذریعہ بیع نامہ مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء محلہ لوہانی سرائے واقع شہر سہارنپور مشہر سابق نخو بھٹیاری اور مشتہر حال راؤ بلڈنگ دو حصوں میں کر کے چوتھا حصہ بذریعہ وقف نامہ مورخہ امروزہ کے بنام برخوردار محمد سعید خان سلمہ و عبدالمجید خان سلمہ وقف علی الاولاد کر دیا ہے اور بڑا حصہ مالیتی دس ہزار روپیہ مفصلہ ذیل بغرض کار خیر و حصول تعلیم دینیات بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کو اس غرض سے وقف کرتا ہوں کہ اس مقام میں مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی علیحدہ قائم کی جائے اور اس مدرسہ کو مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی مستقل شاخ قرار دیا جائے اور اس کا حساب آمد و خرچ مستقل طور سے علیحدہ رکھا جائے لھذا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ شرائط حسب ذیل کا پابند رہونگا خلاف ورزی نہیں کرونگا۔

(۱) یہ کہ میں نے جائداد مندرجہ ذیل مالیتی دس ہزار روپیہ بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور میں اس غرض سے وقف کر دیا ہے کہ اس میں علیحدہ ایک مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور قائم کر دی جائے اور جو ممبر یا منتظم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے ہونگے وہی اس شاخ مذکورہ کے ممبر یا منتظم ہونگے

(۲) یہ کہ میں نے قبضہ مالکانہ اپنی جائداد مفصلہ ذیل سے اٹھا کر قبضہ ملکیت خدا وندی میں بذریعہ مولوی عنایت الٰہی صاحب متولی و مہتمم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کے

کر دیا ہے۔

(۳) جائیداد موقوفہ زیر اہتمام و انتظام مولوی عنایت الٰہی صاحب متولی و مہتمم مدرسہ موصوف کے ہوگی اور بعد انکے بعد جو ان کا جانشین مہتمم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم میں ہوگا وہی متولی جائیداد موقوفہ کا ہوگا۔

(۴) متولی کا فرض ہوگا کہ جائیداد موقوفہ کے اندر ایک جزو میں مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کی قائم کریں جس میں تعلیم دینیات عربی و قرآن شریف حسب نصاب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور طلبہ کو دی جائے گی اور مدرسہ قائم کردہ علیحدہ ایک مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کی ہوگی۔

(۵) متولی موصوف جائیداد موقوفہ کی آمدنی و خرچ کا حساب باضابطہ رکھیگا اور مقر و ورثائے مقر اور دیگر اہل اسلام کا یہ حق ہوگا کہ متولی وقف سے حساب کی دیکھ بھال کریں کسی متولی کو حساب دکھلانے میں کسی قسم کا عذر نہ ہوگا۔

(۶) متولی تغلب یا تصرف بیجا کسی قسم کا نہ کرسکے گا اگر متولی کی جانب سے ایسا ثابت ہو تو ممبران و منتظمان مدرسہ کو اختیار ہوگا کہ ایسے متولی کو تولیت سے علیحدہ کرکے دوسرا لائق متولی مقرر کریں۔

(۷) کسی متولی وقف کو جائیداد موقوفہ کے منتقل کرنیکا حق نہ ہوگا بلکہ جائیداد موقوفہ ہمیشہ کو ملکیت خداوندی میں رہیگی اور تعلیم دینیات مذکورہ ذیل ہمیشہ کو اسی عمارت میں رکھی جائیگی متولی کو یہ شاخ کسی دوسری عمارت میں منتقل کرنیکا حق نہ ہوگا۔

(۸) اگر مقر یا ورثائے مقر جائیداد موقوفہ کی دعویدار کسی قسم کی کریگی تو وہ ذمہ دار خرچہ عدالت مذکور کا ہوگا۔

(۹) متولی کا فرض ہوگا کہ جس وقت دستاویز ہذا رجسٹری ہوجائے اسی وقت سے ایک مدرس عربی دینیات اور ایک مدرس حافظ قرآن شریف کا مقرر کرکے تعلیم طلبہ جاری کریں اور باقی آمدنی مرمت جائیداد و تعمیر درسگاہ وغیرہ شاخ مذکور کے عام اخراجات میں صرف ہوتی رہیگی اگر ایسا نہیں ہوگا تو مقر کو اور ورثائے مقر کو اختیار ہوگا کہ وقف کو کالعدم کرکے جائیداد موقوفہ کو واپس لے لیں۔

(۱۰) متعلقان پاخانوں اور غسل خانوں کے جو متعلقات مدرسہ جائیداد موقوفہ میں قائم کرینگے

ان میں سے ایک پاخانہ اور ایک غسل خانہ فریقین کے مشترکہ استعمال میں رہیگا۔ اور حقوق آمد و رفت
از دروازہ صدر تا منی ذویوار غربی قبر نمبر ۷ کھیاری مشترکہ فریقین رہیگی۔ دو مکانات و دروازہ
شمالاً و جنوباً مع مکانات بالائی و ساڑھے ۸ فٹ اراضی عرض میں اور ۱۶ فٹ اراضی طول میں جو اس وقت
افتادہ ہے پس پشت پر چار دوکانیں مع آخار شمالاً جنوباً کے محاذ میں جنکو خالص محمد سعید خان صاحب
سلمہ و عبد المجید خان سلمہ کے نام وقف علی الاولاد کیا ہے انکو حق ہے کہ جس وقت چاہیں اس پر مکانات
بنا دیں اور ساڑھے ۸ فٹ اراضی کے جانب جو اراضی افتادہ تا منی ذویوار چہ نمبر ۷ کھیاری ہے وہ فریقین
کے مشترکہ استعمال میں آئیگی اور عارضی طور سے اراضی مذکورہ میں کوئی موٹر یا گاڑی یا گھوڑا وغیرہ
کی سواری کھڑی کرنیکا فریقین کو حق ہوگا۔

(۱۱) متقیان و ممبران و متولی مدرسہ کا یہ فرض ہوگا کہ حق داخلہ طلبہ سہارنپور و ضلع سہارنپور
کا شاخ مذکور میں ہمیشہ مقدم رکھا جائیگا۔ اس واسطے یہ دستاویز وقف نامہ تحریر کر دی کہ سند
ہو۔ فقط تفصیل جائداد موقوفہ بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور ہمگی و تمامی
ایک قطعہ احاطہ سکنائی شرقی رویہ محلہ لوہانی سرائے واقع شہر سہارنپور مشتہر سابق نمبر ۸ کھیاری د
مشتہر حال ۳۰ ۸ بلا ٹکٹ مع مکانات اندرونی ہر قسم ایک پختہ دو کچی ایک منزلہ دو منزلہ مع کل دوکانات
بیرونی شرقی رویہ بجود گلاب و زینہ ہائے پختہ شرقی رویہ مع چھجہ ہائے و صحن پیش دوکان مذکور
ہر دو کمپن مع مکانات بالائی مع صحن اندرونی و بیرونی مع درختان ہر قسم و دو چاہ پختہ اندرون احاطہ
مذکور مع ملبہ ہر قسم متعلقہ مکانات و دوکانات مذکور مع اراضی تحتی و پاخانہ ہائے اندرون احاطہ
مذکور واقعہ آبادی شہر سہارنپور مع گوشہ ہائے دیوار غربی احاطہ مذکور و مشہوری مواد سہارنپور جانب
موضع سہارنپور پیوستہ پٹری گوکنگی نالہ مع حق راہ آمد برآمد بہ ستنائے اراضی صدر دروازہ
و ہر دو کوٹھری ہائے بغلی و چار دوکانیں متصل کوٹھری ہائے مذکورہ جس میں سے دو صدر دروازہ مذکور
سے جانب شمال میں اور دو بجانب جنوب میں اور کمرہ بالائی صدر دروازہ مع صحن ہر دو جانب شمال
و جانب کمرہ مذکورہ چار دوکانیں مع اراضی جانب غرب متصل دوکانیں و صدر دروازہ مذکور جو
اس وقت افتادہ ہے عرض میں بقدر ۱۲ فٹ شرقاً اور طول میں ۷ فٹ جنوباً شمالاً ہے۔

حدود اربعہ

شرقی متصل الباب دروازہ ستہ آمد برآمد ازاں بعد نالی و سڑک پختہ سرکاری و پرنالہ ہائے
مخصوص جائداد موقوفہ جو اس طرف جاری ہیں غربی مکانات رعایا ذوالفقار خان جس میں پرنالہ ہائے

خصی جو جائیداد موقوفہ جاری ہیں جنوبی دروازہ پاسے احاطہ موقوفہ و آبچک ازاں بعد پٹری کر گئی نالہ حدود آب ویرنالہ بائے خصی جائیداد موقوفہ جو اس طرف جاری ہیں شمالی آبچک مشترکہ مکانات و احاطہ موقوفہ و مکانات امراؤ سنگھ ویرنالہ ہنے خصی جائیداد موقوفہ جو اسطرف جاری ہیں۔

المرقوم ۲۳ نومبر ۱۹۲۳ء بقلم رام چند قبالہ نویس تحریری

(نوٹ) پشت اول کے سطر پانچ میں نشان دیگر حاشیہ پر وقف علی الاولاد مذکور ہے۔

العبد عبد العزیز خان

گواہ شد

محمد اکرام الدین پسر شیخ مسیتا ساکن بقلم خود مہتمم مدرسہ حفظ القرآن نوگانواں۔ ضلع سہارنپور۔

گواہ شد

عبد الرحیم خان بقلم خود پسر عاشق حسین خان۔

گواہ شد

چودھری محمد خان پسر عزیز علی خان جنڈالہ ضلع کرنال بقلم خود

گواہ شد

راؤ علی احمد خان پسر فیاض علی خان بقلم خود۔ ساکن رائے پور

جواب تنقیح

(۱) حسب طلب وقف نامہ کی اصل ارسال خدمت ہے

(۲) وقف نامہ سے پہلے ارادہ وقف تھا وقف کا حال وقف نامہ کی تحریر سے معلوم ہوا

(۳) سود و واقف نے دیکھکر دستخط کئے واقف لکھا پڑھا آدمی تھا۔

(۴) وقف نامہ سے واضح ہے۔

از احقر جمیل الرحمن امروہی

الجواب

صورت مسئولہ میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہے اور یہ شرط جو واقف نے لکھی ہے کہ اگر اس مکان میں شاخ مدرسہ مظاہر علوم قائم نہ کی گئی تو واقف یا اسکے ورثاء کو واپسی وقف کا اختیار ہوگا یہ شرط باطل ہے اگر اہل مدرسہ اس شرط پر عمل نہ کریں جب بھی یہ مکان و جائیداد وقف ہی رہیگی۔ واقف یا وارثان واقف کو وقف کی واپسی کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور فتویٰ باب الوقف میں ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے۔

قال فی الہندیۃ رسالۃ شمس الائمۃ محمود الاوزجندی: رجل وقف علی اولادہ وقال لیس لہم ان یخرجوہ من امساکہ فیبیعوہ قال: لو کان هذا شرطا فی الوقف کان باطلا وهذا یجب ان یکون قول محمد، اما علی قول ابی یوسف یجوز الوقف ویبطل الشرط اھ (ج ۳ ص ۱۱۰)

اور یہ جواب اسی تقدیر پر ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ وقف مذکور شرط واقف نے وقف کو مشروط کر دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شرط سے وقف مشروط نہیں ہوا کیونکہ الفاظ وقف کے ساتھ اس کا اتصال نہیں بلکہ وقف ان لفظوں سے تمام ہو چکا کہ ... بڑا حصہ یعنی دس ہزار روپیہ بغرض کار خیر حصول تعلیم دینیات کے مستقل ... مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور اسی غرض سے وقف کرتا ہوں الخ۔ اس عبارت میں واقف نے صرف اپنی غرض کا اظہار کیا ہے اور اسی غرض کے ساتھ وقف کر دیا ہے اس کے ساتھ یہ نہیں لکھا کہ اگر اس غرض کا تحقق نہ ہو تو وقف کے ابطال کا مجھے حق ہوگا یا یہ کہ اس غرض کے ساتھ وقف مشروط ہے ورنہ وقف ہی نہ ہوگا اور غرض کا بیان کرنا اسلئے ہوتا ہے کہ متولیان حتی الامکان اس غرض کے ایفاء کا اہتمام کریں اور جس وقت ایفاء غرض دشوار ہو تو اس کے مثل کسی دوسرے کار خیر میں وقف کو صرف کریں غرض کا لکھنا مطلقاً وقف کو مشروط نہیں کرتا پھر اس کے بعد جو واقف نے شرائط لکھی ہیں تو ان کو اس عنوان سے نہیں لکھا کہ یہ صحت وقف کی شرائط ہیں یا صحت وقف ان شرائط سے مشروط ہے بلکہ اس عنوان سے یہ شرائط لکھی ہیں کہ میں شرائط حسب ذیل کا پابند رہونگا پس ان شرائط سے جو اس عنوان کے بعد مذکور ہیں وقف مشروط نہیں ہوا اور باتفاق جملہ ائمہ وقف صحیح ہو گیا اور جو شرط خلاف وقف ہے وہ باطل ہوگی ملاحظہ ہو عالمگیریہ (ص ۲۴۲ ج ۲)

الباب السابع فی ما یتعلق بالصک من قولہ رجل وقف ضیعۃ لہ وکتب صکا واشہد شہودا الخ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نعم الجواب وهو عین الصواب	حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
اشرف علی	از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۶ شعبان سنہ ۴۲ھ	۶ شعبان سنہ ۴۲ھ

واقف کی ماں اگر حاجتمند ہو تو آمدنی وقف علی الفقراء میں وہ دوسرے حاجتمندوں سے مقدم ہے

سوال: زید نے اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی اس موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے کچھ رقم ان سے اپنی برادری کی حاجتمند بیوہ عورتوں کیلئے مقرر کردی بعد انتقال زید والدۂ زید نے اپنا ترکہ اولاد زید کو ہبہ کردیا والدۂ زید کی کچھ ذاتی جائیداد بھی ہے جو اسکی ضروریات کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ جو آمدنی والدۂ زید نے اپنے پوتوں کو ہبہ کردی ہے اسکو شامل کرکے بھی انکی ضروریات پوری نہیں ہوتی ہیں ایسی حالت میں اگر اولاد زید اپنی ذاتی قلت آمدنی وکثرت خرچ کی بناء پر اس موقوفہ جائیداد کی وہ رقم جو واقف نے اپنی برادری کی حاجتمند بیوہ عورتوں کیلئے مقرر کی ہے اپنی دادی کو دیں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ دیدیا ہے تو شرعاً گناہ ہوا یا نہیں اور واقف کو ثواب پہنچے گا یا نہیں

سائل۔ سعید احمد خان بریرہ ڈاکخانہ بلام ضلع اٹیہ

الجواب: واقف کی ماں اگر حاجتمند ہو تو دوسری بیوہ عورتوں سے وہ مقدم ہے اسکو وقف مذ بیوگان سے دے سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ

میت مسلم کے ایصال ثواب کیلئے مشرد کے وقف کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ کچھ زمین پیر نال کے نام سے بڑے پیر صاحب کے نام پر دیکر کسی کو اس کا متولی کردیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متولی اس زمین کا ہر سال کی آمدنی کو اپنے اخراجات میں بھی لائے اور بقیہ سے بڑے پیر صاحب کی درگاہ بنا کر اسمیں چراغ جلائے اور فقراء کو کھلائے اسی رسم کے موافق عرصہ چار سو سال کا ہوا کہ کسی ہندو نے ایک زمین کو پیر نال کے طریقہ پر دیکر ایک مسلمان کو اس کا متولی کردیا اور مندرجہ بالا شرائط تحریر کردی کہ متولی ہر سال کی آمدنی سے خود بھی کھائے اور درگاہ بنا کر چراغ جلائے اور فقراء کو کھانا کھلائے نیز قانوناً اسمیں زمین دینے والوں یا ان کے وارثوں کو یہ بھی حق ہے کہ اگر متولی شرائط مندرجہ بالا کے موافق خرچ نہ کرے تو وہ اس متولی کو علیحدہ کر سکتے ہیں البتہ یہ زمین دینے والے

خود اس زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے اور نہ لگان وصول کر سکتے ہیں نیز متولی کو یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ حق تولیت کسی کے ہاتھ بیچ دے لیکن مشتری تولیت کو بھی اصل متولی کی طرح مندرجہ بالا اخراجات میں اسکی آمدنی کا صرف کرنا لازم ہوگا

اب سوال یہ ہے کہ وہ زمین نسلاً بعد نسل چار سو برس سے اس متولی کے وارثوں میں چلی آرہی ہے اور وارثان متولی مندرجہ بالا اخراجات میں اس آمدنی کو خرچ کرتے رہے ہیں لیکن موجودہ متولی نے چراغ کے اخراجات کو بند کر دیا ہے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو جمع کر کے کھلا دیتا ہے باقی آمدنی خود کھا جاتا ہے کیا متولی کا اخراجات میں تغیر جائز ہے یا نہیں؟ نیز فقراء کو اس زمین کی آمدنی سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وقف کا ذریں اصل یہ ہے کہ جو غرض اسکے اور اہل اسلام کے نزدیک قربت ہو اسکے لئے وقف صحیح ہے اور اگر اس کے ساتھ ایسی اغراض شامل کی جائیں جو اہل اسلام کے نزدیک قربت نہیں تو ان اغراض میں آمدنی وقف کا صرف کرنا جائز نہیں پس میت مسلم کے ایصال ثواب کیلئے وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ قربت متفق علیہا ہے اور درگاہ وغیرہ بنانیکے واسطے وقف صحیح نہیں متولی کو درگاہ بنانا جائز نہیں صرف فقراء پر کھانا تقسیم کردیا کرے

قلت: وکون ایصال الثواب بالمال قربۃ تاخذ متفق علیہ بین الائمۃ وکذالک الوقف علی رجل معین وعقبہ صحیح لکونہ قربۃ متفق علیہا وانکل فی الاحکام الاوقاف للخصاف فقط۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ رجمادی الاول ۴۵ھ

اس کے متعلق صریح جزئیہ تو نہیں ملا قواعد سے جواب لکھدیا گیا پس جو کچھ وہ متولی بلا کسی رسم شرک و بدعت کے کھلائے وہ فقراء کو کھانا جائز ہے اور متولی نے جو خلاف شرع امور مثل چراغ جلانے کے ترک کر دیا ہے اسکی وجہ سے متولی پر مواخذہ نہیں ہے زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو دوسرے مدارس میں سوال بھیجدیا جائے فقط

عبدالکریم گمتھلوی

یکم جمادی الثانی ۴۵ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ذیل کی صورت میں کہ مساۃ لاڈو بیگم کے ورثاء میں سے کوئی اولاد نہیں اور اس کا شوہر اور والدین بھی فوت ہو گئے اور کوئی عصبہ قریب بعید کے نہیں۔ ایک بہن وارث ہے مساۃ لاڈو بیگم بیمار ہو گئی تھی بعد بیمار ہو نیکے اسی بیماری میں اپنی جائیداد غیر منقولہ کو وقف علی الاولاد کے نام سے وقف کیا اور مساۃ واقفہ نے وقف نامہ لکھوا کر اپنی حقیقی بہن نور بیگم جو اس وقت زندہ ہے اسی کا نام اس کا انگوٹھا وقف نامہ پر لگوا دیا اور وقف نامہ لکھتے وقت مساۃ نور بیگم نے کوئی انکار یا ناراضگی ظاہر نہیں کی اور انگوٹھا لگاتے وقت بھی انکار نہیں کیا بعد اس تصرف کے اسی بیماری میں تقریباً تین ماہ کے بعد مساۃ لاڈو بیگم فوت ہو گئی کچھ دنوں بعد مساۃ نور بیگم واقفہ کی حقیقی بہن نے عدالت میں درخواست دی کہ میں اپنی بہن مساۃ لاڈو بیگم مرحومہ کی وارث ہوں مجھکو اس کا ترکہ ملنا چاہئے اور جو میں نے وقف نامہ پر انگوٹھا لگایا ہے اول تو مجھے اس وقت اپنی بہن کا دل خوش کرنا منظور تھا دوسرے میں اس وقت جائیداد کی مالک نہ تھی میرے انگوٹھا لگانے سے میرا حق فوت نہیں ہوا میں تو بعد وفات مساۃ لاڈو بیگم کے بحق وراثت مستحق ترکہ ہوئی ہوں اور مسمیٰ امیر محمد خان نے جسکو نصف آمدنی جائیداد مساۃ لاڈو بیگم نے بلحاظ وقف علی الاولاد کے مستحق کیا تھا اس نے عدالت میں درخواست دی ہے کہ مساۃ لاڈو بیگم واقفہ کی جائیداد میں میرا حصہ نصف مجھ کو میرے نام سے سرکاری کاغذات میں درج کر دیا جائے اور مجھ کو اس پر قابض کر دیا جائے مسمیٰ امیر محمد خان کہتا ہے کہ مساۃ نور بیگم کا مساۃ لاڈو بیگم واقفہ کی جائیداد میں کوئی استحقاق نہیں رہا۔ کیونکہ وقف لکھتے وقت اس نے انکار نہیں کیا اور اپنی مرضی سے انگوٹھا بھی لگا دیا ایسی صورت میں مساۃ نور بیگم حقیقی ہمشیرہ مساۃ لاڈو بیگم واقفہ مرحومہ کی جائیداد مذکورہ بالا کی بطور وراثت مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس جائیداد میں اسکو کتنا حصہ مل سکتا ہے اور مسمیٰ امیر محمد خان جسکو واقفہ مرحومہ نے نصف آمدنی کا بطور وقف علی الاولاد مستحق کیا ہے جائیداد مذکورہ کے تقسیم کرانیکا اور نصف اراضی پر قابض ہونیکا حق ہے یا نہیں؟ مساۃ واقفہ نے وقف نامہ پر لکھدیا ہے کہ میرے فوت ہونیکے بعد ہر ایک فریق آپس میں جائیداد مذکورہ کو تقسیم کرلیں اور اپنے اپنے حصہ پر قابض ہو جائیں ایسی صورت

یعنی جائیداد موقوفہ پر جو اللہ کی ملک میں ہو گئی ہے تقسیم کر کے فریقین قابض ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

تنقیح

اس سوال کے متعلق چند امور وضاحت طلب ہیں۔

(۱) لاڈو بیگم کا شوہر اس سے پہلے انتقال کر گیا یا بعد میں اگر بعد میں انتقال کیا تو یہ بھی بتلایا جائے کہ وہ اس وقف پر بعد انتقال لاڈو بیگم رضامندی ظاہر کرتا تھا یا ناراض یا ساکت تھا؟

(۲) عصبہ بعید کا نہ ہونا بعید ہے اسلئے مکرر تحقیق کامل کر کے لکھیں

(۳) لاڈو بیگم کو کیا مرض تھا اور کتنے دن سے تھا اور کس درجہ کا تھا یعنی اس مرض میں گھر کا کام کر سکتی تھی یا نہیں؟ اور چلتی پھرتی تھی یا نہیں؟

(۴) وقف کرنے کے بعد وہ مرض زائل ہو گیا تھا یا موت تک برابر مریض رہی؟

(۵) نور بیگم نے لاڈو بیگم کے انتقال کے بعد وقف پر رضامندی ظاہر کی ہے یا نہیں یعنی ایسا واقعہ ہوا ہے کہ اول رضامندی ظاہر کی بعد میں درخواست دی یا انتقال کے بعد اول ہی سے ناراض رہی یا بعد انتقال کچھ دنوں خاموش رہی بعد میں درخواست دی جو واقعہ ہوا صاف لکھا جائے۔

(۶) اب جائیداد کس کے قبضہ میں ہے

(۷) سماۃ لاڈو بیگم نے اس جائیداد موقوفہ کے علاوہ اور کیا ترکہ چھوڑا ہے اور اس ترکہ کو اس جائیداد سے کیا نسبت ہے یعنی آدھا ہے یا تہائی یا کم زیادہ

(۸) وقف نامہ کی پوری نقل روانہ کر دیں فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ۳۰ ربیع الثانی ۵۳ھ

جواب تنقیح

(۱) شوہر سماۃ لاڈو بیگم کا سماۃ کے فوت ہونے سے پانچ سال پہلے فوت ہو گیا۔

(۲) عصبات کے متعلق جہاں تک کوشش کی کوئی عصبہ بعید معلوم نہیں ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب

(۳) مسماۃ موصوفہ کو مرض اسہال، بخار، کھانسی تھا۔ فوت ہونے سے تقریباً پانچ ماہ پیشتر اسی مرض میں مبتلا تھیں اسقدر ضعف ہو گیا تھا کہ بلا دوسرے آدمی کی امداد کے اٹھنا بیٹھنا نہیں کر سکتی تھی اور نہ کوئی کاروبار کر سکتی تھی۔

(۴) مسماۃ کے فوت ہونے تک وقف کے بعد مرض سابق زائل نہیں ہوا بلکہ روز بروز ترقی پر رہا وقف کی تحریر مکمل کرنے کے وقت زبان سے بات صاف نہیں معلوم ہوتی۔ اور بہت کم سنتی تھی۔

(۵) مسماۃ نور بیگم وقف کرنے سے درخواست دینے تک دل سے ناراض رہی بعد مرنے مسماۃ لاڈو بیگم کے بھی دل سے تو ناراض رہی لیکن زبان سے اتنے عرصے تک ناراضی کا اظہار نہیں کیا اور نہ اپنی رضا ظاہر کی اور نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انکی رضامندی ثابت ہوتی۔ مرنے کے بعد تقریباً درخواست دینے تک ایک ماہ کا عرصہ گذرا۔

(۶) جائیداد پر قبضہ مسماۃ نور بیگم کا ہے اور تحصیل وصول مسماۃ نور بیگم کے داماد مسمیٰ امانت اللہ خان جو اس گاؤں کا نمبردار ہے کرتا ہے۔

(۷) جائیداد متنازعہ فیہ موقوفہ کی مالیت تخمیناً آٹھ ہزار ہے اور اس کے علاوہ کچھ جائیداد مسماۃ مرحومہ نے مسماۃ نور بیگم کے داماد امانت اللہ خان کو اسی مرض موت میں ہبہ کر دی ہے اور ان کا قبضہ کرا دیا ہے اس موہوبہ جائیداد کا تخمینہ مالیت بھی تقریباً آٹھ ہزار ہے اور ان دونوں جائیداد کے علاوہ کچھ جائیداد غیر منقولہ اسی مرض موت میں مسماۃ مرحومہ نے اپنی بہن مسماۃ نور بیگم کو ہبہ کر دی اور قابض کر دیا جس کا تخمینہ مالیت ڈیڑھ ہزار ہے اور کچھ مال از قسم زیورات علاوہ ان تینوں جائیداد کے جس کا تخمینہ غالباً پانچ سو روپیہ ہے مسماۃ نے مرض موت میں کچھ اپنے ہاتھ سے ذوی الارحام کو ہبہ کر دیا اور کچھ اپنے بھائی کو دے گئیں اس غرض سے کہ کسی مصرف خیر میں صرف کر دینا وہ ابتک موجود ہے بطور امانت کے۔

(۸) نقل وقف نامہ حسب طلب ارسال خدمت ہے اسمیں یہ تفصیل ہے ابتداء میں جو مضمون وقف نامہ میں لکھا گیا اس میں بعض مضمون مسماۃ مرحومہ کی رضا کے خلاف لکھا گیا جب مسماۃ کو وہ مضمون سنایا گیا تو اس نے اپنی رضامندی کے موافق اسکی تکمیل دوسرے قطعہ پر کرا کے اسکو مکمل رجسٹری کرا دیا لہذا اصل وقف نامہ اور

اس کا تتمہ دونوں کی نقل رسال خدمت ہے

الجواب

فی الدر المختار فی شرائط الوصیۃ: (و) کون (الموصی له حیا وقتها (و) کونه (غیر وارث) وقت الموت اھ ملخصاً

وقال الشامی: (قوله غیر وارث) ای ان کان ثمه وارث آخر والا تصح الخ (شامی ص ۶۳۴ ج ۵)

وفیه ایضاً بعد ورقة: ولا تعتبر اجازتهم حال حیاته اصلاً بل بعد وفاته۔ وقال الشامی: تحته ای لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عند الموت فکان لهم ان یردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت وتمامه فی المنح

وفی البزازیة: تعتبر الاجازة بعد الموت لا قبله هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیره اذا صدر فی مرض الموت واجازة الوارث قبل الموت لا روایة فیه عن اصحابنا قال الامام علاؤ الدین السمرقندی: اعتق المریض عبده برضی الورثة قبل الموت لا یسعی العبد فی شیٔ وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا علی الجارح یصح ولا یملک المطالبة بعد موت المجروح اھ

اس سے معلوم ہوگیا کہ وقف مذکور بر جب مسماۃ نور بیگم اپنی ہمشیرہ کے مرض موت میں رضا مندی ظاہر کرچکی ہے تو اب اسکو اس میں سے وراثت نہ ملیگی البتہ جو جائیداد خود اسکو یعنی نور بیگم کو دی گئی ہے وہ اسکی ملک ہے کیونکہ دوسرا کوئی وارث نہیں جو اس ہبہ پر اعتراض کرے فقط

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۲۰ ربیع الثانی سنہ ۴۵ھ

عہ ھکذا فی الاصل والصواب لا قبله

اور صورت مسئولہ میں دونوں نواسے زمین وقف کو برضا مندی تقسیم کرسکتے ہیں
لزوماً وجبراً تقسیم نہیں کرسکتے لما فیہ من ایہام الملک

قال فی الکنز : ولا یقسم وان وقفہ علی اولادہ اھ ۔ و ذکر فی البحر
فی ذالک اقوالاً : وقال ابن عابدین فی حاشیتہ : وقد یوفق ایضاً بان
ما فی الخصاف محمول علی قسمۃ الجبر وما فی الاسعاف علی قسمۃ التراضی
ولذا قال : وفی : فیمنعہم بعد ذلک لطالبہ اھ (ص ۴۰۸ ج ۵)

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ

وقف زمین اجارہ اور اس پر مسجد بنانے کی ایک صورت

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین (رحمکم اللہ تعالیٰ) اس مسئلہ میں کہ ایک سرکاری زمین ہے جو پچیس سال کے واسطے سرکار اپنے رعایا کو کرایہ پر دیتی ہے اور بعد اس مدت کے گذر جانے اس شخص کو اگر وہ چاہے پھر دیدیتی ہے ۔ یہ سرکاری قاعدہ ہے جب تک سرکار کو اس زمین کی سخت ضرورت نہیں ہوتی اس شخص سے چھینتی نہیں اس زمین پر وہ شخص ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے اگر اس پر مکان بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے اور اگر اسکو دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے اور اس شہر میں جتنی زمینیں ہیں سب ایسی ہی ہیں اس ارض مذکورہ کو اگر سرکار واپس لینا چاہے تو اس کے عوض میں دوسری زمین دیکر واپس لیتی ہے دیگر شہروں میں دوسری زمینیں ہیں ۔

ایک تو اس قسم کی زمین جو اوپر مذکور ہوئی ۔ دوسری قری ہول زمین جس کا خراد معاف ہے لیکن اسکو بھی سرکار اس کے عوض میں دوسری زمین دیکر واپس لے سکتی ہے ۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی خراد والی زمین میں ایک مکان بھی تھا ، مع مکان کے اس زمین کو مسلمانوں نے خرید کر وقف کر دیا ہے اور اس پر ایک مسجد بنائی ہے جس میں پنجگانہ نمازیں جماعت کے ساتھ ہو رہی ہیں اور جمعہ کی نماز بھی خوب اچھی طرح سے ہو رہی ہے اور روز بروز مسجد مذکور کی جماعت بفضلہ تعالیٰ ترقی پر ہے اور جو

سرکاری خزانہ قبل دینا مسجد ایسی زمین کیلئے مقرر تھا وہ اب تک معاف نہیں ہوا ہے سالانہ
تین روپیہ تک واقفین زمین ادا کر دیا کرتے ہیں اور کوشاں ہیں کہ خزانہ معاف ہو جائے
آیا یہ وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا

الجواب

چونکہ یہ زمین وقف کرنے والوں کی ملک نہیں ہے اسلئے زمین کا وقف صحیح
نہیں ہے اور بیچنے کا اختیار جو سرکار کی طرف سے ہے یہ درحقیقت بیع زمین کی نہیں بلکہ
حق مستاجری بیع ہے غرض یہ کہ صورت سوال سے ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اس زمین کی مالک سرکار ہی
رہتی ہے اس واسطے ہمارے نزدیک یہ زمین وقف ہوئی اور نہ یہ مسجد شرعاً مسجد
ہو گی البتہ اگر کسی طریقہ سے بطور بیع یا ہبہ یہ زمین مسلمانوں کو ہمیشہ کے واسطے مل جائے
اور اس کے بعد پھر اسکو مسجد قرار دیں تو مسجد ہو جائیگی جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تمام تر
گفتگو زمین کے متعلق تھی باقی رہی عمارت سو وہ بہر حال وقف ہو چکی ہے گو اکثر فقہاء
نے وقف البناء بدون الارض کو غیر صحیح کہا ہے لیکن درمختار نے صحیح کہا ہے اور آجکل
یہی قول قابل فتویٰ ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعامل بدل گیا ہے یعنی پہلے اس کا دستور
نہ تھا اسواسطے اس کو صحیح نہیں کہتے تھے اور اب دستور ہو گیا ہے اسلئے صحیح کہنا لازم ہے
اور وجہ اسکی یہ ہے کہ منقول کا وقف جب صحیح ہوتا ہے جبکہ اس کا دستور ہو پس درحقیقت
یہ اختلاف مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ دستور کا اختلاف ہے یعنی جن فقہاء نے بوجہ عدم دستور
ہونے کے اس وقف کو غیر صحیح کہا ہے ان کا یہ قول خود بتلاتا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں اس کا
رواج ہو جائے تو وقف صحیح ہو جائیگا پس آجکل رواج ہو گیا ہے اور زمین کرایہ پر ہے اس
واسطے استعمال کا حق ہے پس نماز پڑھنا اس جگہ جو صورۃً مسجد ہے جائز ہوا اگر کسی وقت
سرکار نے زمین لے لی تو پھر اس کا ملبہ کسی دوسری مسجد کی طرف ہو سکتا ہے۔ اب وقف البناء
بدون الارض کے متعلق فقہاء کی عبارتیں نقل کرتا ہوں تاکہ اس تحریر کی موافقت ظاہر
ہو جائے۔

فی الدر المختار: (بنی علی ارض ثم وقف البناء) قصداً (بدونها
ان الارض مملوكة لا يصح) وقيل: صح وعليه الفتوى ———— مسئل قاری

الهداية عن وقف البناء والغراس بلا ارض فاجاب ان الفتوی علی صحة ذالك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنف ؒ معللاً بانه منقول فيه تعامل فيتعين به الافتاء (شامی ج ۳ ص ۳۶۴)

گو شامی نے دوسری جزئیات کی بنا پر اس میں قید لگائی ہے کہ یہ حکم زمین محتکرہ کا ہے اور محتکرہ وہ زمین ہے جو ہمیشہ کے واسطے کرایہ پر دی ہوئی ہو اور بادشاہ اسکو کبھی بھی نہ لیتا ہو لیکن جب اصل مدار تعامل پر ہے تو جس قسم کی زمین پر بنائی ہوئی عمارت کو وقف کرنیکا تعامل ہو جائیگا۔ اسی کو صحیح کہا جائیگا۔ واللہ اعلم

اور غور کرنے سے صورت مسئولہ کے متعلق ایک بات اور ذہن میں آئی وہ یہ کہ جب عمارت بنانیکے واسطے اینٹ چونہ وغیرہ خریدا اسی وقت وہ سب سامان وقف ہو چکا اور وقف ہو چکنے کے بعد دیوار وغیرہ بنائی گئی ہے بخلاف اس صورت کے جس میں علامہ شامی نے اختلاف کیا ہے کیونکہ اس صورت میں عمارت بنانیکے بعد وقف کرنا مفروض ہے اور اینٹ وغیرہ منقولات میں وقف صحیح ہونیکے لئے کوئی شرط ایسی نہیں ہے جو صورت مسئولہ میں نہ پائی گئی ہو بس واضح ہو گیا۔ آجکل اکثر چھاؤنی وغیرہ میں جو عارضی جماعت معین یا غیر معین مدت کے واسطے بیکر سرکاری زمین میں مسجد بنا لیتے ہیں یہ مسجد تو نہیں ہوتی مگر دیوار وغیرہ وقف ہو جاتی ہیں اور نماز پڑھنا ان مساجد میں جو کہ محض صورۃً مساجد ہیں جائز ہے گو ثواب مسجد کا نہ ملیگا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۳۰ / جمادی الاول ۵۵ھ

وقف میں کوئی مستحق نکل آئے تو وقف باطل ہو جائیگا یا نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بستی میں قریب پندرہ سولہ سال سے نور محمد نامی ایک شخص کی زمین میں ایک مسجد تیار کی گئی۔ نور محمد نے یہ زمین اسی وقت مسجد کیلئے وقف بھی کر دی تھی لیکن یہ زمین نور محمد کی موروث نہ تھی بلکہ حاجی محمد ہاشم سے خریدی اور حاجی محمد ہاشم نے محمد زین کی والدہ سے اور اس نے اسعد اللہ کے بعض وارثین سے خریدی تھی اب اس محلہ کے ایک شخص اسعد اللہ مرحوم کے وارثین

میں سے اسی مسجد کی زمین میں با تھ ڈیڑھ ہاتھ کا مستحق نکل گیا۔ ھذا سوال یہ ہے کہ اس استحقاق کی وجہ سے وقف مذکور باطل ہوجائیگا یا نور محمد کے وارثین سے بقدر استحقاق ضمان لیکر وقف باقی رکھا جائیگا برتقدیر اول تمام مسجد کا وقف باطل ہوگا اور باقی زمین میں مسجد باقی رہیگی جائیگی۔ بینوا توجروا

تنقیح

اس سوال کے متعلق امور ذیل دریافت طلب ہیں انکا جواب آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ بتادیا جائیگا۔

(۱) کیا اس کے شرعی ورثاء سب بالغ ہیں اور کیا وہ سب ضمان پر راضی ہیں؟

(۲) نور محمد اور حاجی ھاشم نور اصل بائع یہ سب تا حال زندہ ہیں یا بعض کا انتقال ہوچکا مفصل لکھیں

(۳) جس شخص نے دعویٰ کیا ہے وہ اس وقت جبکہ جگہ فروخت کی گئی اور مسجد بنائی گئی کیوں خاموش رہا ونیز یہ بھی تحریر کریں کہ فروخت کے وقت وہ موجود تھا یا نہیں؟

(۴) کیا اس کا استحقاق گواہوں سے ثابت ہے؟

(۵) یہ ٹکڑا کس طرح اس بیع میں شامل ہوگیا تھا؟

(۶) استحقاق کسی معین حصہ میں ثابت ہوا ہے یا غیر معین یعنی کسی جانب دیوار مسجد تھوڑی سی ہٹا کر بنائی گئی ہے یا بیچنے والے نے اپنے حصہ سے زائد بیچدی اسکو مصرح لکھا جائے اور زیادہ وضاحت کے واسطے لکھا جاتا ہے کہ استحقاق کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ بائع کی زمین الگ تھی اور مدعی استحقاق کی زمین الگ بائع نے کسی طریق پر مدعی کی زمین کا حصہ شامل کرکے فروخت کردیا — دوسری صورت یہ کہ بائع کو مثلاً سو گز زمین وراثت میں پہنچتی تھی مگر اس نے کسی وجہ سے ۱۰۴ گز فروخت کردی اب مدعی اپنا حصہ طلب کرتا ہے ان دونوں صورتوں میں سے جو واقعہ ہو اسکو لکھیں۔ والسلام

جواب تنقیح

(۱) نور محمد کے تمام ورثاء شرعی فی الحال بالغ ہیں اور ضمان پر راضی ہیں

لیکن مدعی قدر تعلیل پر راضی نہ ہوگا۔

(۲) نور محمد کا انتقال ہو چکا ہے اور حاجی ہاشم اور باقی بائعہ محمد زرین کی والدہ اور محمد زرین کی والدہ کی بائعہ مور بی بی، خوش بی بی، مکرم بی بی، عزت اللہ حشمت اللہ اور نور محمد ہیں اور یہ سب اسعد اللہ کے وارثین ہیں اور فقط ایک شخص شیخ محمد نامی اسعد اللہ کا وارث ہے وہ اس بیع میں شریک نہیں اور اصل بائعوں میں سے تاحال فقط مور بی بی زندہ ہے اور بائع ثانی محمد زرین کی والدہ اور بائع ثالث یعنی حاجی ہاشم تاحال زندہ ہیں

(۳) جب جگہ فروخت کی گئی اور مسجد بنائی گئی اس وقت اسکو علم نہیں تھا کہ اس کا بھی اس میں حق ہے کیونکہ اس کا حصہ بہت کم تھا بعد کو مسئلہ پوچھنے سے یہ معلوم ہوا کہ اسکو بھی حصہ ملیگا اور فروخت کے وقت وہ موجود تھا۔

(۴) چونکہ یہ شخص اسعد اللہ کے وارثین میں سے ہے اور جس زمین میں مسجد بنائی گئی اصل میں اسعد اللہ کی تھی لھذا اس کا استحقاق دلیل شرعی سے ثابت ہے

(۵) چونکہ تمام بائع اصل جو مت میں مذکور ہو چکے ہیں اسعد اللہ مرحوم کے وارث تھے اور مدعی استحقاق بھی اسی مرحوم کا ایک وارث تھا۔ اور سب نے سوائے مدعی کے متفق الرائے ہو کر موروثہ زمین قبل القسمۃ محمد زرین کی والدہ کے پاس فروخت کردی اور مدعی استحقاق کو اسمیں شریک نہیں کیا اور نہ اس کا حصہ الگ کیا لھذا اس کا حصہ بیع میں شامل ہو گیا تھا۔

(۶) چونکہ ارض موروثہ کی تقسیم نہیں ہوئی لھذا جو حصہ مدعی استحقاق کے مسجد میں واقع ہوا غیر معین رہا تمثیل کی دونوں صورتوں میں سے یہاں ثانی صورت واقع ہوئی پہلے سب بائع کو مناسب تھا کہ مدعی کا حصہ الگ کر کے بیچتے انہوں نے الگ نہیں کیا

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر ضمان دیا جائے تو کس وقت کے حساب سے دیا جائیگا؟ اگر وہ ضمان لینے پر راضی نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ والسلام

الجواب

جب ماشاء اللہ نور محمد کے سب ورثاء عاقل بالغ ہیں اور شیخ محمد کے حصہ کا

ضمان دینے پر آمادہ ہیں تو تمام مسجد کے متعلق سوال لا حاصل ہے بس فقط شیخ محمد کے حصہ کا تصفیہ کرنا ہے سو اسکی صورت یہ ہے کہ اولاً اس کا حصہ تقسیم کر کے معین کیا جائے۔ اگر اس کا حصہ اس سمت میں ہے جس سمت میں تعمیر نہیں ہے یعنی دروازہ وغیرہ کی طرف تب وہ خالی زمین اس کو دیدی جائے اور اگر اس حصہ میں وہ قطعہ آئے جس پر خود مسجد کی عمارت ہے یا متعلقات مسجد غسلخانہ حجرہ وغیرہ بنا ہوا ہے تو پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ اس خالی حصہ کی کیا قیمت ہے؟ اور عمارت کی کیا قیمت ہے اگر عمارت کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس شخص کو زمین کی قیمت دیدی جائے (اور قیمت میں اس کے بکنے کا اعتبار نہیں بلکہ موجودہ نرخ کے اعتبار سے دی جائیگی) اور اگر زمین کی قیمت عمارت کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس شخص کو حق ہے کہ اپنا حصہ خالی کرائے یا اپنی مرضی کے موافق قیمت وصول کرلے اگر یہ آخری صورت یا پہلی صورت واقع ہو تو بقیہ زمین اور دوسری صورت میں تمام زمین کو وارثان نور محمد مرحوم مسجد رکھیں

كما في الدر المختار: (بنى أحدهما) أي أحد الشريكين (بغير إذن الآخر) في عقار مشترك بينهما (فطلب شريكه رفع بنائه قسم العقار (فإن وقع) البناء (في نصيب الباني فبها) ونعمت (وإلا هدم) اهـ

وقال الشامي تحته: أو أرضاه بدفع قيمته (عن الهندية ج ۵ ص ۲۶)

وأيضاً في الدر: (ومن بنى أو غرس في أرض غيره بغير إذنه أمر بالقلع والرد) لو قيمة الساحة أكثر كما مر وقال صاحب رد المحتار: ولو قيمتها أقل فللغاصب أن يضمن له قيمتها ويأخذها، درر عن الهداية. وهذا على قول الكرخي وقدمنا الكلام عليه آنفاً اهـ (ص ۱۸۴ ج ۵)

اور علامہ شامیؒ نے قول کرخیؒ کے خلاف ہر حال میں عدم بنا پر فتویٰ ہونا نقل کیا ہے۔

ع: اس کے متعلق ضروری تنبیہ آگے ملاحظہ فرمائیں۔ تقسیم کی صورت یہ ہے کہ جس قدر شیخ محمد کا حصہ ہے اتنے اتنے حصے تمام زمین کے ہر چہار طرف کر لئے جائیں اور پھر قرعہ ڈالا جائے جو اس کے نام پر نکلے وہ اسکا ہے اور اگر فریقین کی قرعہ کو بحکم تسلیم نہیں یا کوئی مسلمان حاکم با اختیار تقسیم کرے تو ان کو اختیار ہے کہ بلا قرعہ جس طرف چاہیں اس کا حصہ معین کردیں۔

لیکن. سکی جو وجہ بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں قول کرخی کو اختیار کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے وجہ یہ لکھی ہے کہ مطلقاً ھدم میں باب غصب کو مسدود کرنا ہے و نیز تحریر فرمایا ہے

ویمکن ان یفرق بین ھذا وبین مسئلۃ اللؤلؤۃ (ای اذا ابتلعت دجاجۃ لؤلؤۃ) ونحوھا بانہ امر اضطراری صدر بدون قصد معتبر واما الغصب فھو فعل اختیاری مقصود اھ ملخص (ص ۱۹۷)

اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں کسی نے قصد غصب نہیں کیا ہے

واللہ اعلم بالصواب

تتمہ: اور اگر عمارت مسجد کی نور محمد نے اپنے روپیہ سے نہیں بنائی بلکہ چندہ سے بنی ہے تو اس تقسیم وغیرہ کے معاملہ میں عام مسلمانوں کی رائے بھی شامل ہونا ضروری ہے اس کا ورثاء نور محمد تنہا تصفیہ نہ کریں۔

تنبیہ ضروری: چونکہ ورثاء نور محمد مرحوم مسجد کو اپنی ملک میں داخل کرنے کے خواہاں نہیں ہیں اس واسطے اس پر گفتگو نہیں کی کہ ان کو اس کا حق ہے یا نہیں؟ فقط ——— تصفیہ کی صورت لکھدی ہے اور بعد تصفیہ کے جب وہ کل یا باقی کو مسجد رکھیں گے تو وہ بہرحال مسجد رہیگی خواہ انکی طرف سے ابتداءً مسجد کر دینا ہو خواہ انکے مورث کی طرف سے ہو چکی ہو کما ھو الظاہر

ولیکن اگر اس کا حکم معلوم کرنا ہو کہ نور محمد کی طرف سے یہ مسجد بن چکی ہے یا اس کے ورثاء کی طرف سے بنیگی تو تنقیح ذیل کا جواب تحریر کیا جائے۔

تنقیح

نور محمد کے متعلق سوال میں جو یہ لکھا ہے کہ نور محمد نے اسی وقت یہ زمین مسجد کیلئے وقف کر دی تھی اسکی کیا صورت ہوئی؟ کیا اس نے زبان سے یہ کہا تھا کہ میں نے یہ جگہ وقف کر دی یا فقط یہ کہا تھا کہ یہاں مسجد بنالو اور اس نے خود مسجد بنائی تھی یا دوسروں کو بنانے کی اجازت دی تھی۔ اور اگر وقف کا لفظ استعمال کیا تھا تو مسجد بننے سے پیشتر کیا تھا یا بعد میں سب امور مفصل لکھے جائیں۔ فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۱۹ رجب ۵۳ھ

تقسیم جائیداد موقوفہ مع شرائط وقف بین المتولیین

سوال :- عرض یہ ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک موقوفہ جائیداد کے ایک ساتھ متولی ہیں جو والد صاحب نے وقف کی ہے اس میں ایک معینہ رقم بیوگان، وتیامی کیلئے رکھی ہے باقی متولیان کیلئے اب ہم دونوں بھائی یہ چاہتے ہیں کہ اس جائیداد موقوفہ کے نصف حصہ کا انتظام و اہتمام ایک بھائی کرے اور وہی اس حصہ کا نمبردار بروئے قانونِ عدالت قرار پائے اور اس حصہ کے بقدر جو خیرات ہے وہ بھی اسکے ذمہ رہے اور بقیہ منافع اس حصہ کا جو ہے وہ بعد ادخال مال گذاری وہی بھائی اپنے اوپر صرف کرے اور دوسرا نصف حصہ جو ہے اس کا اہتمام وانتظام دوسرا بھائی کرے اور وہی دوسرا بھائی اس دوسرے حصہ کا نمبردار ازروئے قانون قرار پائے۔ اور اسکی مال گذاری اور اس حصہ کے بقدر جو خیرات ہے وہ بھی اس دوسرے کے ذمہ رہے اور بقیہ منافع جو اس دوسرے حصہ کا رہے بعد مال گذاری کے بہارت کے وہ دوسرا بھائی اپنے اوپر صرف کرے اسلئے ہم دونوں بھائیوں نے اس جائیداد موقوفہ کے دو قرعے بنائے ہیں اور ان دو قرعوں کے متعلق یہ اقرارنامہ رجسٹری کرانا چاہتے ہیں کہ

(۱) قرعہ ۱ کا منتظم اور محصل لگان اور ذمہ دار مال گذاری ومصارف خیرات ایک بھائی رہیگا۔ اور قرعہ ۲ کا اسی طرح دوسرا بھائی رہیگا۔

(۲) ایک بھائی کو دوسرے کے قرعہ میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) اگر ایک بھائی اپنی طرف کی رقم خیرات ادا نہ کرے تو دوسرا اس کا ذمہ دار نہ ہوگا

(۴) اگر درخواست نمبرداری نامنظور ہوئی اور ایک ہی بھائی ازروئے قانون گورنمنٹ ان دونوں قرعوں کا نمبردار رہا تو بھی نجی طور پر ایک بھائی دوسرے کے قرعہ میں مداخلت نہ کریگا مگر سوائے دو صورتوں کے :

(۱) اگر پٹی دار اپنے حصہ کی مال گذاری ادا نہ کرے۔

(۲) اگر نمبردار پٹی دار کے قرعہ کی تحصیل کرے۔

السائل :

جلیل احمد، سعید احمد علی گڑھی۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے

کما فی الدر المختار: فلا یقسم الوقف بین مستحقیہ اجماعًا، درر و کافی، وخلاصہ وغیرھا، لان حقھم لیس فی العین وبہ جزم ابن نجیم فی فتاواہ، وفی فتاوی قاری الھدایۃ: ھذا ھو المذھب و بعضھم جوز ذالک قال الشامی: ھذا ضعیف لمخالفۃ الاجماع اھ (ج۳ ص ۵۳۶)

واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

ایضاً

سوال: عرض ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک موقوفہ جائیداد کے ایک ساتھ ہی متولی ہیں جو ہم دونوں کے والد صاحب مرحوم نے وقف کی ہے اس میں ایک معین رقم بیوگان و یتامی کے لئے رکھی ہے باقی ہم متولیان کیلئے اس وقت وقف کے اندر قیمردار و محصل نگان میرے چھوٹے بھائی ہیں چونکہ اس وقف میں ہم دونوں بھائی بیک وقت متولی تجویز کئے گئے ہیں کہ دونوں ایک ہی زمانہ میں متولی رہیں گے اور اس صورت کے متعلق کہ جبکہ دونوں میں اختلاف ہو یہ کچھ نہیں لکھا کہ اسکی رائے کو ترجیح ہوگی اور اختلاف برابر ہو رہا ہے اور یہی وجہ دوسری جائیداد موقوفہ کے جو اس موقوفہ جائیداد کے علاوہ ہے تقسیم کی ہے اور اس حالت میں انتظام وقف کا دشوار ہے اس لئے ہم دونوں بھائیوں نے چاہا ہے کہ اس جائیداد موقوفہ کے نصف حصہ کا انتظام و اہتمام ایک بھائی کرے اور وہی اس نصف حصہ کا نمبردار بروئے عدالت قرار پا جائے اور جتنی رقم کل خیرات کی لکھی ہے اس کا نصف اس نصف جائیداد موقوفہ کے منافع میں سے منہا کرکے بقیہ اپنے صرف میں لائے اسیطرح اس حصہ کی مال گذاری کا بھی وہی ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسرا نصف جو ہے اس کا اہتمام ہم میں سے دوسرا بھائی کرے اور وہی دوسرا بھائی اس دوسرے حصہ کا نمبردار بروئے قانون عدالت قرار پا جائے اور جتنی رقم کل خیرات کی لکھی ہے اس کا نصف اس نصف

جائیداد موقوفہ کے منافع میں سے منہا کرکے بقیہ اپنے صرف میں لائے اسی طرح اس حصہ کی مال گذاری کا بھی وہی ذمہ دار ہے اس غرض سے ہم دونوں بھائیوں نے دو قرعہ اس جائیداد موقوفہ کے بنائے ہیں اور ان کے متعلق حسب ذیل اقرار نامہ رجسٹری کرانا چاہتے ہیں گویا مقصود کلام کی تقسیم ہے۔

نقل اقرار نامہ

(۱) قرعہ ۱ کا منتظم اور محصل لگان اور ذمہ دار مال گذاری و مصارف خیرات فلاں ایک بھائی رہیگا۔ اور قرعہ ۲ کا فلاں دوسرا بھائی۔

(۲) ایک بھائی کو دوسرے کے قرعہ میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) اگر درخواست جداگانہ نمبرداری کی نامنظور ہوئی اور ایک ہی بھائی قانوناً نمبردار ان دونوں قرعوں کا رہا تو بھی ایک بھائی دوسرے کے قرعہ میں مداخلت نہ کریگا مگر سوائے دو صورتوں کے۔

صورت اول: اگر پٹی دار اپنے حصہ کی مال گذاری نہ ادا کرے

صورت دوم: اگر نمبردار پٹی دار کے قرعہ کی تحصیل وصول کرے — اور شرائط بابت تولیت موافق وقف نامہ معروضہ بالا رہیں گے جو حسب ذیل ہیں۔

نقل شرائط متعلق تولیت مندرجہ وقف نامہ

(۱) ایک یہ کہ تا حیات خود منقر خود متولی جائیداد موقوفہ کا رہیگا اور اس کا اہتمام و انتظام حسب منشاء وقف نامہ ہذا کریگا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض پر صرف کریگا جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں

(۲) بعد وفات منقر کے برخورداران جلیل: محمد سعید احمد خان میرے پسران مشترکاً متولی ہوں گے اور انتظام و اہتمام جائیداد موقوفہ حسب منشاء وقف نامہ ہذا کرینگے جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔

(۳) اگر خدانخواستہ برخورداران مذکورین سے ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متولی حی القائم تنہا متولی رہیگا اور اہتمام و انتظام جائیداد موقوفہ کا حسب منشاء شرائط وقف نامہ ہذا کریگا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض پر صرف کریگا جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں۔

(۴) بعد وفات ہر دو متولیان مذکورہ بالا کے انکی اولاد ذکور میں جو سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا اور اسیطرح سلسلہ تولیت نسلاً بعد نسل چلا جائیگا اور متولی وقت حسب منشاء وقف نامہ ہذا آمدنی جائیداد موقوفہ کو خرچ کریگا اور اگر خدانخواستہ انکی اولاد میں سے کوئی نہ رہے تو میرے خاندان پدری میں سے جو سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا اگر میرے پدری خاندان میں کوئی نہ رہے تو قوم شیخ دہلی میں جو اہل ہوگا وہ متولی ہوگا۔

لهذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا اقرار نامہ اور اسکی رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مقصود کام کی تقسیم ہے کیونکہ بوجہ اختلاف ہر دو متولیان بغیر کام کی تقسیم کے انتظام دشوار ہے

الجواب

تقسیم وقف تو کسی حال میں جائز نہیں بلکہ بالاجماع ممنوع ہے البتہ رفع اختلاف کی دو صورتیں ہیں ان میں سے ایک جو مناسب ہو کی جائے

اول یہ کہ ایک متولی دوسرے کو اپنا وکیل بنا دے بس اس صورت میں ایک ہی متولی کا تصرف صحیح ہو جائیگا۔

وفی رد المحتار (ص ۶۹۹ ج ۵): ولو وکل احدهما صاحبه جاز. نقله ابو السعود

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نوبت مقرر کر لی جائے یعنی چند روز یا مثلاً سال دو سال کے واسطے ایک شخص متولی رہے اور اس کے بعد اتنی ہی مدت دوسرا شخص متولی رہے. کما هو المصرح فی الشامی ایضاً (ص ۶۰۸ ج ۳)

اور ان دونوں صورتوں میں بھی یہ بات ہے کہ توکیل اور مہایات لازم نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اختیار رہتا ہے کہ دونوں میں سے جو چاہے اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ کما صرح به الشامی ایضاً (ص ۶۹۹ ج ۳) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مؤرخہ ۲ر شعبان سنہ ۵۱ھ

مسئلہ وقف | سوال: السلام علیکم یا علماء دین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امابعد گذارش یہ ہے کہ عرصہ دو سال کا ہوا کہ میں عبدالحکیم نے اپنا مسکونہ مکان اور قطعہ زمین صحرائی ہر دو بلا شرکت غیرے و نصف حصہ دوکان کا جو میری ملک تھا برائے اشاعت مدرسہ اصلاحیہ کے نام وقف کر دی اور وقف کی صرف یہ شرط رکھی تھی کہ مکان فروخت نہ کیا جائے اور تمام اختیارات ترمیم و تنسیخ کے متولی صاحب وقف کو حاصل ہیں نیز اگر متولی صاحب مکان قطعاً توڑوانا چاہیں تو صرف اس جگہ کو مسجد بنانے کے لئے توڑوا سکتے ہیں ایسا نہیں کہ مکان کا ملبہ صرف میں لے لیں اور زمین خالی رہ جائے اور دوکان و زمین کے متعلق متولیان وقف کو فروخت کا حق بھی حاصل ہے اگر متولیان چاہیں زمین و دوکان فروخت کرکے اس کا روپیہ مدرسہ میں صرف کریں لیکن یہ وقف نامہ بوجہ کسل و لا اعتدال کے رجسٹری نہیں کرایا اور نہ متولیان کو قبضہ کرایا۔ بعدہ عبدالحکیم کو کچھ روپیہ کی ضرورت پیش آئی تو زمین مذکورہ ایک سو پچاس روپیہ میں فروخت کرکے تکمیل نام کرادی اور نصف حصہ دوکان مذکورہ اپنے شریک کو تیس روپے میں فروخت کرکے تکمیل نام کرادیا۔ لیکن وقت فروخت ہر دو اشیاء یہ نیت قائم رہی کہ یہ یکصد اسی روپیہ مدرسہ کو ادا کروں گا جب کبھی میرے پاس ہوگا اب اس کو نیت فروخت میں صرف کرلوں چنانچہ صرف کرلیا اور ابتک ادا نہیں کرسکا۔

(۲) مکان مذکورہ اپنی زوجہ و نابالغ بچے کے نام مشترکہ ہبہ کر دیا اور ہم سب اس وقت بھی اسی مکان میں رہتے تھے مثل پہلے کے اور یہ صرف اس خیال سے کر دیا کہ عبدالحکیم کے ذمہ ایک ڈگری تھی جو شرعاً واجب الادا نہیں تھی تو یہ خوف ہوا کہ اگر مکان عبدالحکیم کے نام رہا تو ڈگری دار بذریعہ ڈگری نیلام کردیگا۔ اس وجہ سے مکان مذکورہ فوراً زوجہ اور نابالغ بچے کے نام ہبہ کر دیا اور اس وقت مدرسہ کے نام اسلئے وقف نہیں کیا کہ شاید ڈگری دار عذرداری کرکے وقف ملتوی نہ کرادے جب عبدالحکیم ڈگری سے سبکدوش ہو گیا تب صرف مکان کا جدید وقف نامہ مرتب کیا ہے اور اسٹامپ پر اور اس وقف نامہ پر عبدالحکیم نے بھی خوشی سے دستخط کئے اور اسکی زوجہ نے بھی خوشی سے نشان انگوٹھا کیا اور نابالغ کا نشان انگوٹھا کرکے متولی وقف کے پاس رہ نہ کیا متولی وقف کو کل حال معلوم نہ تھا یاد نہیں کہ کیا لکھ کر وقف نامہ واپس کر دیا۔ اب وہ وقف نامہ گم ہو گیا

زوجہ نے اپنے شوہر سے زبرضا وند جہین) طلاق لیکر عقد ثانی کرلیا نابالغ بچہ زوجہ کے پاس ہے وقت طلاق رجہدائی یہ معاہدہ کسی کے نہ یاد رہا نہ کوئی تذکرہ اس کا آیا۔ اب عبدالحکیم کو اسکی زوجہ پہ کوئی اختیار نہیں لھذا اس معاملہ میں شریعت عبدالحکیم کو کیا حکم دیتی ہے ارشاد ہو تا کہ تعمیل کی جائے ؟

السائل۔ عبدالحکیم عرف غلام مرحوم

الجواب وھو الموفق للصواب

واقعات مذکورہ کی بناء پر دوکان اور زمین کا وقف صحیح نہ ہوا تھا۔

کما فی رد المحتار عن الخصاف: لو قال: علی ان لی اخراجھا من الوقف الی غیرہ او علی ان اھبھا واتصدق بثمنھا او علی ان اھبھا لمن شئت او علی ان ارھنھا متی بدا لی واخرجھا عن الوقف بطل الوقف[عہ] وفی احکام الاوقاف: قلت: فان قال: علی ان لی ان ابیعھا واصرف ثمنھا فیما رأیت من ابواب البر قال: الوقف باطل من قبل انہ قد اشترط اخراج ھذہ الارض عن حال الوقف (ص ۵۰۱)

پس ان کی بیع جو سائل نے کی ہے وہ صحیح ہو گئی اور اس کے ذمہ اس رقم کا مدرسہ میں داخل کرنا لازم نہیں اور مکان کا وقف صحیح ہو چکا تھا اسلئے بیوی اور بچہ کے نام ہبہ کرنیکا اختیار نہ تھا لھذا وہ ہبہ باطل اور لغو ہے و نیز اس ہبہ میں یہ بھی کوتاہی ہوئی کہ تقسیم کرکے قبضہ نہیں دیا گیا اگر وقف نہ ہو چکتا تب بھی اس صورت میں ہبہ صحیح نہ ہوتا پس سائل کے ذمہ ضروری ہے کہ ہبہ کی رجسٹری کو بیکار کرنے اور وقف کو مصرف وقف میں صرف کرنیکی سعی کرے۔ فقط

واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۲۷ جمادی الاولی سنہ ۵۱ھ

عہ ھکذا فی الاصل و لعلہ ابیعھا۔

علما و طلبا علوم دینیہ پر وقف کی ہوئی آمدنی کو طلبہ علوم دنیویہ پر صرف کرنا

سوال: ڈپٹی صاحب نے مدرسہ کے متعلق ایک نئی تجویز کی ہوئی ہے جس میں احقر بھی شریک ہے بعض وقت کچھ مشورہ دینا پڑتا ہے اسمیں یہ لحاظ ہوتا ہے کہ شریعت کے خلاف مشورہ نہ ہو۔ جناب ڈپٹی صاحب کی زیادہ توجہ دنیوی تعلیم کی طرف رہتی ہے اردو، جغرافیہ، تاریخ، فارسی، انگریزی، اس وقت بعض وجوہ سے دینی جدید تجویز ان کی طرف سے نہیں ہے۔ البتہ فارسی درجہ میں بجائے قدیم فارسی کے منشی کامل کا کورس مدرسہ میں شروع ہوا ہے ڈپٹی صاحب کے خیال میں دنیوی تعلیم ثواب کی بات ہے اس معنی پر کہ قوم کی ہمدردی ہے، قوم کا نفع ہے، احقر کا خیال ہے کہ ثواب عبادت پر ملتا ہے اور عبادت جب ہے کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہو موجودہ صورت میں خدا کی رضا کا اصلاً خیال نہیں ہے اس بناء پر احقر ایسے مشورہ دینے سے احتراز کرتا رہتا ہے۔ اب حضرت اقدس کی خدمت میں عرض ہے کہ وقف نامہ لفافہ میں موجود ہے اسکو ملاحظہ فرمایا جائے۔

اور ڈپٹی صاحب کے خیالات اور تجاویز کے متعلق عرض ہے کہ واقف مرحوم کی غرض دنیوی تعلیم میں پوری ہوتی ہے یا نہیں؟ مثلاً اس وقت مدرسہ میں منشی کامل کا کورس شروع ہے پڑھنے والے سرکاری اسکولوں کے ملازم ہیں دین سے وہ ناواقف ہیں نہ دین کا ان کو شوق۔ صرف دنیوی ترقی کیلئے پڑھتے ہیں اس کا ثواب واقف مرحوم کے والدین کو ملیگا یا نہیں؟ نفی کی صورت میں جو وقف کا روپیہ اس تعلیم پر صرف ہوتا ہے اس کا ضمان مجوزین پر آئیگا یا نہیں؟

(۲) اور مدرسین کو ایسی صورت میں تنخواہ لینی جائز ہوگی یا نہ ہوگی؟

(۳) وقف کے روپیہ سے مدرسین کے نیچے بچھانے کے لئے دری یا دوسرا کوئی فرش جس سے صرف نمائش اور خوبصورتی ہو کوئی نفع جسمانی روحانی نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

عبارت وقف نامہ خط کشیدہ

مصارف تعمیر مدرسہ و مسجد و چاہ و مصارف علماء و طلباء و دیگر مصارف خیر کے بہ منظر ایصال ثواب بروح والدین ماجدین اسکو مع جمیع توابع اور لوازمات اسکی کے بلا اکراہ و اجبار حسبۃ للہ و طلباً لمرضاتہ وقف کیا۔ یہ ناجائز یا بیجا طور پر خرچ

نہ کریں اور اگر کچھ خلاف اس کے کریگے تو اس کا وہ صرف ناجائز شرعاً و عمداً الٹا ہوگا۔ اور ایسا متولی خائن و واجب العزل ہوگا اور حاکم وقت اسکو معزول کرکے میری ہی اولاد میں سے دوسرے کو متولی کردیں۔

الجواب

وقف نامہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ واقف نے یہ وقف مدرسہ و مسجد و علماء و طلباء علوم دینیہ کیلئے کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ منشی کامل یا مولوی فاضل کے پڑھنے والے کو طلباء علوم دینیہ نہیں کہا جاتا اسلئے ایسے کورس پر وقف کی آمدنی کا صرف کرنا واقف کی غرض کے خلاف ہے اور مجوز اس صرف بیجا کا ضامن ہوگا ——رہا یہ کہ اس میں قوم کا نفع اور قوم کی ہمدردی ہے تو گو اس نیت سے ثواب مل جائے مگر وقف کی آمدنی کو اس نیت سے بھی اس میں صرف کرنا جائز نہیں ورنہ پھر اسی نیت سے صنعت و حرفت وغیرہ کی تعلیم بھی چندروز کے بعد مدرسہ میں داخل ہوگی اور اسکو وقف کے تحت میں کوئی بھی داخل نہیں کرسکتا۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ شوال ۳۸ھ

بیشک کورس مذکورہ فی السوال کے طلبہ و مدرسین پر وقف میں سے اور مدرسہ دینیات کی آمدنی سے صرف کرنا جائز نہیں ہے——اور وقف نامہ میں مصارف خیر اور بنظر ایصال ثواب کا لفظ اس امر پر صراحۃً دال ہے کہ اسکی آمدنی ان امور میں خرچ ہوسکتی ہے جو از قبیل عبادت ہیں نہ ان دنیوی امور میں جنکو عبادت سے کوئی تعلق ہی نہیں البتہ وہ کتب فارسی جو خود دینی ہوں یا مقدمہ ہوں علوم دینی کا خیر میں بلاشبہ داخل ہیں واللہ اعلم

ب ضمیمہ ۔ جواب ۱ : اس صورت میں جس طرح مہتمم کو اس مدرس کی تنخواہ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح اس مدرس کو تنخواہ لینا بھی آمدنی وقف سے اور اس چندہ سے جو کہ مدرسہ دینیات کیلئے آیا ہو جائز نہیں ہے

جواب ۲ : دری تو ضروریات میں داخل ہوسکتی ہے لیکن ایسا فرش جو کہ محض نمائش کے واسطے ہو ضرورت میں ہرگز داخل نہیں ہے بلکہ دیوار مسجد پر نقش

کرنے کے حکم میں ہے جس کے متعلق کتب فقہ میں تصریح ہے کہ متولی پر ضمان آتا ہے۔

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ — الاجوبۃ کلہا صحیحۃ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون — اشرف علی عفی عنہ

۲۰ شوال ۱۳۴۸ھ — ثامن شوال ۱۳۴۸ھ

مسئلہ وقف سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) جانوروں کو پانی پلانے کیلئے ایک بڑا حوض گاؤں کے کنارہ پر بنا ہوا ہے اس میں پانی بھرنے کیلئے ایک شخص کو شہی زمانہ اور اس کے بعد موجودہ ریاست بڑودہ کے راج کی طرف سے ایک زمین ملی ہوئی تھی اس پر قرض ہوجانیکی وجہ سے شخص مذکور نے گاؤں والوں کو فروخت کردی، وہ گاؤں والوں نے اسی مقصد کیلئے خرید کی جس پر آج تک عملدرآمد رہا تھا اب ایک ہمنی سیٹھ نے گاؤں میں نل لگوایا ہے ان کا مقصد ہے کہ مذکورہ حوض بھی اسی نل سے بھرا جائے اسلئے زمین وغیرہ جو حوض بھرنے کیلئے ہے وہ واٹرورکس کمیٹی کے حوالہ کردی جائے جس میں عوام متفق نہیں مگر اکثر کا خیال ہے کہ واٹرورکس کمیٹی کو حوالہ نہ کی جائے بلکہ دوسرے کاموں میں صرف کی جائے تو کیا مذکورہ زمین اور اسکی رقم دوسرے کام میں صرف کرسکتے ہیں؟

(۲) معطی کی اصل نیت اس حوض بھرنے میں ہی صرف کرنیکی تھی اور اس وقت بھی ایک جماعت یہی کہتی ہے کہ اس کام میں صرف کی جائے اور ظاہر ہے کہ جب نل لگ چکے ہیں تو حوض بھرنے کا کام بھی یہی واٹرورکس کمیٹی ہی کریگی اگر نہیں کرتی تو جانوروں کو تکلیف ہوگی واٹرورکس کمیٹی حوض پر کچھ کام کرنا چاہتی تھی مگر گاؤں والوں کی نیت بدل جانیکی وجہ سے اس نے اپنا کام ملتوی کردیا ہے جس سے جانوروں کو تکلیف ہونیکا قوی اندیشہ ہے لہٰذا جواب ارشاد فرمائیے

سائل: یوسف میاں

تنقیح

(۱) جس کو ریاست بڑودہ کی طرف سے یہ زمین حوض میں پانی بھرنے کیلئے

گذارا کرے

(۲) جن لوگوں نے روپیہ جمع کرکے اس زمین کو قرض سے چھڑایا تھا ان میں سے بعض مرگئے ہیں اور بعض زندہ ہیں جو سب بالغ ہیں اور مرنے والوں کے وارث بھی سب بالغ تقریباً چالیس سال کی عمر کے ہیں۔

(۳) بستی والوں نے اس زمین کو پانی ہی بھرنے کیلئے باقی رکھا تھا اور چار متولیوں کو مقرر کیا تھا کہ اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام کریں چنانچہ ایک متولی کا انتقال ہوگیا۔ اور دوسرے اس وقت موجود ہیں جو اب تک اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام کرتے ہیں

الجواب

صورت مسئولہ میں بظاہر یہ زمین سلطان اسلام کی طرف سے رفاہ عام کے لئے وقف تھی۔ اور ریاست بڑودہ نے بھی اس وقف کو باطل نہیں کیا بلکہ اسی مصرف میں باقی رکھا اور بربنائے ایک مصلحت سے شخص معین کیلئے نامزد کردیا تھا پھر بستی والوں نے چندہ کرکے بار قرض سے چھڑایا اور چند متولیوں کے حوالہ اس کا انتظام کردیا، یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ بستی والوں نے اسکو بطور وقف ہی کے رکھا، پس ضروری ہے کہ اس زمین میں کوئی ایسا تصرف نہ کیا جائے جس میں ابطال وقف کا اندیشہ ہو پس اگر مذکورہ کمیٹی کے حوالہ کرنے میں بطلان وقف کا خطرہ ہو تو اسکو کمیٹی کے حوالہ کرنا جائز نہیں اور اس خطرہ سے اطمینان ہو تو جائز ہے کیونکہ کمیٹی وہی کام کریگی جس کیلئے زمین وقف کی گئی تھی۔

قال المحقق فی الفتح: قد یثبت الوقف بالضرورة بان یوصی بغلة الدار للمساکین ابدا او بعذہ الدار تصیر وقفا بالضرورة والوجہ انہا کقولہ اذا مت فقد وقفت داری علی کذا اھ (ج ۵ ص ۱۹) عہ

قلت: فلیس انا نفذ بلفظ الوقف شرطا فلا اشکال فی اثبات الوقف فی الصورة المسئولة بدون التصریح بالوقف۔ واللہ اعلم

نعم الجواب وھو الشاء اللہ تعالیٰ عین الصواب — کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۱۳ رجب ۵۵ھ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون - ۱۲ رجب ۵۵ھ

عہ کذا فی الشامیة ج ۳ / ۳۴۰ مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة۔

تنبیہ :- بعد میں یہ سوال دوبارہ آیا جس میں دوسرے شخص نے یہ ظاہر کیا کہ یہ زمین ریاست کی طرف سے اس شخص مذکور کو تملیکاً دی گئی تھی کہ اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام مویشی کیلئے کیا کرے پھر گاؤں والوں نے اس زمین کو شخص مذکور سے خرید لیا اور وقف نہیں کیا اس پر جواب دیا گیا کہ یہ زمین گاؤں والوں کی ملک ہے وہ اس میں جسطرح چاہیں تصرف کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ

وقف تمام ہونے کے بعد اپنے یا اعزہ کیلئے حصہ مخصوص کرنا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مخیر سیٹھ نے ۱۹۲۹ء میں سترہ ایکڑ زمین قبرستان کیلئے وقف کی اور قبرستان کی زمین میں سے کوئی قطعہ اپنے لئے یا اپنے اعزہ کیلئے مخصوص نہیں کیا ابتداء میں بعض نے ان کو مشورہ بھی دیا تو انہوں نے تخصیص سے صاف انکار کر دیا مگر اب وہ اپنے اور اپنے اعزہ کیلئے ایک قطعہ اس میں سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں؟

الجواب

جب واقف نے ابتداء وقف میں اپنے لئے یا اپنے اعزہ کیلئے کوئی قطعہ مخصوص نہیں کیا تو اب ان کو تخصیص کا حق حاصل نہیں البتہ اگر وقف نامہ میں کوئی شرط ایسی موجود ہو جس سے آئندہ کیلئے حق تخصیص محفوظ رکھا گیا ہو تو اس شرط کو ظاہر کرکے سوال کیا جائے۔

قال فی الهندية: اذا شرط فی اصل الوقف ان يستبدل به ارضاً اخری اذا شاء ذالک فيكون وقفاً مكانها فالوقف والشرط جائزان عند ابی يوسفؒ ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له ان يبيع ويستبدل بها وان كان الوقف ارضاً سبخة لا ينتفع بها كذا فی فتاوی قاضی خان (ص ۲۱۶، ۲۱۷، ج ۲)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ جمادی الثانی ۵۶ھ

وقف سے متعلق ایک استفتاء واسئلہ دیگر

سوال :- خلاصۂ استفتاء اول

مجھ سے مشورہ لیکر جناب دلدار خان صاحب نے میاں عبد اللطیف عرف ماٹھو سے تحریک فرمائی کہ مدرسہ اشرف العلوم کیلئے ایک مکان اور مسجد بنا دیجئے انہوں نے منظور کر لیا تو میں نے امپرومنٹ ٹرسٹ کی زمینوں میں سے ایک جگہ تجویز کی اور کوشش کرکے اس محکمہ سے دو ثلث قیمت کی رعایت منظور کرائی اس سعی میں مدرسہ سے رقم صرف ہوئی آخر کار کامیابی ہوئی اور بیع نامہ اس طرح لکھا گیا کہ وہ کاغذ امپرومنٹ ٹرسٹ اس زمین کو رعایتی قیمت پر عبد اللطیف عرف ماٹھو متولی مدرسہ اشرف العلوم کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ ہی قائم کیا جائے اور اگر یہ زمین کسی دوسرے مصرف میں لائی گئی تو امپرومنٹ ٹرسٹ نے جو رعایت کی ہے وہ بقدر اسکی بقیہ قیمت زمین بھی لینے کا حقدار ہوگا وغیرہ وغیرہ بعد رجسٹری بیع نامہ کی فیس مدرسہ سے دی گئی۔ اور اس زمین پر مکان جو بنا اس کا نقشہ مدرسہ کی رقم سے تیار ہوا نیز اسکے پھاٹک میں لوہے کی پٹری وغیرہ بھی مدرسہ کے خرچ سے لگائی گئی اور میں دوران تعمیر ماٹھو کے مشورہ سے معماروں کی نگرانی بھی کرتا رہا اور ماٹھو کی اجازت سے   اس مکان میں جس دن ہوا اسکے اشتہار میں ماٹھو کو مسودہ دکھلا کر یہ الفاظ شائع ہوئے "مدرسہ اشرف العلوم کے طلبہ فارغ التحصیل کی دستار بندی کا جلسہ مدرسہ ھذا کی اس جدید عمارت میں ہونا قرار پایا ہے جو عبد اللطیف ماٹھو نے مدرسہ ھذا کیلئے تعمیر کرائی ہے" اس کے بعد ماٹھو نے خانصاحب کی معرفت میرے پاس کہلا کر بھیجا کہ مدرسہ میں تعلیم شروع کردیں، اسپر وہاں مدرسہ منتقل ہو گیا مگر چار روز کے بعد مدرسہ خالی کرنے پر مجبور کیا گیا ہم نے مجبوراً خالی کردیا اور ماٹھو کے خلاف نالش دائر کردی اور ماٹھو نے وہ زمین اور عمارت یتیم خانہ کے نام وقف کردی ہے اس پر مجھ سے کہا گیا کہ دو ہزار روپیہ لیکر صلح کرلوں مگر میں نے انکار کردیا۔ اب دریافت طلب امور ذیل ہیں کہ:

(۱) آیا صورت بالا میں یہ زمین و تعمیر جس میں ماٹھو کی رقم کثیر اور تھوڑی مدرسہ کی رقم قلیل صرف ہوئی یہ مدرسہ اشرف العلوم کے حق میں وقف ہو گئی یا نہیں؟

(۲) یہ وقف نامہ جو یتیم خانہ کے حق میں لکھا گیا شرعاً صحیح ہے یا باطل؟

(۳) یہ صلح جو میرے سامنے پیش کی گئی آیا اس کے قبول کرنیکا بحیثیت متولی و مہتمم مدرسہ مجھے حق ہے یا نہیں؟

(۴) یہ جماعت جس نے مدرسہ اشرف العلوم کی مخالفت میں سرگرم کوششیں کیں یہ ظالم ہے یا عادل؟

(۵) اور یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی ہوگئی تو آیا اسکی تولیت یا اور کوئی حق ماٹھو کا رہا یا مدرسہ کی مخالفت کی وجہ سے ان کا یہ حق بھی جاتا رہا۔ فقط

سائل، محمد عثمان مہتمم و متولی مدرسہ اشرف العلوم
قلعی بازار کانپور
۳۱ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

الجواب

(۱) چونکہ یہ زمین جس کا سوال میں ذکر ہے مدرسہ اشرف العلوم کے واسطے خریدی گئی ہے، بیعنامہ میں اسکی تصریح موجود ہے پھر ماٹھو صاحب نے اس میں مدرسہ کا سامان اور طلبہ کو نے آنکی اجازت دی اور اس میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا، اور اشتہار عام کے ساتھ اس زمین اور عمارت کو مدرسہ اشرف العلوم کی جدید عمارت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسمیں مدرسہ کا جلسہ بھی کیا گیا تو اب اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی عمارت ہے اور مدرسہ مذکورہ کیلئے وقف ہو چکی ہے۔

(۲) جب یہ زمین و عمارت مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے تو اب یتیم خانہ کیلئے اس کا وقف بالکل باطل ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس زمین و عمارت کو مدرسہ ہی کے واسطے بحالہا قائم رکھیں اور اس میں پوری کوشش کریں اور جو شخص وقف بدلنے کی سعی کریگا گناہگار ہوگا۔

(۳) یہ صلح ہرگز جائز نہیں

(۴) یہ جماعت سراسر ناحق پر ہے۔

(۵) یہ عمارت اور زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے اگر متولی اسکو دوسرے مصرف میں منتقل کرنا چاہتا ہے تو وہ خیانت کی

دینے سے تو اب بھی نہ مسے معزول ہو جائیگا۔ واللہ اعلم

ان یکن ذٰلک السؤال فالجواب کذلک

کتبہ ، اشرف علی

۱۱ محرم الحرام ۵۵ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۰ محرم الحرام ۵۵ھ

خلاصہ استفتاء دوم

شیخ عبداللطیف عرف ماچھو نے ایک قطعہ زمین اس نیت سے خریدی کہ اس میں عمارت بنا کر مدرسہ اشرف العلوم کے نام وقف کر دیا جائے گا۔ قبل از تکمیل عمارت نیت بدل گئی اور بجائے مدرسہ موصوفہ کے یتیم خانہ کے نام وقف کر دیا۔ اراکین مدرسہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ

(۱) عبداللطیف نے مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف کرنیکی نیت سے اس زمین کی خریداری کی تھی۔

(۲) تکمیل عمارت سے پہلے چار دن تک کچھ طلبہ رہے تھے

(۳) عمارت میں ایک جلسہ دستار بندی مدرسہ کے فارغین طلبہ کا کیا گیا تھا اور ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا گیا تھا کہ دستار بندی کا جلسہ مدرسہ کی نئی عمارت میں ہوگا جسکی تردید عبداللطیف نے نہیں کی

یہ اراکین مدرسہ کا بیان ہے لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ انہوں نے بدون رضامندی عبداللطیف کے قفل توڑ کر چار دن تک عمارت پر قبضہ کیا تھا پھر خالی کرائی گئی۔ جلسہ دستار بندی کی اجازت نہیں لی گئی تھی بلکہ مولانا مرتضی حسن صاحب کے وعظ کی اجازت لی تھی جو عبداللطیف نے دیدی تھی اور مطبوعہ اشتہار کے الفاظ مذکورہ کی نیت عبداللطیف کی طرف غلط ہے بلکہ انکو اشتہار کی خبر تک بھی نہیں یہ تو واقعہ ہے اب اس کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ

(۱) عبداللطیف کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اراکین مدرسہ کا قفل توڑ کر چار دن تک اس عمارت میں رہنا جائز قبضہ تھا یا ناجائز؟

(۲) اگر قبضہ جائز تھا تو کیا یہ قبضہ وہی قبضہ ہے جو جائیداد موقوفہ کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) کیا اراکین مدرسہ کا اپنی طرف سے اعلان کرنا اور جلسہ وعظ کا منعقد کرنا (جس کے متعلق عبداللطیف کا بیان ہے کہ میری نظر سے کسی قسم کا اشتہار یا مسودہ نہیں گذرا) ان باتوں سے موقوفہ جائیداد کیلئے جس قبضہ کی ضرورت ہے وہ پایا گیا یا نہیں؟

(۳) امام ابو یوسفؒ جنکا مسلک یہ ہے کہ صرف "قول" سے وقف ہو جاتا ہے اسکی بناء پر عبداللطیف کے بیان میں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے وقف ثابت ہوتا ہو یا نہیں؟ (عبداللطیف کا بیان، دران کی تائید میں دلدار خان کا بیان ہمراہ استفتاء منسلک ہے)۔

(۵) کسی جائیداد کو کسی خاص مصرف میں وقف کرنے کی نیت سے خریدنا اور مالک نے ابھی تک اسکو وقف نہ کیا ہو، تو کیا وہ محض نیت ہی سے اس مصرف میں وقف ہو جائیگی؟

(۶) یتیم خانہ کیلئے جو وقف ہو چکا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائیداد کے مالک کی اجازت کے بغیر قفل توڑ کر قبضہ کرنا ناجائز ہے

(۲) جب قبضہ ہی سرے سے ناجائز ہے تو اس قبضہ سے جائیداد موقوفہ کیلئے جو قبضہ ضروری ہے وہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟

(۳) ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ جس قبضہ کی ضرورت ہے وہ واقف کی طرف سے ہونا چاہیے۔

(۴) ایسا کوئی لفظ نہیں ہے

(۵) محض نیت سے وقف نہیں ہوتا۔

(۶) یتیم خانہ کیلئے وقف کرنا بالکل صحیح ہے۔

واللہ اعلم

حررہ عبدالحفیظ بلیاوی

مدرسہ البنات کانپور

۲۲، محرم ۱۳۵۵ھ

خلاصۂ بیان شیخ عبد اللطیف عرف ماٹھو

(۱) ماٹھو کو مدرسہ اشرف العلوم کا متولی غلط طریقہ سے بیعنامہ میں لکھوادیا
(۲) نقشہ کی قیمت مولوی عثمان صاحب نے نہیں دی۔
(۳) تعمیر ہدایت اللہ کے سپرد تھی مولوی عثمان کبھی چلے جاتے ہونگے
(۴) پھاٹک میں لوہا لگانے کا جو ذکر ہے وہ بالکل غلط ہے
(۵) فارغ التحصیل لڑکوں کا جلسہ بالکل غلط ہے میرے علم میں کوئی مسودہ اشتہار وغیرہ کا نہیں آیا اور نہ میں نے مطبوعہ اشتہار دیکھا۔
(۶) میں نے کبھی خان صاحب سے نہیں کہا کہ مولوی صاحب مدرسہ کی جدید عمارت میں تعلیم شروع کردیں مدرسہ میں منتقل ہونا بالکل غلط ہے تالا توڑ کر ایک رات ایک یا دو لڑکے رہے ہوں گے۔
(۷) میں نے کبھی کوئی بات خانصاحب سے نہیں کہی کہ لڑکے مدرسہ میں آجائیں بلکہ خانصاحب نے آکر مجھ سے کہا کہ لڑکے تکلیف میں ہیں دوسرے دیدیجئے عمارت ابھی نامکمل تھی، میں نے اجازت دیدی۔

خلاصۂ بیان حاجی دلدار خان

مجھ سے اور عبد اللطیف سے مشورہ ہوا کہ کوئی مدرسہ کی عمارت بنوادو تاکہ تمکو بس کا ثواب ملے اس کے بعد مولوی محمد عثمان کو بلا کر کہا گیا کہ تم زمین کی کوشش کرو مولوی محمد عثمان نے زمین منتخب کی اور کوشش کرنے کے بعد ٹرسٹ نے دینے کا وعدہ کرلیا اس کے بعد عبد اللطیف نے کچھ روپیہ بطور بیعانہ کے دیا وہ محمد عثمان نے دبا کر وہاں جمع کیا اور بقایا جب رجسٹری کا وقت آیا تو عبد اللطیف نے روپیہ میری معرفت دیا اور کہا کہ محمد عثمان کے نام بیعنامہ کیا جائے اس کے جواب میں میں نے کہا کہ جو روپیہ دے اس کے نام بیعنامہ ہوگا چنانچہ وہ بیعنامہ عبد اللطیف کے نام کرادیا متولی کی حیثیت سے مجھے علم ہے کہ عمارت میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کا وعظ ہوا مجھے یاد نہیں کہ میں شریک ہوا یا نہیں؟ مگر اس کے بعد مدرسہ کا اس میں کوئی نہیں رہا کچھ عرصہ کے بعد عبد اللطیف نے مجھ سے کہا کہ اگر کچھ لڑکے وہاں آکر ٹھہرا کریں تو مجھے فائدہ ہوگا میں نے عثمان کو بلا کر کہا کہ لڑکوں کو وہاں بھیجدو

ابھی عمارت مکمل نہیں تھی۔ دروازہ وغیرہ نہیں لگے تھے عبداللطیف نے چابی دینے میں
کچھ ٹال مٹول کی تو میں نے عثمان سے کہا کہ تم تالا کھول کر داخل ہو جاؤ عثمان اور
کچھ طلبہ وہاں داخل ہو گئے اس کے چار دن کے بعد عبداللطیف نے مجھے ڈاکٹر
عبدالصمد کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ عثمان تالا توڑ کر داخل ہو رہے ہیں اسلئے مدرسہ
خالی کروا دیجئے میں نے عثمان کو بلا کر کہدیا وہ مدرسہ خالی ہو گیا اور مدرسہ بند کر کے
چابی عبداللطیف کے پاس بھیجدی ڈاکٹر عبدالصمد نے جب یہ حالت دیکھی کہ عبداللطیف
کی نیت مدرسہ کو دینے کی بالکل نہیں ہے اور محمد عثمان نے نالش دائر کر دی تو اس فتنہ کو
دفع کرنے کیلئے مجھ سے کہا کہ کوئی فیصلہ کیا جائے مگر مولوی عثمان صلح پر راضی نہیں ہوئے
میں نے جب دیکھا کہ عبداللطیف کی نیت بدل گئی اور اسکی علالت خطرناک ہے۔
اندیشہ ہوا کہ یہ عمارت غیر لوگوں کے پاس غلط مصرف میں لگے گی تو میں نے مشورہ
دیکر یتیم خانہ کے نام وقف کرا دی۔

جواب بار دوم از خانقاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقول وبہ استعین۔ ان دونوں فتووں میں جو اختلاف ہے اسکی بناء
اختلاف فی السوال ہے اسلئے بیانات مشمولہ میں غور کرنے کی ضرورت ہوئی۔ تاکہ
اصل واقعہ منقح ہو کر ایک فتوی راجح ہو جائے۔ یہ کاغذات تین بیانوں پر مشتمل
ہیں۔ ایک مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم کا جو ان کے استفتاء کے ضمن میں درج ہے
دوسرا بیان شیخ عبداللطیف عرف ننھو کا، تیسرا بیان حاجی دلدار خان صاحب کا
یہ دونوں آخر الذکر بیان فتوی دوم کے ساتھ منسلک ہیں اور دوسرا استفتاء
انہیں پر مبنی ہے ہر سہ بیانات میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی اختلاف ہے
وہ واقعات مابعد الشراء مثل رہائش طلبہ وجلسہ وغیرہ میں ہے اور خود زمین
خریدنے کی نوعیت جس پر اصل مدار ہے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتوی کا اسمیں
کوئی اختلاف نہیں کیونکہ بیان ۱ میں صاف تصریح ہے کہ زمین مدرسہ کے واسطے
خریدی گئی تھی نہ کہ عبداللطیف کی ذات کیلئے اور بیان ۳ میں بھی اسکو صاف طور
پر تسلیم کیا گیا ہے اور بیان ۲ میں بھی اس نے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہ جرح کی ہے

کر دیا تھو کو مدرسہ اشرف العلوم کا متولی غلط طریقے سے بیعنامہ میں لکھوادیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس جہت سے اصل مدعا میں فرق نہیں آتا نیز یہ جہت بے معنی بھی ہے کیونکہ اگر وہ پیشتر سے متولی نہ تھے اور اس بیعنامہ کے وقت ان کو متولی بنا دیا تو اس میں کوئی غلطی نہیں اور ثانیاً اس زمین کے متعلق تحریر متعلقہ میں خریداری کی درخواست شیخ کے کاغذات دیکھے جائیں تو خاص براہ راست مدرسہ کا خریدار ہونا زیادہ واضح ہوتا اور معلوم ہوتا ہے کہ دراصل شرعاً بیع وشراء ابتدائی ایجاب وقبول کا نام ہے تیسری پر مدار نہیں اگر اس نوعیت کو دوسرے استفتاء میں ظاہر کر دیا جائے تو کاغذات وغیرہ سے بھی وہی جواب ملتے جو یہاں ہے مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا تھا مگر سائل نے دوسرے استفتاء میں یہ ظاہر کیا کہ زمین عبداللطیف کی ذات کیلئے خریدی گئی اور مدرسہ میں تعمیر کے بعد وقف کا صرف ارادہ تھا اس تغیر فی السوال کے بعد جواب مختلف ہونا ضروری تھا ——— یہ حقیقت ظاہر ہونے کے بعد صاف واضح ہو گیا کہ در حقیقت یہ مکان ابتداء ہی سے براہ راست مدرسہ اشرف العلوم کا ہے کیونکہ شیخ عبداللطیف نے زمین کی خریداری کیلئے جو روپیہ دیا تھا وہ مدرسہ کے حق میں ہبہ تھا اس کے کچھ حصہ پر مولوی عثمان صاحب متولی مدرسہ کا قبضہ ہوا تھا اور بقیہ حصہ پر حاجی دلدار خان کا (جیسا کہ بیان نمبر ۲ میں مفصل مذکور ہے) اور گو حاجی صاحب موصوف مدرسہ کے متولی نہ تھے مگر اس کار خیر میں متولی کے مشورہ اور اجازت سے سعی بلیغ کے سبب گویا مدرسہ کے عامل تھے اس لئے ان کا قبضہ بھی حکماً متولی کا قبضہ قرار دیا جائیگا کما لا یخفی ——— چونکہ اس قبضہ کے بعد ہبہ تام ہو گیا تھا اور روپیہ مدرسہ کی ملک ہو گیا تھا۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ کتاب الوقف الفصل الثالث:

رجل اعطی درهماً فی عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفاً یمکن تصحیحه تملیکاً بالهبة للمسجد واثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض كذا فی الواقعات الحسامية[1]

اس بناء پر یہ زمین مدرسہ کی طرف سے مدرسہ کے روپیہ سے خریدی گئی

[1] ہندیہ ج ۲ ص ۴۶۰ مطبع رشیدیہ کوئٹہ۔

اور شیخ عبداللطیف کی ملک میں یہ زمین بالکل داخل نہیں ہوئی۔ اب رہا تعمیر مکان کا سو فقہاء نے تصریح فرمائی ہے "المتولی بناہ و غرسہ للوقف ما لم یشہد انہ لنفسہ قبلہ (درمختار وغیرہ)" اسلئے یہ تعمیر مدرسہ ہی کیلئے ہے کیونکہ شیخ عبداللطیف حسب بیان مذکور متولی تھا اور اس نے تعمیر سے قبل یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ میں ذاتی مکان بنا رہا ہوں بلکہ عجب نہیں کہ تحقیق سے مدرسہ کیلئے بنانے کی تصریح کرنا بھی ثابت ہو جائے مگر اسکی ضرورت نہیں الغرض یہ زمین اور مکان ابتدا ہی سے مدرسہ اشرف العلوم کا ہے شیخ عبداللطیف کو اس سے ملکیت کا تعلق کبھی نہیں ہوا اس لئے اسکی طرف سے وقف کی تصریح اور قبضہ دلانے کی تحقیق کی حاجت نہیں۔

اور جب شیخ صاحب اس کے مالک نہ تھے تو یتیم خانہ کیلئے اس کے وقف کرنیکا بطلان یعنی صحیح نہ ہونا ظاہر ہے محتاج دلیل نہیں۔ اور احتمال مصرف وغیرہ کے باب میں اوقاف مدرسہ اور املاک مدرسہ کا ایک ہی حکم ہے اس واسطے اگر اس زمین و مکان کا وقف ہونا فرضاً ثابت بھی نہ ہو تب بھی حکم مذکور نہ بدلیگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۲ صفر ۱۳۵۵ھ

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو تب بھی، اور اگر مدرسہ کیلئے وقف نہ ہو مگر مدرسہ کی ملک ہو تب بھی یہ حکم مشترک ہے کہ یہ زمین کسی حال میں شیخ عبداللطیف کی ملک نہیں اس لئے ان کو دوسری جگہ اس کے دینے کا کچھ حق نہیں ہر حال میں مدرسہ ہی کا ہے۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ
۶ صفر ۱۳۵۵ھ

احکام المساجد والمدارس

مسجد کی آمدنی سے غسال کو میت کی اجرت دینا جائز یا نہیں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں کہ شملہ کی آبادی کا کچھ حصہ تو گنجان آباد ہے اور باقی حصہ دور دور دراز تک غیر گنجان آباد ہے اور شملہ کے باشندے مستقل طور پر شملہ کے متوطن کم ہیں زیادہ تر ملازمت وغیرہ کی وجہ سے مقیم رہتے ہیں خاص کر کے موسم گرما میں زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے ان صورتوں میں اگر کسی کے یہاں میت ہو جاتی ہے تو کنبہ وبرادری نہ ہونے اور غیر گنجان ہونیکی وجہ سے بہت دقت ہوتی ہے کوئی عورت مر جاتی ہے تو غسال میسر نہیں آتی۔ اور اگر لاوارث ہوتی ہے تو اسکو مسجد میں لاکر رکھ دیتے ہیں اسلئے کہ مساجد گنجان آبادی کے وسط میں ہیں، شملہ کے باشندوں کا خیال ہے کہ شملہ کی تین چار مساجد جو صاحب جائیداد ہیں ایک غسال کو بھی نوکر رکھ لیں اور مساجد کے متولی مشترکہ طور پر مساجد کی جائیداد سے غسال کو تنخواہ دیا کریں وہ غسال لاوارث عورت کو غسل دینا اپنی ملازمت سمجھے مساجد کے اوقاف کسی خاص شرط کے ساتھ وقف نہیں ہیں بلکہ چندہ وغیرہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جسطرح امام ومؤذن وبہشتی وغیرہ کو ہر مسجد فرداً فرداً تنخواہ دیتی ہے تو غسال کو مشترکہ طور پر مساجد کی جانب سے نوکر رکھنا اور اسکو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

عبداللطیف خان منتظم جامع مسجد
محلہ لوئر بازار

الجواب

مساجد کی آمدنی سے غسال کو نوکر رکھنا اور تنخواہ دینا جائز نہیں اس کیلئے مستقل چندہ کرنا چاہئے۔

قال فی الخلاصۃ: وھل یشتری المتولی الجنازۃ؟ قال: لا، وان کان الواقف ذکر فی الوقف ان القیم یشتری جنازۃ وان

النصاریٰ قلت فما تقول فی المجوس هل یکونون فی ذالک بمنزلة النصاریٰ والیهود قال لا احسب ان المجوس یتقربون بذالک ولا یرونه قربة والجملة فی هذا ان کل ما کان قربة عند اهل دین من الادیان وهو عند المسلمین قربة ان ذالک جائز نافذ علی ما حده الواقف وشرطه (ص ۳۴۱ و ۳۴۳)

وفیه ایضاً۔ (ص ۳۴۷) قال ما کان عند المسلمین قربة الی الله تعالیٰ وما کان عند اهل الذمة قربة فاجتمع فی ذالک الامران من المسلمین ومنهم انفذ ته وامضیته وما کان عند اهل الذمة قربة ولیس هو قربة عند المسلمین لم یجز وکذالک ما کان عند المسلمین قربة ولم یکن عند اهل الذمة قربة لم یجز ذالک الاما ذکرنا مما خص به قوماً باعیانهم اهـ

وفی عالمگیریة: حربی دخل دار الاسلام بامان ووقف جاز من ذالک ما یجوز من الذمی اهـ (ص ۴۹۹ ج ۲)

حسب تصریحات فقہاء جو مسجد کہ ہندو نے بنوادی ہے اس کا حکم مسجد کا نہیں پس اگر زمین و عمارت دونوں اسی ہندو کے ملک ہوں تب تو اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملیگا گو نماز صحیح ہے اور اگر زمین مسلمانوں کی ہو جسکو انہوں نے مسجد کیلئے وقف کردیا ہو اور صرف عمارت ہندو نے بنوادی ہو اس صورت میں وہ عمارت تو مسجد کا حکم نہیں رکھتی لیکن زمین کیلئے مسجد کا حکم دیا جائیگا لہٰذا اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملیگا لیکن مسجد کے ساتھ ملک کافر کا تعلق پھر بھی رہیگا پس اس کے مسجد بنانے کیلئے (صورت اولیٰ میں) اور مسجد کامل بن نیکے لئے (صورت ثانیہ) اس ہندو سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ یہ عمارت و زمین (بصورت اول) یا صرف عمارت (بصورت ثانیہ) کسی ایک غریب مسلمان کو یا بہت سے غریب مسلمانوں کو ھبہ کردے اور وہ قبول کرکے اور قبضہ کرکے آگے وقف کردیں اسطرح وہ شرعاً مسجد ہوجائیگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ شوال سنہ ۴۲ھ

(نوٹ) یہ جواب اس بنا پر تھا کہ ہمارے علم میں یہ بات تھی کہ ہندوؤں کے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کچھ ثواب کا کام نہیں مگر اس کے بعد احتیاطاً سائل سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیق کرکے بتلائے کہ ان کے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب ہے یا نہیں؟ سائل نے حسب ذیل جواب دیا

احقر نے پانچ ہندو پنڈتوں سے دریافت کیا سب نے یہی کہا کہ ہمارے مذہب میں بھی مسجد کا بنانا۔ واسکی خدمت وتعظیم کرنا ثواب کا کام ہے منجملہ ان کے ایک پنڈت سے تحریری جواب بھی حاصل کیا ہے ملاحظہ فرما کر اصل سوال کے جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

محمد کفایت اللہ از شاہجہان پور محلہ مہند حدف

سوال از پنڈت صاحبان

آپکے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اگر آپ کے مذہب میں خاص مسجد کا نام لیکر کچھ ثواب نہ بتلایا ہو تو کیا کوئی ایسا قاعدہ کلیہ بھی ہے جس کے تحت میں مسجد کا بنانا اور اسکی خدمت کرنا ثواب کا کام ہو جائے مثلاً کسی کتاب میں یہی لکھا ہو کہ جس جگہ پرمیشر (خدا) کا نام لیا جاتا ہو اور اسکی عبادت کی جاتی ہو وہ جگہ متبرک ومعظم ہوجاتی ہے اس کا ادب کرنا چاہئے بحوالہ کتاب جواب تحریر کیا جائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ از شاہجہان پور محلہ مہند حدف

چونکہ بوقت لکھے جانے ہندو دھرم شاستروں کے اور بموجودگی مہارشیوں کے سوائے ہندو مذہب کے دیگر مذہبوں کا نام ونشان نہ تھا اسی لئے ہندوں کی مذہبی کتابوں میں مسجد دگرجا کے نام سے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا لیکن بقول گوسائیں تلسی داس ایشور خدا ہر موقع پر کسی نہ کسی صورت میں حاضر وناظر ہے لہذا ہر مذہب ودین کا ایک دوسرے کے عبادت گاہ کو مدد پہنچانا لازمی امر ہے اور ثواب کا کام ہے۔

شرمیتی سہائے سنگھ پاٹ شالہ سنسکرت پک ادھیا۔ شاہجہانپور جنگی

بعد کا جواب

پس اس تحقیق کی بناء پر اب جواب یہ ہے کہ جو مسجد محمود نے بنوا دی ہے اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہے اور اسکو مسلمانوں کیلئے وقف کردیا ہے اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملیگا اور اس کے لئے مسجد کے احکام ثابت ہونگے۔

والله تعالیٰ اعلم

۱۲ شوال سنہ ۳۰ھ

مسجد کی دوکانیں ہندوؤں کو کرایہ پر دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے اور اس کے صحن کے نیچے چند دوکانیں ہیں اور اس کے علاوہ مکانات جسکو بانی مسجد نے وقف کرکے وقف نامہ تحریر کردیا ہے متولی ان نے مسجد کی دوکانوں کا ٹھیکہ اور ان مکانوں کا ٹھیکہ دس سال کا ایک ہندو کو دیدیا ہے اور اس سے قرض لیا ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ عبارات کتب تحریر فرمایا جاوے۔

سائل: عبدالغنی چرم فروش [illegible] گنج

شاہجہان آباد

الجواب

واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد او كان وقفا عليه صار مسجدا اھ (رد المحتار)

وفيه ايضاً: بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلة الشحم في دمشق لم اره صريحا نعم سيأتي في كتاب الوقف انه لو جعل تحته سردابا لمصالحه جاز اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کی دوکانیں اصل مسجد کیلئے بنائی جائیں تو جائز ہے اور ان کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہے خواہ کسی مسلمان کو دی جائیں یا کافر کو، لیکن فقہاء نے عقارات وقف کو مدت دراز کیلئے ایک شخص کو کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے اور لکھا ہے کہ تین سال سے زائد کیلئے کسی عقار

وقف کو کرایہ پر دیا جائے کیونکہ زیادہ مدت کیلئے کرایہ پر دینے میں ضیاع وقف کا اندیشہ ہے لھذا متولی مسجد کا دس سال کیلئے دو دکانوں کا ٹھیکہ پر دینا کراھت سے خالی نہیں، یہ تو اس وقت ہے جبکہ متولی نے مسجد کیلئے قرض لیا ہو اور اس وجہ سے دوکانیں دس سال کے واسطے ٹھیکہ پر دی ہوں اور اگر اس نے اپنے ذاتی کاموں کیلئے ہندو سے قرض لیا اور اس خوشامد میں مسجد کی دوکانیں اسکو ٹھیکہ پر دیدیں تو یہ بالکل حرام ہے اس حالت میں متولی وقف میں خائن ہے کہ اپنی ضرورتوں کے لئے وقف کو استعمال کرتا ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۸ شوال سنہ ۱۳۴۰ھ

مسجد کی دوکانوں کی کڑیاں مسجد کی دیوار پر رکھنا جائز نہیں

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پس پشت مسجد دو منزلہ واقع مظفر نگر بنام نواب گنج میں تین دوکانات متعلقہ مسجد ٹین پوش ہیں انکو واسطے اضافہ آمدنی مسجد کے پختہ بنانا اور کڑیاں ڈالنا منظور ہے وہ کڑیاں دیوار بجنب مسجد میں نصب ہونگی بروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

سائل۔ نصیر الدین۔ ساکن مظفر نگر

الجواب

مسجد کی دیوار پر دوکانوں کی کڑیاں ڈالنا جائز نہیں اگرچہ وہ دوکانیں مسجد ہی پر وقف ہوں، مسجد کی دیوار کی پشت پر دوسری دیوار اٹھا کر اس پر کڑیاں ڈال سکتے ہیں۔

قال فی الدر: ولو بنی فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانہ من المصالح، اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع، ولو قال: عنیت ذالک لم یصدق. تاتارخانیۃ، فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد اھ — قال العلامۃ الشامی تحت قولہ ولو علی جدار المسجد مع انہ لم یأخذ من ھواء المسجد شیئا اھ - ونقل فی البحر قبلہ ولا یوضع الجذع علی

جدار المسجد وان کان من اوقافہ اھ (ص ۵۷۳ ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ محرم ۱۳۳۱ھ

مسجد کی زمین میں کھودے ہوئے کنوئیں کو بند کرکے دوسرے کنوئیں کی تعمیر کا حکم

سوال :- ایک شخص نے کسی دوسرے قریہ کی ایک مسجد کے نزدیک زمین موقوفہ مسجد میں مسجد والوں کی اجازت سے ایک کنواں بصرف خود کھدوا دیا تھا اب باقتضائے مصلحت صحن بڑھانے کی ضرورت ہوئی جس سے وہ کنواں بیچ میں واقع ہوتا ہے اور صف میں خلل واقع ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اگر اسکو پاٹ کر دوسری جگہ مسجد والے دوسرا کنواں کھودیں تو اول شخص کا صدقہ جاریہ موقوف ہوگا یا نہیں اور وہ ثواب سے محروم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ موقوف ہوگا کہاہے مگر وہ حضور کی رائے کا خواستگار ہے جو ارشاد ہو۔ خدائے تعالیٰ حضرت کو قائم رکھے۔ بندہ بخیریت اور خدام والا کی خیریت کا خواستگار ہے زیادہ حد ادب۔

محمد اسحاق عفی عنہ۔ ڈھاکہ پانچ بھائی گھاٹ لائن ۲۲ ؎

۳ صفر سنہ

الجواب

قدیم کنوئیں کو پاٹ دینا جائز نہیں کیونکہ ابطال منفعت وقف ہے اور دوسرے کنوئیں کے بنانے میں مسجد کا ضرر ہے کہ رقم فضول لگے گی اور کنوئیں کا فرش کے بیچ میں واقع ہونا کچھ مضر نہیں اس فصل کو گوارا کیا جائیگا شرعاً اسکی اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔ کذا قال حضرت العلامۃ مولانا حکیم الامۃ فاضت انہار فیوضہم — حررہ خویدکم الضعیف ظفر احمد عفا اللہ عنہ وکرمہ وھو یہدی الی جنابکم تحائف تحیات یخجل عبید ہا روائح الجنان وینزی سناہا بقلائد ویدعو اللہ بطول بقائکم وبستاق بصمیم فوادہ

الی لقا نکم۔ والسلام علیکم و علی جمیع من لدیکم۔

مسجد کے قدیمی دروازہ کو ہندو بند نہیں کر سکتا

سوال :۔ ۴۸۶

ہاتھرس محلہ گولے گنج

جناب قبلہ وکعبہ فیض بابرکات عالی جناب حکیم الامت حضرت مولانا صاحب مدظلہ

گذارش یہ ہے کہ چند اشخاص ایک ہندو کے زیر اثر اور ملازم بھی ہیں، انکی رائے یہ ہے کہ دروازہ قدیمی مسجد کا بند ہو جائے اور غسل خانہ و حجرہ توڑ کر راستہ لے لیا جائے۔

(۲) نیز چند اشخاص جو کہ غریب ہیں اور وہ حسب دلخواہ تو یہ چاہتے ہیں کہ قدیمی راستہ قائم رہے دروازہ صدر ہی قائم رہے لیکن تحریک میں اظہار نہیں کرتے خاموش ہیں علاوہ ازیں چند اشخاص اس امر پر بہت زور دیتے ہیں کہ راستہ صدر دروازہ مسجد ایک ہندو کے واسطے بند نہ کیا جائے اور دروازہ صدر ہی قائم رہے خواہ راستہ کسی جانب سے مل جائے، پس جملہ صاحبوں کی دست بستہ التجا ہے کہ حکم شرعی بہت جلد مرحمت فرمادیں۔ فقط جملہ مسلمانان ہاتھرس

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں یعنی نقشہ مندرجہ صدر میں سرائے تھی اور سرائے کے اندر ایک مسجد قائم ہے اس سرائے کو باستثناء مسجد تمام وکمال زید ہندو نے بکر ہندو سے خرید لیا اور مسجد کی ہر چہار جانب جدید عمارت بناتا ہے اور راستہ قدیمی شرقی جو جانب سڑک پختہ واقع ہے اور اب موجود ہے اس کو بالکل بند کرنا ہے بلکہ صدر دروازہ قدیمی مسجد کا بند کرتا ہے اور اتر کی طرف سے حجرہ وغسل خانہ قدیمی مسجد کو توڑ کر دروازہ اور راستہ جدید دیتا ہے اسمیں علماء دین شرعاً کیا حکم فرماتے ہیں۔

سوال دیگر :۔ جو صدر دروازہ مسجد کا پورب کی جانب قدیمی ہے وہ دروازہ قائم رہے اور گلی کر اتر کی جانب کو موڑ سے راستہ دیا جائے اور غسل خانہ وحجرہ قائم رہے تو کہاں تک حکم شرعی نافذ ہے فقط

جملہ مسلمانان ہاتھرس

الجواب

اس ہندو کو دروازہ قدیم مسجد کے بند کرنیکا کسی طرح کوئی حق نہیں نہ پہلی صورت سے نہ دوسری صورت سے مسلمانوں کو اس سے مزاحمت کا حق حاصل ہے، البتہ اگر مسجد کی کوئی مصلحت ہو اور اہل محلہ سب مسلمان اس پر راضی ہوں کہ مسجد کی مصلحت سے قدیم دروازہ کو بند کرکے نیا کھولا جائے تو حسب مصلحت مسجد کے دروازہ کا بدلنا جائز ہے باقی مسلمان اہل محلہ کے سوا کوئی دوسرا مسلمان بھی دروازہ قدیم کے بند کرنیکا حق نہیں رکھتا۔ ہندو کو تو کیا حق ہوتا ہے۔

قال فی الدر: اراد اھل المحلۃ نقض المسجد وبناءہ احکم من الاول ان الباقی من اھل المحلۃ لھم ذالک والالا (بزازیہ)

وفی رد المحتار: ولاھل المحلۃ تحویل باب المسجد اھ (ص ۵۱۲ ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۲ ر صفر ۱۳۴۵ھ

ویران مسجد کی جگہ کو مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہیں

سوال:- بسبب تنگی مکان مسجد سابق چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد تعمیر کی گئی، اب یہ مسجد سابق کی جگہ تصرف مدرسہ وغیرہ میں لانا جائز ہے یا نہیں یا کیا کرنا لازم ہے؟

المستفتی محمد خان میاں صاحب

الجواب

جائز نہیں، کچھ آدمی نماز واذان سے اسکو بھی آباد رکھیں۔

وفی البحر الرائق: قال محمدؒ: اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسفؒ: ھو مسجد ابداً الی قیام الساعۃ لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیھا اولا وعلیہ الفتوی، کذا فی الحاوی القدسی اھ من فتاوی العلامۃ عبد الحی (ص ۳۳۰ ج ۱)

وفیہ ایضاً: قال الشرنبلالی فی سعادۃ الماجد بعمارۃ المساجد،

فی یتیمۃ الدھر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب و مات اھلہ و محلۃ اخری فیھا مسجد ھل لاھلھا ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب الی ھذا المسجد قال: لا انتھی، و اذا علمت ھذا فما ذکر فی الدر و فتاوی قاضی من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتوی کما ھو فی الحاوی و خلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ المفتین۔ ومشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتی بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ۔ قال العلامۃ عبد الحی بالفرنگیہ و قد صرح العلامۃ المختار بن الزاھد فی المجتبٰی بان فتوی اکثر مشائخ الاحناف علی عدم جواز نقل المسجد

واللہ اعلم (ص ۲۳۰ ج ۱)

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ رجمادی الثانیہ ۱۳۲۱ھ

ویران مسجد کی اشیاء مدرسہ میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

سوال:۔ سابق مسجد کا اینٹ، ستون وغیرہ جو بیکار ہے بیچ کر یا بعینہ وہ چیزیں کسی مدرسہ میں یا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

نہیں، بلکہ اسی مسجد کی تعمیر درست کرنی چاہئے اور اسکی چیزیں اسی میں لگانی چاہئے۔

فی البحر الرائق: قال محمد اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف و قال ابویوسفؒ: ھو مسجد ابدا الی قیام الساعۃ لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیھا او لا وعلیہ الفتوی کذا فی الحاوی القدسی اھ من فتاوی العلامۃ عبد الحی (ص ۲۳۰ ج ۱)

وفیہ ایضاً: قال الشرنبلالی فی عمارۃ الساجد بعمارۃ المساجد:

فی یتیمۃ الدھر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب و مات اھلہ وہناک
اخری فیھا مسجد ھل لاھلہ ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب الی
ھذا المسجد قال: لا انتھی واذا علمت ھذا فما ذکر فی الدر و
فتاوی قاضی خان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ
الفتوی کما ھو فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ
المفتین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی
القول المفتی بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ ۔۔۔۔ قال العلامۃ
عبد الحی بانقریبہ وقد صرح العلامۃ المختار بن الوا ھد فی
المجتبیٰ بان فتوی اکثر مشائخ الاحناف علی عدم جواز نقل المسجد۔
واللہ اعلم (ص ۲۳ ج ۱)

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ

مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لیجا کر استعمال کرنا حرام ہے	سوال: مسجد کا بچھونا باہر لیجا کر مجلس مہمانی یا قرآن خوانی یا میلاد خوانی میں استعمال کرنا درست

ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لیجا کر استعمال کرنا حرام ہے

قال فی الخلاصۃ: لان البواری لیست من المسجد حقیقۃ
لکن لھا حکم المسجد ۔۔۔۔ وقال ایضاً: ولا یحمل الرجل سراج المسجد
الی بیتہ ویحمل من بیتہ الی المسجد اھ (ص ۲۲۹ ج ۱) [1]

قلت: وقد مر فی قول ابی یوسفؒ انہ لا یجوز نقل المسجد
ونقل مالہ الی مسجد آخر فالی غیر المسجد بطریق الاولیٰ۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ

[1] وکذا فی فتاویٰ الھندیۃ ج ۲ ص ۴۶۲ ۔

مسجد کے چراغ کیلئے دی جانے والی رقم دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کی جاسکتی

سوال:۔ بہ نیت چراغ مسجد میں پیسہ دیتے ہیں۔ اس پیسہ سے دوسرا کام جیسے بچھونا، ستون خریدنا یا موذن وامام کا مشاہرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جب پیسہ دینے والا چراغ مسجد کا نام لیتا ہے تو دوسرے مصرف میں اس رقم کو صرف کرنا جائز نہیں، اگر چراغ کیلئے صرف کم ہو اور دوسرے کام کیلئے رقم کی ضرورت ہو تو پیسہ دینے والے سے بصراحت اجازت لینی چاہئے کہ اگر تیل کی ضرورت نہ ہو تو ہم اس رقم کو دوسرے مصارف مسجد میں صرف کردیں یا نہیں؟ اگر وہ اجازت دے دے تو پھر اس رقم کو صرف کرنا جائز ہوجائیگا۔

وفی الخلاصۃ: رجل قال: جعلت حجرتی لدھن سراج المسجد ولم یزد علی ھذا صارت الحجرۃ وقفا علی المسجد اذا سلمھا الی المتولی ولیس للمتولی ان یصرف غلتھا الی غیر الدھن اھ (ص ۲ ۲۴ ج ۳)

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۲۱ھ

منہدم مسجد کے اسباب کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مسجد خام بنوایا تھا مگر فی الحال منہدم ہونے لگی تو زید نے اس مقام پر مسجد خام توڑ کر مسجد پختہ کی بنیاد ڈالی مسجد پختہ تعمیر کرانا چاہتا ہے اور جو سامان پختہ مسجد میں لگانے کے قابل نہیں ہے جیسے لکڑی، کپڑا وغیرہ، اب سامان مسجد خام فروخت کرکے مسجد پختہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ یا بانی مسجد غیر سے قیمت زائد دیکر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ فروخت کیا گیا تو سامان مسجد خام بہر کیف ضائع و ہلاک ہوجائیگا۔

عبدالعزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ اٹوا
بسم اللہ خان ضلع بستی ڈاکخانہ جھنڈیا بازار

الجواب

اگر دوسری مسجد پختہ اسی جگہ اور اسی مقام پر بنائی جارہی ہے جہاں مسجد خام

واقع تھی تو اس صورت میں مسجد خام کو فاضل اسباب بجگہ مسجد پختہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر پختہ مسجد اسی مقام پر نہیں بنائی گئی تو مسجد خام کا اسباب بعینہٖ یا بعد فروخت کے اسکی قیمت کا پختہ مسجد میں لگانا درست نہیں بلکہ مسجد خام کو درست کر دینا لازم ہے۔

قال العلامۃ عبد الحیٔ فی فتاواہ۔ فی السراج المنیر: ولا یحل ان یھدم المسجد لیبنیہ احکم الا ان یخاف ان ینھدم، فیجوز لاھل ھذہ المحلۃ لا لغیرھم، ثم ابتداء من مال انفسھم لا من مال الوقف الا بامر القاضی اھ (ص ۲۰۳ ج ۱)

وفیہ ایضاً: در بحر الرائق است: قال محمد: اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسف: ھو مسجد ابداً الی قیام الساعۃ لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہا اولا وعلیہ الفتوی کذا فی الحاوی القدسی اھ ونقل العلامۃ عبد الحیؒ من سعادۃ الساجد بعمارۃ المساجد للشرنبلالی ما نصہ واذا سمعت ھذا فما فی الدرر وفتاوی قاضی خان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتوی کما ھو المذکور فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ المفتین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتی بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ (ص ۲۳۰ ج ۱)

وفی المجتبی: واکثر المشائخ علی قول ابی یوسفؒ ورجح فی فتح القدیر قول ابی یوسفؒ اھ فتاوی مذکور (ص ۲۲۹ ج ۲) عـــہ

وفی الخلاصۃ: لو علق قندیلاً او بسط حصیراً او بواری فی المسجد ثم خرب المسجد واستغنی عنہ عادت ھذہ الاشیاء الی ملک صاحبہ، والصحیح من مذھب ابی یوسفؒ انہ لا تعود الی ملک متخذھا بل یحول الی مسجد آخر او یبیعھا قیم المسجد لاجل المسجد اھ (ص ۲۲۹ ج ۲)

عـــہ ھکذا فی الشامیۃ ج ۳ ص ۳۶۹ – ۱۲

قلت : وھذا یؤذن بالفرق بین بناء المسجد حیث لا یحول و بین القنادیل والحصیر حیث یجوز تحویلھا عند ابی یوسفؒ ایضاً۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

اس مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم جسکی عمارت دریا کی طغیانی کی وجہ سے باقی نہ رہتی ہو۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین بجواب اسکہ ایک مسلمان وصیت کر کے مرا کہ میری فلاں زمین میں سے اسقدر اراضی واگذاشت کرا کے وہاں مسجد بنا دی جائے اس کے مرنے کے بعد اسکے حسب ارادہ زمین حاصل کر کے گاؤں کے مسلمانوں نے وہاں ایک چبوترہ بنا دیا جو مسجد کے نام سے مشہور ہو گیا اور کچھ مدت لوگ وہاں نماز بھی پڑھتے رہے چونکہ وہ زمین جوئے آب کے کنارہ پر تھی جو موسم برسات میں طغیانی کیا کرتی ہے چنانچہ طغیانی آنے سے وہ چبوترہ آب برد ہو گیا مسلمانوں نے وہاں پختہ مسجد بنانا چاہا مگر پانی کے خطرات سے بنا نہ سکے شخص فوت شدہ کے وارثوں نے مشورہ کیا اور اسی زمین کے عوض اتنی ہی زمین اور جگہ دینی چاہی ہے اور سابقہ زمین کو اپنے تصرف میں لینا چاہا جس پر وہ کاشت کرینگے یا مویشی باندھینگے اور دوسری جگہ مسجد بنوا دی جائیگی تو کیا عند الشرع نامبردہ وصیت شدہ زمین کو غیر مسجد تصرف میں لانا اور اس کے عوض دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر مسجد سابقہ زمین پر تعمیر کی جائے تو پانی نہ وجہ سے اس کا نقصان یقینی ہے ، پانی کی روک تھام بھی ہو سکتی ہے مگر صرف کثیر سے ہو سکتا ہے جس کا متحمل کوئی نہیں۔

الجواب :- ایسی صورت میں مسجد اول کا سامان منتقل کر کے دوسری مسجد میں لگا دینا جائز ہے اور زمین کا مبادلہ بھی جائز ہے۔ وھذا فی قول ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ و اما عند ابی یوسفؒ فلا ، واللہ اعلم۔

کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازہ پر مسجد بنائی اب اس کو توڑ کر دوسری جگہ مسجد بنانا چاہتا ہے۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ ، اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازہ پر ایک مسجد

بنائی تھی اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اس مسجد کو نئے سرے سے مضبوط کر کے بنوا کے وفات پایا اب اس کے لڑکے بوجہ متصل ہونے مسجد کے ان گھروں سے جو نئے زمانے بود و باش کرتے ہیں دوسری ایک مسجد قریب سو ہاتھ کے فاصلہ پر چندہ کر کے بنوائیں اور قدیم مسجد کے گھر کو توڑ کر بیچ ڈالیں اور نئی مسجد میں نماز پڑھنے شروع کر دئے اب عرض یہ ہے کہ قدیم مسجد کو چھوڑ کر نماز نئی مسجد میں درست ہے یا نہیں؟ اور قدیم مسجد کی بناء کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جائز ہونے کے اس کے ثمن کو کیا کیا جائیگا مع حوالہ کتب جواب رقم فرمائیں

محمد عبد الغنی مدرسہ صوفیہ نوریہ پوسٹ بہرزار ہاٹ
ضلع چاٹگام

الجواب

یہاں یہ امر قابل دریافت ہے .... کہ اس مسجد کا دروازہ شارع عام پر ہے خواہ کوچہ ہی ہو یا مسجد بانی کے مکان کے احاطہ میں ہے اور اس کا دروازہ احاطہ مکان کے اندر ہے؟

اب جواب ملاحظہ فرمائیے ۔ اگر اس کا دروازہ اس طرح پر ہے کہ بانی کے مکان کا دروازہ بند ہونے سے مسجد کا دروازہ اس کے اندر نہ آتا ہو بلکہ دروازہ ایسے رخ پر ہے جس سے بعد بند ہونے دروازہ مکان بانی کے بھی لوگ مسجد میں بے تکلف آسکتے ہیں یعنی دروازہ شارع عام یا کوچہ کی طرف کھلا ہوا ہے یا دروازہ احاطہ مکان بانی کے اندر ہی ہے لیکن بانی اور اسکے اہل وعیال کی ایک جماعت معتد بہا ہے جو دروازہ بند کرنے کے بعد بھی اسمیں جماعت وغیرہ کر سکتے ہیں تو اس صورت میں اس جگہ کو باعوض یا بلا عوض کسی کا اپنے تصرف میں لانا اور اسکی اشیاء کو بعوض یا بلا عوض اپنے کام میں لانا ، ناجائز ہے اور ایسا شخص گنہگار ہے اگر مسجد کو توڑ دیا گیا ہے تب بھی اس جگہ کو معمولی احاطہ سے محاط کر کے چھوڑ دیا جائے لے کوئی اپنے تصرف میں نہ لائے اور جو چیزیں مسجد کی فروخت کی ہیں اسکی قیمت کو اسی مسجد قدیم کی مرمت میں صرف کیا جائے اور اگر مسجد کا دروازہ بانی کے دروازہ مکان کے بند کرنے سے بند ہو جاتا ہے اور اندر کوئی جماعت مسجد میں جماعت کرنے والی بھی نہیں تو یہ مسجد نہیں، اسکے متعلق پوری کیفیت لکھکر دوبارہ سوال کیا جائے۔

دار فیہا مسجد ان کانت الدار اذا غلقت کان للمسجد جماعۃ ممن کان فی الدار فہو مسجد جماعۃ تثبت فیہا احکام المسجد من حرمۃ البیع وحرمۃ الدخول للجنب اذا کانوا لا یمنعون الناس من الصلوٰۃ فیہ وان کانت الدار اذا غلقت لم یکن فیہا جماعۃ واذا فتح بابہا کان لہا جماعۃ فلیس ھذا مسجدا وان کانوا لا یمنعون الناس من الصلوۃ فیہ کذا فی قاضی خان من العالمگیریۃ (ص ۱۲۰ ج ۲)

وفی الخلاصہ فی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحۃ المسجد لایجوز وان کان بامر القاضی وان کان خرابا فاما بیع النقض فیصح اھ (ص ۲۲۵ ج ۴) واللہ اعلم

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۰ شوال سنہ ۱۳۴۱ھ

فروخت کے وقت وقف مسجد کی بیع کا حکم۔ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا چہارم حصہ متعلق مسجد وقف ہے اور بھی دیگر مکانات اس مسجد کے متعلق وقف ہیں جو مرمت طلب ہیں اگر چہارم حصہ موقوفہ فروخت کر کے متولی مسجد اسکی قیمت سے بقیہ مکانات متعلقہ مسجد کی مرمت کرا دے جس سے آئندہ مسجد کا نفع زیادہ ہونے کی امید ہے تو شرعاً اس میں کوئی ممانعت یا حرج تو نہیں ہے مفصل بروئے شرع شریف جو حکم ہو اس سے اطلاع فرمائی جائے۔ بینوا توجروا

راقم۔ مہدی حسن نائب ناظر کچہری کلکٹری اٹاوہ

الجواب

اگر اس چہارم حصہ کی آمدنی معقول نہ ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ کسی وقت میں زیادہ حصہ والے مسجد کے چہارم حصہ کو شاید دبالیں گے تو اس صورت میں اسکو فروخت کر کے بقیہ مکانات سالم من شرکۃ الغیر کی مرمت میں اس رقم کا لگا دینا جائز ہے۔

وفی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحۃ المسجد لایجوز وان کان بامر القاضی وان کان خرابا فاما بیع النقض فیصح ونقل من شمس الائمۃ الحلوانی ۱۲ انہ یجوز للقاضی والمتولی ان یبیعہ ویشتری مکانہ

آخر وان لم ينقطع ولكن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه للمسجد لا يباع اى غلته. وقد روى عن محمد اذا ضعفت الارض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها ارضاً اخرى هى اكثر ريعاً كان له ان يبيعها ويشترى بثمنها ما هو اكثر ريعاً وفى الفتاوى قيم وقف خاف من السلطان او من وارث ان يغلب على ارض وقف يبيعها ويتصدق بثمنها۔

قلت: اى اذا لم يكن للمسجد حاجة الى ثمنها۔

واللہ اعلم

از افتاء امدادیہ تھانہ بھون

۱۹ر رمضان سنہ ۶۲ھ

مسجد کی رقم کسی کو قرض دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین سوال ذیل کے جواب میں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے ایک غریب محلہ میں مسجد ہے اہل محلہ نے اس کے ضروری خرچ مثل لوٹے، گھڑے، چراغ وغیرہ کے لئے یہ صورت کی ہے کہ محلے کے ہر آدمی سے ایک آنہ یا دو پیسہ ماہوار بطور چندہ لیکر اس کا خرچ چلاتے ہیں اس صورت میں ماہواری چندہ تقریباً للعہ روپیہ وصول ہو جاتا ہے دو ماہ کا چندہ آٹھ روپے ایک محلہ والے شخص کے پاس جمع تھا اس محلہ میں ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہوا جو کاشتکار بھی ہے لیکن اس وقت نہایت تنگدستی کی حالت میں تھا چند محلہ والوں کی رائے سے اس شخص نے جس کے پاس چندہ مسجد کا جمع تھا بطور قرض کے ابوالمیت کو اس شرط پر دیدیا کہ اگر تمہارے پاس ہو تو دیدینا نہیں تو نہیں ــــــ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس شخص کو چند لوگوں کی رائے سے مسجد کا روپیہ ایسی ضرورت میں دینا جائز تھا یا نہیں؟ اور مقروض سے اہل محلہ تقاضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مقروض نہ دے تو اس روپیہ کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب

مسجد کا روپیہ اسطرح کسی کو قرض دینا جس طرح سوال میں مذکور ہے کسی حال میں جائز نہیں، اہل محلہ کو اس رقم کا مطالبہ مقروض سے بھی کرنا چاہئے اگر وہ نہ دے

بہر اس شخص سے مطالبہ کرنا چاہئے جسنے اسکو قرض دیا، اگر مقروض یہ روپیہ نہ دے تو اس رقم کا ضامن وہی شخص ہے جس کے پاس رقم جمع تھی اور اس نے اسکو قرض دیا۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۲ ذی الحجہ سنہ ۴۲ھ

مسجد کا خرچ چلانے کے واسطے صحن مسجد میں دوکانیں بنانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین سلمہم اللہ تعالیٰ یوم الدین کہ شارع عام بازار میں ایک قدیمی جامع مسجد ہے اسمیں ہر وقت راستہ چلتے باجماعت نماز پڑھتے ہیں سوائے اخیر جمعہ رمضان شریف کے اکثر صحن خالی پڑا رہتا ہے اہل محلہ اور اہل شہر سب جامع مسجد جدید کی طرف رجوع کر گئے ہیں مسجد ھذا نگہبانی سے منہ موڑ بیٹھے ہیں اس مسجد کی شکست و ریخت اور مرمت کیواسطے اور کوئی اوقاف نہیں ہیں اور نہ کوئی متولی ہے نہ کوئی نگہبان ہے اور صحن مسجد کے سوا کوئی جگہ خارج نہیں اور نہ اسمیں نقب ہے اگرچہ تو صحن ہی صحن ہے مسجد کی پشت سے اور شمال دیوار ہندوں کے مکان پیوستہ ہیں جو مسجد کی چھت پر پاخانہ پیشاب کر جاتے ہیں ایک دیوار بنائی ہے بیرونی دروازہ خراب ہونے سے صحن میں کتے بیٹھ جاتے ہیں مسافروں کی جیبیں کتری جاتی ہیں علاوہ اس کے خرچ خادم وغیرہ بھی ہے پس جس مسجد کے واسطے اوقاف نہ ہوں اور چندہ بھی کوئی نہیں دیتا ہو، متولی اور نگہبان بھی کوئی نہ ہو اور مرمت و ضروریات مندرجہ بالا میں احتیاج رکھتی ہو تو کیا صورت کی جائیگی کہ مسجد بدستور آباد رہے چند مسلمانوں نے جو ہمیشہ اسمیں نماز پڑھتے ہیں تھوڑے حصہ صحن میں بازار کے رخ پر دو دوکانیں بنائی ہیں، کوئی جائز کوئی ناجائز کہتا ہے چونکہ ہم لوگ جاہل ہیں اسلئے تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں، خدا کے واسطے جواب باصواب جلدی عنایت فرمایا جائے کہ ہم لوگوں کی ایسی کشمکش سے نجات ہو اللہ تعالیٰ آپکو اجر عظیم عنایت فرمائیں گے۔

الجواب

اذا اراد ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلۃ لمرمۃ المسجد او فوقہ لیس لہ ذالک کذا فی الذخیرۃ (ص ۴۳۸ ج ۲)

قلت: و فی صحن المسجد عدم جوازہ اولیٰ۔

صورت مذکورہ میں صحن مسجد کے اندر دکانیں بنانا جائز نہیں دوکان بنانے والے سخت جرم کے مرتکب ہوئے انکو فوراً دوکانیں مسجد سے اُٹھالینی چاہئیں اگر مسلمان مسجدوں میں ایسے تصرف کرنے لگیں گے تو کل کو حکام بھی مسجد کے کسی حصہ کو اپنے کام میں لایا کریں گے اور یہی جواب دینگے کہ جب تم کو مسجد میں دوکان بنانا جائز ہے تو ہمکو بھی مسجد کا کوئی حصہ سڑک وغیرہ میں شامل کرلینا جائز ہے اور اس میں جس قدر مفاسد ہیں ظاہر ہے، لہٰذا مسلمانوں کو مساجد کے صحن وغیرہ میں ایسا تصرف ہرگز نہ کرنا چاہئے باقی مرمت وغیرہ کیلئے اور مسجد کی حفاظت کیلئے بستی کے سب مسلمانوں کو امداد کرنی چاہئے جو لوگ باوجود وسعت کے امداد نہ کریں اور مسجد کی توہین کو گوارا کریں وہ گنہگار ہونگے۔ واللہ اعلم۔

ایک اور مسجد جس کے واسطے کوئی اوقاف نہیں ہیں اور ایک مسلمان کے بغیر تمام محلہ ہندوؤں کا ہے تقریباً ۱۲ سال سے مسلمان چلے گئے ہیں ہندو آباد ہوگئے ہیں اب بالکل غیر آباد ہے اگر اس کے نیچے مکان یا دوکانیں بنادی جائیں اور انکی چھت پر مسجد بنا کر آباد کردی جائے تو جائز ہے یا نہیں، یا اس کے واسطے کیا صورت اختیار کی جائے، اللہ کے واسطے ہم لوگوں کو غلطات سے نکالئے کہ دین وایمان خراب ہو رہے ہیں فقط

الجواب

جائز نہیں، بدلیل مامرعن الہندیۃ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ ربیع صفر ۱۳۳۲ھ

مسجد میں لالٹین جلانا اور غیر مسافر ومعتکف کو سونا جائز نہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص مسجد میں اس غرض سے سوتا ہے کہ جب اسکی آنکھ کھلے تو وہ اپنا وقت یاد الٰہی میں صرف کرے انہوں نے اپنی ضرورت کے واسطے ایک لالٹین جس میں مٹی کا تیل رہتا ہے اپنے پاس مسجد میں ایسی جگہ رکھ لیتا ہے جو کہ نہ کسی مصلی کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے ایسی حالت میں کوئی گناہ تو نہیں

اور اگر ہے تو کوئی پناہ کی صورت بھی ہے کیونکہ موم بتی جلانے سے وہ شخص معذور ہے۔

(۲) اس قدر مٹی کے تیل و مروجہ لالٹین و دیاسلائی کی استقدر کثرت ہے کہ موم بتی اور دوسرے تیل کی لالٹین قریب قریب نایاب ہوگئے ہیں۔ دیاسلائی سے لوگوں کو چراغ یا لالٹین جلانے کی ایسی عادت ہوگئی ہے کہ دوسرے ذریعہ سے مجبور ہیں عموماً تمام مسجدوں میں سوائے خاص خاص جگہ کے چراغ یا روشنی بذریعہ دیاسلائی ہوتی ہے اور باہر سے چراغ جلاکر ہوا میں جانا بھی قطعی ناممکن ہوتا ہے اور اگر دیاسلائی سے نہ جلایا جائے تو مسجد اندھیری رہتی ہے یا کسی وقت اندھیرا کا اندیشہ ہوتا ہے اور میٹھے تیل کا چراغ ٹھہر نہیں سکتا اس وقت مٹی کے تیل کی لالٹین اگر مسجد میں نہ جائے تو مسجد کے اندھیرے رہنے کا کامل یقین ہے سوائے خاص جگہوں کے یہی عمل جاری ہے کہ دیاسلائی سے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے اس وقت لالٹین یقیناً مسجد کے اندر لے جاتے ہیں اس میں کچھ گناہ تو نہیں ہے اگر ہے تو پناہ کی کیا صورت ہے؟

فقط۔ بینوا توجروا

راقم شیخ علیم اللہ محلہ برانی سنگت متصل
مسجد شیخ بدو مرحوم ڈاکخانہ اٹاوہ ضلع بلیا۔
مورخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

الجواب

مسجد میں مٹی کے تیل کی لالٹین جلانا جائز نہیں، نہ مسجد میں ایسی لالٹین کا رکھنا جائز ہے اور نقلی محراب مسجد میں داخل ہے پناہ کی صورت یہ ہے کہ یہ شخص مسجد کے اندر نہ سویا کرے اپنے گھر پر سویا کرے وہاں جیسی چاہے لالٹین جلایا کرے علاوہ ازیں یہ کہ مسافر و معتکف کے سوا اور کسی کو مسجد میں سونا بھی مکروہ ہے رات کو اپنے گھر پر بھی تو ذکر اللہ ہو سکتا ہے۔

قال فی الدر: (ویکرہ فیہ) اکل ونوم الا لمعتکف وغریب واکل نحو ثوم ویمنع منہ اھ

قال الشامی تحتہ عن العینی: ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل ما لہ رائحۃ کریھۃ ماکولا اوغیرہ وانما خص الثوم ھنا بالذکر وفی

چند سالوں تک لوگوں نے تعمیر کے کام کو ملتوی رکھا کئی سالوں کے بعد ایک مسافر مولوی صاحب وہاں وارد ہوئے انہوں نے اس بنا پر کہ وہ زمین خریدی ہوئی زمین ہے اور نیز بقیاس بر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حکم صادر فرمایا کہ زمین کے اندر سے جتنی نعشیں نکلی ہیں انکو اور کہیں دفنا دیجائیں اور مسجد وہیں تعمیر کی جائے صحن میں نعشیں ہیں یا نہیں اُسے دیکھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ اس فتوی کی بنا پر وہاں ایک پختہ مسجد بن گئی اور ایک عرصہ تک عوام الناس اس مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے دیہات میں ہونیکی وجہ سے ابتک کوئی عالم اس امر میں مزاحم نہ ہوئے۔

واضح ہو کہ اس مسجد کے اردگرد زمینوں میں سے ابتک بکثرت نعشیں نکل رہی ہیں یہ واقعہ بچشم خود پر مشاہدہ میں آرہا ہے پس یہ امر بھی دلیل ہے اس بات پر کہ صحن میں بھی نعشیں موجود ہیں

اب سوال یہ ہے کہ قبور مسلمین پر (جو قرائن و علائم اس پر دال ہوں)

(۱) مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نبش قبور کی اجازت دینے والے کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

(۳) اب اس مسجد کا کیا حکم ہے؟

(۴) کیا اُسے ارض مشترکہ پر بنی ہوئی مسجد کہا جائیگا؟

(۵) اور کیا اُسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کیا جاسکتا ہے؟

(۶) اور ایسے قیاس کرنے والے اصحاب کا کیا حکم ہے؟

(۷) اور کیا اس زمین کو جہاں قبل ازیں مسجد تھی اور کسی وجہ سے مسجد وہاں سے نقل کی گئی یا کہ وہ ویران ہوگئی ہو مقبرہ بنانا جائز ہے؟

امید کرتا ہوں کہ ہر شقوں کا جواب مدلل و برھن تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل کریں گے فقط

الجواب

جب قبر کا پہلے سے خبر نہ ہو اور ظاہر میں زمین تعمیر کے قابل معلوم ہوتی ہو اور کھودنے کے بعد قبریں نمودار ہوں پس اگر وہ پرانی قبریں ہوں جنکی نعشیں گل کر مٹی ہوگئی ہوں صرف کوئی کوئی ہڈی باقی ہو تو ان کو اسی جگہ کے آس پاس دفن کرکے مسجد بنانا جائز ہے اور اگر پہلے سے کسی جگہ مسلمانوں کو قبروں کا ہونا معلوم ہو خواہ نشانات سے

یا لوگوں کے کہنے سے وہاں مسجد بنانا جائز نہیں اسیطرح اگر پہلے سے معلوم نہ ہو مگر کھودنے کے بعد ہڈی نعشیں نکلیں وہاں بھی مسجد بنانا جائز نہیں البتہ کفار کی نعشوں کا ہونا بناء مسجد کیلئے مانع نہیں انکو کھود کر ایک طرف دبا دینا اور مسجد تعمیر کر لینا جائز ہے۔

(۲) مسلمانوں کی نعشوں کو ان کی جگہ سے منتقل کرنے کا فتویٰ دینے والا جاھل ہے۔

(۳) یہ مسجد بحکم مسجد ہے کیونکہ ارض مملوکہ موقوفہ میں مسجد بنائی گئی ہے۔ جس میں قبروں کا ہونا پہلے سے معلوم نہ تھا اور قبریں بھی پرانی تھیں البتہ مسلمان مُردوں کی ہڈیوں کو اپنی جگہ سے منتقل کرنیکا گناہ ہوا اس سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

(۴) ہاں ارض مشترک مملوکہ پر بنی ہوئی مسجد ہی سمجھی جائیگی۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مسلمانوں کی قبریں نہ نکلیں تھیں بلکہ کفار کی قبریں نکلیں تھیں جس کا کھود ڈالنا جائز تھا۔

(۶) جاہل ہیں ان کے فتاویٰ کا اعتبار نہ کیا جائے

(۷) مسجد سابق کی جگہ کو مقبرہ بنانا اور اس میں مردوں کو دفن کرنا حرام اور بہت گناہ ہے۔ مسجد بننے کے بعد دوسرے کام میں نہیں آسکتی اب یا تو اس کو مسجد ہی کی طرح آباد کریں اگر آباد نہ ہوسکے تو اس کو بند کر کے اسی کے حال پر چھوڑ دیں اور بہتر یہ ہے کہ سارے گاؤں والے وہاں نماز پڑھ سکیں تو کسی ایک ہی آدمی کو تعین ملازم رکھدیں جو اذان ونماز سے اسکو آباد کرے۔

(الدلیل علی المسئلة الاولی) قال فی الشامیة نقلا عن الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه اھ۔

قال فی الامداد: ویخالفه ما فی التاتارخانیة اذا صار المیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة وان جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیرہ فیه تبرکا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکرہ ذالک اھ

قلت: لکن فی ھذا مشقة عظیمة فالاولی اناطة الجواز بالبلاء اذ لا یمکن ان یعد لکل میت قبر لا یدفن فیه غیرہ وان صار

ترابا لا بأس فی الامصار الکبیرۃ الجامعۃ والا لزم ان تعم القبور السهل ولو عسر علی ان المنع من الحفر الی ان لا یبقی عظم عسر جدا اھ
وفیه ایضا: لا بأس بان یتخذ المسلم فی مقابر المشرکین اذا لم یبق من علامتهم شیء کما فی خزانۃ الفتاوی وان بقی من عظامهم شیء تنبش وترفع الآثار و تتخذ مسجدا لما روی ان مسجد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان قبل مقبرۃ للمشرکین فلیشت کذا فی الواقعات اھ

(ص ۳۳۹ ج ۱)

وقال العلامۃ العینی فی شرح البخاری تحت حدیث بناء مسجد النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ونبش قبور المشرکین منه فان قلت: هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین قلت: قال ابن القاسم لو ان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذالک بأسا وذالک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد اھ
وفیه: ان القبر اذا لم یبق فیه بقیۃ من المیت او من ترابه المختلط بالصدید جازت الصلوۃ فیه اھ (ص ۴۵۹ ج ۲)

(والدلیل علی السابعۃ) ولو خرب ما حوله (ای المسجد) واستغنی عنه یبقی مسجد عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبه یفتی حاوی القدسی کذا فی الدر.
وفی الشامیۃ قوله ولو خرب ما حوله الخ وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر فلا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتوی، حاوی، واکثر المشائخ علیه. مجتبی، وهو الاوجه، فتح. اھ (ص ۵۴۵ ج ۳) ولا حاجۃ

بعد ذالک الی الدلیل علی باقی الشقوق۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

فناء مسجد میں نماز کیلئے مسجد کا بوریہ نکالنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں کی مسجد ایسی بنی ہوئی ہے کہ چھت، در چاروں دیواریں ٹین کی ہیں اور سوائے دروازہ کے کوئی کھڑکی بھی نہیں ہے اس وجہ سے گرمی بہت ہوتی ہے اور باقاعدہ مسجد کا صحن بھی نہیں ہے البتہ زمین موقوفہ متصل مسجد اتنی ہے کہ اگر صحن بنایا جائے تو بہت بڑا صحن ہو مگر صحن بنانا تو درکنار کوئی اسکی حفاظت بھی نہیں کرتا گائے بیل ہمیشہ چرتے اور لید کرتے رہتے ہیں میں اکثر موسم گرما میں فرض مسجد کے اندر پڑھکر مسجد کی ایک چٹائی باہر لاکر جو موقوفہ زمین خارج مسجد ہے اس میں سنت نفل پڑھتا تھا ایک روز دفعۃً یہ خیال ہوا کہ شاید مسجد کی چٹائی باہر لاکر نماز پڑھنا جائز نہ ہو جب سے چٹائی باہر نکالنا چھوڑ دیا اور سنت نفل بھی مسجد میں پڑھتا ہوں مگر گرمی کی وجہ سے تکلیف بہت ہوتی ہے اب حضرت والا سے یہ عرض ہے کہ زمین موقوفہ لصحن المسجد میں مسجد کی چٹائی باہر نکالکر نماز پڑھنا یا ذکر شغل کرنا جائز ہے یا نہیں

الجواب

فناء المسجد لہ حکم المسجد حتی لو قام فی فناء المسجد واقتدی بالامام صح اقتداءہ وان لم تکن الصفوف متصلۃ ولا المسجد ملآن الیہ اشار محمدؒ فی باب الجمعۃ وعلی ھذا یصح الاقتداء لمن قام علی الدکاکین التی تکون علی باب المسجد لانھا من فناء المسجد متصلۃ بالمسجد کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ من الھندیۃ

(ص ۷۰ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چٹائی کا زمین موقوفہ متصل بالمسجد میں بچھانا اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے کہ اتصال کی وجہ سے وہ مسجد

ہی کے حکم میں ہے۔ واللہ اعلم۔

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵ محرم سنہ ۴۵ھ

مسافر کے واسطے مسجد میں اقامت جائز ہے

سوال: مسافر را بمسجد اقامت کردن جائز است یا نہ؟ و معنی غریب الوطن در اصطلاح فقہا چیست

بینوا توجروا۔

درمیان علماء این ملک در مسئلہ مذکور اختلاف ست و میان عوام شک پیدا شدہ فدوی را برائے فہمیدن علم دین و ماندن بر صراط مستقیم دعاء کنند۔

فقط والسلام

عرضگذار، فدوی محمد عبد الباری چاٹگامی

الجواب

مسافر را مسکنے اگر نزد وے و خانہ ندارد بمسجد اقامت کردن رواست۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

یکم ربیع الاول سنہ ۴۵ھ

مسجد کے گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی کسی کو گھر لیجانا جائز نہیں

سوال: امام کو مسجد کا پانی اپنے گھر کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کے پانی سے غالباً حمام کا یا گھڑوں یا مٹکوں کا یا حوض کا پانی مراد ہے، تو مسجد کے حمام، گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی گھر لیجانا کسی کو جائز نہیں ہے ہاں مسجد کے کنوئیں کا پانی سب کو مباح ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۵ ربیع الثانی سنہ ۴۵ھ

شادی کی خلاف شرع رسموں سے لوگوں کو روکنا اور اس رقم کو مسجد میں دینے کی ترغیب کا حکم۔

سوال: حامداً و مصلیاً اما بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین و

مفتیانِ شرعِ متین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ کوئی شادی کی خلاف شرع رسموں میں جو روپے خرچ کرنے پر مصر ہو اس کو اس خرچ سے روک کر اگر یہ کہا جائے کہ یہ روپے ضائع مت کرو بلکہ کسی مسجد میں اللہ کے واسطے دیدو ثواب و اجر ملیگا اس طرح اس کو ترغیب دینا اور جب وعدہ اس سے روپے لینا اور مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کے جو روپے لوگوں پر ہیں اس کو وصول کریں یا نہیں ؟

(چندہ اخیر) سوال دوم کی حقیقت ہے کہ بجائے پنچایتی غیر شرعیہ رسوم کے اس چندہ کا لینا رسم ہو گیا ہے یعنی جو شخص روپے نہیں دیتا اس کا حقہ پانی بند کر دیتے ہیں اور مسمی مستحق ہو اس پر ضروری سمجھتے ہیں ایسی حالت میں اس روپے کو لینا یا جن پر باقی ہے اس کا وصول کرنا یا جو جمع ہے ایسے طریقوں سے وصول کیا ہوا اسکو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر نا جائز ہے تو جو جمع ہے اسکو کیا کیا جائے ؟ خصوصاً جبکہ اس کا دینے والا یا چندہ دینے والا کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہے اور اس نے مسجد کی نیت سے ہی دیا تھا حسب تعدد بالا ، بینوا توجروا فقط ، ان اللہ یحب المحسنین

المستفتی عمادالدین احمد

الجواب

ترغیب دینا تو جائز ہے مگر جس نے وعدہ کر لیا ہو اس پر تقاضا کرنا جائز نہیں کیونکہ تقاضا سے دیا ہوا طیب نہیں ولا جبر فی التبرعات ، ہاں یاد دہانی کا مضائقہ نہیں کہ وہ بھی ترغیب کے مثل ہے باقی صورت کہ جو مسجد میں چندہ نہ دے اس کو حقہ پانی بند کر دیا جائے بالکل حرام ہے کہ اس میں لوگوں کو تبرع پر مجبور کرنا ہے بلکہ صاف کہہ دیا جائے کہ جو چندہ دے خوشی سے دے اور جو نہ دیگا اس پر کوئی جبر اور سختی نہ کی جائیگی ۔ اور جو چندہ اس طریقہ جبر سے وصول کیا ہوا ہے اور جمع ہے اس کو مسجد میں لگا دینا چاہئے کیونکہ یہ جبر اکراہ شرعی کی حد تک نہیں پہنچتا جو موجب بطلان ہبہ ہو ، فکان کانہ وھب للمسجد من غیر اکراہ ، پس جس نے مسجد میں روپیہ دیا اور متولی کے سپرد کر دیا وہ روپیہ اس کی ملک سے نکل کر مسجد کی ملک میں داخل ہو گیا اب دینے والا یا اس کے ورثاء اسکو واپس نہیں لے سکتے ہاں جبر کرنے والے گنہگار ہوئے اس سے وہ توبہ و استغفار کریں ۔

وفی العالمگیریۃ : اعطی دراھما فی عمارۃ المسجد او نفقتہ او مصالحہ

صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفاً یمکن تصحیحه بالہبۃ للمسجد واثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجه صحیح فیتم بالقبض اھ (۲۲۴ ج ۳)

قلت: والھبۃ للمسجد فی حکم التصدق لکون المقصود منه الثواب فلا رجوع للواھب فیھا۔

البتہ یہ رقم جو جبر سے وصول کی ہوئی ہے گو اس کو مسجد کے مصارف میں لگانا درست ہے مگر کراہت وخبث سے خالی نہیں۔ لحدیث: «الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه»[عہ] پس بہتر یہ ہے کہ اسکو حمام کے سوختہ میں یا اسی کے مثل کسی ایسے کام میں لگایا جائے جو متعلقات مسجد سے ہو لیکن مسجد سے ملحق نہ ہو جیسے عمارت فرش مسجد درروغن چراغ وصف وغیرہ اسیطرح مؤذن وامام کو بھی اس رقم کو اپنی تنخواہ میں لینے سے احتراز بہتر ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

جو رقم مدرسہ میں دی گئی ہو مدرسہ بند ہونیکے بعد اسکو کہاں صرف کیا جائے (المقلب بنقل الصدقات الی غیر الجہات)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں مدرسہ اسلامیہ کچھ عرصے سے قائم کیا گیا تھا اب عرصہ چھ ماہ سے وہ مدرسہ اسلامیہ بوجہ نہ ہونے طلبہ کے موقوف ہوگیا ہے اب آئندہ بھی کوئی امید قائم ہونے مدرسہ کی نہیں ہے اس مدرسہ مذکورہ بالا میں جو کہ روپیہ جمع تھا چندہ وغیرہ کی صورت کا اسمیں سے اس وقت دو صد روپیہ باقی ہے اس واسطے گذارش ہے کہ یہ روپیہ دوسری جگہ مسجد یا کنویں وغیرہ پر صرف کرسکتے ہیں یا کہ نہیں کرسکتے اسکی اگر کوئی صورت یا کوئی حیلہ بموجب شریعت کے ہو تو آپ وہ صورت بتلادیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کار خیر کا اجر عظیم عطا فرمائیگا آمین بینوا توجروا۔ زیادہ السلام علیکم۔

الجواب

چندہ دینے والے اگر زندہ ہوں تو چندہ ہر شخص کا اسکو واپس کردیا جائے پھر وہ جہاں چاہے لگائے یا اسکی اجازت سے

[عہ] مشکوٰۃ ص ۲۵۵

جس جگہ وہ کہے لگا دیا جائے البتہ اگر اس چندہ میں کوئی رقم زکوٰۃ صدقۂ فطر وفدیہ صلوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کی ہو تو اس کے متعلق استفسار کی ضرورت نہیں اس کو کسی دوسرے مدرسہ کے طلبہ فقراء میں صرف کر سکتے ہیں کیونکہ بظاہر تعیین طلبہ مدرسہ مذکورہ سے تعلق غیر مراد نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اس میں بھی چندہ دینے والوں سے دریافت کر لیا جائے للخروج من الخلاف اور صدقات واجبہ کی رقم کو مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا جائز نہیں کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔

وقد صرحوا بعدم تعيين المكان والزمان والفقير في الصدقات والنذور وغيرها من الصدقات الواجبة بل تتادى بالاداء الى اي فقير شاء۔

قال الشامي: تحت قول الدر: وللوكيل (في الزكوٰة) ان يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه مالتصه وهذا حيث لم يامره بالدفع الى معين اذلو خالف ففيه قولان حكاهما في القنية، وذكر في البحر ان القواعد تشهد للقول بانه لا يضمن لقولهم لو نذر التصدق على فلان له ان يتصدق على غيره اھ (ص ۱۴ ج ۲)

اور اگر چندہ دینے والے زندہ نہ ہوں یا ان کا پتہ نہ چل سکتا ہو تو زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کا تو وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا اور صدقات واجبہ کے علاوہ جو رقم ہے وہ اس مدرسہ کے ملک تھی اور اوقاف کے مملوکات کا حکم بھی مثل اوقاف کے ہے۔

وقد صرح في الهندية عن فتاوى النسفي، سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية افترقوا وتداعى مسجد القرية الى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلون الى ديارهم هل لواحد ان يبيع الخشب بامر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه

عہ اور حضرت حکیم الامت کے نزدیک چندہ والوں سے پوچھنے یا ان کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی دوسرے قریب مدرسہ میں صرف کر دیا جائے۔

الی بعض المساجد او الی ھذا المسجد قال: نعم کذا فی المحیط۔
وفیہ ایضاً: اوقاف علی قنطرۃ فیبس الوادی وصار الماء الی شعب آخری واحتیج الی عمارۃ قنطرۃ ھذا الوادی الجدید ھل یجوز صرف غلات الاولی الی الثانیۃ ینظر ان کانت القنطرۃ الثانیۃ للعامۃ ولیس ھناک قنطرۃ للعامۃ اقرب الیھا جاز صرف الغلۃ الیھا اھ (ص ۴۴۲ ج ۲)

پس اس رقم کو اس مدرسہ میں بھیجدیا جائے جو مدرسہ اولیٰ سے بہت قریب اور سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ واللہ اعلم

از فتاویٰ امدادیہ تھانہ بھون

تفصیل الجواب الملقب بنقل الصدقات الی غیر الجہات

جواب سابق پر دو شبہے کئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ: جو چندہ صدقات واجبہ کی قسم سے نہیں اسمیں چندہ دینے والوں کو واپس کرنا لکھا گیا ہے یا انکی اجازت سے خرچ کرنا حالانکہ آگے چل کر اس رقم کو ملک مدرسہ مانا گیا ہے اس میں تعارض ہے

دوسرا شبہ یہ ہے کہ وکیل فی اداء الزکوٰۃ الی رجل معین کی صورت میں یہ کہا گیا ہے کہ وکیل کے حق میں تعیین لازم نہیں دوسرے مستحق کو بھی وہ دے سکتا ہے اس میں شامی کی بحث پر نظر کی گئی ہے حالانکہ قواعد سے شامی کا قول قوی ہے۔

اشکال اول کے متعلق یہ عرض ہے کہ چندہ والوں کو واپسی کا حکم کرنا اس رقم کے ملک مدرسہ ہونے کے منافی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تک مدرسہ رہا اس وقت تک تو یہ رقم ملک مدرسہ تھی معطی یا اس کے وارث کو حق استرداد نہیں تھا

اور جب مدرسہ نہ رہا تو یہ چندہ معطین کی ملک کی طرف عود کر جائے گا۔

قال فی الدر: ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصرہ مع الاستغناء عنھا اھ — قال الشامی: قال الزیلعی وعلی ھذا حصیر المسجد وحشیشہ (الذی یفرش بدل الحصیر) یرجع الی مالکہ اذا استغنی عنھا عند محمدؒ وعند ابی یوسفؒ ینقل الی مسجد آخر وصح

فی الخانیۃ بان الفتوی علی قول محمدؒ قال فی البحر وبہ علم ان الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضہ لما قدمنا عنہ (ای البحر) قریبا من ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر اھ (ص ۲۰۳ ج ۳)

قلت: ولا یخفی ان الدراھم والدنانیر اشبہ بآلات المسجد منھا بالمسجد وبانقاضہ فالمختار فیھا قول محمد ومثلھا الکتب الموقوفۃ علی المدارس واللہ اعلم

اورصورت موجودہ میں قول محمدؒ پرفتوی دینا اسلئے بھی لازم ہے کہ مسجد ومدرسہ کیلئے دراہم ودنانیر کا مہر کرنا انہی کے نزدیک صحیح ہے نہ دوسروں کے۔

قال فی الحامدیۃ: اوصی بشیء للمسجد لم تجز الوصیۃ الا ان یقول الموصی ینفق علیہ لانہ لیس باھل للتملیک والوصیۃ تملیک وذکر النفقۃ بمنزلۃ الوقف علی مصالحہ وعند محمد یجوز لانہ یحمل علی الامر بالصرف الی مصالحہ تصحیحاً للکلام وبقول محمد افتی مولانا صاحب البحر منح اھ (ص ۲۰۸ ج ۲)

وکذا فی الشامیۃ عن المعراج: اوصی بشیء للمسجد الحرام لم یجز الا ان یقول ینفق علی المسجد لانہ لیس من اھل الملک وذکر النفقۃ بمنزلۃ النص علی مصالحہ وعند محمد یصح ویصرف الی مصالحہ تصحیحاً لکلامہ اھ (ص ۱۵۲ ج ۵)

اوراشکال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ تعیین کی دوصورتیں ہیں ایک تعیین بقرار مکان مخصوص یعنی تعیین بالوصف الاجمالی

عہ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے جو وجہ صحت ھبہ کی بیان فرمائی ہے اس پر امام ابویوسفؒ کی نظر نہیں گئی اگر انکی نظر میں جاتی تو وہ بھی اسکو صحیح کہتے لہذا اگر صحت ھبہ پر قول محمدؒ پر فتوی ہو اور عدم عود الی ملک المعطی میں قول ابی یوسفؒ پر تو تلفیق نہ لازم آئے گی۔

حکاہ عنہ المولوی عبدالکریم

مسجد کی ابدیت کسی حال نہیں بدلتی سوال: وقف مسجد وغیرہ کو عرف کبھی نہیں بدلتا اسکی بابت بقدر ضرورت کچھ دلائل ائمہ کرام کے اقوال سے تحریر فرما دیئے جائیں

الجواب

قال فی الدر: لو استغنی عنہ وخرب ما حولہ یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعۃ وبہ یفتی حاوی القدسی وعاد ای الملک ای ملک البانی او ورثتہ عند محمدؒ وانما یعود المسجد ملکہ عندہ ماخرج عن الانتفاع المقصود بالکلیۃ کحانوت احترق ولا یستاجر بشیء ویحمل ماکان معداً للغلۃ فلا یعود الی الملک الا بنقضہ وتبقی مسجدیتہ وقفاً وجب ولو بشیء قلیل اھ (شامی) وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر باذن القاضی اھ (ص ۳۷۲ و ۳۷۳ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

صحت وقف مسجد کیلئے تسلیم سوال: کیا یہ ضروری ہے کہ مسجد میں امام منتظم یا متولی ضروری ہے یا نہیں متولی مقرر ہی ہو یا بدون اس کے وقف صحیح نہیں ہو سکتا؟

الجواب

صحت وقف مسجد کیلئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے «جعلتہ مسجداً» میں نے اسکو مسجد بنا دیا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تسلیم بھی شرط ہے خواہ متولی کے سپرد کر دے یا لوگ اس میں جماعت کے ساتھ ایک دفعہ نماز پڑھ لیں

قال فی الدر: ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجداً عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوٰۃ فیہ بجماعۃ۔ وقیل یکفی واحد وجعلہ فی الخانیۃ ظاهر الروایۃ اھ

وقال الشامی: وعلیہ المتون کالکنز والملتقی وغیرہا وقد علمت

تصحیح الاول ای اشتراط الجماعۃ وصححہ فی الخانیۃ ایضاً وعلیہ اقتصر فی کافی الحاکم فھو ظاھر الروایۃ ایضاً اھ

لیکن اگر کسی مسجد کا مؤذن و امام ایک ہی شخص ہو اور اس میں وہ اکیلا نماز پڑھ لے تو تنہا اسی کی نماز سے مسجدیت کا تحقق بالاتفاق ہو جائیگا۔

قال فی الفتح:۔ ولو اتحد الامام والمؤذن وصلّی فیہ وحدہ صار مسجداً بالاتفاق لان الاداء علی ھذا الوجہ کالجماعۃ ۔۔۔ قال فی النہر واذ قد علمت ان الصلوٰۃ فیہ قد اقیمت مقام التسلیم علمت انہ بالتسلیم الی المتولی یکون مسجداً دونھا ای دون الصلوٰۃ وھذا ھو الاصح کما فی الزیلعی وغیرہ فی الفتح وھو الاوجہ لان بالتسلیم الیہ یحصل تمام التسلیم الیہ تعالیٰ اھ (ص ۲۰ ج ۲۔ شامی)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے درجے تھے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو زید اور بکر کے قول اور اقوال جو مندرجہ ذیل ہیں کس کا حق اور صداقت پر مبنی ہے اور کس کا شروفساد کا سبب ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ وغیرہ سے ارشاد بدلائل مع حوالہ فرمائیں۔

(قول) زید: ہمارے دیار کی مسجدوں کے منبر تین ہی درجے کے قدیم سے ہمارے دیار کے علماء رکھواتے کا سبب یہ ہے کہ صحیح مسلم کی صریح حدیث کریم نووی شرح مسلم شریف کی تصریح سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ منبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین درجے تھے اور فارسی اردو سیر اور تاریخ کی کتابوں سے بھی تین ہی درجہ ثابت ہوتے ہیں اور چار درجہ رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ شامی حاشیہ درمختار میں تصریح ہے کہ تین درجہ مع اس درجہ کے ہیں جو کہ مسماۃ بالمستراح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(قولہ) بکر: چار درجہ کا منبر رکھنا سنت ہے اور چار سے زیادہ درجہ بھی کیونکہ ردالمحتار اور تحفہ میں ہے ان کے برابر کوئی کتاب معتبر نہیں ہے تین درجہ منبر رکھنا سنت

کے خلاف، مکروہ اور بُرا ہے۔ اور تین درجہ کا منبر جہاں ہو اسکو چار درجہ بنانا چاہئے۔ فارسی اُردو کی سیر اور تاریخ کی کتابوں کا اعتبار کرنا ہی نہیں۔ فقط

الجواب

قال الحافظ فی فتح الباری: ان فی الاحادیث الصحیحة انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یستند الی الجذع اذا خطب ولم یزل المنبر علی حاله ثلث درجات حتی زاده مروان فی خلافة معاویة ست درجات من اسفله ثم ذکر سبب ذالک اھ (ص ۳۳۱ ج ۲)

وروی ابو داؤد عن تمیم الداری انه قال لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الا اتخذ لک منبراً یا رسول اللّٰه یجمع ویحمل عظامک قال: بلی فاتخذ له منبراً مرقاتین اھ

وقال سیدی مولانا خلیل احمد دام مجدہ (فی شرحه قال الحافظ واسناده جید) فاتخذ له منبراً مرقاتین ای درجتین ولیس ما فی الصحیح انه ثلث درجات منافاة،

قلت: الذی قال مرقاتین لم یعتبر الدرجة التی کان یجلس علیها النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اھ (ص ۱۶۸ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ منبر نبوی کے کل درجے تین ہی تھے مع اس درجہ کے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوس فرماتے تھے اور تین درجوں پر چڑھ جاتا ہے وہ دو تھے، پس حاصل یہ ہوا کہ چڑھنے کی سیڑھیاں دو تھیں اور ان کو درجہ جلوس کے ساتھ ملانے سے کل درجات تین تھے، اور شامی میں جو کہا ہے " ومنبرہ صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاث درج غیر المسماة بالمستراح اھ (ص ۶۰۸ ج ۱) "۔ اس میں مستراح سے مراد درجہ جلوس نہیں ہے بلکہ وہ چوکھا ہے جو درجہ جلوس پر پشت کی جانب کمر لگا تکیہ بنادیا جاتا ہے، مطلب شامی کا یہ ہے کہ مستراح کو یعنی مستند ظہر کو تین درجات میں شمار نہ کیا جائے بلکہ تین درجات اس کے علاوہ ہوں، پس یہ عبارت فتح الباری اور عینی کی عبارت کی منافی نہیں اور اگر مستراح سے درجہ جلوس مراد لیا جائے جیسا کہ سائل دوم کہتا ہے اور اس عبارت شامی کو فتح وعینی کے منافی مانا جائے تو شامی کی عبارت کو ترجیح نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بلا سند نقل

کر رہے ہیں اور فتح وعینی میں سند صحیح کے حوالے سے تین درجات بتلائے ہیں اور علامہ شامی نے اعلیٰ مرتبہ روایت میں محقق عینی کا ہے اور حافظ کا رتبہ تو اظہر من الشمس ہے پس صورت مسئولہ میں زید کا قول صحیح ہے بکر کا قول غلط ہے اور اگر وہ اس قول پر اصرار کرے تو مخطی ہے اور اگر نزاع کرے تو مفسد ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ رجب ۱۳۴۵ھ

مسجد میں کفش بردار کا تقرر اور اس کا ترک جماعت کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں یہ دستور ہے کہ متولیان مساجد ایک اور بعض جگہ دو دو دربان ملازم رکھتے ہیں، جو کہ نمازیوں کے جوتے اور چھتریاں وغیرہ اشیاء کی حفاظت کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ملازم دربان جماعت میں شریک ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ اور چونکہ تقریباً تمام مساجد رنگون میں جماعت ایک ہی وقت پر ہوتی ہے اسلئے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ دربان دوسری مساجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کریں اس کے علاوہ جماعت ہوجانے کے بعد بھی کسی قدر دیر تک نمازیوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس وجہ سے بھی دوسری قریبی مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے نہیں جا سکتے جمعہ کی نماز میں چونکہ صفوں کا سلسلہ دربان کی حفاظت گاہ تک قائم ہوجاتا ہے اسلئے دربان جمعہ کی نماز میں شریک ہوجاتا ہے پس ارشاد ہو کہ آیا یہ دربان ترک جماعت کی وجہ سے گناہگار ہونگے یا نہیں؟ اور آیا متولیان مسجد دربانوں کی ترک جماعت کا سبب بننے کی وجہ سے عند اللہ ماخوذ ہونگے یا نہیں؟ اور آیا متولیان مسجد کو مسجد کی آمدنی سے دربانوں کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ آیا یہ مناسب ہے یا نہیں کہ بجائے مسلمانوں کے ہندو دربان جوتیوں وغیرہ کی حفاظت کیلئے ملازم رکھا جائے اس لئے کہ مسجد کا پہلا درجہ جو جماعت خانہ کے نام سے مشہور ہے سننے میں آیا ہے کہ بانی مسجد نے اس جماعت خانہ کو مسجد کیلئے وقف کیا ہے اور باقی حصہ سائبان اور صحن، دالان وغیرہ خارج مسجد ہیں اس وجہ سے سائبان میں میت کو رکھکر نماز جنازہ پڑھتے ہیں ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ

پرآشوب اور پرخطر زمانہ میں مسلمانوں کی خاص مہتم بالشان عبادت کے موقع پر کسی ہندو دربان کا دخیل ہونا ہرگز ہرگز مناسب نہیں بلکہ دور اندیشی کے خلاف ہے علاوہ ہندو کے غیر مسلم قوم کے دربان رکھے جاتے ہیں کیا حکم ہے؟ جہانتک ممکن ہو جواب مدلل ارشاد ہو تاکہ مخالف کیلئے حجت تام ہو سکے، بینوا توجروا،

مسر محمد عبدالرؤف، مدرسہ تعلیم الدین معلیہ
ملک معقل اسٹریٹ، شہر رنگون۔

الجواب

اس مسئلہ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں

اول ۔ دربان کا ملازم رکھنا اور اس کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دینا

دوم ۔ دربان مسلم کا جماعت میں شریک نہ ہو سکنا

امر اول کا حکم یہ ہے کہ یہ دربان جو نمازیوں کی جوتیوں وغیرہ کی حفاظت کرتا ہے مصالح مسجد میں سے نہیں ہے ورنہ پھر نمازیوں کو پنکھا جھلنے والا بھی مصالح مسجد میں داخل ہو جائیگا، ولا یقول بہ احد ھذا، جو آمدنی مسجد اور مصالح مسجد کیلئے وقف ہے اس میں سے اسکو تنخواہ دیا جانا جائز نہیں ہاں اگر کوئی جائیداد خاص اسی کیلئے وقف ہو یا کوئی شخص اسی کے واسطے کوئی رقم علیحدہ دیتا ہو کہ اس سے دربان کو تنخواہ دی جائے تو اس سے دربان کو تنخواہ دینے کا مضائقہ نہیں۔

امر دوم کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو ایسی ملازمت جائز نہیں جس میں باوجود قرب مسجد کے ترک جماعت لابدی ہو اور اگر اسکو ایسی ملازمت مل سکے جس میں جماعت کا ترک لازم نہ ہو تو ترک جماعت سے گناہ ہوگا بالخصوص اقامت اور قرب مسجد کی صورت میں، اور ملازم رکھنے والے بھی اگر نماز جماعت کے شروع ہو جانے کے وقت اس کو خدمت دربانی سے سبکدوش نہ کریں تو سبب ترک جماعت ہونیکی وجہ سے معصیت میں گرفتار ہونگے۔ اب اسکی چند صورتیں ہیں: یا تو اس عہدہ کو اٹھا دیا جائے اور مسجد کے اندر جا بجا چند صندوق رکھوا دئے جائیں جنمیں نمازی اپنے جوتے اور چھتریاں وغیرہ رکھدیا کریں یا دربان کو مستقل کوٹھری دی جائے جس میں وہ ان نمازیوں کی جوتی وغیرہ رکھکر قفل لگا دیا کرے جو جماعت سے پہلے آجاتے ہیں اور جو لوگ درمیان

جماعت میں آئیں انکی جوتوں کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا جائے یا اس خدمت کیلئے کسی
کافر کو مقرر کیا جائے اور یہ خدمت ایسی نہیں جن سے کافر کا عبادت میں دخیل ہونا لازم آئے۔
بلکہ ذلت کی خدمت ہے جس کیلئے کافر غیر مناسب نہیں آخر تعمیر مسجد وغیرہ میں بھی تو کفار
سے خدمت لی جاتی ہے حالانکہ وہ خدمت اس سے اعلیٰ ہے۔ وظنی ان ھذا
کلہ ظاھر۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

مسجد کے حجرے میں اہل وعیال رکھنا جائز ہے۔

سوال: بخدمت گرامی حضرت مولانا صاحب دام مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معروض کہ جس حجرہ کے متعلق استفتاء کیا گیا ہے اسکی حالت یہ ہے کہ ایک خالی میدان مسجد کے متصل تھا جہاں جنازہ نماز کیا جاتا تھا اب جبکہ مسجد شریف کی نو تعمیر ہوئی ہے تب اس میدان کو حجرہ بنایا گیا ہے مسجد کی جنوبی دیوار اور حجرہ کی شمالی دیوار ایک ہی ہے یہاں کے بعض علماء کرام اس حجرہ کو مسجد شریف کے حکم سے خارج جانتے ہوئے سکونت باہل وعیال کے جواز کے قائل ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ حجرہ فناء مسجد میں ہے جو مسجد کے حکم میں ہے اور فناء مسجد کی تعریف کرتے ہیں کہ ایسی جگہ جو اس کے اور مسجد کے درمیان شارع عام نہ ہو وہ فناء مسجد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کرتے ہیں۔ چونکہ ناچیز آنحضرت کا سچا معتقد خادم ہے لہذا گذارش ہے کہ جو حق ہو اسکو مدلل طریق پر تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

آپکا خادم عبدالواحد عفی عنہ ترنالو کا نائب مدرسہ
مشیخی داود شاہ بروکان پیر محمد

الجواب

جائز ہے

قال فی البدر: واما المتخذ لصلاۃ الجنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء لا فی حق غیرہ بہ یفتی فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء مسجد اھ

قال الشامی: هو المکان المتصل به لیس بینهما طریق فهو کالمتخذ صلوٰۃ جنازۃ او عید فیما ذکر من جواز الاقتداء وحل دخوله لجنب ونحوه کما فی آخر شرح المنیۃ (ص ۶۸۸ ج ۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فنا مسجد میں جو حجرہ ہو اس میں دخول جنب وحائض جائز ہے پھر سکونت مع العیال میں کیا شبہ ہے البتہ اس میں چند شرائط ہیں:

(۱) متولی مسجد کی رضا اگر متولی نہ ہو تو اہل محلہ کی اجازت

(۲) بحالت جنابت مسجد میں آمد و رفت نہ کرنا

(۳) حجرہ میں بول و براز نہ کرنا جس سے مسجد میں بدبو آکر نمازیوں کو ایذاء ہو؛ ہاں اگر حجرہ بہت وسیع ہے جس کی ایک جانب میں بول و براز کرنے سے مسجد میں بدبو نہ آسکے تو اس کی بھی گنجائش ہوگی۔ باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات کو تخصیص پر محمول کرنا بلا دلیل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت البتہ تھی کہ آپ کو بحالت جنابت قبل از غسل بھی مسجد میں آمد و رفت جائز تھی اور آپ کے سوا کسی دوسرے شخص کو بحالت جنابت مسجد میں آمد و رفت جائز نہیں۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۲ھ

نقل مسجد کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد کو نقل کرکے دوسری جگہ میں بنانا درست ہے یا نہیں؟۔

دوسرا یہ کہ اگر تنگی مکان کی وجہ سے سب اہل محلہ متفق ہوکر مسجد کو نقل کرکے دوسری جگہ تیار کرلیں اور اس نئی مسجد میں جماعت پنجگانہ بھی ہوتی ہو تو اب اس کو مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں؟ اور اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟۔

بینوا توجروا

المرسل: بندہ محمد عبدالکریم مدرس مدرسہ اسلامیہ کروال لکی

الجواب

(۱) نقل مسجد جس ضرورت کیلئے کیگئی ہے اس ضرورت کو بیان کیا جائے تب جواب دیا جائے گا۔

(۲) تنگی مکان کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا تو جائز ہے مگر پرانی مسجد کو توڑنا جائز نہیں اور اگر ایسا کیا گیا تو دوسری مسجد تو مسجد ہو جائیگی اور اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہوگا لیکن مسجد اول کے توڑنے کا گناہ ہوگا اور مسجد اول کی زمین کا محفوظ رکھنا واجب ہے اس میں زراعت یا تعمیر مکان جائز نہیں نہ اسکی بیع درست ہے بلکہ اس کے گرد احاطہ کھینچ کر یا تو اس میں نماز پڑھی جائے اور اگر نماز نہ پڑھ سکیں تو ویسے ہی بند کر دیں اور کسی دنیوی تصرف میں ہرگز نہ لائیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ رجب [illegible]

امام و مؤذن کا تقرر بانی مسجد کا حق ہے یا اہل محلہ کا

سوال: (۱) ما قولکم رحمکم اللہ اندریں مسئلہ کہ بانی مسجد برائے امامت، و مؤذن و مرمت وغیرہ اہل محلہ سے حق تر است یا نہ؟

(۲) بوقت الضرورۃ اہل محلہ یک مسجد را دو ساختن و دو مسجد نیک میتوان نمود یا چہ؟

الجواب

(۱) اس میں تفصیل ہے کہ اگر بانی مسجد نے مسجد بنانے کے بعد اہل محلہ میں کسی کو مسجد کا متولی بنا دیا ہے تو اس صورت میں متولی بانی سے اولیٰ ہوگا اگر بانی نے وقف کے وقت عزل متولی کا اختیار اپنے لئے ثابت نہ کیا ہو۔

قال فی العالمگیریۃ: وقف ضیعۃ لہ واخرجھا من یدہ الی قیم ثم اراد ان یأخذہ من یدہ فان کان شرط لنفسہ فی الوقف انہ العزل والاخراج من ید القیم کان لہ ذالک وان لم یکن شرط ذالک فعلی قول محمد لیس لہ ذالک وعلی قول ابی یوسف لہ ذالک ومشائخ بخارا یفتون بقول محمد وبہ یفتی اھ ملخصاً (ص ۲۴۰ ج ۲)

قلت: وهذا الحکم الاخراج من ید القیم و تعرض الباقی قبل الاخراج من ید القیم فالظاہر انہ یلغو عند محمد لو لم یشترط العزل ویصح عند ابی یوسف ویصح عندهما لو شرط له العزل واللہ اعلم

ورنہ بانی اولیٰ ہے بشرطیکہ جس کو بانی نے امام یا مؤذن بنایا ہے وہ اہل محلہ کے تجویز کردہ امام و مؤذن سے بہتر ہو یا برابر ہو اور اگر اہل محلہ کا تجویز کردہ بہتر ہو تو اس صورت میں اہل محلہ کی تجویز بانی سے اولیٰ ہوگی۔

واما الثانی فلما فی شرح المنیة وان تنازع الباقی فی نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة فان کان من اختاره اهل المحلة اولیٰ من الذی اختاره الباقی فاختیار اهل المحلة اولیٰ لان نفعه وضرره عائد الیهم وان کانا سواءً فاختیار الباقی اولیٰ، کذا فی البزازیة والخلاصة اهـ (ص ۵۰۰)

(۲) صحیح ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اگر اہل محلہ ایک مسجد کو بغرض نفسانی دو بنا لیں تو گناہ ہوگا اور اگر ضرورت شرعیہ سے ایسا کریں تو مضائقہ نہیں اور دو مسجدوں کو ایک کرنا جب جائز ہے کہ دونوں متصل ہوں، اور اگر دونوں میں کچھ فاصلہ ہے تو جائز نہیں، البتہ اگر اس فاصلہ کو بھی وقف کرکے متصل کردیں تو جائز ہے

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۲ رجب ۴۳ھ

کرایہ کی زمین پر مسجد بنانے کا حکم	سوال: عرض یہ ہے کہ صورت ذیل میں

بناء مسجد کا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(شرائط منجانب کمپنی متعلق زمین جو مسجد کے لئے دی ہے)

(۱) یکم اپریل کو ایک روپیہ سالانہ کرایہ زمین کا ادا کرنا ہوگا۔

(۲) اسی زمین پر مسجد و دیگر مکانات ضروریات مسجد بنائے جائیں نہ دوسرے

(۳) نقشہ جب تک کمپنی سے منظور نہ کرالیں تعمیر شروع نہ کریں۔

(۴) مسجد و دیگر عمارات کی معقول نگرانی و حفاظت کرنی ہوگی۔

(۵) بغیر اجازت کمپنی کوئی حصہ زمین یا عمارت کسی کو نہیں دے سکتے

(۶) نقشہ کے علاوہ کوئی جدید عمارت بغیر منظوری کمپنی نہیں بنا سکتے۔
(۷) جب کمپنی کو شدید ضرورت ہوگی تو مسجد کے علاوہ دوسری عمارت یا زمین پر نوٹس کے چھ ماہ بعد قبضہ کریگی اور جن دیگر عمارت پر قبضہ کریگی اس کی قیمت اس وقت کے نرخ بازار سے دیگی بصورتِ اختلاف فیصلہ کیلئے طرفین میں سے ایک مجلس شوریٰ بیٹھے گی اور اس کا فیصلہ طرفین پر واجب العمل ہوگا۔
(۸) اگر کمپنی کو کسی وقت یہ معلوم ہوگا کہ مسجد و دیگر عمارتوں کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے اس وقت بغیر معاوضہ تعمیر کل عمارات و مسجد پر قبضہ کر لیگی۔
(۹) حسب ۷ و ۸ جب کمپنی قابض ہوجائیگی اس وقت یہ شرط نامہ بیکار ہوجائیگا۔ والسلام

عظیم الدین سکریٹری انجمن حمایت الاسلام
جمشید پور۔ نمبر ۱۳۔ یم ورڈ
یکم مارچ ۱۹۲۵ء

الجواب: ۱ و ۸ مندرجہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی اس زمین کو مسلمانوں کی ملکیت نہیں کرتی بلکہ بطور اجارہ مستمرہ کے دیتی ہے اور جب زمین مسلمانوں کی ملک میں داخل نہیں ہوئی تو وقف صحیح نہیں ہوسکتا اور بدون وقف کے مسجد شرعی مسجد نہیں ہوسکتی اس صورت میں اس مسجد میں نماز تو درست ہوگی مگر اس کیلئے مسجد کے احکام ثابت نہ ہونگے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۱ر شوال ۴۳ھ

سوال: ایک ریاست میں مسلمانوں نے سو برس سے چند مساجد تعمیر کر رکھی ہیں لیکن ان مساجد کا وقف نامہ باقاعدہ بعد انتہائے ریاست میں محفوظ	ان قدیم ریاستی چھاونیوں کی مساجد کا حکم جنکے وقف محفوظ نہ رہے ہوں۔

نہیں اور نہ مسلمانوں کے پاس ہے البتہ یہ امر متیقن ہے کہ اس جگہ مساجد کی تعمیر ریاست کے راجہ کے اذن سے ہوئی ہے کیونکہ شہر میں کوئی مسجد یا مندر بدون اجازت راجہ کے تعمیر نہیں ہوسکتی نیز راجگان سابقین بھی ان مساجد کو مساجد تسلیم کرتے آئے ہیں

اور ان میں سے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز بھی باقاعدہ ہمیشہ سے ہوتی آرہی ہے اور
بقیہ مساجد کے پاس بھی مسلمانوں کی آبادی کافی مقدار میں ہے لیکن راجہ حال ان
مساجد کو منہدم کرنا چاہتا ہے اور بہانہ یہ ہے کہ مساجد کے لئے جو زمین ریاست کی
طرف سے دی گئی تھی وہ ہمیشہ کے واسطے نہیں دی گئی تھی بلکہ یہ مساجد جن حدود میں
ہیں وہ ملٹری کے رہنے کی جگہ ہے اور ملٹری کی زمین کسی کو ہمیشہ کیلئے نہیں دی جاتی
بلکہ اس وقت تک کیلئے دی جاتی ہے جب تک وہاں چھاؤنی رہے اور اگر یہ چھاؤنی
منتقل ہو جائے تو زمین بھی سب کرایہ داروں سے واپس لے لی جاتی ہے اور ہر شخص کو
اپنی عمارت کا ملبہ اٹھانے کا اختیار ہوتا ہے پس یہ زمین مساجد کیلئے وقف نہ تھی بلکہ
عارضی طور پر دی گئی تھی جس پر مسلمانوں نے غصباً دعویٰ وقف کر لیا ہے۔ راجہ کے پاس
اس دعویٰ کا کوئی تحریری ثبوت نہیں صرف ملٹری کا قانون دلیل میں پیش کرتا ہے اور
یہ جگہ جہاں یہ مساجد ہیں ہمیشہ کیلئے فوج کی چھاؤنی نہیں ہے صرف بیس سال سے
یہاں چھاؤنی ہے اور مساجد بعض ستر برس کی بناء شدہ ہیں اس صورت میں ان مساجد
کے وقف یا عدم وقف کے متعلق شرعی فتویٰ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً

مساجد متنازعہ شرعاً حقیقی اور شرعی مساجد ہیں جنکے متعلق قرآن شریف
میں ارشاد ہے۔ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلاطین اور
فرمان روایانِ مملکت اپنی مملکت کے شرعاً مالک نہیں ہوتے بلکہ بدون مالکیت محض
تصرف میں متصرف ہوتے ہیں چنانچہ ملک اور مالک کا فرق صریح اس پر دلالت کرتا ہے
مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی مملوکات میں بحیثیت مالکیت تصرف کرتا ہے اور ملک وہ
ہوتا ہے جو اپنی مملکت میں بحیثیت تسلط باعتبار اوامر ونواہی واعطاء ومنع تصرف
کرتا ہے نہ کہ باعتبار مالکیت، بادشاہ جس ملک کو فتح کرتے ہیں وہ فتح عنوۃً ہوتا ہے
اسکی زمینیں اور جائیدادوں پر اصلاً ملاک کا انکو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں پر
تقسیم کردیں یا وہاں کے لوگوں کو ٹیکس لگا کر دیدیں اگر اپنے لوگوں کو دیں تو وہ انکی
ملک میں داخل ہو جائینگی بلکہ جو شخص کسی افتادہ غیر مملوک زمین کو قابل کاشت بنائے

تو وہ اسکی ملک ہیں باذن فرمانروا داخل ہوجائیگی اور اگر صلحاً فتح ہوتا ہے تو اس ملک کی مملوکات ان لوگوں کی جو وہاں رہتے ہیں ملک میں باقی رہتی ہے عالمگیری میں ہے

سلطان اذن لقوم ان یجعلوا ارضاً من اراضی البلدة حوانیت موقوفة علی المسجد وامرهم ان یزیدوا فی مسجدهم ننظر ان کانت البلدة فتحت عنوة یجوز امره اذا کان لا یضر بالمارة لان البلدة اذا فتحت عنوة صارت ملکاً للغزاة فجاز امر السلطان فیها وان فتحت صلحاً بقیت البلدة علی ملکهم فلم یجز امر السلطان فیها کذا فی محیط السرخسی وغیره

(ص ۲۰۲ باب احکام المسجد کتاب الوقف)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مملوکہ زمین تو جب تک مالک کی طرف سے مسجد کا اعلان نہ ہو اور قولاً یا فعلاً مسجد نہ قرار دی جائے اس وقت تک مسجد نہ ہوگی، لیکن ان زمینوں میں جن پر کسی کی خاص ملک نہیں اور والیان ملک کے تصرف میں وہ زمینیں ہیں انکی طرف سے اذن کے ساتھ یا بلا اذن صریح سکوت کے ساتھ جو مسجد بنائی جائیگی وہ مسجد ہوگی اور اس کے تمام احکام مسجد کے احکام ہونگے اور اسکا احترام قیامت تک واجب ہوگا خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد اور اگر کوئی تعمیر ہو یا نہ ہو۔ مساجد متنازعہ مسلمانوں نے اس زمین پر بنائیں جو فرمانروایان ملک کے تحت تصرف ہیں اور انکی عمارت پر خواہ خام تھی یا پختہ سو سال سے زائد گذر گئے اور فرمانروایان ملک کی طرف سے کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوا تو کم از کم یہ بدیہی امر ہے کہ فرمانروایان کی طرف سے اس پر سکوت رہا جو بمنزلہ اذن کے ہے،

بلکہ مہاراجہ صاحب کے بیان سے جو مکرر شائع ہوا ہے صاف ظاہر ہے کہ انکے بنانیکی مہاراجگان سابق نے ضرور اجازت دی تھی کیونکہ مہاراجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ریاست میں عام حکم ہے کہ کوئی مسجد یا مندر راجہ کی اجازت کے بغیر تعمیر نہیں ہوسکتی اس سے صاف ثابت ہے کہ جب حکم عام ہے تو مساجد متنازعہ بالضرور اذن کے بغیر نہیں بنائی گئیں اور جب اذن سے بنائی گئیں تو وہ مساجد، مساجد ہوگئیں پس راجہ کی طرف سے یہ عذر کہ مسجد کی زمین راجہ کی ملکیت ہے اور نیز یہ عذر کہ ریاست نے مسجدوں کے لئے زمین نہیں دی تھی رسالہ کے افسر نے اپنی ذمہ داری پر دیدی تھی قابل تسلیم نہیں اور نیز راجہ کی طرف سے یہ عذر کہ فوجی حدود میں تو فوجی قانون کے موافق کوئی زمین غیر فوجی اغراض کیلئے دوامی نہیں دی جاسکتی یہ بھی

تسلیم نہیں اول یہ کہ یہ قانون محض ایک انگریزی قانون ہے۔ دوسرے یہ قانون حادث ہے اور جس زمانے میں مسجدیں بنی تھیں اس وقت یہ قانون نہیں تھا۔ تیسرے یہ کہ جو فوج اس احاطہ میں رکھی گئی تھی وہ کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، چوتھے یہ کہ باعتبار حکم شرعی کے اگر فوجی احاطوں میں فوج باذن راجہ کی ملک میں مسجدیں بنالیں تو وہ مسجدیں ہی دواماً مسجدیں رہینگی اگر یہ قانون ہمیشہ سے ہوتا۔ اور اس کا کچھ ثبوت ہوتا تو ضرور رہتا کہ راجہ کی طرف سے اپنی ثبوت میں اس قانون کو نکال کر وفد کو دکھلا دیتے اور زبانی کہنے پر اکتفا نہ کرتے اور نیز اگر کوئی ایسا قانون ہوتا تو ضروری تھی کہ وہ قانون مع زمین کی واپسی کے متعلق کوئی تحریری معاہدہ راجہ کے دفتر میں موجود ہوتا پس اس سے صاف ثابت ہے کہ مساجد متنازعہ باجازت مہاراجگان سابق بنائی گئی تھیں اور یہ مساجد حقیقی اور شرعی مساجد ہیں جنکا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل بطور ملکیت کے اور نقل و تصرف جائز نہیں اور تا قیامت ان کا احترام ضروری ہے۔

املاہ الاحقر الضعیف خلیل احمد عفی عنہ

بقلم ضیاء

عزیزم مولوی ظفر احمد صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مساجد بہر تپور کے متعلق اور میری رائے یہی تھی کہ یہ مساجد حقیقی مساجد نہیں ہیں لیکن بعد غور میں نے اس رائے سے رجوع کیا اس کے متعلق جو میرے خیالات ہیں اس پرچہ میں لکھدئے ہیں آپ بھی دیکھ لیں اور حضرت کی خدمت میں بھی پیش کردیں فقط والسلام۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الاسعاف (ص ۱۳۲): ارأیت ھذہ الوقوف التی تقادم اھلھا ومات الشھود الذین یشھدون علیھا ما السبیل فیھا؟ قال: ما کان فی ایدی القضاۃ منھا وما کان لھا رسوم فی دواوین القضاۃ اجریت علی الرسوم الموجودۃ فی دواوینھم استحسانا اذا تنازع اھلھا فیھا وما لم یکن لھا رسوم فی دواوینھم یعمل علیھا فالقیاس فیھا اذا تنازع القوم فیھا ان یحملوا علی التشبیت فمن ثبت فی ذلک

شیئا حکم له به اھ

اس نص کا مقتضا یہ ہے کہ مساجد متنازعہ فیھا کو مساجد موقوفہ ہی قرار دیا جائے کیونکہ مساجد کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا اور عامۃ المسلمین کا ان میں آزادی کے ساتھ باجماعت نماز جمعہ وغیرہ ادا کرنا حکماً ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی وقف پر قضاۃ المسلمین کا قبضہ ہو اور صورت نزاع میں راجہ نے اپنی ملک کا کوئی ثبوت نہیں دیا بجز اس کے کہ وہ اس قانون کی آڑ پکڑتا ہے فوجی پارک کی حدود میں کوئی زمین کسی کی ملک نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل ثبوت ملک راجہ کیلئے ناکافی ہے کیونکہ بہت دفعہ راجگان خلاف قاعدہ بھی جو دوصفا کر دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ اس قاعدہ کے خلاف راجگان سابقین نے یہ زمین مسلمانوں کو ھبہ کر دی ہو جسکی تائید مسلمانوں کی تعمیر مسجد و استحکام عمارات وغیرہ سے ہوتی ہے، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، نیز راجہ نے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں دیا کہ ملٹری (فوجی) حدود میں کسی زمین کا کسی کے ملک میں نہ ہونے کا قانون ان مسجدوں کی بناء سے سابق ہے یا مسبوق ممکن ہے کہ بناء مساجد اس قانون سے متقدم ہو تو پھر یہ دلیل اصل ہی سے باطل ہو جائیگی اور اس کے ثبوت کے بعد بھی بوجہ احتمال سابق کے یہ قانون دلیل ابطال وقف نہیں بن سکتا جبتک کہ راجہ اس کا کافی ثبوت نہ دے کہ مسلمانوں نے غصباً اس زمین میں مسجد تعمیر کی ہیں

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں نے ملک غیر ہی میں مساجد بنائی تھیں تو یہ وقف فضولی ہوا جو مالک کی اجازت کے بعد نافذ و صحیح ہو جاتا ہے۔

قال فی الاسعاف: فان قال قد جعلت ارض فلان صدقۃ موقوفۃ للّٰہ عز وجل ابداً علی فقراء المسلمین فبلغ صاحب الارض ذالك فقال قد اجزت ما صنعہ فلان فی ارضی قال: تکون وقفاً اھ (ص ۱۲۲)

قلت: ولا یشترط لوقف المسجد قولہ وقفت بل یکفی لہ البناء واذن الناس فی الصلوۃ والجماعۃ کما سیأتی والاجازۃ من المالك کما تکون صراحۃ قد تکون دلالۃ ایضاً ومعاملۃ السلاطین الماضیۃ بالمتنازع فیہ معاملۃ المساجد دلیل رضاھم بھذا الوقف۔

اور بقدر متنزل اگر تسلیم کر لیا جائے کہ راجگان سابقین نے تعمیر مسجد کی تو اجازت

دیدی تھی لیکن زمین مسلمانوں کی ملک نہ تھی تب بھی یہ مساجد وقف ہیں جنکے انہدام کا راجہ کو کوئی حق نہیں، بہت سے بہت وہ مسلمانوں سے زمین کا کرایہ لے سکتا ہے کیونکہ اگر ارضِ غیر موقوف میں عمارت بنا کر عمارت کو وقف کر دیا جائے اور وہ عمارت مالک ارض کی اجازت سے ہوئی اور مالک بھی بادشاہ ہے اور زمین، ارضِ محتکرہ کی قبیل سے ہے تو وقفِ عمارت صحیح ہو جاتا ہے اور بادشاہ کو انہدام وقف کا کوئی حق نہیں رہتا

قال فی الدر: سئل قارئ الهداية عن وقف البناء والغراس بلا ارض فاجاب، الفتوى على صحة ذالك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنف معللاً بانه منقول فيه تعامل فيتعين به الافتاء اھ

وفی رد المحتار: وذكر فی اوقاف الخصاف؛ ان وقف حوانيت السوق يجوز ان كانت الارض باجارة فی ايدی الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها من قبل انا رأيناها فی ايدی اصحاب البناء توارثوها وتقسم بينهم لا يتعرض لهم السلطان فيها ولا يزعجهم وانما له غلة يأخذها منهم وتداولها خلف من سلف ومضى عليها الدهور وهی فی ايديهم يتبايعونها ويؤجرونها وتجوز فيها وصاياهم ويهدمون بناءها ويعيدونه ويبنون غيره فكذالك الوقف فيها جائز اھ

میں کہتا ہوں کہ ملٹری حدود کی زمین بھی چھاونی میں رہنے والوں کو اسیطرح راجہ کی طرف سے دی جاتی ہے جیسا کہ ارضِ سوق کا حال عبارتِ ہذا میں مذکور ہے، پس ایسی زمین میں عمارت بنا کر اگر مسلمان وقف کر دیں تو عمارت وقف ہو جائیگی اور راجہ کو اس کے انہدام کا حق نہ ہوگا غایت ما فی الباب وہ کرایہ زمین کا لے سکتا ہے اور عمارت کا وقف ہونا ظاہر ہے۔ لكونها مسجداً يصلی فيه المسلمون مع جماعتهم، والله اعلم

قال فی العالمگيرية: من بنی مسجداً لم يزل ملكه عنه حتی يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه اھ (ص ۲۲۸ ج ۳)

قلت:- دل على ان البناء وافرازه كاف ولا يشترط له القول فقط -

مسجد کے حجروں کا مسجد سے الحاق اور بیع ارضِ موقوفہ علی المسجد برائے تعمیر

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی بناءِ اول کے وقت جو حجرات بغرض سہولت اماماں و متولیان و مسافر بنائے گئے تھے تنگی مسجد یا عدم تنگی کی صورت میں مسجد کے ساتھ ملائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) قطعہ سفید زمین قریباً چھ مرلے بنائے مسجد سے کچھ زمانہ بعد بغرض مفاد مسجد خریدی گئی یا مفت حاصل کی گئی پھر اس میں باوجود حجرات قدیمہ مقبوضہ متولیان و اماماں ایک حجرہ اور بنایا گیا باقی زمین سفید پڑی رہی اور اس میں متولیان اور اماماں مسجد اپنے جانور باندھتے رہتے ہیں اور اہل محلہ بھی عندالحاجت باجازت متولیان اسکو استعمال کرتے رہتے ہیں اور اسکی صفائی کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا مسجد کی عمارت کہنہ ہونے کے باعث متولیان و اہل محلہ اسکی تعمیر جدیدہ کا خیال رکھتے ہیں اور زمین مذکورہ کو فروخت کرکے اس کا زر ثمن مسجد پر لگانا چاہتے ہیں کیا اس صورت میں زمین مذکورہ کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ زمین معطل پڑی ہوئی ہے اور مسجد کی ضرورت ہے اور اہل محلہ بھی بیع کرنے کو پسند کرتے ہیں لہذا کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اس زمین سفید کی قیمت ڈیڑھ ہزار بلکہ دو ہزار فی مرلہ تک مل سکتی ہے مگر یکے از متولیان خود عالم فاضل ہیں اور بحیثیت متولی و امام ہونے کے عرصہ ۳۴ سال سے امامت کر رہے ہیں زمین مذکورہ کو اپنا رہائشی مکان بنانے کیلئے خریدنا چاہتے ہیں اس زمین کی قیمت میں رعایت خاص کے طالب ہو کر صرف ایک ہزار فی مرلہ دینا چاہتے ہیں۔ کیا شرعاً امام مذکور کو خاص رعایت پر دینی جائز ہے یا نہیں؟ امام مذکور کے پاس اپنا قدیم رہائشی مکان بیچنے کے باعث رقم بھی ہے اور قدیم مکان کے متصل دو ڈھائی مرلہ زمین ان کے پاس اور موجود ہے مگر اس کی تعمیر میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اس میں ہوا اور روشنی کا کافی انتظام نہیں نیز مسجد سے دور فاصلہ پر چھ مرلہ سفید زمین بھی ان کے پاس موجود ہے مولوی صاحب طالب رعایت فرماتے ہیں کہ اگر مجھے خاص رعایت نہ دی گئی تو میں اپنا مکان دور ہونے کے باعث امامت چھوڑ دونگا اور مسجد کی ویرانی ہوگی طول عمری اور جہاں مکان بنائینگے وہاں کے قریب مسجد کا حق انہیں یہاں آنے سے بخیال ان کے روکتا ہے تبلیغ و وعظ ترک ہو جانے سے نقصان عظیم ہوگا۔

المستفتی: غلام احمد
مدرس [illegible]

الجواب

(۱) جب مسجد میں تنگی کی وجہ سے گنجائش کم ہے تو بہر بوجہ ضرورت اُن حجروں کا ملانا جائز ہے۔ علامہ شامیؒ نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے:

ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه او حانوت جاز ان یوخذ ویدخل فیه. (شامی ج ۳ ص ۳۸۳)

(۲) جو زمین مصالح مسجد کیلئے خریدی گئی یا کسی کی عطا کردہ ہے وہ بھی مسجد کی طرح وقف ہے پس جس طرح کہ مسجد کے حصوں میں سے کسی حصہ کی بیع جائز نہیں اسی طرح اس زمین کا بھی فروخت کرنا جائز نہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے وقف کی بیع کو ناجائز فرمایا ہے

قال فی البحر: وفی الخلاصة وفی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وان کان ذالک بامر القاضی ثم قال: ومن المشائخ من لم یجوز بیعه تعطل او لم یتعطل (بحرالرائق)

وفی الشامی: ولا یملک ای لا یقبل التملیک بغیره بالبیع ونحوه،

(شامی جلد ۳ ص ۲۰۵)

وفیه ایضاً ولذا قال فی القنیة: فالبیع باطل ولو قضی القاضی بصحته.

الجواب صواب	کتبہ عتیق الرحمن عثمانی
محمد انور عفا اللہ عنہ	دارالعلوم دیوبند

جب بیع اسکی درست نہیں تو معلوم ہوا کہ متولیان اس کی بیع کی مزاحمت کرینگے اور یہ کسی اصلی قیمت یا رعایتی قیمت پر کسی طرح فروخت نہیں ہوسکتی، اور امامون و متولیوں کو ایسے تصرفات جائز نہیں۔

الجواب صحیح

عزیز الرحمن

مفتی دارالعلوم دیوبند

ردالمحتار جلد ثالث ص ۵۱۰: جاز بیع المصحف الخرق وشراء

اخو بشتیلہ ، شامی ص ۲ ج ۵۵۲ : باع الخشب وصرف لثمن الی مسجد
آخر ، اگر مسجد کے منافع کی ضرورت کیلئے وہ جگہ ضروری نہ ہو اور قیمت اچھی ملتی
ہو اور مسجد کی بنا کی حاجت ہے تو میرے خیال میں جائز ہے کہ بیع کر کے مسجد کی
بنا پر خرچ کریں مولوی صاحب جو مبالغ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بھی قیمت
میں مجرا کر دیں اور اہل محلہ کچھ چندہ کر کے مولوی صاحب کے ملک کر دیں پھر
مولوی صاحب قیمت میں دیدیں۔ فقط

حسین علی بقلم خود

مقبول الرحمن ہزاروی عفی عنہ

اس زمین کی نسبت سوال میں واضح نہیں کیا گیا کہ وہ وقف علی المسجد کی گئی
اور وقف کنندہ کون ہے متولیان کے بزرگان میں سے کسی نے اپنے ملک میں لاکر
اپنی جانب سے وقف کی یا اصل مالک سے مسجد کیلئے وقف کرائی یا اصل مالک سے
مسجد کیلئے بطور چندہ حاصل کر کے بیچ کر تعمیر مسجد پر لگائی جائے یا سرے سے وقف
ہی نہیں اصل مالک نے خیرات کر دی یا بزرگ متولیان نے اپنے ملک میں لاکر
آئندہ کیلئے وصیت کر دی کہ جب ضرورت ہو بیچ کر مسجد پر صرف کی جائے اس لئے
جواب میں تفصیل ہوگی اگر واقع میں یہ حکم علی العموم وقف کیا گیا اور اس کی
تسجیل ہو گئی ہے تو اب وہ فروخت نہیں ہو سکتا کیونکہ وقف کے بارے میں مصرح
ہے " فاذا تم ولا یملک ولا یعار ولا یرھن متویا لا بصائر "
اور اگر واقف نے اپنے بیان وقف میں صراحت کر دی ہو کہ اس کی بیع بھی
کر کے محل حاجت پر صرف کیا جائے تو یہ وقف نہیں ہوگا بلکہ وصیت ہو جائیگی
" وشرطہ شرط سائر التبرعات الی ان قال ولا ذکر معہ اشتراط
بیعہ وصرف ثمنہ لحاجتہ فان ذکر بطل وقفہ ، بزازیہ در المختار۔
اگر وقف کی تسجیل از جانب قاضی وحاکم نہ ہوئی ہو تو قاضی وحاکم وقف کنندہ کی
اولاد میں سے کسی کو بیع کی اجازت دے سکتے ہیں ، درمختار میں ہے ۔
اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الواقف فباع صح
وکان حکماً ببطلان الوقف لعدم تسجیلہ حتی لو باعہ الواقف او

بعدہ او رجع عنہ او وقفہ لجھۃ اخری حکم بالثانی قبل الحکم ببطلان الاول صح الثانی لوتوجد فی محل الاجتہاد کما حققہ المصنف (الی ان قال): ولو اطلق ای بغیر الوارث لا یصح بیعہ لانہ اذا بطل عاد الی ملک الوارث و بیع مال الغیر بلا عوض۔

اور اگر وقف نہیں بلکہ مسجد کیلئے خیرات کیا گیا جس طرح بھی کام آ جائے، تو بمنزلہ وصیت ہے اسکی فروختگی قیم مسجد کے اختیار میں نہیں شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں اور جو مال مسجد کے مفاد کیلئے ہو وہ مسجد کے شعائر پر صرف کیا جائیگا اور امام مسجد اس کے شعائر میں سے ہے۔ در مختار میں ہے:

الشعائر التی تقدم شرطلم یشترط بعد العمارۃ ھی امام وخطیب ومدرس ووقاد وفراش ومؤذن وناظر وثمن زیت وقنادیل وحصیر۔

امام کے ساتھ رعایت گویا عمارت و آبادی مسجد کے حق میں ہے پس جو چیز مفاد مسجد کیلئے ہو اس میں امام کیلئے رعایت جائز ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس استحقاق کو امام صاحب تغلب کا حیلہ نہ بنائیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم
حمید الدین از مالیر

الجواب من جامع امداد الاحکام

اول یہ جاننا چاہئے کہ خود مسجد کا حکم الگ ہے اور اوقاف مسجد کا حکم الگ ہے مسجد کے متعلق تو مفتی بہ یہ ہے کہ باوجود خراب ہو جانیکے اور مستغنی عنہ ہو جانے کے بیع نہیں ہو سکتی باقی اوقاف مسجد کا حکم دیگر اوقاف کا حکم ہے۔

قال الشامی وفی البرجندی: والظاھر ان حکم عمارۃ اوقاف المسجد والحوض والبئر وامثالھا حکم الوقف علی الفقراء اھ ص۵۹۵ ج۳

وفیہ: وقال الناطفی: القیاس فی المسجد ان یجوز اجارۃ سطحہ لمرمتہ محیط۔ وقال الدر: ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنھما وکذا الرباط والبئر

ذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیہ اھ (ص ۵۷۲ ج ۳)

تو جب ایک مسجد کے وقف کو بوقت استغنا ء دوسری مسجد میں صرف کردینا جائز ہے تو خود اسی مسجد کے وقف کو اس میں صرف کردینا کیوں جائز نہ ہوگا اور جب وقف معطل ہوجائے تو باذن قاضی یا برضاء اہل محلہ اسکو بیع کرکے بھی مسجد میں لگا دینا جائز ہے

قال صاحب الشامیۃ فی بیان الاستبدال بالوقف وبیعہ: اعلم ان الاستبدال علی وجوہ الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ ولغیرہ او لنفسہ وغیرہ فالاستبدال جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی ان لا یشترط لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شئ اصلاً او لا یفی بمؤنتہ فھو ایضاً جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ اھ (ص ۵۹۱ ج ۳)

قلت: واذا لم یوجد القاضی فتقوم الجماعۃ مقامہ کما عرف

پس اس وقف کو بیع کرکے بجائے اسی کے مسجد کی عمارت جدید بنا دینا ہمارے نزدیک جائز ہے جبکہ وہ زمین مسجد سے بیکار و معطل ہے اور مسجد کو تجدید کی ضرورت ہے باقی متولی یہ جائز نہیں کہ اسکو امام کے ہاتھ غبن فاحش سے بیع کرے پس ڈیڑھ ہزار کی زمین کو ہزار میں بیع کرنا غبن فاحش ہے بلکہ جو کوئی زیادہ قیمت دے اسکے ہاتھ بیع کرنا چاہئے اور امام کو اگر امداد کی حاجت ہو تو مسلمان اسکی امداد کریں مسجد کے مال میں کیوں طمع کی جاتی ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۳ محرم ۴۳ھ

الجواب عن بعض مضائق المدارس سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک شخص نے مثلاً ایک ہزار رقم ایک مدرسہ دینیہ کے شعبہ تالیف کے لئے شروط ذیل پر وقف کیا یہ وقف صحیح ہوگیا یا نہیں؟

(۱) تالیف دینیات کے مصارف اسمیں سے ادا کئے جائیں۔

(۲) اور جو مؤلفات تیار ہوں ان کو طبع کرایا جائے۔

(۳) اور ان مطبوعات کو فروخت کرکے انکی قیمت کو پھر اسی مد میں جمع کردیا جائے اور اسیطرح اس سے دوسرے مؤلفات تیار کی جائیں تالیفاً بھی طبعاً بھی وھکذا الی ماشاء اللہ۔

(۴) اور ان مطبوعات میں سے جتنے نسخے متولی صاحب مدارس دینیہ میں وقف کے طور پر داخل کردے۔

(۵) اور جو نسخے فروخت نہ ہوں تو ان نسخوں کو دوسری کتب دینیہ سے بدل کر اسی مدرسہ میں وقف کردیں۔

(۶) خواہ مساکین اہل علم پر تقسیم کردیں۔

(۷) اسیطرح جب اس سلسلہ کو بند کرنا چاہے اور اس مد میں جو نقد موجود ہو اس کی کتابیں خرید کر مدرسہ میں وقف کردیں۔

سوال: (۲) مدارس میں جو رقوم یہ کہکر دی جاتی ہیں کہ ہم یہ رقم مدرسہ میں دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے نیز اسکی حقیقت کیا ہے؟ یہ وقف ہے یا ھبہ؟

الجواب

قال الشامی: قلت: ان الدراھم لا تتعین فھی وان کانت لا ینتفع بھا مع بقاء عینھا لکن بدلھا قائم مقامھا لعدم تعینھا فکانھا باقیۃ ولا شک فی کونھا من المنقول فحیث جری فیھا التعامل دخلت فیما اجازہ محمد قال فی الفتح: ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ما ذکرہ محمد لما رأوا جریان التعامل فیھا (الی ان قال) وقف الدراھم والدنانیر تعورف فی الدیار الرومیۃ اھ (ص ۵۶۹ ج ۳)

وفی الھندیۃ: وان وقف (المصحف) علی المسجد جاز ویقرأ فیہ (وفی موضع آخر)[عہ] ولا یکون محصوراً علی ھذا المسجد اھ

عہ ھذا اللفظ زادہ الناقل من الخلاصۃ وصرح بان حذفہ خطأ۔

قال الشامی: والاول هو الظاهر حیث کان الواقف عین ذالک المسجد ثم قال علی ذالک وقف الکتب ایضاً قال واما نقلها منه ففیه تردد ناشیٔ مما قدمه عن الخلاصة من حکایة القولین من انه لو وقف المصحف علی المسجد ای بلا تعیین اهله قیل یقرأ فیه ای یختص باهله المترددین الیه وقیل لا یختص به وقد علمت تقویة القول الاول بما مر عن القنیة اھ (ص ۵۸۱ و ۵۸۰ ج ۳)

وفی الهندیة: ذکر الناطفی اذا وقف مالا لاصلاح المساجد یجوز وان وقف لبناء القناطیر او لاصلاح الطریق او لحفر القبور واتخاذ السقایات للمسلمین او لشراء الاکفان لهم لا یجوز وهو جائز للفتوی کما فی قاضی خان اھ (ص ۴۰۳ ج ۳)

وفی الخانیة: وقف ضیعة ولم یذکر حکمها اذا خلت عن اهلها قال الامام ابوبکر محمد بن الفضل ان کان الواقف جعلها وقفاً فی صحته وحیوته وقال وقفت هذه الضیعة علی مسجد کذا ولم یزد علی هذا ولم یجعل الوقف بلفظ الصدقة صح وتصرف الی الفقراء ولم یکن للورثة حق اھ (ص ۲۹۹ ج ۳)

وفی الهندیة: ولو قال وهبت داری للمسجد او اعطیتها له صح ویکون تملیکاً ویشترط التسلیم کما لو قال وقفت هذه المائة للمسجد یصح بطریق التملیک اذا سلمه للقیم کذا فی الفتاوی العتابیة اھ

وفیه ایضاً: قبیله بشیٔ رجل اعطی دراهما فی عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفاً یمکن تصحیحه تملیکاً بالهبة للمسجد واثبات الملک للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیة اھ (ص ۴۶۰ ج ۲)

وفی الحامدیة: وقد صرحوا بان المتولی کالوکیل فی مواضع ووقع الخلاف فی ان المتولی وکیل الواقف او وکیل الفقراء فقال ابویوسف بالاول وقال محمد بالثانی اھ (ص ۲۰۲ ج ۱)

قلت: قال في الدر: لا ينعزل الناظر بعزل القاضي مطلقاً به يفتى. قال الشامي: أي سواء كان بجنحة أو لا وسواء كان شرط العزل أو لا وهذا عند أبي يوسف لأنه وكيل عنه وخالفه محمد كما في البحر أي لأنه وكيل الفقراء عنده اهـ وفي البيري به يفتى والذي في التجنيس والفتاوى على قول محمد أي بعدم العزل عند عدم الشرط وجزم به في تصحيح القدوري للعلامة قاسم وكذا المؤلف أي ابن نجيم في رسائله وهو من باب الاختلاف في الاختيار اهـ بيري أي فيه اختلاف التصحيح۔ —— قلت: وهو مبني على الاختلاف في اشتراط التسليم إلى المتولي فإنه شرط عند محمد فلا تبقى للواقف ولاية إلا بالشرط وغير مشروط عند أبي يوسف فتبقى ولايته فاختلاف التصحيح هنا مبني على اختلافه هناك اهـ

(ص ٦٣٨ ج ٣)

قلت: ولا بد من اختيار قول محمد في كون المتولي وكيلاً عن الفقراء في وقف الدراهم والدنانير لأن جوازه مبني على قول زفر على ما كان شرطه عنده وإلا لزم التلفيق وهو باطل هذا إذا كانت الدراهم والدنانير وقفها المعطي على المدرسة أو وهبها لها بأن أعطاها المتولي لأداء الزكاة ففيه تأمل وسنبحث عنه۔ وقال في الهندية: وعندهما هو حبس العين على حكم ملك الله تعالى

مع فيه أنه ليس من الحكم الملفق الذي نقل العلامة قاسم أنه باطل بالإجماع لأن المراد بما جزم ببطلانه ما إذا كان من مذاهب متباينة بخلاف ما إذا كان ملفقاً من أقوال أصحاب المذهب الواحد فإنها لا تخرج عن المذهب فإن أقوال أبي يوسف ومحمد وغيرهما مبنية على قواعد أبي حنيفة أو هي أقوال مروية عنه وإنما نسبت إليهم لا إليه لاستنباطهم إياها من قواعده أو لاختيارهم إياها قاله ابن عابدين في تنقيح الفتاوى الحامدية (ص ٩٠ ج ١) ظفر

شیء وجعله كله مستحقة الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث
كذا في الهداية. وفي العيون واليتيمة: ان الفتوى على قولهما
كذا في شرح الشيخ ابي المكارم للنقاية.

وفيه ايضا: واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابي
يوسف وهو قول الائمة الثلثة وهو قول اكثر اهل العلم وعليه
الفتوى كذا في فتح القدير، وعليه الفتوى كذا في سراج الوهاج وقال
محمد لا يزول حتى يجعل للوقف وليا ويسلمه اليه وعليه الفتوى، كذا في
السراجية، وبقول محمد يفتى كذا في الخلاصة اهـ (ص ٩٠٠ ج ٢)

وفي الدر: ولو خلط زكوة موكليه ضمن وكان متبرعا الا اذا
وكله الفقراء اهـ ـــــ قال الشامي: (قوله وكان متبرعا) الخ
لانه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه قال في التاتارخانية: الا
اذا وجد الاذن او اجاز المالكان اهـ اي اجاز قبل الدفع الى
الفقير لما في البحر: لو ادى زكوة غيره بغير امره فبلغه فاجاز
لم يجز لانها وجدت نفاذا على المتصدق لانها ملكه ولم يصر
نائبا عن غيره فنفذت عليه اهـ لكن قد يقال تجزئ عن الآمر
مطلقا لبقاء الاذن بالدفع ثم ذكر نقلا عن التاتارخانية وقال:
ويتصل بهذا العالم اذا سأل للفقراء شيئا وخلط يضمن
قلت: ومقتضاه انه لو وجد العرف (اي بالخلط) فلا ضمان
لوجود الاذن حينئذ دلالة والظاهر انه لا بد من علم المالك
بهذا العرف ليكون اذنا منه دلالة اهـ (ص ١١ ج ٢)

وفي الاشباه مع الحموي: وتتفرع عليه تعجيل الشاة عن
اربعين وتم الحول وعنده تسعة وثلثون (اي اقل من النصاب)
ان دفعها الى الفقير لا يستردها مطلقا يعني سواء كان ما دفعه قائما
في يد الفقير او غير قائم وانما لا يستردها لانها وقعت نفلا وان
دفعها الى الساعي استردها ان كان ما دفعه قائما وان كان ما دفع

فهي قد ظهر بأن تمحضها على يد الفقير او صحيا عن الزكوة عند الامام
وابي يوسف خلافاً لمحمد اھ (ص ۲۳۸)

قلت: وهذا يفيد ان الساعي ليس وكيلاً عن الفقير من
كل وجه الا كان قيام الزكوة في يده كقيامها في يد الفقير ولم
يكن للمالك حق الاسترداد مطلقاً لا من الفقير ولا من الساعي. لكن
صرح في رد المحتار: ان مال الزكوة لو ضاع من يد الساعي سقطت عن المعطي
لان يده كيد الفقير (ص ۱۸ ج ۲) ولعله فرق بين التعجيل
وبين الاداء بعد الوجوب وحولان الحول. والله اعلم۔

وذكر في رد المحتار في معنى التأبيد واشتراطه نصا
ما حاصله ان التأبيد شرط بالاجماع الا ان ذكره لا يشترط عند ابي يوسف
لان لفظ الوقف والصدقة منبئ عنه ولهذا قال في الكتاب وصار بعدها
للفقراء وان لم يسمهم وهذا هو الصحيح وعند محمد ذكره شرط
هذا اذا ذكر لفظ الوقف والصدقة معاً واذا ذكر لفظ الوقف فقط فلا
ان تعيين الموقوف عليه لانصرافه الى الفقراء عرفا فهو مؤبد ولو
قال: صدقة موقوفة على فلان فانه بيان لتعيين محله مطلق
ان الصدقة للفقراء فكانه قال: وبعد فلان على الفقراء
لكن اذا لم يقيد بمعين فهو مؤبد بلا خلاف فيصح عند محمد ايضا
قال الشامي: والحاصل انه لاخلاف عندهما في صحة الوقف مع عدم
تعيين الموقوف عليه اذا ذكر لفظ التأبيد او ما في معناه كالفقراء
او كلفظة صدقة موقوفة وكموقوفة لله تعالى وكموقوفة على وجوه
البر لانه عبارة عن الصدقة وكذا موقوفة على الجهاد وعلى اكفان
الموتى كما في الخانية وانه لاخلاف بينهما في بطلانه لو اقتصر
على لفظ موقوفة مع التعيين كموقوفة على زيد وانما الخلاف
بينهم لو اقتصر على لفظ موقوفة بلا تعيين او جمع بين
الصدقة والوقف مع التعيين كصدقة موقوفة على فلان فعند

ابی یوسف یصح شرعیو دالی الفقراء وھو المعتمد اھ (ص ۵۹۵ و ۵۶۶ ج ۳)

وفیہ ایضاً عن الاشباہ معزیاً الی السبکی فرع حدث فی الاعصار القریبۃ: وقف کتب شرط الواقف ان لا تعار الا برھن او لا تخرج اصلاً والذی اقول فی ھذا ان الرھن لا یصح بہا لانہا غیر مضمونۃ فی ید الموقوف علیہ ولا یقال لہا عاریۃ ایضاً بل الآخذ لہا ان کان من اھل الوقف استحق الانتفاع ویدہ علیہا ید امانۃ فشرط اخذ الرھن علیہا فاسد وان اعطی کان رھناً فاسداً ویکون فی ید خازن الکتب امانۃ اھ (ص ۵۷۰ ج ۳)

اس کے بعد اب جواب حسب ذیل ہے۔

وقف دراہم و دنانیر جائز ہے خواہ بطور مضاربت کے ہو جیسا کہ امام زفرؒ سے منقول ہے مصرح بہ فی الشامی (ص ۵۵۴ ج ۳) یا اس طرح سے ہو کر دراہم و دنانیر سے کوئی عین حاصل کرکے اس کو وقف کر دیا جائے مثلاً روپے اس لئے وقف کئے کہ کتابیں حاصل کرکے وقف کی جائیں تو وہ بدل قائم مقام دراہم کا ہو کر وقف ہو جائیگا: ملاحظہ ہو جزئیہ اولیٰ۔ شرط اول صحیح ہے، لکن نظیر الوقف شراء الاکفان و شراء الکتب وھی من وجوہ البر فیصح علی الجزئیۃ الثالثۃ۔ مگر بہتر ہے کہ اس کی تصریح کر دی جائے کہ جو مؤلفات تیار ہونگی وہ مدرسہ پر وقف ہونگی اور عدم تصریح کی صورت میں بھی وقف ہونگی کیونکہ مال موقوف کا بدل ہے اور تابید کیلئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لفظاً وقف تنہا کافی ہے پس یہ مؤلفات دائماً وقف ہونگے اسمیں میراث وغیرہ کا اجراء نہ ہوگا اور تابید کیلئے ان مؤلفات ہی کا دائماً وقف رہنا کافی ہے جب مؤلفات میں رقم صرف ہو کر ختم ہو جائے تو اس سے وقف کا انقطاع نہ ہوگا کیونکہ وقف کتب کو وقف منقطع نہیں مانا گیا بلکہ مؤبد مانا گیا ہے ملاحظہ ہو جزئیہ ثانیہ۔

رہی شرط دوم و سوم یہ بھی صحیح ہے کیونکہ یہ بھی مثل شراء اکفان کے وجوہ بر سے ہے اور جو کتب مطبوع ہونگی وہ بھی وقف ہونگی لکو نہا بدلاً من المال الموقوف، اور وقف میں استبدال کی شرط کر لینا واقف کو جائز ہے

اذا كان الاستبدال خيراً ولاشك في خيرية الاستبدال الدراهم
بالكتب والكتب بالدراهم لكونه سبب الامتداد وهذا الاصل الدينى
اى تاليف الكتب، پس یہ کہنا کہ انکو فروخت کرکے پھر اسکی قیمت کو اس مد میں
لگایا جائے شرط صحیح ہے اور اب بجائے کتب کے وہ رقم وقف ہو جائیگی نیز شرط
رابع نمبر خامس بھی صحیح ہے کیونکہ یہ کتب مطبوعہ مال وقف ہے اور اس کے لیے
تعیین محل اگر نہ کی جائے تو کسی محل خاص کے ساتھ متعین نہ ہوگا اور گو رقم کو ایک خاص
مدرسہ کیلئے وقف کیا گیا ہے مگر اس سے کتب حاصل یا رقم کا اس مدرسہ کے ساتھ
مخصوص ہونا جب لازم آتا جبکہ واقف تعمیم محل کی صراحت نہ کرتا اور یہاں کتب
مطبوعہ میں اسکی اجازت صراحتہً ہے پس رقم میں تصرف اور تالیف کرانیکا
اختیار تو اسی مدرسہ کے ساتھ مقید ہے اور کتب مطبوعہ میں تعمیم رہیگی اور
اس سے تابید کا انقطاع نہ ہوگا کیونکہ یہ کتابیں وقف ہی ہونگی نہ کہ ملک، البتہ
شرط ششم درست نہیں کیونکہ جب یہ کتابیں وقف ہیں تو انکی تقسیم تملیکاً نہیں
ہو سکتی البتہ قبضہ متولی ان کتب کا طور پر اہل علم کو دے سکتے ہیں جیسا کہ جزئیہ
ملا سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب وقف کو جو کوئی لیگا وہ اسی کے ہاتھ میں امانت
ہونگی اور اگر تصرف طبع وغیرہ کو بطور مضاربت کے مانا جائے نہ بطور استبدال کے
تو جب بھی طلباء و علماء کو کتب مطبوعہ کی تقسیم کرنا مطلقاً درست نہیں بلکہ اس قید
کے ساتھ درست ہے کہ تصدق ربح میں سے ہو صرح به الشامی (ص ۵۰۹ ج ۲)
شرط سابع میں بھی یہی کلام ہے کہ ان کتب کی تقسیم کرنیکا اختیار دینا صحیح نہیں ہاں
تقسیم بھی وقفاً ہو تو درست ہے یا تصدق ربح میں سے ہو۔

رہا یہ کہ دراہم ودنانیر جو مدارس میں دئے جاتے ہیں ان سے معطی کی
ملک زائل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ___ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو رقم یہ کہکر
دی جائے کہ ہم اسکو مصالح مدرسہ پر وقف کرتے ہیں یا یہ کہکر دی جائے کہ یہ
رقم ہم مدرسہ میں دیتے ہیں ان دونوں صورتوں میں قبضہ متولی سے وہ رقم ملک
معطی سے خارج ہو جائیگی۔ اما الاول فلکونه وقفاً صحیحاً عند محمد
والوقف يتم ويلزم عنده بالتسليم وقد وجد۔ واما الثانى

فلکونه تمدیکاً للمدرسة وقد صرحوا بجواز الهبة للمسجد وانه تصح به قبضه. فان قیل: المسجد لیس باهل للملك فکیف یکون تملیکاً. قلت: نعم لکونه تملیکاً خلاف القیاس ولذا لا یجوز دفع الزکوٰة فی بناء المسجد ومصالحه ومعناه انه وقف من وجه حیث یخرج عن ملك المعطی بمجرد الاعطاء والتسلیم وهبة من وجه حیث لم یشترط فیه بقاء العین او بدله فهی اقرب جدید بالصدقة متوسط بین الوقف والصدقة یستثنی من اخذ ما قلنا به عن خلاف القیاس لاجل التعامل استحساناً فلو یقبل من الملاف انهم امر واباحوا اولا ارث فیما اعطی للمسجد ولم یصرف بعده والله اعلم. ملاحظہ ہو جزئیہ دلی وراءبعد وسابع وخامس اور جو رقم یہ کہکر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اس کو مستحقین طلبہ وغیرہ میں صرف کردیا جائے اسمیں متولی کے قبضہ سے ملک معطی زائل نہ ہوگی بلکہ تقسیم للفقراء سے ملک زائل ہوجائیگی اور باہم اموالِ زکوٰۃ کے خلط سے ضامن ہوگا، لان الخلط استہلاک اب اگر یہ خلط باذن ہوا ہے تب تو متولی ضامن نہ ہوگا اور اس کا بعد میں زکوٰۃ ادا کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ کسی کے امر سے اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے کہ اس صورت میں ادا غیر سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے بشرط فی الاداء نہ ہوگا . اور اگر بلا اذن خلط کیا ہے تو ضامن ہوگا اب اگر قبل ادا اذن ہوگیا تب بھی ضامن نہیں ورنہ اس کا ادا تبرع ہے اور ضمان بسپر باقی ہے ملاحظہ ہو جزئیہ ث

والله اعلم

۲۲ ، صفر ۲۳ھ

(تتمہ)

مدت سے یہ خیال چلا آرہا تھا کہ مدارس اور مساجد میں جو رقوم یہ کہکر دی جاتی ہیں کہ یہ رقم مدرسہ یا مسجد میں دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کس عقد میں داخل ہے اگر یہ وقف ہے تو وقف کے لئے ابید شرط ہے کہ عین یا اس کا بدل باقی رہے اور یہاں یہ صورت نہیں بلکہ یہ رقوم تنخواہ مدرسین اور وظائف

طلبہ اور تنخواہ امام و مؤذن اور چراغ و تیل میں صرف کی جاتی ہے جس میں بقاء عین یا بدل نہیں ہوتا اور اگر یہ ہبہ ہے تو ہبہ کس کو ہے اگر مدرسہ اور مسجد کو ہبہ ہے تو ان میں موہوب لہ ہونیکی قابلیت کہاں ہے، دوسرے ہبہ کے احکام میں سے یہ ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہوجائے اور اگر اس میں قبضہ کی قابلیت نہیں تو جب تک اس کے مصالح میں صرف نہ ہوجائے اس وقت تک ملک واہب باقی رہتی ہے تو چاہئے کہ یہ رقوم واہبین کی ملک میں وقت صرف تک باقی رہیں اور اس درمیان میں اگر کوئی واہب مرجائے تو اس کی رقم میراث جاری ہونا چاہئے اگر یہ کہا جائے کہ متولی و مہتمم فقراء کا وکیل ہے تو اس میں اولاً تو یہ کلام ہے کہ رقوم مساجد میں متولی کا وکیل فقراء ہونا محل تامل ہے دوسرے اگر وہ وکیل فقراء ہے تو موکل مجہول ہے اور وکالت عن المجہول صحیح نہیں اور اسکو وکالت امام و قاضی پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہاں ولایت عامہ ہے یہاں یہ بھی نہیں پھر وکالت من الفقراء کو تسلیم بھی کیا جائے تو چاہئے کہ رقوم زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ میں مہتمم مدرسہ کو تملیک کی ضرورت نہ ہونا چاہئے بلکہ محض اسی کے قبضہ سے زکوٰۃ ادا ہوجانا چاہئے۔ کما قالوہ فی الساعی ان یدہ کید الفقیر، حالانکہ قاطبۃً عمل کے خلاف ہے پھر چاہئے کہ جب مہتمم کے پاس اتنی رقم ہوجائے جس سے ہر فقیر کے حصہ میں قدر نصاب پہونچ جائے تو اب آئندہ اسکو قبولِ زکوٰۃ جائز نہ ہو اور عمل قاطبۃً اس کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر وکیل واہب ہے تو اس کا قبضہ واہب کا قبضہ ہے اس کے قبضہ سے رقم ملک سے نہ نکلنا چاہئے آج مدت کے بعد یہ اشکال اسطرح حل ہوا کہ فقہاء نے ہبہ للمسجد کو صحیح مانا ہے جیسا کہ یہ الفاظ اس پر دال ہیں، لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالھبۃ للمسجد و اثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح اھ چونکہ یہ وقف نہیں اسلئے بقاء عین و بدل ضروری نہیں اور چونکہ ہبہ ہے اسلئے قبض متولی شرط ہے اور بعد قبض متولی ملک معطی زائل ہوجائے گی — رہا یہ کہ زوال ملک معطی کے بعد پھر یہ کس کی ملک میں داخل ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ گو

وقف کے سوا تصرفات وہبات میں کوئی نظیر ایسی نہیں جس میں زوال ملک مالک
کے بعد کسی کی بھی ملک ثابت نہ ہو لیکن جب فقہاء نے اسکو ھبہ مان لیا ہے اور
ظاہر ہے کہ بعد قبض متولی کے یہاں کسی اور کی ملک بھی ثابت نہیں کیونکہ مسجد صالح ملک نہیں
لیکن فقہاء اسکو تملیک مسجد قرار دیتے ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ یہ عقد کی جدید قسم ہے
جو وقف و ھبہ کے بین بین ہے اور دونوں کے احکام فی الجملہ اس کیلئے ثابت ہیں
ھبہ کے احکام تو اسطرح ثابت ہیں کہ مجرد قول سے ملک معطی زائل نہیں ہوتی بلکہ
قبض و تسلیم متولی شرط ہے بخلاف الوقف نیز اس کے عین و بدل کا بقاء شرط نہیں
بخلاف الوقف اور وقف کے مشابہ اس امر میں ہے کہ بعد قبض متولی یہ موھوب
ملک واھب سے نکل کر ملک اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور گو ھبہ میں ایسا ہونا خلاف
قیاس ہے مگر تعامل کی وجہ سے یہاں قیاس کو ترک کر دیا گیا کیونکہ امت کا عمل بلا نکیر
اس پر ہے کہ موھوب للمسجد وموھوب للمدرسہ میں قبض متولی سے ملک واھب کو
منقطع مانتے ہیں سلف میں سے کسی نے اسمیں اجراء میراث یا وجوب زکوٰۃ وغیرہما کا امر
نہیں کیا جبکہ وہ رقم موت واھب تک صرف نہ ہوئی ہو اور سلف سے تو بل بعید ہے
خصوصاً تساہل عام اسلئے ماننا پڑیگا کہ تعامل کی وجہ سے فقہاء نے ھبہ کی اس جدید قسم کو
صحیح مان لیا جو من وجہ وقف ہے اور من وجہ ھبہ ہے اور چونکہ اموال زکوٰۃ و صدقات
واجبہ کے متعلق فقہاء کی تصریح موجود ہے کہ ان کو تملیکاً للمسجد دینا جائز نہیں والمدرسۃ
فی حکمہا بلکہ تملیک فقیر کو صراحۃً جائز کہا ہے اس لئے ان اموال میں یہ بھی نہ کہا جائے گا
کہ مجرد اعطاء فی المدرسۃ سے ملک معطی زائل ہو جائے گی بلکہ یہاں صرف الی الفقراء
ہی سے زوال ملک کا تحقق ہوگا پس مہتممان مدارس کو لازم ہے کہ اموال زکوٰۃ میں یا تو
معاً تملیک کو جاری کر دیا کریں یا دینے والے کی حیات و موت کا پتہ لگاتے رہیں اور اگر
مزکی کی موت تک رقم زکوٰۃ صرف نہ ہوئی ہو تو ورثہ کو واپس کیا جائے، الا ان یجیز
الورثۃ الکل او البعض وھم بالغون. افاد ذالک کلہ الشیخ دام علاہ۔

حکم: نقاض مسجد اور ایک مسجد کا مال دوسرے میں صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک مسجد کا بچا ہوا مال از قسم اینٹ لکڑی وغیرہ اس مسجد میں جو ضرور

ناتمام ہے اور غلبہ کفار سے قریب بہ انہدام ہے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح پہلی مسجد کی آمدنی سے مثلاً کرایہ مکان یا چندہ مسلمانان میں سے اس پُرخطر مسجد میں لگانا اور اسکو مسجد کی اصلی صورت میں لانا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) خلاصہ یہ کہ ایک مسجد کی آمدنی اشیاء زائدہ دوسری مسجد نو تعمیر میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور خصوصاً اس وقت جبکہ چند در چند مشکلات کا سامنا ہوگا۔

مسجد اول سالہا سال سے مکمل اور بفضلہ تعالیٰ آباد ہے جمعہ اور جماعات برابر اور بلا تکلف ہوتے ہیں، اینٹ مذکور محض مسجد اول کے متعلق مکانات بنوانے یا مرمت مکانات کرنے کیلئے خریدی گئی تھی نفس مسجد کی کسی جز میں لگانا مقصود نہیں تھا مہربانی فرماکر جواب باصواب سے بہت جلد مطلع فرمائیں، نہایت ضروری مسئلہ ہے۔ بینوا توجروا۔ علیم الله، ضلع گورکھپور

الجواب

فی العالمگیریة: واذا خرب المسجد واستغنی عنه اهله وصار بحیث لا یصلی فیه قیل هو مسجد ابداً وهو الاصح کذا فی خزانة المفتیین و فی فتاوی الحجة لو صار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اهل السکة بیع القدیم وصرفه فی المسجد الجدید لا یجوز اما علی قول ابی یوسفؒ فلان المسجد وان خرب واستغنی عنه اهله لا یعود الی ملک البانی واما علی قول محمدؒ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک البانی وورثته فلا یکون لاهل المسجد علی کلا القولین ولایة البیع والفتوی علی قول ابی یوسف اھ (ص ۴۳۹ ج ۳)۔

وفیه ایضاً: مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلتها ثم نابت الاسلام نائبة مثل حادثة الروم واحتیج الی النفقة فی تلک الحادثة اما ان لم یکن للمسجد حاجة للحال فللقاضی ان یصرف فی ذالک لکن علی وجه القرض اھ (ص ۴۴۲ ج ۳)

وفیه ایضاً: (ص ۴۴۲ ج ۳) سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف

او نقله الى مسجد آخر او حوض آخر قال نعم. اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسجد اجڑ جائے تو اسکی رقم دوسری مسجد میں نہیں لگائی جا سکتی اور اس کا ملبہ اینٹ وغیرہ بھی دوسری مسجد میں لگانا جائز نہیں ہاں یہ جائز ہے کہ آباد مسجد کی رقم بطور قرض کے دوسری مسجد میں لگا دی جائے بشرطیکہ دوسری مسجد کی آمدنی سے قرض کے وصول ہونے کا غالب گمان ہو اور ملبہ وغیرہ بطور قرض کے لگانا درست نہیں ہاں اسکو دوسری مسجد کیلئے خرید کر لگانا جائز ہے گو رقم قرض ہے[1] کیونکہ سوال سے معلوم ہوا کہ یہ ملبہ مسجد کے انقاض میں سے نہیں ہے بلکہ متعلقات مسجد کی مرمت کے واسطے خریدا گیا تھا، وبیع مثل ذالک جائز۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۲ ربیع الاول ۴۳ھ

مسجد کے درختوں کے بیچنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تین درخت شیشم کہ جو نصف ملکیت مسجد اور نصف ملکیت بھیو خان خان ہیں درختان مذکور کی قیمت مبلغ چالیس ۴۰ روپیہ قرار دیکر بھیو خان مذکور حصہ دار کو متولی مسجد نے بلا دیانت اہل محلہ فروخت کر دئے بھیو خان نے یہ وعدہ کیا کہ مبلغ بیس ۲۰ روپے بابت قیمت حصہ مسجد دو مہینہ میں متولی مسجد کو ادا کر دونگا اس وقت عرصہ دو سال کا ہو گیا باوجود تقاضہ کے روپیہ ادا نہیں کیا فصل ربیع میں جو تقاضا کیا گیا تو فصل خریف کا وعدہ کیا اب بھیو خان نے درختان مذکور کو خفیہ خفیہ مبلغ تراسی ۸۳ روپیہ میں سودا کر کے ہاتھ فروخت کر کے مبلغ بیس ۲۰ روپے بابت حصہ مسجد متولی مسجد کو دیا اہل محلہ کو معلوم ہوا کہ اس میں دھوکہ ہوا ہے متولی مسجد کو روپیہ لینے سے روکا اور یہ کہا کہ تم کو مبلغ تراسی ۸۳ روپیہ کا نصف لینا چاہئے بیس مت لو۔ بھیو خان کہتا ہے کہ درختان

---

[1] قلت: وبه افتى به الشيخ فى رسالته القول الاصلى صرف غلة مسجد الى مسجد آخر فهو مختص بما اذا تيقن بالظن الغالب عدم احتياج الاول اليه ابدا لاستغنائه او اجتماع غلة فى حد عظيم وليس المراد جوازه مطلقا لان كلمات الفقهاء متفقة بتقييده بخراب المسجد واستغنائه عنه لتفرق الناس عنه۔

مذکور میری ملکیت ہو چکی تھی جس قیمت کو چاہوں فروخت کروں۔ اہل محلہ کہتے ہیں کہ جس حالت میں تم نے روپیہ حصہ مسجد کا ادا نہیں کیا اور عرصہ دو سال گذر چکا تم کل کے مالک نہیں ہو سکتے ایسی حالت میں مسجد بھیو خان سے مبلغ بیس روپیہ لینے کی مستحق ہے یا تمامی روپیہ کے نصف کی مستحق ہے

مرسلہ: احقر محمد حسین خان و سمیع اللہ خان

متولیان مسجد اقعامان قصبہ نانوتہ

تنقیح

(۱) کیا یہ درخت بعینہ مسجد کے کام میں نہ آسکتے تھے مثلاً ان درختوں کے تختے اور کڑیاں اور کواڑ چوکھٹ وغیرہ بنوا کر مسجد کی ضرورت میں لگائے جاتے یا مسجد کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

(۲) متولی نے جس وقت ان درختوں کی بیع کی ہے اس وقت ان کی بازاری قیمت بیس روپیہ ہی تھی یا کم و زیادہ، اگر کم و زیادہ تھی تو اس بیشی کو بتلایا جائے کہ اس وقت بازاری قیمت بیس روپیہ سے زیادہ تھی اس کے بعد سوال کا جواب دیا جائیگا۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۷ ربیع الثانی ۳۳ھ

جواب تنقیح

(۱) درختان مذکور بعینہ مسجد کے کام میں آسکتے تھے اور مسجد میں ضرورت بھی تھی اور اب بھی ضرورت ہے مگر بھیو خان حصہ دار نے نہ درختوں کو مسجد کے صرف کیلئے کاٹنے دیا اور نہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے دیا۔

(۲) درختان مذکور کی قیمت جس وقت چالیس روپیہ قرار دی گئی تو یہ درخت بازاری قیمت سے تقریباً ساٹھ روپیہ کی مالیت تھے مگر متولی نے کچھ اپنی ناواقفیت سے اور کچھ جھگڑا کاٹنے کی نیت سے چالیس روپیہ قیمت کر دی تھی اور اہل محلہ سے مشورہ بھی نہیں کیا تھا دوسرے بھیو خان مذکور سے یہ بھی امید تھی کہ یہ روپیہ حصہ مسجد کا وعدہ پہ دیدیگا کیونکہ اس سے پہلے اور مطالبہ بابت درختان شیشم مسجد کی شراکت کا مبلغ چھ بیس روپیہ اسکو وصول ہوا تھا جسکو عرصہ دس سال کا ہو گیا اس نے مبلغ بارہ روپیہ جو حصہ

مسجد کے ہوتے تھے ابتک نہیں دئے اسلئے یہ سوچا گیا تھا کہ بعد وعدہ کے یہ کہا جائیگا کہ
تم نے روپیہ مسجد کے حصہ کا وعدہ پر نہیں دیا اب تم مسجد سے اپنے حصہ کے بیس روپیہ لیلو اور
درخت کل مسجد میں رہنے دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر ان کو ٹالتے ہوئے دو سال ہو گئے
اور یہ حصہ مسجد کا نہیں دیا اب انہوں نے درختوں کو خفیہ طور فروخت کر کے بیس روپیہ متولی
کو دیے جس پر تمام اہل محلہ کہتے ہیں کہ روپیہ بیس نہ لئے جائیں بلکہ تراسی روپیہ کے نصف
مبلغ ساڑھے اکتالیس روپیہ لینے چاہئیں لہذا یہ بات دریافت طلب ہے کہ ایسی حالت
میں روپیہ مسجد کو کتنا ملنا چاہئے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں درختوں کی بیع درست نہیں ہوئی۔

قال الشامی فی شرائط الاستبدال الوقف وبیعہ: اعلم ان الاستبدال
علی وجوہ الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ اولغیرہ او لنفسہ وغیرہ
فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لا یشترطہ سواء
شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا
یحصل منہ شئ اصلا اولا یفی بمؤنتہ فہو ایضا جائز علی الاصح
اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ اھ (ص ۵۹۴ ج ۳)

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ درختان مذکور بعینہٖ مسجد کے کام میں آ سکتے تھے
اور مسجد کو ان کی ضرورت تھی اس صورت میں مال موقوف علی المسجد کی بیع کرنا درست
نہ تھا اور ضرورت نہ بھی ہوتی تو جواز بیع کیلئے مصلحت مسجد کی رعایت ضروری تھی اور اس
بیع میں مسجد کی مصلحت فوت کی گئی ہے اس لئے بھی درست نہیں ہوئی لہذا اس بیع کو
کالعدم سمجھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ربیع الثانی ۵۳ھ

مسجد کا مال دوسرے وقف کیلئے بطور قرض دینا جائز ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سورتی مسجد کے دو متولی ملا ابراھیم وقف کے بھی متولی
ہیں سورتی مسجد کے ان دو متولیوں نے ملا ابراھیم وقف کے بقیہ متولیوں پر حساب فہمی کا

دعوی کیا اور پیروی مقدمہ کیلئے سورتی مسجد کے وقف کا روپیہ لگایا پس ارشاد ہو کہ

(۱) وقف مذکور کی حفاظت کیلئے مسجد والے متولیوں کا اوقاف مسجد کی رقم سے ملا ابراہیم وقف کے حساب میں لکھکر خرچ کرنا جائز تھا یا نہیں۔

(۲) اگر ناجائز تھا تو ایسا غیر مشروع تصرف کرنے سے آیا ملا والے تینوں متولیوں یا ان کے خواہاں کے ذمہ یہ امر ضروری ہے یا مستحسن ہو گیا کہ عدالت سے چارہ جوئی کرکے ان دونوں متولیوں کو تولیت سے علیحدہ کردے (اگر ان سے ہو سکے اسلئے کہ عدالت میں واقف ہی کا مسجد کے متولیوں کا مقدمہ دائر کرنا خود مسجد کا دائر کرنا ہے اور ایسی حالت میں مسجد ہی کی جمع شدہ رقم سے خرچ کیا جاتا ہے) اور بجائے ان کے اور کوئی ایسے دو متولی بنادیں جو کہ اپنی گرہ سے یا سورتی قرضہ وغیرہ لیکر وقف کی نگرانی رکھا کریں یا عدالت میں ہزاروں روپیہ خرچ ہو جانے کے اندیشہ خیانت میں ان تینوں کے شریک ہو جایا کریں یا عدالتی گرفت سے بچنے کیلئے چشم پوشی کرکے ہر سال کے ختم پر غلط بات کو ملمع سازی کے ساتھ صحیح صحیح دکھا دیا کریں۔

(۳) عدالت صرف قانونی خرچہ دلاتی ہے پس قانونی خرچہ سے زائد جو رقم خرچ ہوئی ہے ارشاد فرمائیں کہ اس رقم کا ذمہ دار کون ہے؟ آیا مسجد ہے کہ اسکے متولیوں کو یہ رقم خرچ کرنا پڑتی ہے اور ان کو بحکم عدالت متولی بننا پڑا تھا یا اس زائد رقم کے ذمہ دار خود یہ دونوں متولی ہونگے یا مذکور ملا ابراہیم وقف سے وصول کیا جائے یا ملا مرحوم کے خاندان والے تینوں متولیوں سے لیا جائے یا پانچوں سے لیا جائے بجالت ثانیہ یعنی مسجد کے دونوں متولیوں کے ذمہ دار ہونے کی صورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا جائے کہ آیا اس ذمہ داری میں سورتی مسجد کا اس مستعفی متولی جسکا ذکر سطر ۳ میں ہے وہ بھی شامل ہوگا یا نہیں اگر شامل ہوگا تو کس قدر کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قال فی الخلاصة : واما اقراض ما فضل من الوقف قال فی وصایا النوازل رجوت ان یکون ذالک واسعاً اذا کان احرز لغلته امساکه فان فضل من غلته فصرف الفضل الی حوائجه علی ان یرده اذا احتاج الی العمارة قال : لا یفعل ذالک ویتنزه غایة التنزه

فان فضل مع ذالک ثم انفق فیہ ان ذلک یبرأہ عما وجب علیہ

اھ (ص ۲۲۳ ج ۲)

اصل یہ ہے کہ وقف کی فاضل رقم کسی کو قرض دیدینا اس وقت جائز ہے جبکہ قرض دینے میں رقم کی حفاظت متوقع ہو اور ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو پس اگر متولیان سورتی مسجد کو وقف مسجد کی آمدنی بطور قرض کے وقف ملا ابراہیم کے مدرسہ میں لگاتے ہوئے رقم کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ تھا بلکہ امید قوی وصولیابی کی تھی تو اس صورت میں متولین مذکور ضامن نہیں ہوئے کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ دوسرے وقف کے برباد ہونیکا اندیشہ ہو اس کی حفاظت کیلئے وقف مسجد کی فاضل آمدنی اسمیں قرض کے طور پر لگا دینا جائز ہے

قال فی العالمگیریۃ: مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت غلتہ ثم نابت للاسلام نائبۃ واحتیج الی النفقۃ فی تلک الحادثۃ ان لم یکن للمسجد حاجۃ للحال فللقاضی ان یصرف فی ذلک لکن علی وجہ القرض فیکون دینا فی مال الفئی اھ (ص ۲۶۲ ج ۲)

قلت: وخوف ضیاع وقف علی مصالح المسلمین ملحق بنوائب الاسلام والمتولی المنصوب من الحکومۃ کالقاضی۔

اور اگر اسکو اسلامی ضرورت میں قرض دینا نہ تسلیم کیا جائے تو پھر بھی جائز ہے جبکہ متولیان کو رقم کے ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو اور وصولیابی کی قوی امید ہو آخر سورتی مسجد کا روپیہ بنک میں بھی تو جمع کیا گیا ہے اور وہ بھی بنک کو قرض ہی کے طور پر دیا گیا ہے کیونکہ جیسی رقم بنک میں کہاں محفوظ رہتی ہے لیکن چونکہ اندیشہ رقم کے ضائع ہونیکا نہیں بلکہ وصولیابی کی قوی امید ہے اسلئے اسکو جائز رکھا گیا ایسے ہی یہ صورت بھی ہے کہ کسی دوسرے وقف کو مسجد کی آمدنی بطور قرض کے لگا دی جائے جس سے وصولیابی کی قوی امید ہے۔

رہا یہ سوال کہ عدالت میں جو تاوان خرچہ دلایا ہے اس سے زائد جو رقم صرف ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار وقف ملا ابراہیم ہے جسکی حفاظت کیلئے یہ روپیہ لگایا گیا بشرطیکہ وہ زائد خرچہ بھی ضرورت اور مجبوری کے درجہ میں ہوا ہو محض کام کی خوشامد کی بیں نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ جمادی الثانی سنہ

نقل مسجد کی ایک صورت | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک صحیح وسالم مسجد جس میں پنجگانہ نماز باجماعت نماز جمعہ وعیدین ہوتی ہو اسکو اسکی جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ میں بنا کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً مسجد کو مسجد کی سابق جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ میں بنا کر دینا ناجائز نہیں مسجد میں چاہے نماز پڑھی جائے یا نہیں چونکہ مسجد تا ابد مسجد رہتی ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے:

وقال ابو یوسفؒ: هو مسجد ابداً الی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتویٰ الخ

فتح القدیر میں ہے: فان الاجماع علی عدم خروج موضعها عن المسجدیة الخ

رد المحتار میں ہے: ان المسجد اذا خرب یبقیٰ مسجداً ابداً لکن علمت ان المفتی به قول ابی یوسفؒ انه لا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد اخر الخ

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ رمضان ۱۳۴۲ھ

مسجد کب شرعی مسجد کہلائیگی | سوال: بانی مسجد سے ہمیشہ نماز پڑھنے کا اذن عام ملنے پر مسجد شرعاً کب سے مسجد تسلیم کی جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بانی مسجد سے ہمیشہ نماز پڑھنے کے اذن عام ملنے پر جس وقت سے اس میں نماز باجماعت پڑھی جائے اس وقت سے وہ شرعاً مسجد تسلیم کی جاتی ہے جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے:

وبالصلوٰة بجماعة یقع التسلیم بلاخلاف حتی انه اذا بنی مسجداً واذن للناس بالصلوٰة فیه فانه یصیر مسجداً الخ

قاضی خان میں ہے: شرط التسلیم فی المسجد ان یصلی فیه بالجماعة باذنه الخ۔

رد المحتار میں ہے: حتی اذا بنی مسجداً واذن للناس بالصلوٰة فیه جماعة فانه یصیر مسجداً الخ

— واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

حررہ محمد شفیق اللہ غفرلہ صدر جمعیت ہذا

چھوٹی ارا کانی مسجد ۱۳ مکان عشر گلی رنگون

قلت: کلا الجوابین صحیح

قال فی العالمگیریۃ عن فتاوی الحجۃ: لو صار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اہل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید فانہ لا یجوز اما علی قول ابی یوسفؒ فلان المسجد وان خرب واستغنی عنہ اہلہ لا یعود الی ملک البانی واما علی قول محمدؒ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک الباقی وورثتہ فلا یکون لاہل المسجد ولایۃ البیع والفتوی علی قول ابی یوسفؒ انہ لا یعود الی ملک مالک ابداً کذا فی المضمرات اھ (ص ۲۳۰ ج ۳)

قلت: واما ما ورد فی جواز نقل مسجد الی آخر فمعناہ نقل اوقافہ وانقاضہ الیہ اذا خرب الاول واستغنی عنہ لا ان یزول مکان المسجد الاول من المسجدیۃ ویباع ویوہب ویزرع فیہ فہذا لا یجوز۔

وفی العالمگیریۃ: سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس عنہ ہل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد آخر او حوض آخر قال نعم؛ ولو لم یتفرق الناس قال لا اھ

وفی فتاوی النسفی عن شیخ الاسلام: عن اہل قریۃ انقرضوا وتداعی المسجد الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشب المسجد وینقلونہ الی دیارہم ہل لواحد من اہل القریۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد او الی ہذا المسجد قال: نعم کذا فی المحیط اھ (ص ۲۳۲ ج ۳)

فالجواب الثانی لا یحتاج الی تفصیل - واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ رمضان ۱۳۴۶ھ

مسجد کا شامیانہ اگر متولی اس مسجد میں استعمال نہ کرے تو دوسری مسجد میں دینا درست ہے یا نہیں۔

سوال: معظمی مد ظلکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
یہاں پر ایک شخص نے مسجد کے صحن کیلئے ایک شامیانہ دیا تھا وہ منتظمین مسجد کے بے توجہی کے سبب پڑا پڑا خراب ہو رہا ہے یعنی شامیانہ لپیٹ کر رکھدیا گیا ہے چھ مہینہ کی مدت میں ایک دن بھی شامیانہ سے کام نہیں لیا گیا جمعہ کے روز کل مصلی دھوپ میں گرم صحن پر نماز پڑھتے ہیں۔ جس شخص نے شامیانہ دیا تھا وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ شامیانہ کسی دوسری مسجد میں دیدے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کی چیز حالت مذکورہ میں دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ امید کرتا ہوں جواب سے مطلع فرمادیں گے۔ فقط
خادم، مصلح الدین؛ محمد

الجواب

وفی الهندیة: رجل بسط من ماله حصیراً فی المسجد فخرب المسجد او وقع الاستغناء عنه فان ذالک یکون له حیا ولوارثه ان کان میتاً. وعند ابی یوسفؒ یباع ویصرف ثمنه الی حوائج المسجد فان استغنی عنه یحول الی مسجد آخر والفتوی علی قول محمدؒ (ای فی آلات المسجد واما فی ارضه وما یکون موقوفاً علیه من الاراضی فالفتوی فیه علی قول ابی یوسفؒ کما صرح فی الدر) اھ (ص ۲۲۹ ج ۳)

قال الشامی: لکن عند محمد انما یعود الی ملک الواقف ماخرج عن الانتفاع المقصود بالکلیة کما لوت احترق ولا یستأجر بشئ اھ (ص ۵۴۲ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر مسجد اول اس شامیانہ سے مستغنی نہیں تو پھر متولی کو اس کے استعمال پر مجبور کیا جائے اگر نہ کرے تو اس کو معزول کیا جائے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر تحویل کیا جائے۔

قال فی الدر ومثله فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصره مع الاستغناء عنها وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیه اھ

قال الشامی: وصرح فی الخانیة بان الفتوی علی قول محمدؒ قال فی البحر

وبه علم ان الفتوی علی قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد اھ والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه اھ (ص ۲۷۲ ج ۵) ـــــ والاصل ان آلات المسجد تعود الی ملك الواقف اذا استغنی عنها، واللہ اعلم

از خوان نمبر خانقاہ امدادیہ

۲۸ ذی قعدہ ۴۳ھ

مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا اور ان میں دنیاوی کام کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے نیچے اول دو دکانیں تعمیر کرکے دوکانوں کی چھت پر مسجد تعمیر کی آیا ان دوکانوں کو کرایہ پر دیکر کرایہ دوکان کو مسجد کے خرچ میں لا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اور ان دوکانوں میں کام دنیوی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ حاجی الٰہی بخش از نکیدہ ضلع گوڑھ وہ

الجواب

صورت مسئولہ میں ان دوکانوں میں دنیوی کام جائز ہے اور ان کا کرایہ مسجد کے خرچ میں لانا جائز بلکہ واجب ہے مسجد کی حد کے نیچے دوکانیں بعد میں بنانا تو جائز نہیں کہ پہلے مسجد بن گئی پھر اس کے نیچے دوکانیں کھود کر بنالی گئیں اور اگر پہلے دوکانیں بنادی جائیں پھر ان کے اوپر مسجد بنائی جائے تو جائز ہے[1] اس صورت میں یہ دوکانیں مسجد کے حکم میں نہ ہونگی۔

قال فی البحر عن المجتبیٰ: لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائه اھ (ص ۲۴۹ ج ۵)

وفیه ایضاً (ص ۲۵۱ ج ۵) ومن جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بیت وجعل بابه الی الطریق وعزله فله بیعه ویورث عنه لانه لم یخلص لله تعالیٰ لبقاء حق العبد متعلقاً به وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ، بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فانه یجوز اذ لا ملك فیه لاحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب مسجد بیت المقدس هذا هو ظاهر المذهب

[1] بشرطیکہ یہ دوکانیں مسجد کے لئے ہوں اور مسجد ہی پر وقف ہوں۔ دیکھئے ۲۱۹۔

وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية وبما ذكرناه علم انه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضر في كونه مسجداً لانه من المصالح ـــــ فان قلت لو جعل مسجداً ثم اراد ان يبنى فوقه بيتاً للامام او غيره هل له ذالك ـــــ قلت قال في التتارخانية: اذا بنى مسجداً او بنى غرفة وهو في يده فله ذالك وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذالك يبني لا يتركه ـــــ وفي جامع الفتاوى: اذا قال عنيت ذالك فانه لا يصدق اه فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره انتهى كلام البحر. والله اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

آکل ربو اگر تائب ہو کر مسجد میں یہ کہکر رقم دے کہ یہ رقم حلال کی ہے تو اس کو مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں۔

سوال: ایک شخص نے باوجود حلال مال کی مقدار کے ہوتے ہوئے سود خوری اختیار کرکے بہت مال و روپیہ جمع کرلیا ہے اور مال حلال و حرام میں کچھ تمیز و فرق نہ رہا، اس وقت توبہ کرکے سود خوری چھوڑدی اب نیکی کی طرف بھی خیال رکھتا ہے اور ایک مسجد کہنہ ہے اس میں نماز جمعہ پڑھا جاتا تھا سود خور نے اس مسجد قدیم کہنہ میں ٹین کی چھت وغیرہ بنوا دیا ہے اور قسم کھاکر کہتا ہے کہ جسقدر روپیہ مسجد میں خرچ ہوا ہے میرے حلال مال سے ہے مصلی لوگوں نے سود خور کی قسم پر اعتبار نہ کرکے اسی وجہ سے مسجد کہنہ میں نماز پڑھنا چھوڑدی ہے اور ایک پختہ مسجد کئے برسوں سے موجود ہے بسبب شر فرا کے اس میں نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے اس صورت میں کس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتے مصلی لوگ کہتے ہیں کہ سود خور کی قسم پر کسطرح اعتبار کیا جاتے حالانکہ اس کا آمیختہ ہے کس طرح حلال و حرام کا فرق کیا جاتے، ان سب صورتوں میں کہاں نماز جمعہ پڑھی جاتے، بیان فرمائیں اور اسکی قسم پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب مسلمان قسم کھاکر یہ کہتا ہے کہ جس قدر روپیہ مسجد میں خرچ ہوا ہے یہ مال حلال سے ہے تو اسکی قسم کا اعتبار کیا جائیگا بلکہ وہ بدون قسم کے بھی یہ دعوی کرتا تو اس کا

قول معتبر ہو تا پس اس صورت میں مسجد کہنہ میں بھی پڑھنے سے اجتناب کی ضرورت نہیں اس میں بلا شبہ نماز درست ہے دوسرے جب اس شخص نے صرف ٹین کی چھت ڈالی ہے اور مسجد کا فرش نہیں بنایا بلکہ فرش پہلے سے حلال آمدنی کا بنا ہوا ہے تو بالفرض اگر اسکا مال حلال نہ بھی ہوتا جب بھی نماز میں خلل نہ آتا کیونکہ نماز تو فرش پر ہوتی ہے نہ کہ ٹین پر اور محل نماز مشتبہ نہیں۔

وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: الصلوٰۃ فی ارض مغصوبۃ جائزۃ ولکن یعاقب بظلمہ فما کان بینہ و بین اللہ یثاب وما کان بینہ و بین العباد یعاقب کما فی فتاوی الھندیۃ اھ (ص ۲۰۹)

قلت: لما کان ھذا حکم الارض المغصوبۃ فما ظنک بارض موقوفۃ وقفاً حلالاً مسقفۃ بمال مشتبہ عند الناس حلال عند الباقی، فافہم!

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۱ محرم ۱۳۵۳ھ

انقاض مسجد اور اس کے بیچنے کا حکم

سوال: علیٰ ھذہ موجودہ مسجد کے اشیاء (کھپرا، چوبی، دچھپر وغیرہ) جو مسجد کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو اس نئے مسافر خانہ یا دوسرا مکان موقوفہ جو اس مسجد کے متعلق ہو اس میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بصورت عدم جواز یا عند الجواز جو فاضل عن الضرورۃ ہو اس خیال سے کہ اسکی حفاظت آئندہ غیر ممکن ہوگی اور سڑ گل کر ضائع ہو جائیگا اسکو نیلام کر دیا جائے یا ایسے ہی کسی خریدار کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے اور اسکی قیمت کو اس مسجد میں خرچ کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس مال موقوفہ کو خریدنا اور خرید کر جس طرح چاہے ادب کا لحاظ رکھ کر (مثلاً پاخانہ وغیرہ میں نہ لگایا جائے) اس کا استعمال کرنا جلانا اور گھر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مال موقوف کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

الجواب: (۱) آباد مسجد کی اشیاء کو اسی مسجد کے علاوہ کسی مکان میں

نہیں لگا سکتے نہ مسافرخانہ میں نہ مکانِ موقوف للمسجد میں۔

فی الہندیۃ عن البحر۔ لو ان قوماً بنوا مسجداً وفضل من خشبھم شئ قال ابو یوسف الفاضل ق بت نہ ولا فی الدھن والحصیراہ (ص۲۲۶ ج۲)

اور مسافرخانہ میں قیمت مسجد کا وہ سامان خرید کر لگایا جاسکتا ہے جسکی حفاظت دشوار ہے یا اُسکے خراب ہونیکا اندیشہ ہے۔

(۲) مسجد کے جس سامان کی حفاظت دشوار ہو یا اس کے خراب ہونیکا اندیشہ ہو اسکو نیلام یا بیع کرنا درست ہے اور اسکی قیمت کو مسجد ہی میں لگایا جائے اور یہی حکم مسافرخانہ کا ہے اتنا فرق ہے کہ مسافرخانہ سے فاضل اسباب کا بیع کرنا مطلقاً درست ہے خواہ حفاظت دشوار ہو یا نہ ہو اور خراب ہونیکا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔

(۳) خریدنا اور ہر طرح استعمال کرنا جائز ہے اور ادب کی رعایت مستحب ہے

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

در محرم ۱۳۴۵ھ

مسجد کی زمین پر کوئی دوسری تعمیر جائز نہیں ہے

سوال ۵ میں نے اپنے دروازے کے صحن میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، پچھم، اتر، دکھن، تین طرف کے دیواریں قریب تیاری کے آگئی تھیں صرف پورب کی باقی تھی ہوتے ہیں یہ معلوم ہوا کہ مسجد کا رُخ قبلہ سے کسی قدر پھرا ہوا ہے اسی وقت سے کام بند کردیا گیا اس سال جاڑے کے دنوں میں جب حضور الٰہ آباد تشریف لائے تھے تو میں نے اس کے متعلق حضور سے مسئلہ دریافت کیا تھا حضور نے فرمایا کہ نماز تو ہوجائیگی مگر عیب دار ہوگی حضور نے خرچ کی کفایت کے خیال سے یہ بھی فرمایا تھا کہ کاریگروں کو دکھلا دو بلا منہدم کئے ہوئے اگر کسی طریقہ سے درست ہوجائے تو بہتر ہے چنانچہ دو چار کاریگروں کو دکھلایا وہ سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ بلا گرائے مسجد ٹھیک نہیں ہوگی چھت وغیرہ میں جوڑ لگنے گی تو اول تو کمزور ہوگی دوسرے بدنما معلوم ہوگی۔ غرض گرانے کی رائے معلوم ہوگئی اب بعض ضروریات کے خیال سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اس جگہ سے دس پندرہ قدم جانب اتر ہٹا کر تعمیر کی جائے تو کنواں، غسل خانہ،

ستنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اس مقام پر کافی طور سے نکل آئیگی اور یہ جگہ جہاں اب مسجد ہے دوسرے مصرف میں لیجاتے ایسی صورت میں کوئی شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر مسجد کی زمین پرانی مسجد کی زمین سے کسی قدر کم ہو جائے تو اس میں کسی قدر کوئی حرج ہے یا نہیں دو چار پڑھے لکھے آدمیوں سے میں نے اس کے متعلق دریافت کیا کسی نے کچھ بتایا کسی نے کچھ میرا اطمینان حضور کے ارشاد کے اوپر ہوگا لہذا جواب کا منتظر ہوں۔

محمد عمر ساکن چایل خاص، ضلع الہ آباد

تنقیح

(۱) اس جگہ پہلے تو مسجد نہ تھی؟

(۲) اگر نہ تھی اور نئی بنیاد پڑی ہے تو بنیاد پڑنے کے بعد اسمیں کبھی نماز تو نہیں پڑھی گئی؟

(۳) اس مسجد میں پہونچنے کا راستہ وقف ہے یا نہیں؟

جواب تنقیح

(۱) اس جگہ پہلے کوئی مسجد نہیں تھی۔

(۲) مسجد کی جس وقت سے بنیاد پڑی اسی وقت سے اس میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے چونکہ ابھی چھائی نہیں ہوئی لہذا بارش کے وقت مجبوراً اس میں نماز نہیں ہوتی۔

(۳) مسجد کے راستے کے متعلق کوئی زمین وقف نہیں ہے بلکہ سائل کی نشستگاہ کا ایک چبوترہ ہے جو راستہ سے کسی قدر اونچا ہے لوگ راستہ سے اس چبوترہ پر چڑھتے ہیں وہاں سے مسجد کے زینہ پر چڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں چونکہ میرا ہی چبوترہ ہے اسی وجہ سے میرے سامنے کوئی روک ٹوک کسی قسم کی نہیں ہو سکتی میرے بعد جو صورت پیدا ہو اسکو نہیں عرض کر سکتا آسانی کیلئے ایک منظری نقشہ مرتب کر کے ہمراہ عریضہ ھذا ارسال خدمت عالی کرتا ہوں اس سے ہر موقع حضور کے سمجھ میں آجائیگا میں بفضلہ تعالیٰ کثیر الاولاد ہوں خواہش یہ ہے کہ مسجد کی زمین جس پر ملبہ پڑا ہوا ہے اسے مکان میں شامل کر لوں اور اب

مسجد چبوترہ کے شمال کی طرف جس پر ٹک پڑا ہوا ہے تعمیر کرادوں اسکی آمد و رفت راستہ ہے سے رہیگی چبوترہ سے اسکو کوئی تعلق نہیں رہیگا اور مسجد کے محاذ میں مشرق کی طرف جو زمین چبوترہ کی باقی رہیگی اسپر کنواں اور غسل خانہ بنے گا احتیاطاً یہ عریضہ بھیجا ہے جس پر حضور کا جواب تحریر ہے ہمراہ عریضہ ھذا ارسال خدمت عالی کرتا ہوں اگر مسجد کے بنانے کی صورت جائز قرار پائے تو اس بات سے بھی مطلع فرمایا جائے کہ اگر پرانی مسجد سے یہ دوسری مسجد کسی قدر چھوٹی بنائی جائے تو اسمیں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ خاص مسجد کی زمین کے تو کسی قدر کم کرنیکا ارادہ ضرور ہے مگر کنواں اور غسل خانہ کی زمین ملکر پرانی مسجد کی زمین سے بڑھ جائیگی۔ نقشہ یہ ہے

مغرب

مکان سائل مردانہ

مسجد تعمیر شدہ

چبوترہ نشستگاہ سائل جو چھوٹے سے چبوترے سے تخمیناً تین فٹ اونچا ہے

وہ مقام جہاں اب مسجد بنانے کا ارادہ ہے

چبوترہ نشستگاہ سائل

درخت نیب

دروازہ جو مسجد کی آمد و رفت کیلئے قائم کیا جائیگا

کنواں

غسل خانہ

نمبر ۱ راستہ

مشرق
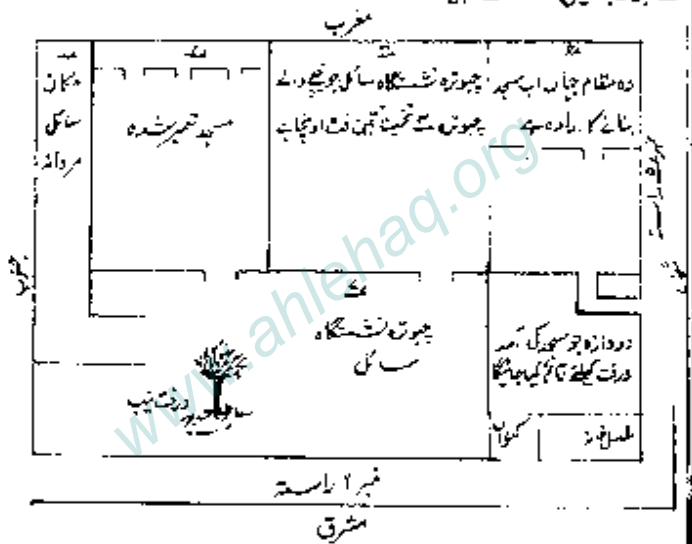
الجواب

صورت مسئولہ میں وہ مسجد ہوگئی اور اب اس مسجد کی جگہ اور کچھ بنانا جائز نہیں۔

قال الشامی تحت قول الدر: (بالفعل) فقی النہر عن القنیۃ: جعل وسط دارہ مسجداً و اذان للناس بالدخول والصلوۃ فیہ ان شرط معہ الطریق صار مسجداً فی قولہم جمیعاً والا فلا عند ابی حنیفۃ وقالا: یصیر مسجداً و

یصیر الطریق من حقه من غیر شرط کما لو آجر ارضه ولم یشترط الطریق اھ (ص ۵۵۱ ج ۲)

وفی الصفحۃ الآتیۃ منہ وفی الدر المختار: وقدم فی التنویر وغیرھا قول ابی یوسفؒ وعلمت ارجحیۃ فی الوقف والقضاء اھ، وفی الشامیۃ ایضاً (ص ۵۵۲ ج ۲): ولا یلزم الا باحد امرین اما ان یکون بہ القاضی او یخرجہ مخرج الوصیۃ وعندھما یلزم بدون ذالک وھو قول عامۃ العلماء وھو الصحیح، ثم ان ابا یوسفؒ یقول: یصیر وقفاً بمجرد القول لانہ بمنزلۃ الاعتاق عندہٗ، وعلیہ الفتویٰ، وقال محمدؒ: لا الا بار بعۃ شروط ستأتی اھ فقط

واللہ اعلم — الجواب صحیح

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ — ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ ذی قعدہ ۵۳ھ — ۲۶ ذی قعدہ ۵۳ھ

مسکونہ مکان کی چھت پر مسجد بنائی گئی تو اس پر مسجد کے احکام جاری ہونگے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے مکان مسکونہ کی چھت پر مسجد تعمیر کرانا چاہتا ہے اور نیچے کا حصہ برابر بود و باش میں مستعمل ہے تو کیا اس مسجد پر تمام احکامات مسجد کے جاری ہونگے یا نہیں؟ اور مسجد قرار پانے کی صورت میں کسی خاص وجہ سے مثلاً خطرہ جان وہاں سے یعنی مخالفین غیر مذہب والے یہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تو مسجد نہ گرائے گا تو ہم تجھکو مار ڈالیں گے یا تیرا گھر پھونک دینگے یا مسجد یا دوسرے لوگ غیر مذہب کے اسکو منہدم کریں یا منہدم کرانا چاہیں تو ایسی صورت میں منہدم کروا دینے والے کے لئے کیں حکم ہوگا اور اگر مسجد شرعاً نہ قرار پائے تو انہدام کے متعلق بانی مسجد یا غیر مذہب والے کیلئے کیا حکم ہوگا بحوالہ کتب معتبرہ فقہ و حدیث مفصل جواب سے سرفراز فرمائیں نیز یہ بھی لکھیں کہ اگر چھت پر مسجد بن چکی ہے اور بانی مسجد نے وجہ مذکورہ بالا اعتراضات کی وجہ سے کوئی حصہ مسجد کا گرا دیا اور اب خود یا مسلمانوں کے سمجھانے پر اور تقویت دلانے پر مسجد مذکورہ بعینہ وجوہ مکمل کرنے پر تیار ہے تو شرعاً اسکو تکمیل مسجد واجب ہے یا سکوت کرے؟ بینوا توجروا۔ سائل۔ محمد صادق عفی عنہ

از فتح پور ضلع قصبہ

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ مسجد نہیں ہوئی۔

کما فی الشامی (ص ۵۷۱ ج ۳) وفی القنیۃ: ولا بد من افرازہ ای تمییزہ عن ملکہ من جمیع الوجوہ فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیت او بالعکس لا یزول ملکہ لتعلق حق العبد بہ کما فی الکافی وھکذا فی م ۵۰م و عالمگیریۃ (ص ۲۳۸ ج ۳)۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
۱۰ر صفر سنہ ۴۳ھ

اور جب مسجد نہیں تو اس کا گرا دینا جائز ہے اور اسکا منہدم کرنے والا مسجد کے منہدم کرنے والے کی طرح گناہگار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مسجد کا ملبہ ذاتی مصرف میں لانا جائز نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے تنہا اپنے مال سے ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس مسجد کو ایک مدت (تیس پینتیس سال) کے بعد کسی وجہ سے شہید کرا کر از سر نو تعمیر کرانیکا موقع ہوا اس صورت میں وہ لکڑی کا اسباب (جو اس شہید شدہ مسجد سے برآمد ہوا ہے وہ مسجد مذکور سے بیکار ہونیکی حالت میں) بانی مسجد یا ورثاء بانی اسکو واپس لوٹانیکا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ لکڑی اگر کوئی شخص خرید کر اپنے مکان وغیرہ میں لگانا چاہے تو لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دوسری مسجد کی بھی تعمیر ہوتی ہو اور اس مسجد میں یہ لکڑی کام آتی ہو تو ان لکڑیوں کو اس مسجد میں بقیمت کے دلوانیکا بانی یا ورثاء بانی کو حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

بینوا توجروا

بندہ محمد یوسف تمول عفی عنہ از کٹھوری
ضلع سورت۔ مورخہ ۱۵ رجب سنہ ۱۳۴۳ھ

الجواب

فی الشامیۃ (ص ۵۶۳ ج ۳) (قولہ ومثلہ حشیش المسجد) قال الزیلعی: وعلی ھذا حصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی منہا یرجع الی مالکہ عند محمد وعند ابی یوسف ینقل الی مسجد آخر وعلی ھذا الخلاف الرباط والبئر اذا لم ینتفع بہما اھ، وصرح فی الخانیۃ: بان الفتوی علی قول محمد، قال فی البحر: وبہ علم ان الفتوی علی قول محمد فی الات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضہ لما قدمنا عنہ قریبا من ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر۔

پس صورت مسئولہ میں وہ اسباب اس مسجد کی ملک ہے فروخت کرکے اس پر خرچ کیا جائے بانی یا ورثاء بانی کو اس کا لوٹانا جائز نہیں اور نہ دوسری مسجد کو دلوانیکا حق ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ رشعبان ۱۳۴۳ھ

حکم حفر البئر فی فناء المسجد المتعلق بہ وفیہ قبور معلومۃ وظہرت عظام الاموات بعد الحفر ایضا۔

سوال: ما قولکم دام فضلکم ایہا العلماء الکرام ادام اللہ فیضکم مدی الایام، فیما اذا حفر بئر جدید فی فناء المسجد الجامع فوجد فی حالت الحفر قبور مندرسۃ بعضہا فوق بعض فکملت البئر حفرا وطوا ووجد ایضا فی فناء ذالک المسجد قبور ظاہرۃ معلمۃ والعادۃ مطردۃ بدفن البعض فی السعۃ التی امام المسجد وحوالیہ فہل یجوز تعمیق

البئر فی هذه الصورة اذا انتہی الحفر الی القبر بناء علی ان الموضع فناء المسجد وانہ لم یعلم وجود القبر هنالک قبل الحفر وهل یاثم المتوضی من الحوض الذی یرد الیہ الماء من تلک البئر وما معنی القول بجواز بناء الابنیة وحفر الآبار فی فناء المسجد علی القبور یحنی اکل ذالک بیا نا شافیا او فصلوا فی الجواب تفصیلاً کافیاً جزاکم اللہ عن الاسلام واهلہ خیراً دینا و دنیا و اخری

السائل، محمود عفا اللہ عنہ

باسمہ تعالٰی شانہ حامداً ومصلیاً

الجواب اللّٰہم ہدایة للصواب

الا الارض التی حول المسجد ومتعلقاتہ اما ان تکون موقوفة علیہ لمصالحہ فتکون ملکاً لہ لا یجوز التصرف فیما بما ینافی مصالحہ فلو دفنت الاموات فی تلک الارض لا تکون مقبرة موقوفة ولا مسبلة بل کان الدفن غصباً فاذا بلی القبور وصار تراباً عادت الارض لمصالح المسجد فیجوز نبشہ والبناء علیہ وزرع تلک الارض وسائر وجوہ الانتفاع بہا حسب المصلحة سواء کانت القبور ظاهرة معلمة او خفیة دارسة فی فناء المسجد کما لا یخفی، ففی الحاشیة العلامة الشروانی رحمہ اللہ، نقلاً عن الایعاب شرح العباب ما نصہ: (ویجوز زرع تلک الارض ای التی تیقن بلاء من بہا وبناءها وسائر وجوہ الانتفاع والتصرف باتفاق الاصحاب ذکر ذالک کلہ فی المجموع وینبغی فرضہ فی مقبرة مملوکة (و موات لا مسبلة لحرمة نحو البناء فیما مطلقاً اھ) انتہی واما ان یکون بعضہا لمصالح المسجد وبعضہا لاغراض آخر کبناء الرباط والمدرسة والمجالس وبیوت الاخبیة وکدفن بعض الاعیان فتعین تلک المواضع المخصوصة بما ذکرنا ذکراً لایجوز

التصرف فیها بغیر ذالک لان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ فالارض التی اطرد دفن الاموات فیہا تکون مقبرۃ موقوفۃ فلا یجوز فی صورۃ المسئولۃ حفر البئر وبناء الابنیۃ فیہا علی القبر سواء کانت القبور ظاھرۃ اوخفیۃ ولا یجوز تعمیق البئر حیث انتہی الحفر الی القبر کما لا یجوز حفر أیسیراً ابتداء علی القبر حیث علم انہا مقبرۃ مسبلۃ بالقرائن واما البناء علی ان الموضع فناء المسجد وانہ لم یعلم وجود القبر ھناک فباطل لان فناء المسجد ھو السعۃ التی حوالی المسجد لم یبق فی ھذہ الصورۃ ملکاً للمسجد فقط بل تورع لاغراض کما تقدم ولانہ علم عند الاشتہار الی القبر انہ مقبرۃ مسبلۃ حیث اطردت العادۃ بدفن بعض الاعیان فی فناء المسجد بلا انکار کما ھو مشاھد فی البلاد لاسیما وقد کانت القبور بعضہا فوق بعض فیأثم الساعی فی ھدم تلک القبور وحفر البئر علیہا ویأثم المتوضی من الحوض الذی یرد الیہ الماء من تلک البئر فیجب ھدمہا لازالۃ المنکر، ففی تحفۃ المحتاج شرح المنہاج ما نصہ: (وینبغی ان لکل احد ھدم ذالک) ای ما یبنیٰ فی المقبرۃ المسبلۃ زما لم یخش منہ مفسدۃ فیتعین الرفع للامام اخذاً من کلام ابن الرفعۃ فی الصلح ولا یجوز زرع شئ من المسبلۃ وان تیقن بلی من بہا لانہ لا یجوز الانتفاع بہا بغیر الدفن فیقلع وقول المتولی: یجوز بعد البلی محمول علی المملوکۃ) انتہی ھذا ما ظہر لی فی ھذا الباب۔

واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب

حررہ الفقیر لمولاہ القدیر شہاب الدین

الجواب صحیح

ولکن اذا ظہر عظام المیت وقت الحفر لا یجوز القاء ھا

فی موضع آخر بل یجب دفنہ فی موضع آخر اوفی ھذا المقام قریباً ان کانت الارض مقبرۃ - واللہ اعلم۔

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲ر رجب ۴۵ھ

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم | **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید ایک مفلس آدمی تھا وہ کچھ روپیہ لیکر بیع سلم کیا اگر مدت معینہ مسلم الیہ مسلم فیہ ادا نہ کر سکتے تو روپیہ میں چار آنہ سود لیتے تھے رفتہ رفتہ وہ پیسے والا ہوگیا اسلم کچھ زمین خریدی اور ایک کچی مسجد تیار کی لیکن جب ان کو خوب ترقی ہوئی اور اندازاً چار یا پانچ سو بیگہ زمین بھی خریدی تو اس مسجد کو پکا کردیا کچھ دنوں سے انہوں نے سود لینا تو چھوڑ دیا مگر مسجد پہلے تیار کیا ہوا ہے۔ وہ یہ معلوم نہیں کہ اس میں مال حرام کس قدر صرف ہوا اور مال حلال کس قدر۔ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر بالفرض کوئی پہلو معلوم ہو جائے مثلاً حرام کا غالب ہونا یا حلال کا غلبہ ہونا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر شریعت کی رُو سے ایسی مسجد پاک کر لینے کی کوئی صورت ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں اور اگر بانی مسجد اس کی تعمیل نہ کرے اس وقت کیا کیا جائیگا؟ اہل قریہ کو دوسری مسجد بنانیکی اجازت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

۱۹ر رجب ۴۵ھ

الجواب

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد وہ ہے جس میں گارا اور اینٹ و لکڑی وغیرہ مغصوب ہوں یا زمین مغصوب ہو اور اگر رقم حرام کی ہو تو وہ رقم تو مسجد میں نہیں لگتی بلکہ اس سے خریدا ہوا سامان مسجد میں لگتا ہے اب اگر یہ صورت ہوئی کہ سامان ادھار منگا لیا گیا پھر قیمت مال حرام سے ادا کردی گئی تو مسجد میں مال حرام نہیں لگا۔ اور اگر قیمت نقد دی گئی تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مال حرام دکھلا کر معاملہ کیا گیا کہ ان روپیوں کی فلاں چیز دیدو۔ دوسری یہ کہ مال حرام دکھلا کر معاملہ نہیں کیا گیا بلکہ یوں کہا کہ دس روپیہ یا پندرہ روپیہ کی چیز دیدو اور قیمت میں روپیہ مطلق تھا پھر اس قیمت کو مال

حرام سے نقد ادا کر دیا، صورت اولیٰ میں خریدی ہوئی شے حرام ہوگی اور ان کا مسجد میں لگانا بھی حرام ہوا اور دوسری صورت میں خریدی ہوئی شے حرام نہیں ہوئی۔ اس کا لگانا مسجد میں درست ہوگیا۔ گو اس کا گناہ ہوا کہ دوسرے کو مال حرام سے قیمت ادا کی۔

قال الشامی عن التاترخانیة: رجل اکتسب مالاً من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة اوجه، اما ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولاً ثم اشتری منه بها، او اشتری قبل الدفع بها ودفعها، او اشتری قبل الدفع بها ودفع غیرها، او اشتری مطلقاً ودفع تلك الدراهم، او اشتری بدراهم اُخر ودفع تلك الدراهم، قال ابونصر: یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول والیه ذهب الفقیه ابو اللیث لکن هذا خلاف ظاهر الروایة، وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لا یطیب وفی الثالث والاخیرة یطیب، وقال ابوبکر: لا یطیب فی الکل، لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس، وفی الولوالجیة: وقال بعضهم: لا یطیب فی الکل وهو المختار، لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعاً للحرج لکثرة الحرام اھ (ص ۲۳۰ ج ۴)

پس اس مسجد کے حرام ہونیکا فتویٰ اس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ اسمیں جو اشیاء مال حرام سے خرید کر لگی ہیں ان کی خرید صُور مذکورہ میں سے کس صورت پر ہوئی نیز یہ بھی متعین کیا جائے کہ حرام غالب تھا یا حلال؟ یا دونوں مساوی؟ اور حرام غالب تھا یا مغلوب تو وہ حلال سے مخلوط تھا یا غیر مخلوط اور خلط کا یقین تھا یا محض بنا بر عادت کے ظن ہی تھا، جواب تنقیح اگر دیا جائے تو یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے اور بستی والوں کو دوسری مسجد بنا لینا ہر حال میں جائز ہے جب مسجد مندرجہ سوال بالا شرعاً قابل نماز پڑھنے کے نہ ہو۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۲۸ ؍ رجب سنہ ۴۶ھ

مسجد کیلئے کافر کا زمین ہبہ کرنا

سوال : مسلمانان نزد ہندو زمیندار درخواست کردہ بودند کہ اینجا مسجد بنا ساختن ضرور است ما را برائے مسجد قدرے جا بدہند. ہندو زمیندار درخواست منظور کردہ بر درخواست نوشتہ بود کہ این قدر زمین شما را دادہ شد، و حد معین کردہ دادہ بود، و وقف و ہبہ ہیچ مذکور نبود، و ہیچ شرائط ہم فہم نکردہ شدہ بود. مسلمانان بعد تعین حد بر آن زمین خاک نو انداختہ بلند کردند و مسجد بنا ساختند. تا ہشت یا نہ سال در آن مسجد نماز و جمعہ می خواندند. تا این زمان ہر چہ کردہ شد، مسلمانان ہندو زمیندار را خبر دادند و نہ ہندو زمیندار خبر گرفت. چونکہ فی الحال دل شاق بر مسلمانان زیادہ تاکشش اند، لہذا بوقت آغاز دیوار گفتند اینجا شما را دادیم چرا بے شکرانہ آن ما را اطلاع دادہ آغاز دیوار نکردید، بدین سبب از پختہ نمودن دیوار منع می کنیم. مسلمانان جواب دادند کہ بوقت کار نو کردن این جا کردیم اطلاع ندادیم اکنون چرا خواہیم داد. بعد ازان ہندو زمیندار ہیچ نمی گوید، مسلمانان دیوار پختہ می کنند. کنون جواب ارشاد می فرمایند کہ آن زمین بحسب شریعت ہبہ گردید یا وقف و ہر چہ باشد در مسجدیت آن مسجد شبہ نوان خدیانہ؟ و بے شکرانہ ہندو زمیندار اطلاع ہیچ کار مسجد آغاز کردن جائز باشد یا نہ؟ امید کہ گستاخی عفو فرمایند۔ خادم آستان مبارک

میر الله مفی عنہ

پوسٹ شیر پور تا قن موضع شیر پور ضلع میمن سنگھ بنگلہ

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ زمین وقف تو نہیں کیونکہ ہندو زمیندار نے اسکو باقاعدہ وقف نہیں کیا البتہ جن مسلمانوں نے یہ درخواست دی ہے اگر درخواست پر ان کے دستخط ثبت تھے جیسا کہ عموماً درخواست پر درخواست کرنے والوں کے دستخط ہوتے ہیں اور درخواست کے جواب میں اسی درخواست پر ہندو زمیندار نے لکھ دیا کہ "این قدر زمین شما را دادہ شد" اور اس زمین کی حدود بھی معین کردی گئی تو یہ زمین درخواست دہندگان کے لئے ہبہ ہوگئی جس پر بعد قبضہ کے ان کی ملک تام ہوگئی، اب چونکہ یہ لوگ

زمین کو قطعاً وقف کر چکے ہیں کہ اس میں نماز پڑھنے لگے تو وہ مسجد ہو گئی

قال فی الھندیۃ: اذا قال بجماعۃ من المسلمین: ھذا المال لکم یکون ھبۃ. کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (ص ۲۴۹ ج ۵)

قلت: وکان ظنی ان ھذہ ھبۃ بمجھولین ولکن لیس کذالک بل ھی ھبۃ للذین خاطبھم بقولہ: "شمارا دادہ شد" وھم الذین ارسلوا الیہ الکتاب بخطوطھم فکانت ھبۃ بجماعۃ من المسلمین معینۃ بقی ان ھذا تملیک فلابد لہ من قبول الموھوب لہ فی مجلسھا ولکن فی الھندیۃ ایضاً عن جواھر الفتاویٰ، قال رضی اللہ عنہ لما سألتہ عمن کتب قصۃ الی السلطان و سأل منہ تملیک ارض محدودۃ فامر السلطان بالتوقیع فکتب کاتب السلطان علی ظھر القصۃ انی جعلت الارض ملکا لہ ھل تصیر ملکا لہ ام یحتاج الی القبول فی المجلس ھذا ھو القیاس لکن لما تعذر الوصول الیہ اقیم السوال بالقصۃ مقام حضورہ وقبولہ فاذا امر بذالک واخذ منہ التوقیع بتملیک اھ (ص ۲۴۷ ج ۵)

فارتفع الاشکال، وکان السوال قائماً مقام القبول لان قید السلطان اتفاقی و فی حکمہ کل من یتعذر الوصول الیہ ومشافھتہ بالقبول عادۃً سواء کان سلطاناً او رأس القریۃ:

البتہ اگر اس درخواست پر معین اشخاص کے دستخط تھے بلکہ ویسے ہی عام طور پر سب مسلمانوں کی طرف سے درخواست بھیجدی گئی تھی تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ سب مسلمانوں کا عدد محصور ہے یا غیر محصور اور اس ھندو کو اس بستی کے مسلمانوں کا عدد معلوم تھا یا نہیں

عہ اور اس کیلئے جیسا کہ مسلمانوں کا زبانی اتنا کہدینا کافی ہے کہ ہم نے اس جگہ کو مسجد بنادیا، یا مسجد کیلئے وقف کردیا اسیطرح صورت مسجد بنا کر اسمیں نماز پڑھنے لگنا بھی کافی ہے کیونکہ وقف جیسا قول سے ہوتا ہے فعل سے بھی ہو جاتا ہے۔ صرح بہ الدر (ص ۵۰۱ ج ۳)

تکمیل الدلیل: لا یقال ان الهبة فی الصورة المسئولة هبة المشاع لانا نقول ان لواهب انما وهب الارض للمسجد لا لان یتملکها الموهوب لهم والهبة للفرض المذکور بمعنی الصدقة، ویجوز صدقة المشاع کما صرح فی الشامیة (ص ۷۰۰ ج ۴) ونصه هذا فی الهبة واما اذا تصدق بالکل علی اثنین فانه یجوز علی الاصح بحر اھ ولعله ان الصدقة یراد بها وجه اللّٰہ وهو واحد فلا شیوع کما فی الدر (ص ۶۸۲ ج ۴) ولا یخفی ان الواهب لو علم ان الموهوب لهم تملکوا الارض وتصرفوا فیها لانفسهم لم یرض بذالک ابداً وهذا دلیل ارادته التصدق لمسجد بالارض علی السائلین ولو لم یحمل علی الصدقة فنقول هبة الواحد لاثنین جائزة عندهما خلافاً له قالا ان هذه هبة الجملة منهما اذا لتملیک واحد فلا یتحقق الشیوع، صرح به فی الهندیة (ص ۳۷۶ ج ۴) وینبغی جواز هذه الهبة عند الامام ایضاً لان ماحصل من الحربی برضاه جائز عنده ولو لم یوجد فیه شرائط الصحة شرعاً وهی مسئلة الربا بین المسلم والحربی فکانت الهبة صحیحة اتفاقاً۔

وایضاً قال فی الدر فی احکام هبة المشاع عن الفصولین: الهبة الفاسدة تفید الملک بالقبض وبه یفتی ومثله فی البزازیة علی خلاف ما صححه فی العمادیة لکن لفظ الفتوی آکد من لفظ الصحیح کما بسطه المصنف مع بقیة احکام المشاع وهل للقریب الرجوع فی الهبة الفاسدة، قال فی الدر نعم، وتعقبه فی الشرنبلالیة بانه غیر ظاهر علی القول المفتی به من افادتها الملک بالقبض فلیحفظ اھ (ص ۶۸۱ ج ۴) فاذا تم قبض الموهوب لهم وتملکوها ثم اذا جعلوا مسجداً تم الوقف نفاذاً، قال فی الشامیة: ولو بینهما ارض وقفاها ودفعاها الی واحد معاً جاز اتفاقاً اھ وفی الدر ولا یجوز وقف مشاع یقسم خلافاً للثانی (ص ۵۱۲ ج ۴)

واللہ اعلم۔

از خانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون

۶ ر شعبان ۳۵ھ۔

مصالح مسجد کیلئے مسجد کی زمین پر دکانیں بنانے کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعمیر مسجد کیلئے تین نمبر زمین کا پیسہ بھرا گیا۔ تیسرے نمبر کی زمین اس شرط پر ملی کہ اگر میری زمین پر مسجد نہ بناؤ گے تو روز قیامت میں دامن گیر ہونگا یہ زمین بیس فٹ مربع ہے اسکی مشرقی جانب اسی نمبر کا ایک مکان دوسرے کا تھا بیس فٹ مربع پنچوں نے اس مکان کو لینے کی کوشش کی مگر نہ ملا۔

پنچوں نے مجبوراً تین در کی چھوٹی مسجد اس بنا پر بنوائی کہ اس مکان کی زمین جس وقت ملیگی دو در اور بڑھا کر پانچ در کی پوری مسجد بنوائی جائیگی تاکہ شرط پوری ہو جائے۔ بعد چند روز کے پنچوں نے یہ مکان قیمتاً مول لیا اب مشروط زمین اور منہدم مکان کی زمین پر مسجد کا فرش وغیرہ قائم کیا گیا۔ اور نماز بھی پڑھی جاتی ہے اب مشروط زمین اور منہدم مکان کی زمین جو مسجد بنوانے کیلئے قیمتاً لیگئی تھی اب صرف مسجد کیلئے اس زمین پر مکان بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

بینوا توجروا

المستفتی محمد یوسف لعل محمد

الجواب

جو زمین معطی نے مسجد ہی کے واسطے دی ہے اس میں صرف مسجد کیلئے دوکان بنانا جائز نہیں، لان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ، اور جو زمین مسجد کے پنچوں نے خریدی ہے اس کا حکم اس وقت بتلایا جائیگا جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ زمین جس شخص کی رقم سے خریدی گئی ہے اس نے وہ رقم مسجد کیلئے کیا کہکر دی تھی اس کا جواب مع اس پرچہ کے واپس کیا جائے تو حکم بتلایا جائیگا واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۱۲ ر شعبان ۳۵ھ

ایسے مدارس اسلامیہ کی اعانت کا حکم جن میں تصویر سازی وغیرہ کی تعلیم داخل نصاب ہو

سوال: مخدومنا و مقتدانا حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غالباً حضرت والا کو یہ معلوم ہوگا کہ برہما کا ملک ہم لوگوں کے لئے ایک بالکل نیا ملک ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کا سلسلہ بھی بہت پرانا نہیں ہے سنا گیا ہے کہ تقریباً ڈھائی سو سال گذرے ہونگے کہ عالمگیر بادشاہ کے بھائی شاہ شجاع کے کچھ ہمراہی مسلمان یہاں آگئے تھے وہ یہاں رہنے لگے انہوں نے یہاں بیاہ شادیاں کیں اُن سے سلسلہ قائم ہوا اگرچہ ہندوستان میں بھی کثیر تعداد مسلمانوں کی مذہبی حالت بہت ردی ہے لیکن یہاں کے اصلی باشندے مسلمانوں کی حالت جنکو زیربادی مسلمان کہا جاتا ہے وہاں کے مسلمانوں سے بھی بہت ہی گری ہوئی ہے چونکہ انکی مادری زبان برما ہے اور برمی زبان میں مذہبی تعلیم کے مدارس کا کوئی سلسلہ نہیں ہے اسلئے زیربادی مسلمان جب اپنے بچوں کی تعلیم کا خیال کرتے ہیں تو علی العموم مشنری اسکولوں، یا برما بُت پرستوں کے اسکولوں میں داخل کردیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ بچے یا تو عیسائی ہوجاتے ہیں یا پھونگیوں میں رہکر برھا بن جاتے ہیں اور بہت سے زیربادی بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ماں باپ غربت کی وجہ سے ان کو تعلیم نہیں دلاسکتے لہذا وہ آوارہ ہوکر بدمعاش، ڈاکو وغیرہ ہوجاتے ہیں بعض مسجدوں میں امام مسجد مکتب خانہ کے طریقہ پر دو چار یا دس پانچ بچوں کو پڑھاتے ہیں اُن سے یہاں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بظاہر رجسٹرڈ (سرکاری امداد اور سرکاری نگرانی والے) اسلامی مدارس میں بہ نسبت اُن مکتب خانوں کے قرآن شریف وغیرہ دینی تعلیم بھی زیادہ ہوتی ہے اسلئے کہ ان رجسٹرڈ اسکولوں کے مدرسین علی العموم ٹریننگ (طریقہ تعلیم کے امتحان میں) پاس ہوتے ہیں، انکی تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اس کے برخلاف اَن رجسٹرڈ غیر رجسٹری شدہ) اسکول زیادہ تنخواہوں والے اچھے استادوں کو نہیں رکھ سکتے اور کہیں بھی تو ان کے مہتممین باقاعدہ نگرانی ان استادوں کی نہیں کرسکتے۔ رجسٹرڈ اسکولوں کی نگرانی کیلئے ایک مسلمان ڈپٹی انسپکٹر انگریزی تعلیم یافتہ سرکار کی طرف سے ملازم ہے ان رجسٹرڈ اسلامی اسکولوں کی تعداد بھی سہولت کی وجہ سے بڑھتی جاتی ہے ہر اسکول کے لئے سرکار سے دو یا تین مدرس ٹریننگ (طریقہ تعلیم کا امتحان پاس کئے ہوئے) ملتے ہیں جنکو پوری تنخواہ سرکار سے ملتی ہے یہ مدرسین مسلمان ہوتے ہیں جن میں بہت سے

ایسے بھی ہیں جو کہ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں یعنی انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں کی طرح بالکل آزاد نہیں
ہوتے، ان سرکاری اسلامی مدرسوں میں زیادہ تر چار کلاس تک کی پڑھائی اردو زبان میں ہوتی ہے
جغرافیہ، تاریخ، اسباق الاشیاء، حفظان صحت، حساب وغیرہ سکھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ
ہر کلاس میں روزانہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور کسی کلاس میں دو گھنٹہ قرآن شریف اور تعلیم الاسلام
جناب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی یا کوئی رسالہ دینیات اردو پڑھایا جاتا ہے ان
سرکاری مدارس میں ایک بات کے سوا بظاہر اور کوئی شرعی خرابی نہیں معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اسباق
الاشیاء کا مضمون بچوں کو پڑھانے اور ان کو بخوبی ذہن نشین کرنے کیلئے شیر، بلی، شتر مرغ، پرندہ
جانور اور بے جان اشیاء چیزوں کی مٹی کی تصویریں اسکولوں میں رکھی جاتی ہیں اور مختلف چیزوں
کی تصویریں بچوں کے ہاتھ سے کھنچوائی جاتی ہیں۔ پس دریافت امر یہ ہے کہ آیا ان سرکاری اسلامی
مدارس میں ہم لوگوں کا مدد دینا اس خیال سے کہ ان میں قرآن شریف و دینیات کی تعلیم پر زور
دیا جائے جائز ہے یا نہیں؟ اور اسلامی مدارس سرکار اس وقت رجسٹرڈ کرتی ہے جبکہ پہلے
اپنے خرچ سے مدرسہ قائم کیا جائے پھر جب مدرسہ کا مکان وغیرہ ٹھیک ہو اور پڑھنے والے بچوں
کی تعداد بھی کافی ہو تو سرکار رجسٹرڈ کرکے اپنی امداد کا سلسلہ جاری کرتی ہے جب یہ ارشاد
فرمائیں کہ آیا ابتداءً ایسے اسکولوں کا قائم کرنا اور پھر کسی واقف کار مدرسی کو حوالہ کرکے اسکو
رجسٹرڈ کرا دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ شروع ہی سے کسی واقف کار کو آمادہ کرکے اس طرح
پھر اسکی مالی مدد کرنا کہ تم فلاں بستی و فلاں جگہ میں مدرسہ قائم کرو اور پھر اسکو رجسٹرڈ
کرا دو اور رجسٹرڈ ہونے سے پہلے سال ڈیڑھ سال تک ہم خرچہ دیتے رہیں گے اور رجسٹرڈ ہونے کے
بعد بھی تھوڑی مالی مدد وقتاً فوقتاً کرتے رہیں گے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ان مدارس میں امداد کرنا اور ان کے اجراء و سعی میں اعانت کرنا شرعاً جائز ہے کیونکہ
امداد کرنے والے کی نیت تعلیم قرآن و احکام اسلام میں اعانت ہے جو ان مدارس سے ان کے
زعم میں بخوبی حاصل ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ گورنمنٹ کے حکم سے ان مدارس میں تصویریں رکھی جاتی
ہیں اور طلبہ سے تصویریں بنوائی جاتی ہیں تو یہ گورنمنٹ کا فعل ہے یا طلبہ کا اور اس کے متعلق
جدا استفتاء کریں کہ ہم کو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ باقی اعانت کرنے والے جبکہ نہ تصویروں
کے خریدنے میں معین ہیں ورنہ اس فعل سے راضی ہیں بلکہ محض تعلیم قرآن و تعلیم احکام اسلام

کی نیت سے امانت کر رہے ہیں ان کو اس کا گناہ نہ ہوگا۔ البتہ امانت کرنے والوں کو یہ صاف کہہ دینا چاہئے کہ ہماری رقم سے تصویریں نہ خریدی جائیں۔ ونظیرہ اعانۃ الغزاۃ و المجاھدین الذین معہم ولات الغناء والمعازف التی تضرب وقت الحرب فان اعانتھم جائزۃ وحملھم ھذہ حرام۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

در ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

مسجد کے اگر تالاب کے قریب ہونیکی وجہ سے منہدم ہوجانیکا خطرہ ہو تو اسکو منتقل کرسکتے ہیں یا نہیں	سوال: نقل مسجد بضرورت بجائے ذیل بجائے دیگر جائز است یا نہ؟ قریب تالاب بلکہ کنارہ آن تالاب شکستہ شدہ روز بروز بسوئے مسجد می آید گمان است آن

شکستگی مسجد را ضائع سازد وقریب مکان دیوانی جست لہذا وقت صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ کلام مردان وزنان بگوش می آید ازان در نماز وذکر و تلاوت قرآن خلل پیدا میشود اکثر وقت زین احاطہ مرغ خروس وغیرہ ناپاک شود وہم بعوض روشن گاؤ می آید اکنون بکدام جانب تالاب است وباتفاق مشرق آن تالاب جائے عمدہ جست کہ ناموں است از خطرات بالا اگر جائز باشد آنجا نقل خواہیم کرد۔

فقیر محمد عبدالجبار عفا عنہ

الجواب

اگر تالاب کی وجہ سے مسجد کے انہدام کا قوی اندیشہ ہے تو اس مسجد کو منتقل کر دینا جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ مسجد کا سامان وخشت وغیرہ منتقل کر دیا جائے اور اس مسجد قدیم کی زمین کو زراعت وغیرہ کے کام میں نہ لایا جائے بلکہ اس کے گرد ایک احاطہ بنا کر محفوظ چھوڑ دیا جائے۔ فان موضع المسجد مسجد الی قیام الساعۃ کذا یظھر من العالمگیریۃ فی باب المسجد من الوقف۔ اور اگر یہ اندیشہ انہدام غالب نہ ہو تو باقی اعذار کی وجہ سے نقل مسجد جائز نہیں۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

یکم جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ

مسجد و مدرسہ میں مشترک دیوار بنانا مسجدیت کے منافی اور ناجائز ہے۔

سوال (۲) جامع مسجد شاہی اور مدرسۃ الغرباء مراد آباد کی عمارت متصل ہے کہ مسجد کی دیوار سے ملی ہوئی مدرسہ کی دیوار ہے اہل مسجد نے مسجد کی دیوار کو منہدم کرکے اس پر ڈاٹ قائم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ دیوار ڈاٹ کا تحمل نہیں کر سکتی، اب یہ ارادہ ہوا ہے کہ مدرسہ کی دیوار کو بھی منہدم کرکے ایک چوڑی دیوار اٹھائی جائے اور ڈاٹ کو اسی حصہ پر قائم کیا جائے جو دیوار مسجد کا حصہ ہے مگر دیوار کے چوڑا ہونے سے اب وہ ڈاٹ کا تحمل کر سکے گی تو کیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک چوڑی دیوار مسجد و مدرسہ میں مشترک رہے کہ اہل مسجد اپنی طرف اس میں الماری وغیرہ قائم کرلیں اور اہل مدرسہ اپنی طرف الماری قائم کرلیں؟

السائل۔ حاجی سید مرتضیٰ علی، مہتمم مدرسۃ الغرباء
قاسم العلوم مراد آباد

الجواب الاول

یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اشتراک مسجدیت کے منافی ہے اس سے مسجدیت باطل ہوجائے گی۔ (ملخصاً)

کتبہ کفایت اللہ، مفتی المدرسۃ الامینیہ دہلی
ج ۔۔ سنہ ۳۶ھ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

قال في الدر: لو بنى فوقه بيتاً للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذالك لم يصدق۔ تاتارخانية۔ فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد اهـ، وقال الشامي: اي مع انه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً اهـ، ونقل في البحر قبله، ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وان كان من اوقافه اهـ

قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع الجذع على جدار المسجد فانه لا يحل ولو دفع الاجرة اهـ (ج ۳ ص ۵۴۲)

فقہاء کا جدار مسجد پر وضع جذع سے مطلقاً منع کرنا ولو کان من اوقاف المسجد

بظاہر اسکی علت یہی ہے کہ یہ تحلل عرفاً شرکت کو مستلزم ہے اور مسجد کا کوئی حصہ کسی دوسرے وقف سے مخلوط و مشترک نہیں ہوسکتا۔

کما فی الدر قبیلہ: والملک یزول عن الموقوف باربعۃ بافراز مسجد الخ۔ قال الشامی: عبر بالافراز لانہ لو کان مشاعاً لا یصح اجماعاً وانا و انہ یلزم بلا قضاء اھ (ص ۵۵۵ ج ۳)

جب مشاع کا وقف مسجد کیلئے باطل ہے تو بقاءً بھی مسجد کے کسی حصہ کو مشاع کردینا جائز نہیں، دوسرے: اس خلط و شرکت میں خرابی یہ ہے کہ شرکت جدار سے وہ جگہ مشتبہ ہوجائیگی جسمیں دیوار مسجد قائم ہے اور دیوار مسجد کی جگہ مسجد ہے اگر کسی وقت دیوار کو الگ کردیا جائے تو اس جگہ میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملیگا اور جدار مدرسہ کی جگہ کا یہ حکم نہیں پس ان دونوں کی جگہ کے اشتراک سے جدار مسجد کی مسجدیت باطل ہوتی جاتی ہے۔

وقد قال فی الحامدیۃ: ان التصرف فی الاوقاف باعتبار الاعظم لہالا باعتبار الاولی اھ (ص ۱۸ ج ۱)

پس یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ دیوار اسطرح اٹھائی جائے کہ جدار مسجد و جدار مدرسہ کی جگہ ممتاز رہے اور جب چاہیں جدار مدرسہ کو مسجد سے بدون ضرر کے علیحدہ کرسکیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۷ رجب سنہ ۴۶ھ

ساج مغصوب سے بنائی ہوئی سقف مسجد کا حکم اور اس کے ضمان کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد تقریباً سو سال سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد کے اندر برگہ یعنی لٹو چڑھے ہوئے ہیں، اب بڑوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ بڑے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ جس وقت مسجد بنانیکا ارادہ ہوا تو مسجد کے واسطے لٹو خریدنے کا ارادہ کیا تو بڑوں نے روپیہ اپنے رشتہ داروں کے یہاں دوسرے موضع میں جو کہ تقریباً دس کوس کے فاصلہ پر تھا وہاں پر روپیہ پہونچا دیا کہ ہم کو لٹو خرید کردے جائیں رشتہ داروں نے لٹو خریدنے

تو جس وقت ٹوڑ خرید کرنے گئے تو خریدنے کے بعد جب غور کیا۔ تو پسند نہیں آیا۔ جو اچھے
وہ ٹوڑ دوسرے شخص کے مال میں ڈالدیئے اور ان میں سے اچھے ٹوڑ منتخب کرتے اور جو
خود مالک تھا اسکو معلوم نہیں ہوا۔ اب دوسرے ٹوڑ چھانٹ کر بغیر اجازت مالک کے
ہمارے یہاں بھیجدئے اور جو ٹوڑ خریدے ہوئے تھے وہ مالک کے مال میں شامل کردئے اور
منتخب شدہ جو ٹوڑ بھیجے گئے تھے وہ مسجد پر چڑھادئے گئے۔ اب جب تفتیش ہوئی حالات
بالا اصلی طور پر دو بڑے عمر رسیدہ آدمیوں سے معلوم ہوا کہ یہ ٹوڑ بدلے ہوئے ہیں۔ اب
دریافت یہ کرنا ہے کہ ہماری نماز اس مسجد کے اندر جائز ہے یا نہیں اگر شرعاً وہ ٹوڑ ناجائز
ہوں تو ان کو اتار لیا جائے اور اب خرید و فروخت کرنیوالا کوئی حیات نہیں ہے۔ اب ان کو
اتار کر کیا کریں اور کونسے استعمال میں لائیں فقط

از طرف۔ میانجی محمد ابراہیم سوجیلا دیوا ڈاکخانہ
جھنگانہ ضلع سہارنپور۔

الجواب

اس مسجد میں نماز تو جائز ہے لیکن جب ان بزرگوں کا مشتبہ ہونا متحقق ہوگیا
تو شبہ کا زائل کرنا ضروری ہے جسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ جس کے عمدہ ٹوڑوں سے
مسجد کے ٹوڑ بدلے گئے ہیں اس کے ورثاء کو دے دلا کر راضی کرلیا جائے تلاش سے اس کے
ورثاء کا پتہ چل سکتا ہے اگر ورثاء سب بالغ ہوں اور وہ خوشی سے بدون معاوضہ کے یہ ٹوڑ
مسجد کیلئے رکھنے دیں تو بدون معاوضہ بھی یہ ٹوڑ مسجد کیلئے درست رہیں گے اور اگر ورثاء
میں کچھ نابالغ بھی ہوں یا بالغ ہی ہوں مگر معاوضہ کے طالب ہوں تو ان بڑے عمر رسیدہ
شخصوں سے جن سے واقعہ معلوم ہوا ہے دریافت کرلیا جائے کہ مسجد کے خراب ٹوڑوں اور
اس شخص کے عمدہ ٹوڑوں کی قیمت میں تمہارے تخمینہ کے اندر کتنا فرق تھا جتنا فرق وہ بیان
کریں اس کے حساب سے نابالغ ورثاء کو ان کے سہام کے موافق اور بالغ ورثاء کو جو طالب
معاوضہ ہوں ان کے سہام کے موافق معاوضہ دیکر راضی کردیا جائے اور اگر ورثاء کا پتہ نہ چلے
تو اسی قدر رقم جو تخمینہ سے ان ٹوڑوں میں مسجد کے مال سے زائد ہو غریبوں کو خیرات کردی
جائے اور اگر ان ٹوڑوں کا مسجد میں لگانا ہی گوارا نہ ہو تو ان ٹوڑوں کو مسجد سے علیحدہ
کرکے دوسرے حلال ٹوڑ اس کے عوض میں بہ نیت عوض لگادئے جائیں اور ان ٹوڑوں کو

بعینہ یا فروخت کرکے ان کی قیمت غریبوں پر خیرات کردی جائے اگر مالک کے ورثاء کا پتہ نہ چلے۔ اور اگر پتہ چل جائے تو یہ لوٹ مالک کے ورثاء کو واپس دیدئے جائیں۔ ان سے مسجد کے خراب لٹھوں کی قیمت اس وقت کے حساب سے لے لی جائے بشرطیکہ ان کے عمدہ لٹھ مسجد میں لگانے کے بعد اس قدر ناقص نہ ہوگئے ہوں کہ مسجد کے خراب لٹھوں کی قیمت کو یہ نقصان محیط ہو جائے اگر کل قیمت کو محیط ہو جائے تب تو یہ لٹھ بعینہ ان کو واپس کر کے ان سے کچھ نہ لیا جائے اور بعض قیمت کو محیط ہو تو اسی حساب سے جو باقی رہے اُن سے لے لیا جائے اگر وہ قیمت کچھ نہ دیں تو ان اتارے ہوئے لٹھوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے اتنی رقم ان کو دیدی جائے جو مسجد کے خراب لٹھوں سے عمدہ لٹھوں میں زائد تھی موافق تفصیل سابق کے اور جو رقم باقی رہے اسکو خواہ وہ لوگ لے لیں جو اب حلال لٹھ مسجد کیلئے چڑھائینگے اگر وہ بہ نیت معاوضہ ایسا کریں ورنہ باقی کو مسجد ہی کے دوسرے کاموں میں لگا دیا جائے کیونکہ باقی ماندہ رقم مسجد کے لئے حلال ہے، هذا ما فهمته من القواعد فان من وضع جذع رجل في سقفه وبنى عليه يملكه اذا كان ينقض قلعه وعليه الضمان كما في الهداية في مسئلة الساجة فقال من غصب ساجة وبنى عليها زال ملك المالك عنها ولزم الغاصب قيمتها اه (ص ۳۶۳)،

والغاصب هنا وكيل القيم فعليه الضمان ولكن المغصوب قبضه المتولي ووضعه في سقف المسجد فكان ضامناً للمغصوب بما لكه ولا يجوز وضعه في المسجد بعد تحقق الغصب الا برضاء المالك ودفع القيمة اليه كما قال في الهداية ايضاً: ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها استحساناً (ص ۳۶۱ ج ۳)— واداء البدل هنا هو اداء ما كان بين ساج المسجد وساج المغصوب منه من الزيادة والنقصان وحين لا يوجد المالك فسبيله التصدق۔

واللہ اعلم

۱۸ رجب ۱۳۴۱ھ

عیدگاہ کی زمین پر کاشت کرنا جائز نہیں سوال: ایک عیدگاہ میں تقریباً پندرہ برس سے

نماز عیدین ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں ہوتی اور وہ آبادی سے علیحدہ جگہ پر واقع ہے پنج وقتہ نماز پڑھے جانے کا کوئی موقعہ نہیں اس کے کچھ حصہ میں ایک عیدین کی نماز ہوتی ہے جس کا نقشہ حسب ذیل ہے

یہ وہ حصہ ہے جسمیں نماز عیدین ہوتی ہے

عیدگاہ میں درخت نہ ہونیکی وجہ سے نماز عید میں تکلیف ہوتی ہے اور نیز چونکہ اس کے متعلق کوئی آمدنی نہیں ہے اور نہ کہیں اور سے امداد ملنے کی امید ہے اس لئے عیدگاہ میں درخت لگانیکا ارادہ کیا گیا ہے درخت نصب کرنیکے بعد ان کی بلا صرفہ پرورش کیلئے یہ تدبیر سوچی گئی ہے کہ کسی شخص کو بغرض کاشت عیدگاہ کی زمین دیناچاہئے تاکہ شخص مذکور کاشت کرکے خود نفع حاصل کرے اور درختوں کی پرورش بھی کرے پرورش درختان کی ضرورت رفع ہونیکے بعد سلسلہ کاشت ختم ہوجائیگا۔ یہ بھی معاہدہ ہے کہ عیدین کی نماز کیلئے کل یاجزو رقبہ عیدگاہ حسب ضرورت وحسب طلب منتظمان بغرض نماز خالی کردیا جائیگا خواہ اس پر کوئی فصل موجود ہو اور اس کا کوئی معاوضہ وہ شخص نہیں لیگا چنانچہ حسب ذیل سوالات پیش آئے ہیں

(۱) یہ کہ عیدگاہ جس میں نماز نہیں ہوتی ہے وہ اغراض مذکورہ بالا کی نیت سے عارضی طور پر کاشت کیلئے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) وہ حصہ جس میں نماز عیدین ہوتی ہے اسکو اغراض مذکورہ بالا کیلئے کاشت پر دیا جاسکتا ہے؟

(۳) کاشت پر دینے کیلئے مسلم یا غیر مسلم کاشتکار ہونیکی قید تو نہیں؟

(۴) عیدگاہ اور دیگر مساجد کا حکم حالات مندرجہ بالا کے لئے جدا گانہ ہے یا ایک ہی؟

امید ہے کہ مفصل جوابات مع حوالہ کتب بقید صفحہ وغیرہ سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

ابرار حسین، وکیل ریٹ گنج بریلی

الجواب

قال في الدر: واما المتخذ لصلاة العيد او جنازة فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لا في حق غيره به يفتى اھ فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض واسواق اھ۔ قال الشامي: لكن قال في البحر: ظاهره انه يجوز الوطء والبول والتخلي فيه ولا يخفى ما فيه فان البانى لم يعده لذلك فينبغي ان لا يجوز وان حكمنا بكونه غير مسجد وانما تظهر فائدته في حق بقية الاحكام وحل دخوله للجنب والحائض اھ ومقابل هذا المختار ما صححه تاج الشريعة ان مصلى العيد له حكم المساجد وتمامه في الشرنبلالية اھ ملخصاً (ص ۲۸۸ ج ۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مصلیٰ عید کا احترام اور تنزیہ نجاسات وغیرہ سے مثل مسجد کے واجب ہے اور اسکی جگہ کو کاشت کیلئے دینا اس احترام کے منافی ہے کیونکہ پھر وہ کھیت ہوجائیگا جس میں غلاظت اور کھاد بھی ڈالا جائیگا لوگ بھی اس میں پیشاب پاخانہ سے احتراز نہ کرینگے لہٰذا جس حصہ میں نماز عید ہوتی ہے اس کو کاشت پر دینا جائز نہیں ہے باقی حصہ کو دینا جائز ہے جبکہ وہ نماز کے واسطے وقف نہ ہو بلکہ ضروریات عیدگاہ کیلئے وقف ہوا اور منجملہ ضروریات کے وہ ضرورت بھی ہے جس کو سائل نے ظاہر کیا ہے پس فنائے عیدگاہ کو کاشت پر دینا جائز ہے اور خود عیدگاہ کو جو نماز کی جگہ ہے کاشت پر نہ دیا جائے، اور جس حصہ کا کاشت پر دینا جائز ہے اس میں مسلم وغیر مسلم مزارع مساوی ہے البتہ مسلم اولیٰ ہے کیونکہ وہ نماز کی جگہ کا احترام کرے گا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

غرۂ شعبان سنہ ۳۶ھ

بانی یا اسکے لڑکے کو مسجد کی دیوار پر اس کے نام کا کتبہ لگانا شرعاً جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک مسجد قدیم الایام سے تعمیر شدہ ہے اب ایک عرصہ دراز کے بعد زید کہتا ہے کہ اس مسجد کا بانی اور متولی میرا باپ تھا اور اب میں ہوں، اب میں ایک عرصہ دراز کے بعد بانی کے نام کو نمایاں اور روشن کرنے کے واسطے بانی کے نام

اور تاریخ تعمیر مسجد ایک کتبہ پتھر پر کندہ کرا کر لگاتا ہوں اس امر سے زید کی برادری کے اکثر لوگ اس خیال سے ناخوش ہیں کہ یہ فعل زید کے نام و نمود کیلئے ہے جبکہ قدیم زمانے سے یہ کتبہ نہ تھا تو اب کیوں لگایا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ کتبہ لگانا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب شرعیہ صراحت فرمادی جائے۔

المستفتی: اظہار الحق مدرس ماقبت
خورشید منزل ضلع میرٹھ

الجواب

اگر یہ شخص بانی کا لڑکا نہ ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ اسکو اپنا نام مقصود نہیں صرف بانی کا نام اس غرض سے لکھتا ہے تاکہ لوگ اسکو دعا دیں مگر چونکہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اس کے اس فعل میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسکو اپنا نام کرنا مقصود ہے کہ ہم ایسے شخص کی اولاد ہیں جس نے یہ مسجد بنائی اور اس احتمال کا ظہور بھی ہو گیا کہ اہل محلہ کو اس شخص پر نام و نمود کے قصد کا شبہ ہے اس واسطے ایسی حالت میں اس شخص کو کتبہ لگانا مناسب نہیں اور اگر واقعی اسکی نیت نام و نمود کی ہے تو اسکو ایسا کرنا حرام ہے۔ فقد ورد فی الحدیث: من سمع سمع اللہ بہ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۵ رشعبان ۴۶ھ

نیز فقہاء کے کلام سے ایسے کتبوں کا نامناسب ہونا معلوم ہوتا ہے۔
وفی الدر المختار: ولا ینبغی الکتابۃ علی جدرانہ (ای المسجد) اھ
وفی رد المحتار: ای خوفاً من ان تسقط وتوطأ۔ بحر عن النہایۃ
اور یہ سب جواب کتبہ لگانے سے پہلے ہے اور اگر کسی نے لگا دیا تو اس کا اکھاڑنا بھی درست نہیں کیونکہ وقف میں مرکب ہونے سے وہ وقف ہو گیا اور وقف میں ایسا تصرف مضر للوقف ممنوع ہے نیز اکھیڑنے میں جزو مسجد کا بلا ضرورت شکستہ کرنا ہے یہ بھی درست نہیں۔

اشرف علی
۶ رشعبان ۴۶ھ

مسجد میں ایسی زیادتی جس سے توسط محراب ختم ہو جاتا ہو محراب نبوی و مقام ابراہیم پر امام کے کھڑے ہونے سے اس کے جواز پر استدلال کا جواب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین مسائل ذیل میں کہ ایک شخص کسی جانب کی، داہنی جانب کچھ زمین وقف کرکے شامل مسجد کرنا چاہتا ہے جس سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ محراب جو امام کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے وسط میں نہیں رہتی بلکہ امام کی ایک جانب صفوف زیادہ ہوتی ہیں اور دوسری جانب کم جو عند الفقہاء مکروہ ہے۔ اور اگر توسط امام قائم کرنے کیلئے امام کو محراب سے قدرے داہنی طرف کو ہٹا کر کھڑا کیا جاوے تو اس میں دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ بحالت موجودہ مسجد مذکور میں دو صفیں ہو سکتی ہیں اور امام کے محراب چھوڑ کر متوسط ہونے کی صورت میں ایک ہی صف ہو سکیگی فلہذا غرض توسیع فوت ہو جاتی ہے جو اس زمین کو شامل مسجد کرنے سے مطلوب ہے دوم یہ کہ بیرون مسجد جو صفیں قائم ہونگی ان میں ہمیشہ کیلئے یہ دستور رہیگا کہ بائیں جانب امام کے دوسری صفوں کی زیادہ ہوگی بہ نسبت داہنی جانب کے اور اسکو فقہاء مکروہ لکھتے ہیں لیکن زید اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ مسجد حرام میں جب امام مقام ابراہیم پر کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے تو داہنی جانب کی صفوف زیادہ ہوتی ہیں بہ نسبت بائیں جانب کے نیز مسجد نبوی علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کا نقشہ پیش کرکے یہ جتلاتا ہے کہ محراب نبوی اصل مسجد کی بائیں جانب ہے تو لامحالہ محراب میں کھڑے ہونے سے یمین کی زیادتی لازم آتی ہے اور چونکہ خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس پر عملدرآمد رہا لہذا کراہت تو کجا یہ صورت مسنونہ ٹھہری۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا توسط امام ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر ضروری نہیں تو سنت ہے یا صرف روایتی بات ہے اسکے خلاف میں کچھ مضائقہ نہیں۔ شق ثانی میں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اس طرح مکروہ فرمانا کیونکر صحیح ہوگا اور شق اول یعنی صورت سنت میں مسجد نبوی و مسجد بیت اللہ کا کیا جواب ہوگا؟

نیز یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ زیادتی جہت یمین کی صورت مسنونہ بقدر یک نصف صف ہوگی فلہذا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس زمین موقوفہ کو شامل مسجد کرکے اس فعل مکروہ کا ارتکاب کیا جائے یا اس زمین کو دیگر ضروریات مسجد کیلئے چھوڑ دینا بہتر ہوگا؟ —— نیز یہ کہ جو صورت خاص مقام ابراہیم و مسجد

نبوی کی ہے وہ انکی خصوصیات میں سے ہے یا دیگر مساجد کیلئے بھی یہ صورت بلا کراہت جائز ہو سکتی ہے اگر جائز ہے تو پھر فقہاء کے قول کراہت کا کیا جواب ہوگا جو کہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ امام کیلئے توسط ضروری ہے اور اس کے سوا مکروہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

زید کا یہ کہنا کہ مسجد حرام میں جب امام مقام ابراہیم میں کھڑا ہوتا ہے تو دا ہنی طرف کی صفوف دراز ہوتی ہیں بمقابلہ بائیں جانب الخ اس کا یمین و یسار کا تفاضل وہاں واقع نہیں ہو سکتا البتہ اگر مصلی جہالت کی وجہ سے استدارہ کی رعایت نہ کرے تو یہ ان کا فعل ہے جو حجت نہیں ہو سکتا۔ اور محراب مسجد نبوی کے متعلق یہ کہنا کہ محراب نبوی اصل مسجد کی بائیں جانب میں ہے تو لامحالہ یمین کی زیادت یسار پر لازم آتی ہے الخ یہ اسلئے فاسد ہے کہ اصل مسجد نبوی کی پیمائش میں یہ نقشے معتبر نہیں بلکہ علماء و محدثین کے اقوال معتبر ہیں اور اقوال محدثین و مورخین سے محراب نبوی کا وسط جدار قبلہ میں ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ خلاصۃ الوفاء صفحہ ۔۔ لغایت صفحہ ۔۔ سے مفہوم ہوتا ہے جسمیں تفصیل کے ساتھ مسجد نبوی کی اصل پیمائش بیان کی ہے اور توسط امام حدیث میں مامور بہ ہے۔ فقد روی ابوداؤد وغیرہ بسند حسن وسطوا الامام وسدوا الخلل اور فقہاء نے بھی ترک توسط کو مکروہ کہا ہے پس اگر مسجد میں زیادت کی ضرورت نہیں ہے تو اس طرح زیادت نہ کی جائے جس سے توسط فوت ہو اور اگر بوجہ کثرت مصلیین کے زیادت کی حاجت ہو تو زیادت کر دی جائے اور امام توسط کا لحاظ رکھے گو اندر دو صفیں نہ ہو سکیں اور اگر اندر دو صفیں نہ ہو سکنے سے بھی تنگی لازم آئے تو ایسی صورت مجبوری میں ترک توسط جائز ہے لان الکراھۃ ترتفع بالعذر کما صرحوا بہ فی الصلوٰۃ بین السواری وصلوٰۃ الامام علی الدکان ان کراھتہما عند عدم الضیق وحیث ضاق المقام فلا کراھۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ شعبان سنہ ۔۔ھ

(تنبیہ) یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ اس زمین کو وقف کرکے جزو مسجد بنایا جائے اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس جگہ کو وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کیا جائے مگر جزو مسجد نہ بنایا جائے اگر یہ صورت ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط

چندۂ مدارس کے متعلق ایک استفتاء سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین

صورت ذیل میں کہ مسلمان مدارس اسلامیہ کیلئے چندہ بھیجتے ہیں اور منتظمان مدارس اس روپیہ کے خرچ کرنے میں وکیل اور مختار ہوتے ہیں یہ مختلف طریقوں پر خرچ کیا جاتا ہے کبھی تو بلاک عین کی صورت میں یعنی ملازموں کی تنخواہوں میں اور طلباء کے وظائف میں دیدیا جاتا ہے اور کبھی اسطرح خرچ کیا جاتا ہے کہ عین باقی رہے اور اس سے نفع اٹھایا جائے اور اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں: کبھی تو اس روپیہ سے جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ بہ نیت وقف خریدی جاتی ہے مثلاً اراضی صحرائی باغات وغیرہ یا مکانات سکونتی وغیرہ یا کتب فقہی وظروف برائے استعمال اور کبھی جائیداد غیر منقولہ اس لئے خریدی جاتی ہے کہ جب تک اس چیز کی ضرورت ہے یا کار آمد ہے اس وقت تک رکھا جائیگا اور جب اسکی ضرورت باقی نہ رہیگی تو اسکو فروخت کرکے مدرسہ کے کسی دوسرے کام میں روپیہ کو لگا دیا جائیگا مثلاً چندہ کے روپیہ سے طلبہ کی سکونت کے واسطے ایک مکان خرید لیا گیا۔ اور خریدنے کے وقت یہ نیت تھی کہ جب تک ضرورت ہے اور یہ مکان کار آمد ہے اس وقت تک رکھا جائیگا اور جب ضرورت نہ رہیگی یا اسکی فروختگی میں مدرسہ کو نفع زیادہ ہوگا اسکو فروخت کردیا جائیگا پس سوال یہ ہے کہ جب چندہ کے روپیہ سے مکان یا زمین کو خریدنے کے وقت نیت وقف کی نہیں کی گئی بلکہ اس نیت سے خریدا گیا کہ ضرورت کے وقت اسکو فروخت کردیا جائیگا تو آیا ایسی حالت میں یہ مکان وقف ہو جائیگا یا نہیں ہوا اور اسکا فروخت کرنا مثل دوسرے ظروف استعمال کے جو بہ نیت وقف نہ خریدے گئے ہوں جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ عزیزیہ دیوبند

الجواب

متولیان و مہتممان مدارس کے پاس جو رقم مدرسہ کیلئے علاوہ رقوم تملیک کے آتی ہے وہ مدرسہ کیلئے وقف وصیہ ہے مگر چونکہ وقف منقول ہے اور وقف منقول میں اہلاک عین جائز ہے واسطے اسکو تنخواہ مدرسین ووظائف طلبہ وغیرہ میں صرف کردینا جائز ہے اور بقائے بدل اسمیں واجب نہیں کہ اسمیں حق هبہ بھی ہیں لیکن اگر متولی و مہتمم اس رقم کے عوض کوئی عین خریدلیگا تو وہ عین گو وقف نہیں الیستہ ہوجائیگی کیونکہ مدرسہ کیلئے کوئی شئی خریدنا اس شئی کو مدرسہ سے ملحق کرنا ہے اور الحاق بالموقوف وقف ہے لیکن موقوف اور ملحق بالموقوف میں بعض احکام میں فرق ہے مثلاً موقوف اصلی کی بیع و استبدال متولی و مہتمم

کو جائز نہیں الا بشرائطہ المذکورۃ فی القصۃ من کونہ مستغنی عنہ و اذن القاضی ببیعہ وغیرہ اور ملحق بالوقف کو : جس کو متولی نے آمدنی وقف وغیرہ سے خریدکر اضافہ کیا ہے ، متولی و مہتمم بیع کر سکتے ہیں جبکہ انفع للوقف ہو خصوصاً جبکہ متولی نے اسکو خرید اسی نیت سے ہو کہ بوقت ضرورت و نفع اسکو بیع کر دیا جائیگا ۔ فکان کما اذا شرطہ الواقف : لاستبدال ۔ اب دلائل ملاحظہ ہوں ۔

قال فی الھندیۃ : رجل اعطی درھما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ و اثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض کما فی الواقعات الخ (ص ۴۶۰ ج ۲) دل علی صحۃ ھبۃ المنقول للمسجد ولا بد من معنی الوقف فیہ فان المسجد لا یصلح للملک فی نفسہ فالتملیک للمسجد معناہ نقل ملکہ الی ملک اللہ تعالیٰ وھذا ھو الوقف بعینہ فھذا قسم جدید متردد بین الھبۃ والوقف ۔

وفی الدر : اشتری المتولی بمال الوقف داراً للوقف لا تلحق بالمنازل الموقوفۃ و یجوز بیعھا فی الاصح .... اھ ۔ قال الشامی : وفی البزازیۃ : قال ابو اللیث : فی الاستحسان یصیر وقفاً وھذا صریح فی انہ المختار اھ (رملی) ——— قلت : وفی الشامی خانیۃ : والمختار انہ یجوز بیعھا ان احتاجوا الیہ اھ (ص ۶۲۴ ج ۳) فتحصل ان المختار کون الملحق بالوقف وقفاً مع انہ لیس کاصل الوقف فی حرمۃ بیعہ مطلقاً بل للمتولی فی سعۃ من بیعہ عند الحاجۃ ونحوھا

وفی الدر ایضاً : وفیھا لا یجوز استبدال العامر الا فی اربع اھ قال الشامی : الاولی لو شرطہ الواقف اھ (ص ۶۰۲ ج ۳)

تحتہ ملک : وفی الھندیۃ : وذکر الخصاف فی وقفہ لو شرط ان یبیعھا و یصرف ثمنھا الی ما ہو انفع من الوقف بغیر فالوقف باطل اھ (ج ۲ ص ۳۱۸)

وفیہ ایضاً : متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعھا جاز اذا کانت لہ ولایۃ الشراء ھذہ المسئلۃ مبنیۃ علی

مسألة اخرى ان متولي المسجد اذا اشترى من غلة المسجد داراً او حانوتاً فهذه الدار والحانوت هل تلتحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد يعني هل يصير وقفاً اختلف المشائخ وقال الصدر الشهيد المختار انه لا يلتحق ويصير مستغلاً للمسجد كذا في المضمرات اھ (ص ۴۲۳ ج ۲)

جزئیہ اولیٰ سے معلوم ہوا کہ مہتمم مدرسہ اگر کوئی زمین یا مکان اس غرض سے خریدے کہ بوقت نفع وضرورت اسکو بیع کرکے اس کے ثمن کو مصالح مدرسہ میں جسطرح چاہیں خرچ کریں گے تو باتفاق اس صورت میں یہ زمین ومکان وقف نہ ہوگا اور اگر اس نیت سے خریدے کہ اس زمین ومکان کو بیع کرکے اسکی جگہ دوسری زمین ومکان خریدلی جائیگی یا کچھ نیت نہیں ہے تو اس صورت میں یہ زمین ومکان وقف ہوجائیگا عند بعض المشائخ اور بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی وقف نہیں صرف مستغل ہوگا مگر احوط وراجح قول اول ہے۔ واللہ اعلم

تتمہ: اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ اگر متولی ومہتمم مدرسہ رقوم چندہ سے کوئی جائیداد خریدے اور کوئی نیت نہ ہو یا یہ نیت ہو کہ بوقت ضرورت اسکو بیع کرکے اسکی جگہ جائیداد خریدیں گے تو اس صورت میں یہ زمین وقف ہوجائیگی اور بوقت ضرورت اسکی بیع جائز ہوگی مگر قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کسی وقت اسکو بیع کردیا جائے تو اس کے ثمن سے جائیداد ہی خریدنا ضروری ہے یا کتب خرید کر انکو وقف کردینا بھی جائز ہے۔ پس روایات میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس منقول کا وقف متعارف ہے اسکو بھی بجائے اس جائیداد کے وقف کرسکتے ہیں۔

قال في الخلاصة: ولو شرط في الوقف ان يبيعه ويجعل ثمنه في وقف افضل منه له ان يبيعه ولا يبيعه الحاكم لكن ان رأه الحاكم اذن له اھ (كشوري ص ۴۰۹ ج ۲) — قلت: والافضل يعم الافضل ثواباً او منفعة عاجلة.

وفي الهندية: ولو اشتريا بالثمن عروضاً مما لا يكون وقفاً فهو له والدين...... علله الخ (فتح القدير ص ۴۲۷ ج ۳) فتقييد العرض بما لا يكون وقفاً يفيد بمفهومه انه لو اشترى بالثمن عرضاً تعورف وقفه

صح ولا يكون ضامناً، ولا يعارض ذلك ما في الفتاوى الخيرية قبله وان كان
سواقف. قال في اصل الوقف على ان ابيعها بما بدا لي من الثمن من قليل او
كثير وذكر على ان ابيعها واشتري بثمنها عبداً او قال ابيعها ولم
يزد على ذلك قال هلال هذا الشرط فاسد يفسد به الوقف (ص
۲۱۶ ج ۳) —— فانه ثبت في الفتاوى باشتراء العبد جملة وقفاً
مكان الارض اولا وقف العبد وحده فليس بمتعارف بل المتعارف
وقفه تبعاً للعقار ونحوه۔۔

والله اعلم

الجواب صحیح

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

اشرف علی

۹ شوال سنہ ۴۶ھ

۹ شوال سنہ ۴۶ھ

مدارس کے لئے قواعد وضوابط مرتب کرنا اور مدرسین مدرسہ کا ان کی پابندی کرنا کیسا ہے

سوال: مدرسہ اسلامیہ واقع جامع مسجد امروہہ محلہ ملازمین کے تقرر وغیرہ کے متعلق قواعد بنائے جا سکتے ہیں یا نہیں ان مدرسین کی بابت جو قرآن، حدیث، فقہ، صرف، نحو، منطق، ہیئت، فلسفہ وغیرہ وغیرہ علوم کی تعلیم دیتے ہیں بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ جیسے ان مدرسوں کی تنخواہ، رخصت، پابندی اوقات یا کسی معاوضہ یا اقامت وغیرہ کے متعلق ہوں ان کو پابند کرنا موجب شرع شریف ناجائز ہے اور ان کے متعلق کوئی قاعدہ یا ضابطہ مرتب کرنا خلاف شرع ہے مدرسہ زیر نگرانی ایک مجلس شوری کے ہے آیا مجلس شوری کو اس نظام مدرسہ کے متعلق قواعد مرتب کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر مرتب ہوں تو جملہ مدرسین پر ان کی پابندی شرعاً لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب

خود شریعت نام ہے پابندی احکام کا، پابندی احکام عین شریعت ہے خلاف شریعت نہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں پابندی احکام ہے۔ پابندی اوقات بھی۔

قوانین مجلس شوری، تمام اہل شوری و مہتمم و مدرسین وکل کارپردازان مدرسہ پر حاوی ہیں اور اس کی پابندی سب کے ذمہ ہے۔

جو لوگ تعلیم کی نوکری کرتے ہیں اور تعلیم مع پابندی اوقات کے معاوضہ میں تنخواہ لیتے ہیں اور ان کی پابندی بالمعاوضہ ہوتی ہے اور تعلیم بھی بالمعاوضہ ہی ہے جس کو علماء متقدمین احناف اور امام صاحبؒ نے حرام فرمایا ہے اور متاخرین میں سے علماء بلخ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر ثواب تعلیم ان کو نہیں ملے گا، کیونکہ ان کی تعلیم خدا واسطے نہیں ہے، مال کے عوض میں ہے، اور جو لوگ تعلیم اور پابندی کا معاوضہ نہیں لیتے بلکہ ان کی کفالت کی جاتی ہے، اور ان کی تعلیم و پابندی لوجہ اللہ ہوتی ہے وہ ثواب کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کے مددگار بھی ثواب پاتے ہیں غرض پابندی قوانین سب کے ذمہ ہوتی ہے۔ کسی کے ذمہ بالمعاوضہ اور کسی کے ذمہ میں لوجہ اللہ تعالیٰ، اور قوانین بنانا شرعاً جائز ہے البتہ جو قانون خلاف شریعت ہوگا وہ نافذ نہ ہوگا واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن کان اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اہل مدارس عربیہ کو مدرسان مدرسہ کیلئے قواعد مرتب کرنا جائز ہے اور مدرسان پر ان کی پابندی لازم و واجب ہے، بدون پابندی قواعد کے ان کو تنخواہ لینا حلال نہ ہوگا اور جو لوگ مدرسان مدرسہ کیلئے قواعد مرتب کرنے کو ناجائز اور مدرسان پر ان کی پابندی کو غیر لازم سمجھتے ہیں وہ غالباً مدارس کو بیت المال اور تنخواہ مدرسین کو مثل عطاء بیت المال کے سمجھتے ہیں، مگر یہ خیال ان کا غلط ہے کیونکہ اول تو مدارس عربیہ پر بیت المال کی تعریف صادق نہیں ورنہ لازم ہے کہ ان میں علاوہ طلبہ علم اور مدرسان مدرسہ کے دوسرے مستحقین بیت المال مثل یتامیٰ، بیوگان ومسافران ومعذورین کا بھی حق ہو، حالانکہ ان کا مدارس میں کچھ حق نہیں۔ دوسرے ظاہر ہے کہ مدارس کا قیام چندہ دینے والوں کی امداد سے ہے، پس اس کا بیت المال ہونا یا نہ ہونا چندہ دینے والوں کی

مع متقدمین نے عرفی استیجار علی نفس التعلیم کو حرام فرمایا ہے اور استیجار علی التعلیم مع القیود والقوانین کو حرام کسی نے نہیں کہا کیونکہ قیود وقوانین کی پابندی شرعاً بدون اجارہ کے ترمیم وطاعت نہیں پس یہ استیجار علی الطاعت نہیں بلکہ علی المباح ہے ۱۲ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ولمن تعلق بہ ولمن هو متعلق بہ آمین

نیت پر ہے اور یقیناً چندہ دینے والے مدارس کو بیت المال اور مدرسین کی تنخواہ کو عطاء بیت المال کے مثل نہیں سمجھتے بلکہ عموماً چندہ دینے والے مہتمم مدرسہ کو اپنا وکیل اور ملازمانِ مدرسہ کو اجیر سمجھتے ہیں، اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مدرسہ کے مدرسین پابندی عمل و پابندی وقت و پابندی قواعد کو اپنے ذمہ ضروری نہیں سمجھتے تو یقیناً چندہ دینے والے ایسے مدرسہ میں چندہ دینے سے رک جائیں گے جس کو شک ہو وہ اس امر کا اعلان کرکے دیکھ لے کہ پھر مدرسہ میں چندہ کس قدر آتا ہے۔ رہا یہ امر کہ جب مدرسین اجیر ہیں تو ثواب بھی ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس صورت میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ وہ دنیا کی بڑی بڑی ملازمتوں کو چھوڑ کر اور طلب دنیا سے کنارہ کشی کرکے خدمت علم دین کی ملازمت پر قلیل تنخواہ سے قناعت کیے ہوئے ہیں فانما الاعمال بالنیات۔

وفي الحديث: أرأيت لو وضعها في حرام ألم يكن عليه وزره، قالوا: نعم، قال فإذا وضعها في حلال فله أجر، كما قال. والله أعلم

ظفر احمد عفی عنہ

التذنيل

قال في الدر: وما في البحر من قياس الوقف على الغنيمة رده في النهر، وحررناه في الوقف. قال الشامي: رده في النهر حيث قال: أقول في الدرر وغرر الأفكار عن فوائد صاحب المحيط: للإمام والمؤذن وقف فلم يستوفيا حتى ماتا سقط لأنه في معنى الصلة، وكذا القاضي، وقيل لا يسقط لأنه كالأجرة اهـ وجزم في البغية بأنه يورث بخلاف رزق القاضي، وأنت خبير بأن ما يأخذه القاضي ليس صلة كما هو ظاهر، ولا أجرًا لأن مثل هذه العبادة لم يقل أحد بجواز الاستئجار عليها، بخلاف ما يأخذه الإمام والمؤذن، فإنه لا ينفك عنهما فالنظر إلى الأجرة يورث ما يستحق إذا استحق غير متقيد بظهور الغلة وبيعه الناظر، وبالنظر إلى الصلة لا يورث إن قبضه الناظر، وبهذا عرف أن القياس على الغنيمة غير صحيح اهـ

أقول: قوله: إن ما يأخذه القاضي ليس صلة مخالف لما في الهداية

وغيرها كما سيأتي. ثم ما يأخذه الإمام ونحوه (أي المؤذن) فيه معنى الصلة ومعنى الأجرة، وما جزم به في البغية يقتضي ترجيح جانب الأجرة وهو ظاهر لا سيما على ما أفتى به المتأخرون من جواز الأجرة على الأذان والإمامة والتعليم وعن هذا مشى الإمام الطرسوسي في نفع الوسائل على أن المدرس ونحوه من أصحاب الوظائف إذا مات في أثناء السنة يعطى بقدر ما باشر ويسقط الباقي، بخلاف الوقف على الذرية والأولاد فإنه إذا مات مستحق منهم يعتبر في حقه وقت ظهور الغلة فإن مات بعد ظهورها ولو لم يبد صلاحها صار ما يستحقه لورثته وإلا سقط اهـ وتبعه في الأشباه وبه أفتى في الفتاوى الخيرية فليكن العمل عليه من التفصيل اهـ (ص ۴۵۸ ج ۳) وفيه أيضاً في بيان أجر أيام الغيبة عن العمل وهذا أي التفصيل المذكور في الغيبة إنما هو فيما إذا قال: وقفت هذا على ساكني مدرستي وأطلق. أما لو شرط شرطاً اتبع كحضور المدرس أياماً معلومة في كل جمعة فلا يستحق المعلوم إلا من باشر خصوصاً إذا قال: من غاب عن الدرس قطع معلومه فيجب اتباعه وتمامه في البحر (ص ۴۶۱ ج ۳)

اقول: هذا كله حكم المدرسين المقيمين بمدرسة لها وقف من واقف، وأما مدرسو المدارس التي ليس لها من الوقف إلا القليل وأكثر مداخلها من ما يجمع من أحاد الناس من الدراهم فكونهم أجراء ظاهر جداً والله أعلم.

ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی تو دوسری مسجد میں اس کا منتقل کرنا جائز نہیں ہے

سوال: (۹۵۵ ح ۶) ایک شخص نے ایک مسجد میں بتی معلق دیا لیکن اس میں حفاظت کا انتظام نہ تھا۔ اس واسطے وہ اہل محلہ میں سے ایک شخص اپنے گھر رکھ لیا۔ معطی نے کہا کہ جب یہاں کار آمد نہیں تو دینے سے کیا فائدہ! لاؤ میں دوسری جگہ پہنچا دوں گا۔ اس طرح دوسری جگہ پہنچا دیا، جہاں ہر وقت کام میں آتا ہے، اور محفوظ ہے۔ اب کئی سال کے بعد اس

مسجد قدیم میں انتظام ہو گیا اور وہ نمازی اس مصلی سے کہتے ہیں کہ ہمارا مصلی لاؤ وہ یہ کہتا ہے کہ مسئلہ دریافت کرنیکے بعد کچھ کر سکتا ہوں۔ استفسار ہے کہ اس کا منتقل کرنا صحیح تھا یا نہیں؟ اور دوبارہ منتقل کرنا کیسا ہے؟

سائل محمد اسلام

الجواب

جب مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی اور متولی مسجد نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس مسجد کی ملک ہو گئی۔ اب اس کا دوسری مسجد میں منتقل کرنا اس وقت جائز ہے جب مسجد ویران ہو جائے اور یہاں کا آباد ہونے کی امید نہ رہے ورنہ نقل جائز نہیں۔ اور صورت مسئولہ میں اس شخص نے مصلی کو ایسی حالت میں منتقل کیا کہ پہلی مسجد ویران نہیں بلکہ آبادی کو منتظم نہیں حتی اسلئے یہ مصلی پہلی ہی کی ملک ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

امام و مؤذن نصب کرنے کا حق اہل محلہ کو حاصل ہوتا ہے یا بانئ مسجد کو؟	سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک خاص گورستان

کے احاطہ میں واقع ہے اور گورستان والے اپنی طرف سے کچھ تنخواہ دیکر ایک پیش امام مسجد میں مقرر کرتے ہیں لیکن جب کبھی ان کے ہاں کوئی میت ہوتی ہے تو وہ ہمراہ میت آکر اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اس گورستان کے قریب ایک محلہ آباد ہے۔ اہل محلہ اس مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں اور مسجد کے تیل بتی اور رسی ڈول وغیرہ کا خرچ بھی اہل محلہ اٹھاتے ہیں لیکن اہل گورستان جو پیش امام رکھتے ہیں وہ اہل محلہ کے خلاف رہتا ہے۔ اس کا چال چلن اہل محلہ کے نزدیک مشتبہانہ نہیں ہے جس کیوجہ سے اہل محلہ اس پیش امام سے ناراض ہیں اور اس پیش امام کو بدلنا چاہتے ہیں۔ لہذا شریعت کے نزدیک اہل محلہ کو اس پیش امام کو تبدیل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور دیگر معاملات میں اہل محلہ کو دخل دینے کا حق ہے یا نہیں؟ اہل گورستان کہتے ہیں کہ مسجد ہماری ملکیت ہے تمہارا دل چاہے ہمارے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھو ورنہ دیگر مسجد میں جاکر پڑھو۔ جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل حافظ عبدالمجید دکاندار بیچون
شہر بیر محلہ پورہ

الجواب

قال فی الخلاصة: رجل بنی فی سکة مسجداً، فنازعه بعض اهل السکة فی عمارته او نصب المؤذن. فالمختار أن الباني أولى فی العمارة بالاتفاق. فان اراد القوم من هو أصلح من ذلك فی المؤذن والامام فهم أولى لان ضرر ذلك ونفعه يرجع اليهم (ص ۴۲۱ ج ۴ کتاب الوقف)۔

صورت مسئولہ میں اہل گورستان پر لازم ہے کہ اس مسجد میں امام و مؤذن اہل محلہ کی مرضی کے موافق مقرر کریں، کیونکہ مسجد کی آبادی اہل محلہ ہی سے ہے۔ اگر امام ایسا مقرر ہوا جس کی امامت سے اہل محلہ راضی نہ ہوئے تو مسجد کی آبادی اور پابندی جماعت میں خلل واقع ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم اور اہل محلہ کو امام و مؤذن کے سوا دیگر معاملات مسجد میں اہل گورستان کے مقابلہ میں بولنے کا حق نہیں

فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

مسجد کے نیچے دکانیں بنانا

سوال: ایک شخص مسجد اس طرح بنانا چاہتا ہے کہ اس کے نیچے دکانیں ہوں اور اوپر مسجد ہو اور دکانیں مسجد کے پورے حصے کے نیچے رکھنا چاہتا ہے یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت جائز نہیں تو اگر وہ مسجد کے مسقف حصے کے نیچے حوض رکھے اور صحن مسجد کے نیچے دکانیں رکھے، یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

السائل محمد حسین ٹینری کانپور

الجواب

مسجد کے نیچے دکانیں بنانا اس صورت میں ناجائز ہے جبکہ اول مسجد تیار کر لی گئی ہو پھر اس کے نیچے تہ خانہ بنا کر دکان بنائی جائے اور اگر ابتدا ہی سے یہ صورت ہو کہ اول دکانیں بنائی جائیں پھر ان کے اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ دکانیں مصالح مسجد کیلئے ہوں اور مسجد ہی پر وقف ہوں۔

قال فی الشامیة: ويؤخذ من التعليل ان محل عدم كونه مسجداً

فیما اذا لم یکن وقفا علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال: واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفا علیہ صار مسجدا اھ وفی البحر: اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع اھ (ص ۲۵۷ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۲۹ محرم الحرام سنہ ۴۸

اس مسجد و عیدگاہ کا حکم جو ضد اور نفسانیت کی وجہ سے بنائے گئے ہوں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی جگہ عرصہ سے ایک مسجد اور عیدگاہ مقرر ہے بالعدہ کسی بات پر لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور لوگ دو فریق ہو گئے۔ فریق اول تو مسجد قدیم اور عیدگاہ میں نماز پڑھتے رہے اور فریق دیگر اس غرض سے کہ قدیم مسجد و عیدگاہ خراب ہو جاوے گی ایک نئی مسجد و عیدگاہ قائم کر کے نماز پڑھنے لگے اب یہ دریافت کرنا ہے کہ اس نئی مسجد اور عیدگاہ پر نماز جائز ہے یا نہیں دیگر یہ ہے کہ اگر دونوں فریق آپس میں اس شرط پر متفق ہو جائیں کہ نہ نئی مسجد و عیدگاہ میں نماز پڑھیں نہ قدیم میں بلکہ سب مل کر ایک تیسری جگہ پر مسجد و عیدگاہ بنا کر نماز پڑھیں تو تیسری جگہ پر مسجد اور عیدگاہ قائم کر کے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بر تقدیر اول قدیم مسجد و عیدگاہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب الاول

وہ مسجد جدیدہ اور عیدگاہ جدیدہ دونوں صورتوں میں جو سوال میں مرقوم ہے حکم میں مسجد ضرار کے ہے کیونکہ مبنیٰ ان کی بناء کا غرض فاسد ہے للّٰہیت نہیں۔ چنانچہ قرائن حال سے معلوم ہوتا ہے اور جو مسجد کہ مبنیٰ اور منشا اس کا غرض فاسد ہو وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ فی المدارک کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او بمال غیر طیب او بغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ فھو لاحق بمسجد الضرار انتھی۔ واللہ اعلم

کتبہ فیض اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام

الجواب الثانی

قدیم مسجد و عیدگاہ میں نماز ادا کرنا چاہیے، جدید مسجد اور عیدگاہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے حق تعالے کا ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مسجد کے بارے میں ہوا۔ لا تقم فیہ ابدا، تفسیر کشاف۔ اور مدارک میں ہے: کل مسجد مباھاۃ اور یاء و سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالی او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار۔ اگر دینی عذر کی وجہ سے مثلاً مسجد اور عیدگاہ کا امام دینی لحاظ سے اچھا نہیں ہے یا وہ مسجد بہت دور ہے لوگوں کو وہاں آنے جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے تو اس مسجد کو ضرار کا حکم نہیں ہے اور تیسری مسجد کی حاجت سے زیادہ ہو کر بے حرمتی مسجد کی ہوگی جو شرعاً ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ ریاض الدین

مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

الجواب الثالث

جواب صحیح ہے مسلمانوں کے لئے کسی شرعی وجہ کے بغیر مسجد قدیم اور عیدگاہ سابق کو ترک کرنا اور ان کو ویران کرنا جائز نہیں ہے تاہم اگر سب مسلمان متفق ہو کر فتنہ افتراق کو مٹانے کے لئے تیسری مسجد اور عیدگاہ کی تعمیر کرتے ہیں تو یہ عیدگاہ اور مسجد شرعی حیثیت سے عیدگاہ اور مسجد ہو جائے گی۔ مسلمانوں کے لئے اس میں نماز پڑھنا درست ہے اب اگر مسجد قدیم ویران ہوگئی اور سب لوگوں نے اس میں نماز پڑھنی ترک کی تو جب بھی اس کی مسجدیت فنا نہیں ہوگی وہ قیام قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عتیق الرحمن عثمانی دیوبندی

۲۸ محرم الحرام [illegible]ھ

الجواب الرابع

بندہ کے خیال میں محررہ بالا تینوں جوابوں میں کوئی منافات یا فرق نہیں ہے۔

اس لئے میں ان جوابات ثلاثہ کو صحیح سمجھتا ہوں۔

محمد اعزاز علی

دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور

الجواب الخامس من جامع امداد الاحکام

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

مسجد ضرار جس کا ذکر قرآن میں ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہدم کرا دیا تھا درحقیقت مسجد ہی نہ تھی کیونکہ اس کے بانی کفار (منافقین) تھے اور ان کی نیت بھی بناء مسجد نہ تھی بلکہ بناء بیت المشورۃ للاضرار المسلمین تھی جس کو اخفاء مطلب کے لئے مسجد کی صورت پر بنایا گیا تھا۔

قال اللہ تعالیٰ: والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل، الآیۃ چونکہ یہ مسجد ہی نہ تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرادیا۔ اس پر مسلمانوں کی ان مسجدوں کو جو ضد اور نفسانیت کی وجہ سے بناتے ہیں قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ جب کسی زمین کو مسجد یا مدرسہ کے لئے بشرائط وقف کر دیا جائے تو وقف یقیناً صحیح ہو جائے گا کیونکہ ارکان و شرائط وقف موجود ہیں۔ فان حد الوقف حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ عند الامام وعندھما ھو حبسھا علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصرف منفعتھا علی من احب ورکنہ الالفاظ الخاصۃ ومحلہ المال المتقوم وشرطہ شرط سائر المتبرعات وان یکون قربۃ فی ذاتہ معلوما منجزا۔ (درمختار ص ۵۵۶ ج ۳)

اس سے ظاہر ہے کہ جب ان ارکان و شرائط کا تحقق ہو جائے گا وقف متحقق ہو جائے گا اور فقہاء نے صحت وقف میں کسی جگہ بھی خلوص نیت کی شرط بیان نہیں

کی اور اگر یہ شرط ہو تو بہت سے مدارس دوسرے وسرائے و سرائے فرنانہ وغیرہ جو امراء و رؤساً نے فخر و ریا کے لئے بنائے ہیں باطل الوقف ہو جائیں گے اور ان کا انہدام و بیع وغیرہ جائز ہوگا بلکہ ورثاء واقف کی طرف واپس کر دینا واجب ہوگا اور اس کا کوئی قائل نہیں جب یہ مقدمہ ممہد ہو گیا اب سمجھئے کہ جن علماء نے مسجد مباہات وریاء وسمعہ یا مسجد مال حرام کو ملحق بمسجد ضرار فرمایا ہے ان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ "الاعمال بالنیات، ولا یقبل اللہ الا طیب" کی وجہ سے بانی وواقف کو ان صورتوں میں ثواب نہ ملے گا اور ان میں نماز پڑھنے والوں کو مسجد خالص کے برابر ثواب نہ ملے گا اور یہ مطلب نہیں کہ ان صورتوں میں مسجد مسجد نہ ہوگی کیونکہ بطلان مسجدیت کی کوئی وجہ موجود نہیں جبکہ وقف مع الارکان والشرائط متحقق ہے۔ پس صورت مسئولہ میں دوسری نئی مسجد وعیدگاہ بھی مسجد وعیدگاہ بن گئی۔ لجواز تعدد الجمعۃ والعیدین فی مصر واحد اور اس میں نماز بھی درست ہے اور اس کا ہدم بھی جائز نہیں بلکہ حفاظت لازم ہے البتہ ثواب پہلی مسجد وعیدگاہ میں زیادہ ہے اور دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے فرض و واجب تو ادا ہو جائے گا اور ثواب جماعت ومسجد کا بھی ملے گا مگر مسجد خالص وکامل کے برابر ثواب نہ ملے گا اور یہ تفاوت بھی اس کے لئے ہے جس کے لئے مسجد قدیم احق ہے اور اگر کسی شخص کے لئے مسجد جدید احق ہو وہاں حکم بالعکس ہوگا باقی بانی کی نیت کا اثر مصلی کے عمل میں نہ ہوگا (اشرف) اور قدیم و جدید سب کو باطل کر کے تیسری مسجد وعیدگاہ بنانا جائز نہیں کیونکہ جو مسجد، مسجد ہو چکی ہے اس کی تعمیر و آبادی و حفاظت لازم ہے ہدم و ابطال وتعطیل جائز نہیں لیکن اگر بن گئی تو اس کا حکم بھی مسجد ثانی کا ہوگا۔ (اشرف) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۵ صفر ۱۳۴۶ھ

مسجد کے متصل زمین پر جو وقف علی المسجد ہو اس پر کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا اور فناء مسجد کی تعریف

سوال: السلام علیکم یا مولانا! جواب اس مسئلہ ذیل بتوجہ دین پروری مرحمت فرمایند کہ تشکر خواہیم ماند۔

(۱) مسجد یست کہ بطرف گوشہ مغرب و شمال او یک قطعہ وقف علی المسجد متصل دیوار افتادہ است کہ نمازیان بعض وقت بول می کنند حالاً شخصے می خواہد کہ در آں قطعہ خانہ یا دوکان سازد و کرایہ آں در غلہ مسجد داخل نماید کہ در عمارت مسجد بکار آید آیا چنیں طور کردن جائز است یا نہ؟

(۲) فناء مسجد کرامی گویند رہمیں قطعہ مذکورہ را فناء گفتہ شود یا نہ؟ و حکم فناء مسجد چیست یعنی در فناء مسجد مرور جنب و حائضہ جائز است یا نہ؟ و دراں دوکان کرایہ آں در عمارت مسجد صرف نمودن جائز است یا نہ؟

السائل عبدالفتاح
از شکارپور سندھ محلہ مہر شاہ وتبہ

الجواب

(۱) ایں فعل جائز است اگر خلاف غرض واقف نہ باشد و الا اتباع غرض واقف لازم بود۔

(۲) فناء مسجد گاہے صحن مسجد را گویند و گاہے متعلقات و ملحقات او را، و مرور جنب و حائضہ از اول ممنوع است نہ از ثانی۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

مسجد کے لئے یہ شرط ہے کہ اوپر نیچے سب زمین مسجد کے لئے وقف ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم نے ایک غیر مسلم سے ایک قطعہ مکان بغرض دوکان کرنے کے کرایہ ماہواری پر لیا اور دونوں کے درمیان شرط یہ ٹھہری بذریعہ تحریر کہ جب تک زید کا جی چاہے مکان مذکور میں رہے

اور جب جی چاہے چھوڑ دے غیر مسلم کو مکان سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی
شرط پر ایک عرصہ دراز تک قریب سولہ سال کے دونوں قائم رہے اور کرایہ زید برابر
غیر مسلم کو باخذ رسید ادا کرتا رہا اس کے بعد زید نے باجازت غیر مسلم مالک مکان
کے اپنے صرفہ سے اس مکان میں تعمیر کا اضافہ کیا تب غیر مسلم کو اور غیر مسلم نے ورغلا کر
بھڑکا دیا کہ زید مسلم ہے اس سے مکان خالی کرا لو اور کسی غیر مسلم ہندو کو دے دو تب اس
نے زید سے کہا کہ میرا مکان خالی کر دو، زید نے انکار کر دیا شرط مذکورہ بالا کی بنا پر
اس پر غیر مسلم نے پنچایت جمع کیا اور مجلس میں پیش کیا۔ اس پنچایت مذکورہ میں
زید نے شرط مذکورہ کی تحریر کو پیش کیا۔ پنچایت والوں نے غیر مسلم کو ہرا دیا۔ اسی شرط کی رو سے
اور باز رکھا غیر مسلم کو اس کے بعد پھر کرایہ بدستور زید ادا کرتا رہا اس کے بعد زید نے اس
موضع میں زمینداری نیلام خرید لیا باجازت مدیون ڈگری بعد خرید نے زمینداری کے غیر
مسلم لاوارث فوت کر گیا تب اس کے بعد موضع کا بٹوارہ و تقسیم زمینداروں میں ہوئی۔
سرکاری طور پر بذریعہ درخواست شرکا موضع دیگر حصہ داران موضع نے عدالت میں یہ
عذر پیش کیا کہ یہ مکان مسکونہ زید و دیگر چند مکانات لاوارث ہیں برحسب رسد
تقسیم کی جائیں۔ عدالت نے عذر خارج کر دیا اور یہ فیصلہ کر دیا کہ مکانات جن زمیندار
کے قبضہ میں ہیں انہی کو دیے جائیں اس کے معاوضہ میں دوسری زمین سے دیگر حصہ داران
کو دیے جائیں اسی کے مطابق تقسیم ہو گئی۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ بروقت
مخاصمت تخلیہ مکان غیر مسلم کے زید نے نیت کر لیا تھا اللہ پاک سے کہ یا اللہ اگر یہ
مکان حلال طریقہ سے مجھ کو مل گیا تو میں اس دوکان کے اوپر کے حصہ پر مسجد بنوا دوں
گا بشرط استطاعت اور نیچے کے حصہ میں دوکان کروں گا۔ واضح رہے کہ مالک مکان
غیر مسلم حصہ دار و زمیندار موضع نہیں تھا بلکہ کاشت کارانہ قابض تھا اب از روئے شرع
شریف کے تحریر فرمائیں کہ مکان حلال طریقہ سے ملا ہے یا نہیں؟ اور چھت پر مسجد بنا
کر نیچے اپنی دوکان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور چھت پر مسجد بنائیں تو کس طرح بنا سکتے ہیں
آیا صرف امام کی جگہ نیچے زمین پر ہو اور بقیہ خالی جگہ نیچے قابل دوکان ہو یا کیسے ہو؟
خلاصہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

سائل مجیب پھولپور، ڈاک خاص ضلع اعظم گڈھ

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ مکان تو زید کو حلال طریقہ سے ملا ہے مگر اس کے اوپر
مسجد نہیں بن سکتی کیونکہ مسجد کے واسطے یہ شرط ہے کہ اس کے نیچے اوپر کی سب زمین
مسجد کے واسطے وقف ہو۔ اگر یہ شخص دوکان کو اپنی ملکیت میں رکھنا چاہے تو اوپر
کے حصہ پر مسجد نہیں بن سکتی البتہ اگر دوکان کو بھی مسجد کے لئے وقف کرنا چاہے
تو سوال دوبارہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۰ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

نقل مسجد کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع
متین اس بارے میں کہ موضع کماڑی اسٹیٹ بنارس کے مسلمانوں کو مہاراجہ صاحب
بنارس کی طرف سے زمین برائے تعمیر مسجد خاص اسلامی آبادی کے اندر ملی تھی اور اس
جگہ ویسے لوگ برابر نماز پڑھا کرتے تھے پس امسال ماہ اگست میں زمین مذکورہ بالا پر
تعمیر مسجد شروع کر دی گئی اور تین فٹ دیوار اونچی بھی آچکی تھی کہ قرب وجوار کے
متعصب ہندوؤں نے جمع ہو کر زبردستی دیوار کو گرا دیا اور یہ معاملہ سپرد عدالت
ہے پس حکام ضلع کی رائے ہے کہ مسجد دوسری جگہ بنائی جائے مگر قرب وجوار کے
عام مسلمان اس بات پر اڑے ہیں کہ مسجد اسی جگہ بنائی جائے جہاں اس کی بنیاد پڑ
چکی ہے دوسری جگہ پر بنانا شریعت کے خلاف ہے اس پر جناب کلکٹر صاحب بہادر
مذہبی ثبوت طلب کر رہے ہیں۔ علماء دین سے گذارش ہے کہ اس بارے میں شریعت
کیا حکم رکھتی ہے کہ مسجد اسی جگہ موقوف علیہ پر بنی چاہیے یا کہ دوسری جگہ بنائی جائے
جواب مدلل مع ثبوت کے ہونا چاہیے تاکہ عدالت ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب

جس جگہ اب مسجد ہے اسی جگہ رکھنا ضروری ہے اس کے بدلے میں دوسری

جگہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور کتب فقہ میں مصرح ہے چنانچہ ذخیرہ[1] جو کہ مذہب حنفی کی ایک مسلّم و مقبول کتاب ہے اس میں صاف لکھا ہے:

لوکان مسجد فی محلۃ ضاق علی اھلہ ولا یسعھم ان یزیدوا فیہ فسألھم بعض الجیران ان یجعلوا ذالک المسجد لہ لیدخلہ فی دارہ ویعطیھم مکانہ عوضا ما ھو خیر لہ فیسع فیہ اھل المحلۃ قال محمد لا یسعھم ذلک کذا فی الذخیرۃ۔

دیکھئے اس صورت میں باوجودیکہ مسلمانوں کو سخت ضرورت تھی مگر پھر بھی اجازت بدلنے کی نہیں دی اور صورت مندرجہ السوال میں تو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پس اس حالت میں بدلنا تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی فہم اور ہدایہ کتاب الوقف میں تصریح کی ہے لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا یبیعہ[2] ولا یورث عنہ (ص ۶۲۱ ج ۲)

علاوہ ان دو مقبول عام کتابوں کے دوسری کتابوں میں اس سے بھی زیادہ تصریحات موجود ہیں حتی کہ مسجد اور محلہ سب بے آباد ہو جائے تب بھی اس جگہ مسجد رکھنا ضروری ہے۔ کما فی الدر المختار: ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی حاوی القدسی (شامی ص ۴۰۲ ج ۳) ایسی ایسی صاف تصریحات کے بعد دیکھنے والے کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ سکتا کہ مسجد کا بدلنا حرام ہے لہٰذا زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہم مسجد اسی جگہ رکھیں گے مذہبی حیثیت سے نہایت ضروری ہے اس کے خلاف کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر

عبدالکریم عفی عنہ۔ از تھانہ بھون

مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

[1] فصل اول باب حادی عشر کتاب الوقف (ص ۴۳۰ ج ۳)

[2] اور تبادلہ کے بیع ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۱۵ رجمادی الاول ۴۸ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
وارد حال تھانہ بھون ۱۵ جمادی الاول ۴۸ھ

حکم انتقاض دوکانہائے مسجد

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں چند دوکانیں وقف ہیں ان کی جب مرمت ہوتی ہے تو کچھ ملبہ اینٹ وتختہ وکیواڑ وغیرہا بوسیدہ بچے رہتا ہے فی الحال یا آئندہ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مسجد مذکور کی دوکانوں میں کام نہ آئیگا تو متولیان مسجد اس کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر فروخت کرکے مسجد کے دیگر مصارف میں اس کو لاسکتے ہیں یا نہیں؟ محمد اسمٰعیل شاملی

الجواب

بچے ہوئے ملبہ کو فروخت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۳ رجب ۵۱ھ

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۰ رجب ۵۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۷ رجب ۵۱ھ

ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد کی اس کے خرچ سے اتنی زیادہ آمدنی ہو کر سالانہ جمع ہوتا رہتا ہو تو اس زائد آمدنی سے دیگر مساجد کی آمدنی کی صورت

نکال سکتے ہیں یا نہیں مثلاً دوکانیں بنادیں یا جائیداد خرید کردیں پھر اس کی آمدنی سے اپنا دیا ہوا روپیہ وصول کرلیں یہ جائز ہے یا ناجائز؟

سائل محمد اسماعیل
قصبہ شاملی

الجواب

قرض دینا دوسری مسجد کو اس شرط پر جائز ہوسکتا ہے کہ قاضی شرعی قرض کی اجازت دے دے اور یہاں قاضی ہے نہیں اس واسطے قرض دینے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ وجماعة المسلمین لا تقوم مقام القاضی فی ذالک لان الاستدانة سہل واداء الدین عسیر جداً وعند المطالبة یقع النزاع کثیرا فالمنع اولیٰ سدا للباب الفتنة کما افتی بہ العلامة التھانوی مدظلہ العالی۔ البتہ اگر بالکل ضرورت سے زائد ہے اور آئندہ بھی مسجد میں ضرورت کا احتمال نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ بطور امداد کے دوسری مسجد کو روپیہ بالکل دے دیں مگر اس امداد میں اس مسجد کا حق مقدم ہوگا جو قریب ترین ہو ثم الاقرب فالاقرب وھذا کلہ مصرح فی کتب الفقہ۔ واللہ اعلم۔

کتبہ	الجواب صحیح
عبدالکریم عفی عنہ	بندہ محمد شفیع غفرلہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۵ رجب ۱۳۵۱ھ	۱۸ رجب ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۳ رجب ۱۳۵۱ھ

مسجد کے کسی حصہ کو دوکان بنانا جائز نہیں ہے

سوال: مخدوم و مکرم و معظم محترم

بندہ ادام اللہ ظلکم وبرکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بس از آداب
آداب نیازمندانہ عرض پرداز ہوں۔ بڑعرصے خیریت مزاج معلوم نہیں ہوئی۔ امید
کہ آنحضرت مع اعزہ مع الخیر ہوں گے۔ باعث تصدیق یہ ہے کہ یہاں پر عرصہ کئی سال
سے ایک مسجد معروف بہ مسجد جوگیاں شکستہ حالت میں پڑی ہوئی تھی چھت بھی
گر گئی تھی اہلِ محلہ کو اکثر تاکید کی گئی کہ اس کی مرمت کر کے نماز کا اہتمام کریں مگر انہوں
نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہ مسجد ہندو مہاجنوں کے وسط میں ہے اس لئے مسلمانوں کو فکر
ہوئی کہ کہیں اس کسمپرسی کی حالت میں کچھ عرصے بعد ہندوؤں کے قبضہ نہ پہنچ جائے۔
اور بھائی ریاض الاسلام نے چندہ کر کے اس کی تعمیر اور مرمت کا کام شروع کر دیا ہے۔
یہ مسجد لب سڑک ہے اور کرسی بلند ہے مسجد کی سہ دری کے نیچے ایک دوکان پیشتر سے
موجود ہے اب تجویز یہ ہے کہ ایک دوکان صحن مسجد کے نیچے نکال دی جائے تاکہ مسجد
کا خرچ ان دونوں دوکانوں سے چلتا رہے ورنہ کچھ عرصے کے بعد مسجد پھر ویران ہو جائے
گی کیونکہ اہلِ محلہ عموماً مفلس اور بدشوق ہیں۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع
متین اس معاملہ میں کہ ایسی حالت میں صحن مسجد کے نیچے دوکان بنانی جائز ہے یا نہیں
بینوا توجروا۔

تعمیر کا کام شروع ہو گیا ہے جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں۔ فقط والسلام
راقم ناچیز طفیل احمد۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر
۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ

الجواب

قال فی الدر: لو بنی فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانہ من المصالح
اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال: عنیت ذالک لم
یصدق "تاتارخانیۃ" فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ
فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ
ولا ان یجعل شیئاً منہ مستغلاً ولا سکنی اھ "بزازیۃ" قال الشامی
والمراد بالمستغل ان یوجد منہ شیٔ لاجل عمارتہ وبالسکنی محلھا

وعبارۃ البزازیۃ علی ما فی البحر: ولا مسکنا وقد رد فی الفتح ما بحثہ فی الخلاصۃ من انہ لو احتاج المسجد الی نفقۃ تؤجر قطعۃ منہ بقدر ما ینفق علیہ بانہ غیر صحیح اھ (ص ۴۲۵ ج ۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تمامیت مسجد کے بعد مسجد کے کسی حصہ کو دوکان بنانا یا دوکان میں شامل کرنا اگرچہ مصلحت مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۲ر رجب [illegible]ھ

احکام المقابر

ایسے قبرستان کو فروخت کرنا جس میں پیسے لے کر مردے دفن کیے گئے ہوں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک زمین کو میونسپلٹی کی اجازت حاصل کر کے اور سرکاری دفتر میں درج کروا کے قبرگاہ بنا دیا اور روپیہ لے کر مسلمانوں کی نعشیں اس میں دفن کرتا رہا۔ ایک مدت کے بعد جب وہ زمین کچی اور پکی قبروں سے بھر گئی تو جب قانون میونسپلٹی نے اس میں مردے دفن کرنا چھوڑ دیا مگر اس میں قبریں موجود ہیں اور مسلمان لوگ وہاں برابر زیارت کرنے جاتے ہیں۔ زید نے جو دیکھا اس کی آمدنی کی صورت بند ہو گئی تو اس نے درپردہ اس زمین کا کچھ حصہ ایک مسلمان کے ہاتھ بیچ دیا اور کچھ حصہ کو ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیا۔ مسلمان مشتری نے اس پر مکان سکونتی اور پاخانہ بنایا اور ہندو مشتری اس زمین میں عمارت بنانے کی غرض سے یا اور کسی غرض سے اس کو کھود کر مسطح بناتا ہے اور قبروں کو مسمار کر کے ہڈیوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ ایسی حالت میں اب سوال یہ ہے کہ اس زمین کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں اس پر مکان سکونتی اور پاخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اس کو کھود کر قبروں کو مسمار کرنا اور مردوں کی ہڈیوں کو اکھاڑ کر پھینکنا جائز ہے یا نہیں۔ ان سب حرکات ناشائستہ پر مزاحمت کرنے اور مفسدوں کو ان حرکات سے باز رکھنا عام مسلمانوں کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ ہے کہ زید نے اپنی زمین کو روپیہ لے کر مردوں کو دفن کیا اس وجہ سے جس قدر زمین ہر مردہ کے دفن کے لئے زید نے دی ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہو گئی اور مردہ کے وارث اس کے مالک ہو گئے لہٰذا اب زید کا اس زمین کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر فروخت کرے گا تو بیع فاسد ہوگی۔ مردوں کے ورثاء کو حق ہے کہ قبروں پر جو شخص بدون ان کی رضا کے مکان بنائے اس کے مکان کو منہدم کر دیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس صورت میں کہ زید نے اس مقبرہ کا کچھ حصہ ایک مسلمان

کے ہاتھ اور ایک حصہ ہندو کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور وہ مردوں کی ہڈیوں کو نکال کر باہر پھینکتا ہے یا قبروں پر پاخانہ بناتا ہے اس صورت میں مسلمانوں کی قبروں کی سخت توہین ہے۔ تمام اہل اسلام کو اس توہین مذہبی کی وجہ سے احتجاج کا حق ہے بلکہ سب کو لازم ہے کہ زید کو مجبور کریں کہ خریداروں کو رقم واپس دے اور قبرستان کو خالی کرالیں۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

اشرف علی ۱۱ رجب ۱۳۴۳ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ رجب ۱۳۴۳ھ

قبر پر سے خودرو گھاس یا درخت کا کاٹنا اور پھلدار درخت کا پھل کھانا کیسا ہے اور قبر ختم کر کے زراعت کا حکم

سوال ۔ اگر کسی قبر پر خودرو گھاس یا درخت ہے تو اس گھاس اور درخت کو قطع کرنا اور کسی استعمال میں لگانا ایسا ہی اگر کوئی پھلدار درخت ہو تو اس کا پھل کھانا کیسا ہے؟

۲۔ اگر کسی زمین پر مردہ دفن کیا جائے تو اس قبر کو کھیت بنانا یعنی اس پر زراعت وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لئے کوئی میعاد ہے کہ اتنے سال کے بعد تو جائز ہے اور اس سے پہلے جائز نہیں؟

الجواب

۱۔ گھاس کا کاٹنا تو جائز ہے مگر بلاضرورت شدیدہ تر گھاس کا کاٹنا اچھا نہیں اور ضرورت میں کچھ حرج نہیں۔ البتہ درخت کے کاٹنے میں تفصیل ہے۔ اول یہ بتلایا جائے کہ قبرستان وقف ہے یا مملوک اور وقف ہے تو متولی کوئی ہے یا نہیں اور متولی نہیں ہے تو اب تک اس قبرستان کے درخت وغیرہ کس طرح صرف ہوتے رہے اور بعد وجود شرائط اس قطع محض قبر پر درخت کا ہونا حل قطع سے مانع نہیں۔ اسی طرح پھلدار درخت کا پھل قاعدہ شرعیہ سے توڑا جائے تو محض قبر پر درخت ہونے سے اس کے پھل میں کچھ خرابی نہیں آتی۔

۲۔ جب تک قبر کا نشان موجود ہو یا نشان نہ ہو مگر ظاہر حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ ابھی جسم میت خاک خوردہ نہیں ہوا ہوگا اس وقت تک اس پر زراعت وغیرہ جائز نہیں اور جسم کے خاک خوردہ ہونے کی میعاد ہر ملک میں الگ ہے۔ عام طور پر کوئی میعاد مقرر نہیں

کی جاسکتی ہیں۔ اپنے یہاں کے معمرین سے یا علماء محققین سے دریافت کر لی جائے اور جب یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ جسم خاک خوردہ ہو گیا ہوگا اس کے بعد قبر پر زراعت جائز ہے۔ بشرطیکہ موضع قبر زارع کا مملوک ہو موقوف نہ ہو۔ اگر موقوف ہوگا تو زراعت جائز نہ ہوگی بلکہ وہ زمین قبر کے کام لائی جائے گی۔

قال فی الشرنبلالیة وکرہ قلع الحشیش الرطب وکذا الشجرة من المقبرة لأنه مادام رطباً یسبح الله تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر الله تعالیٰ الرحمة ولا بأس بقلع الیابس منهما اھ قال الطحطاوی تحت قوله لأنه مادام رطباً الخ ، ومن هذا قالوا لا یستحب قطع الحشیش الرطب مطلقاً ای ولو من غیر جبانة ، وهی مقبرة ؛ من غیر حاجة افادہ فی الشرح عن قاضی خان اھ (ص ۴۰۴) قلت والظاهر ان الکراهة تنزیهیة کما یفیده التعلیل۔

م۔ فی الشامیة رقلت وقد تقدم ؛ انه اذا بلی المیت وصار تراباً یجوز زرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشی علیه (ص ۵۰۹ ج ۱) والله تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ ۹ رجب ۱۳۴۶ھ

قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانا | عمارت مسجد، ودفن موتیٰ کے واسطے وقف کا ایک بڑا باغ آمدنی والا ہے، اس میں سے ایک جگہ کو لوگوں نے مقبرہ **درست ہے یا نہیں؟** | بنا لیا تھا اب ۲۵ سال سے اس مقبرہ میں دفن کرنا چھوڑ دیا اور قبروں کی علامات بھی مٹ گئیں اور اس مقبرہ میں دو جھاڑ تھے، ایک کم آمدنی والا دوسرا بے آمدنی والا۔ ان دونوں جھاڑوں کو نکال کر مقبرہ کی جگہ اب ایک مدرسہ تعمیر کیا ہے۔ اس میں سے مال صرف کر کے تیار کیا ہے جو اجارہ باطلہ وفاسدہ ہے اور جرمانہ اور چندۂ نکاح اور مسجد مذکور کے وقف کی آمدنی سے حاصل ہوا ہے۔ اب اس مدرسہ میں رہ کر پڑھنا اور درس دینا جائز ہے یا نہیں۔ مع دلیل وحوالہ کتب جواب سے ممنون فرمایئے۔

حاشیہ: جرمانہ وہ مال ہے جو خطاء کی تعزیر میں لیا جائے۔

حاشیہ: نکاح کا چندہ وہ مال ہے جو نکاح کرنے والے سے لیا جاتا ہے۔

الجواب

اگر زمین مقبرہ میں بحالت استغنا عن الدفن مدرسہ کا قیام باذن واقف ہوا ہے۔ اگر واقف زندہ ہے یا باذن متولی وقف ہوا ہے یا باذن عامہ مسلمانان ہوا ہے اگر واقف موجود متعین نہیں ہیں "مدرسہ کا تعمیر کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

عن الفقیہ ابی جعفر عن هشام عن محمد یجوز أن یجعل شیئاً من الطریق مسجداً او یجعل شیئاً من المسجد طریقاً للعامة ذکره الإمام خواهر زاده فی کتاب الشرب کذا فی الخلاصة وفی العالمگیریة کما احفظ ولم اجد موضعه الآن یجوز ان یجعل المقبرة مسجداً ولا یجوز ان یجعل المسجد مقبرةً پس مقبرہ کو مدرسہ کرنا بھی جائز ہے قیاساً علی المسجد بشرطیکہ مردوں کا جسم بغلبۂ ظن خاک ہو گیا ہو اور نئی قبریں اس جگہ نہ ہوں جہاں مدرسہ بنایا گیا ہے اور بشرطیکہ جائز آمدنی سے مدرسہ بنایا جائے اور صورت مذکورہ میں ناجائز آمدنی سے مدرسہ بنایا گیا ہے۔ مدرسہ تو ہو گیا لیکن بانی کو حرام آمدنی لگانے کا گناہ ہوا۔ اب اس مدرسہ میں جو شخص رہے اس کو اگر وظیفہ و تنخواہ ایسی ہی حرام آمدنی سے ملتی ہے تو اس شخص کو مدرسہ کی ملازمت جائز نہیں اور اگر تنخواہ وغیرہ حلال آمدنی سے ملتی ہے تو ملازمت اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا جائز ہے۔

قال ابو یوسف اذا غصب ارضاً فبنی فیها مسجداً او حماماً او حانوتاً فلا بأس بالصلوٰة فی المسجد والدخول فی الحمام للاغتسال وفی الحانوت للشراء ولیس له أن یستأجرها وان غصب داراً فجعلها مسجداً لا یسع لأحد أن یصلی فیه ولا أن یدخله کذا فی العالمگیریة ص ۲۱۲ ج ۶

وفیه ایضاً الغاصب اذا خلط المغصوب بمال غیره او بمال نفسه فهو علی ضربین خلط ممازجة وخلط مجاورة ففی ما لا یمکن التمییز بینهما بالقسمة فانما لضمان ولا حق للمالك فی المخلوط بالاجماع اه ملخصاً (ج ۶/۴۴) ولا یخفی أن البناء حصل بعد تخلط فی الأموال فلا حق لمالك فی البناء وانما حقهم فی ذمة الباقی فینبغی ان یجوز استعماله۔

چالیس پچاس سال پرانی قبروں کی جگہ کھود کر حوض بنانا کیسا ہے؟

سوال: ایک وقف کے مقبرہ میں چالیس پچاس سال کی پرانی کچی قبروں کو کھود کر اندر کی ہڈیاں وغیرہ نکال کر اس جگہ کو خالی کر دیا یا اس جگہ حوض بنا دیا۔ اب اس جگہ میں نماز جنازہ پڑھنا یا چلنا پھرنا بیٹھنا یا اس حوض کو استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

مسلمان مُردوں کی ہڈیوں کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا جائز نہیں، اس کا گناہ منتقل کرنے کرنے والوں کو ہوا۔ باقی اب وہاں دوسروں کو نماز پڑھنا یا وہاں پر بنے ہوئے حوض سے کام لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی [illegible]ھ

پرانی قبر کو مسجد میں داخل کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد بہت چھوٹی ہے جس میں پورے طور پر نمازی لوگ نہیں آسکتے اس کو بڑھانا چاہتے ہیں مگر تین طرف سے بالکل جگہ نہیں اور دوسری طرف اگر مسجد بڑھائی جائے تو ایک قبر مسجد کے اندر آجاتی ہے ایسی صورت میں مسجد کا کیا حکم ہے۔ اگر اس مسجد کا اسباب لے کر کشادہ زمین میں اس اسباب سے مسجد تعمیر کرائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر پرانی ہے۔ سو اگر ایسا ہے تو اس قبر کا نشان مٹا کر یعنی اس کی بلندی کو دوسری زمین کے ہموار کر کے اس زمین کو مسجد کے اندر لے لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ موضع قبر وقف ہو۔ اگر وقف نہ ہو تو ورثاء میت سے یا جو اس زمین کا مالک ہو اجازت حاصل کر کے ایسا کیا جائے اور اگر جدید ہے پرانی نہیں تو ابھی اس کو جزو مسجد بنانا جائز نہیں۔ جب تک کہ قدیم اور بوسیدہ نہ ہو جائے۔ اس صورت میں اس مسجد کو اس حال پر چھوڑ دیا جائے اور دوسری جگہ بڑی مسجد بنائی جائے قدیم مسجد کا منہدم کرنا اور اس کا سامان جدید میں لگانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

قال في الدر: تؤخذ ارض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها عمادية: قال الشامي وفي الفتح فلو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف عليه او حانوت جاز أن يؤخذ

ویدخل فیہ اھ زاد فی البحر عن الخانیۃ بأمر القاضی وتقییدہ بقولہ وقف علیہ ای علی المسجد یفید انہا لو کانت وقفاً علی غیرہ لم یجز لکن جواز اخذ المملوکۃ کرھاً یفید الجواز بالأولی لأن المسجد للہ تعالیٰ وکذا الوقف ولذا ترک المصنف فی شرحہ ھذا القید وکذا فی جامع الفصولین تأمل (ص ۵۹۲ ج ۳) قلت ولکن عامۃ المسلمین فی ذالک کالقاضی کما فی اقامۃ الامام للجمعۃ فان الحاجۃ ماسۃ وایضاً ففی ابقاء المقبرۃ موضعہ وقفاً فی العمران مخالفۃ للسنۃ فان الدفن خارج العمران ھو السنۃ لغیر الانبیاء وایضاً فالقبور التی تکون فی العمران لا یدفن فیہا آخرون کما ھو العادۃ فلا بأس بطمس علامتہا وجعلہا مسجداً واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۵۳ھ

پرانے قبرستان پر مزید ایک دو ہاتھ مٹی ڈال کر اس میں مردے دفنانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ ایک قبرستان جس کے ایک طرف ایک مسجد بھی واقع ہے، اس وجہ سے اس میں بہت تنگی ہے اور مدت سے کثرت دفن موتیٰ کی وجہ سے اس قبرگاہ میں کوئی جگہ نہیں رہی کہ آئندہ کوئی دفن کیا جائے کیونکہ اگر قبر کھودی جاتی ہے تو مردے کے اجزاء ہڈیاں وغیرہ نکلتی ہیں اور اب اہل محلہ اتفاق کرتے ہیں اس پر ایک مٹی ڈال کر اونچا کر دیا جائے پھر دفن کریں یہ جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب

جب یہ بات متحقق ہے کہ اس قبرستان میں کثرت موتیٰ کی وجہ سے جگہ نہیں رہی تو اب اس قبرستان کو چھوڑ کر کوئی دوسری زمین دفن موتیٰ کے لئے اختیار کرنی چاہیئے اور جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ قبرستان اوّل کے مردے بوسیدہ ہو کر خاک ہو گئے ہوں گے اس وقت تک یہاں دوسرے مردے دفن نہ کئے جائیں۔ پس جو صورت اہل محلہ نے اتفاق سے پاس کی ہے بدون تحقق ضرورت و مجبوری کے جائز نہیں۔ پس مجبوری اور

ضرورت کو ظاہر کیا جائے۔ کیا دوسری زمین دفن موتی کے لیے میسر نہیں آسکتی؟

قال فی مراقی الفلاح: ولا بأس بدفن اکثر من واحد فی قبر واحد للضرورة قالہ قاضیخان ویحجز بین کل اثنین بالتراب وقال الطحطاوی ولیس منها ای من الضرورة ضیق محل الدفن فی تلک المقبرة مع وجود غیرها لما فیہ من هتک حرمة المیت الاول وتفریق اجزاءہ ولکن فی الدفن فوقہ هتک حرمتہ کما لا یخفی (۲) قال فی مراقی الفلاح ولو بلی المیت صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ ولا یجوز کسر عظامہ ولا تحویل شیئ منها ولا ینبش وان طال الزمان اھ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۲ شوال ۴۹ھ

قبرستان کو عیدگاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان میں بحکم سرکار دفن اموات بند کر دیا گیا اور بوجہ بعد زمانہ کے اکثر قبریں برباد ہو رہی ہیں حتیٰ کہ بعض مقامات میں نشانات قبر بھی نمایاں نہیں رہے ہیں پس ایسی جگہ کہ جہاں قبروں کا نشان تک بھی باقی نہیں رہا ہے ضرورتاً عیدگاہ بنا لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

تنقیح: یہاں یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ قبرستان وقف ہے یا وقف نہیں؟ (۲) اس قبرستان میں قبریں کس قدر عرصے کی ہیں آیا ظن غالب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی لاشیں خاک خوردہ ہو گئی ہوں گی یا نہیں۔ واللہ اعلم

جواب تنقیح

قبرستان مذکورہ صورتاً عرفاً تو وقف ہے حکماً نہیں عرض کیا جا سکتا ہے۔ اصل واقفان کے وارث بھی اس کو وقف قبرستان سمجھتے اور اقرار کرتے ہیں۔ باقی قبور اندازاً چالیس پچاس سال یا کم و بیش کی ہوں گی جن کے متعلق گمان غالب تو یہی ہے کہ ہڈیاں وغیرہ خاکستر ہو چکی ہوں گی۔ انیس سال سے تو اس قبرستان میں اموات دفن ہونا ہی بحکم سرکار بند ہے اور نہ معلوم قبور کب کی ہوں گی۔

الجواب

جب اصل مالکان کے وارث اس قبرستان کو دفنی قبرستان تسلیم کرتے اور اقرار کرتے ہیں تو اس قبرستان کو عیدگاہ بنانا درست نہیں بلکہ اس کو قبرستان ہی رکھنا ضروری ہے اور جب اتنی مدت گذر جائے کہ بعض اموات خاک خوردہ ہو نا ظن غالب سے معلوم ہو تو پھر اس میں دفن اموات شروع کر دینا چاہیئے۔ گورنمنٹ سے اجازت لے کر امید ہے کہ گورنمنٹ اس قدر مدت گذر جانے پر ضرور اجازت دے دے گی۔

قال فی الهندیة: سئل الاوزجندی عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة (ھندیہ ص ۴۷۰ ج ۲)(۱)

فقوله ولها حکم المقبرة یفید بقاءها مقبرة علی حالها وید فن فیها غیر من دفن فیها والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۳ ربیع الثانی ۴۶ھ

قبرستان میں جوتے پہن کر چلنے کا حکم

سوال: جوتی پہن کر زیارت قبور جائز ہے یا نہیں۔ ازراہ کرم مدلل جواب سے مشرف فرمائیں۔ اس بارے میں دو فریق میں اختلاف عظیم ہو رہا ہے۔ ایک فریق خلاف ادب بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جوتا نکال کر جانا مستحب ہے۔ دوسرا فریق جوتا پہن کر جانے کو مباح کہتا ہے اور اعتقاد استحباب کو بدعت کہتا ہے مگر فریقین میں سے دلیل ایک کے پاس بھی نہیں۔

الجواب

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا جائز ہے۔ کما فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ولا یکره المشی فی المقابر بالنعلین عندنا (ص ۳۴۲) البتہ اگر کسی ضرورت سے کسی قبر پر پاؤں رکھنا پڑ جائے تو جوتا نکال دینا چاہیئے۔ لما فیه ایضاً فی شرعة الاسلام

(۱) ھندیہ: ج ۲ / ۴۷۰:

ومن المستقۃ أن لا یطاء تصور فی تعلیہ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — کتبہ: عبدالکریم عفا عنہ

ظفر احمد عفا عنہ — از خانقاہ امدادیہ ۲۵ شعبان [illegible]

پرانی قبروں کو مسجد میں داخل کرنا سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں علاوہ صحن کے دس بارہ آدمیوں کی ایک صف کھڑی ہوتی ہے اور اسی قدر محلے کے نمازی بھی ہیں لیکن اہل محلہ کی رائے ہوئی کہ محراب مسجد بڑھا لی جائے تاکہ مسجد میں دو صفیں ہو سکیں اور مسجد کی پشت پر قبرستان ہے لہٰذا محراب مسجد گرائی گئی اور جس وقت نیو کھودی گئی تو اس میں دو قبریں پختہ نمودار ہوئیں اور اس پر ڈاٹ قائم کر کے نیو کی دیوار اٹھالی گئی اور محراب تیار ہو گئی لہٰذا اب موجودہ صورت میں ایک قبر مسلم محراب میں ہے اور دوسری قبر نصف محراب کے اندر ہے اور نصف باہر ہے اور درمیان میں محراب کی دیوار آگئی ہوئی ہے لہٰذا ڈیڑھ قبر محراب میں ہوئی اور نصف باہر اور اسی محراب میں امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں تو اب سب کے نیچے قبر ہے اور اس پر ڈاٹ ہے اور ڈاٹ پر نماز پڑھائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

تنقیح

اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے پر مسئلہ لکھا جائے گا۔

(۱) وہ قبرستان وقف ہے یا کسی کی ملک ہے (۲) اب اس قبرستان کی دفن موتیٰ کے لئے ضرورت ہے یا نہیں (۳) اگر اب وہاں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اس کی کیا وجہ ہے (۴) اگر ملک ہے تو مالک نے اجازت محراب بنانے کی دے دی ہے یا نہیں۔

(۵) اگر ملک چند اشخاص کی ہے تو یہ بھی لکھا جائے کہ ان میں کوئی نابالغ تو نہیں ہے۔

(۶) اور اجازت سب نے بخوشی دے دی ہے یا بعض نے (۷) قبریں کس زمانہ کی ہیں اور ان کے متعلق ظن غالب اہل تجربہ کا کیا ہے کہ آیا وہ میت مٹی ہو گئی ہوگی یا نہیں؟

جواب تنقیح

(۱) وہ قبرستان ملک ہے۔ (۲) اب اس قبرستان میں دفن موتیٰ کی ضرورت نہیں۔

(۳) اس لئے کہ اب اس میں جگہ باقی نہیں ہے۔ (۴) مالک نے محراب بنانے کی اجازت دے دی ہے (۵) ملک چند اشخاص کی تھی لیکن سب نے اجازت دے دی اور ان میں کوئی نابالغ نہیں ہے (۶) وہ قبریں زمانہ شاہی کی ہیں اور ان کے متعلق ظن غالب یہی ہے کہ وہ میت مٹی ہو گئی ہوگی لیکن ہڈیاں ضرور باقی ہوں گی کیونکہ تقریباً چار پانچ سال ہوئے کہ ایک جگہ پر مٹی بیٹھنے کے لئے ایک بڑا گڑھا کھودا گیا تھا تو اس میں کچھ ہڈیاں نکلیں تھیں۔

الجواب

صورت مذکورہ میں محراب بنانا جائز ہے جب مالکوں نے اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دے دی ہے تو وہ جگہ مسجد ہو گئی اور جب ظن غالب یہ ہے کہ میت مٹی ہو گئی تو اب اس پر کچھ بنانا وغیرہ جائز ہے اور چونکہ کچھ ہڈیاں باقی رہنے کا احتمال ہے اس وجہ سے احترام قبر کے لئے ڈاٹ لگا دینا مزید احتیاط کی صورت ہے اس لئے یہ سب کچھ بہت مناسب کیا گیا اور اس محراب میں نماز پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔

کما فی الشامیۃ (ص ۸۳۵ ج ۱) قال الزیلعی ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

۲۰ ربیع الثانی سنہ ۵۸ھ

قبرستان میں درخت لگانا اور اس کی آمدنی قبرستان میں صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ یہاں پرتاب گڑھ میں ایک قبرستان عام اس نوعیت کا ہے کہ اراضی اس کے مالکان سے بذریعہ حکم سرکار مقامی میونسپلٹی نے حاصل کی مسلمانوں کو عام اجازت اراضی مذکورہ میں اپنے مردے دفن کرنے کی ہے اور یہی قبرستان مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ قبرستان مذکور میونسپلٹی کی طرف سے ایک مجلس منتظمہ کے زیر اہتمام ہے مجلس مذکور کے اراکین سب مسلمان ہیں۔ قبرستان مذکور کے متعلق امور ذیل وضاحت طلب ہیں۔

(۱) آیا قبرستان مذکور کی ایسی اراضی پر جس میں قبور موجود ہیں درمیان قبور خالی جگہ پر درخت اس نیت سے اور غرض سے لگائے جا سکتے ہیں کہ بار آور ہونے کے بعد پھل پھول لکڑی وغیرہ فروخت کر کے اس کی رقم اس قبرستان کی درستی وغیرہ میں لگائی جا سکتی ہے۔

(۲) اگر سوال اوّل کا جواب اثبات میں ہے تو آیا ایسے درخت وغیرہ کوئی شخص کارِ خیر سمجھ کر مجلس منتظمہ کی اجازت سے لگا سکتا ہے یا صرف مجلس منتظمہ ہی ایسا کر سکتی ہے۔

(۳) آیا قسم بالا کے پھل، پھول، لکڑی خرید کر استعمال کرنے میں کوئی حرج تو نہیں۔

(۴) قبرستان مذکور کو خالی اراضی میں جس پر فی الحال قبریں نہیں ہیں شرائط بالا کے ماتحت درخت وغیرہ لگائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

تنقیحات بر سوال مذکور

(۱) یہ زمین میونسپلٹی نے قیمتاً لی ہے یا مفت اور مفت لی ہو تو پھر یہ بھی لکھا جائے کہ ہمیشہ کے واسطے لی گئی ہے یا کسی وقت واپسی کا بھی وعدہ ہے۔

(۲) اس زمین کو وقف کیا گیا ہے یا ویسے ہی عام دفن کرنے کی اجازت ہے۔ اگر وقف نہیں تو اس زمین کا مالک کون ہے۔

(۳) کیا درخت لگانے کی ضرورت ہے یا ویسے ہی شوقیہ لگانے کا قصد ہے اگر نہ لگائیں تو کیا حرج ہے۔

(۴) خاص حصّہ میں درخت لگانے کی وجہ سے جگہ میں تنگی تو نہ ہوگی۔

جواب تنقیحات بالا

(۱) میونسپلٹی نے زمین معاوضہ دے کر ہمیشہ کے لئے حاصل کی ہے اب واپسی کا امکان نہیں ہے۔

(۲) باضابطہ وقف نہیں کیا گیا مگر قانوناً بمنزلہ وقف کے ہے اور مالک زمین بذریعہ قانون حصول اراضی میونسپلٹی ہے۔

(۳) ضرورت صرف اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ قبرستان میں جو لوگ بہ ضرورت جائیں ان کے واسطے کچھ سایہ وغیرہ ہو جائے۔ دوسری اصل غرض یہ ہے کہ درختوں کی فصل وغیرہ کے ذریعے سے آمدنی ہو جو قبرستان پر یوں صرف کی جائے کہ اسے محفوظ اور محاط کر دیا جائے اور جو ضروریات ہوں ان پر صرف کیا جائے۔

(۴) جگہ میں تنگی نہ ہوگی اور درخت نہ لگانے سے کوئی حرج نہیں ہے البتہ ذریعہ آمدنی

درکار ہے جو کوئی نہیں۔ ایک مزید سوال یہ ہے کہ پرانا حصہ جس میں قبریں ہیں اور قبروالی اور بغیر قبر کی زمین میں امتیاز نہیں ہو سکتا ایسی زمین پر درخت لگانا اور ان کی فصل بیچنا یا صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

جواب تنقیحات موصول ہوا اب اصل کا جواب نمبروار لکھا جاتا ہے۔

(۱) درخت لگانا اور اس کی آمدنی قبرستان میں صرف کرنا جائز ہے۔

(۲) مجلس منتظمہ کا خود لگانا اور دوسرے کو حکم دینا دونوں ایک حکم رکھتے ہیں۔

(۳) کچھ حرج نہیں۔

(۴) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ا میں مذکور ہوا۔

علاوہ ازیں جوابات تنقیحات کے بعد جس سوال کا اضافہ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس جگہ بہت عرصے سے دفن موقوف ہو چکا ہے اور اس زمین کی حالت سے گمان غالب ہو کہ اب اموات مدفونہ مٹی ہو چکی ہوں گی تب تو وہ خالی زمین کے حکم میں ہے ورنہ پھر جس جگہ کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ وہ قبر ہے وہاں درخت نہ لگائیں اور جس جگہ کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ یہ درمیانی جگہ ہے وہاں درخت لگانا جائز ہے۔ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

مورخہ ۱۹ رجب ۱۳۵۸ھ

سرکاری قبرستان میں اپنے لئے زندگی میں قبر کھودنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب بعد سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ میں ایک غریب شخص ہوں اپنی دلی دہشت کے مارے بستی کے سرکاری قبرستان جس میں برسات میں قبر کھودنا پانی نکلنے کے باعث بہت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ زمین بہت نیچی ہے۔ ایک گز کھودنے سے پانی آتا ہے۔ اس زمین کے اندر تقریباً دو گز زمین اپنے دفن کے لئے کسی قدر مٹی جمع کرکے بھرا زمین سے کچھ اونچی کی ہے اور اس جگہ کی حفاظت کرتا ہوں چونکہ اس کی مرمت میری دلی عبرت کا باعث ہے نہ پختہ کی ہے اور نہ رسوم بد سے روشن کرتا ہوں صرف جمع کردہ مٹی کی حفاظت کرتا ہوں کیا ایسا کرنا جائز ہے۔

الجواب

یہ صورت اپنی مملوک زمین میں تو جائز ہے مگر ایسی زمین میں جس کے ساتھ حق عامہ

متعلق ہو جائز نہیں کیونکہ جس زمین میں حق عامہ متعلق ہو اس میں کسی خاص حصے کا تعین قبل از وقت کسی کو حق نہیں۔ البتہ اگر سائل اس زمین میں سے کچھ قطعہ اپنے خاندان کے دفن کے لئے سرکار سے خرید لے تو پھر اس پر اس کا اونچا کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفیر احمد عفی عنہ

۲۴ شوال ۸۲ھ

جس جگہ قبرستان ہونے کا شبہ ہو اس کے استعمال کا حکم

سوال: میں موضع سڈمان پرگنہ ضلع بنارس کا باشندہ ہوں بسلسلہ پیشہ بنارس شہر میں مقیم ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ موضع ضلع سڈمان کی پرانی آبادی سوری نسل کے مسلمانوں کی تھی (جس نسل سے شیر شاہ سوری گذرا تھا) لیکن سیکڑوں برس سے اس آبادی کا پتہ نہیں ہے اور نہ ان کی نسل باقی ہے۔ پرانے زمانے کی قبریں پانی سے اس قدر ڈھل گئی ہیں کہ ہڈیاں سطح زمین پر جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ تھوڑی اراضی ایک کوڑی کی کاشت دخلکاری ہے۔ یہ اراضی بھی جب سے کاغذات کا پتہ چلتا ہے زیر کاشت ہے یعنی قبل ۱۸۸۲ء سے زیر کاشت ہے۔ یہ اراضی میرے پاس تخمیناً ۳۰ برس سے آئی ہے۔ امسال سرما میں بیس ۲۰ ہزار اینٹ تھپوایا ہے۔ یہ اینٹ اراضی مذکورۃ الصدر کی مٹی سے تیار ہوا ہے مٹی کھودنے سے جا بجا مُردوں کی ہڈیاں ملیں اور ایک مقام پر بہت سی ہڈیاں ملیں اور قیاس یہ ہوتا ہے کہ زمانہ جنگ میں ایک ہی جگہ پر بہت سے مُردے ڈالے گئے ہوں (واللہ اعلم بالصواب) اس اراضی سے متصل میری دوسری اراضی ہے جو سابق میں پہلی اراضی کا جزو تھا۔ اور جس کی سطح اس کی نیچی ہے وہاں پر میں نے بھٹہ لگوانے کا ارادہ کیا اور بھٹہ لگانے کی دیوار بھی تیار کر لی گئی۔ مجھے بذات خود یہ خیال ہو رہا ہے کہ ممکن ہو کہ یہ زمین قبرستان رہی ہو اور ایسی حالت میں اینٹ کا اراضی کی مٹی سے بنانا اور پکوانا اور بھٹہ لگوانا بُرا تو نہیں ہے اور مذکورہ بالا امور کا لحاظ کر کے مجھے کیا کرنا چاہیے اینٹ پکواؤں یا نہیں۔ براہ کرم اپنی رائے عالی سے جلد سرفراز فرمائیں کیونکہ بھٹہ لگنے کا وقت بالکل قریب ہے۔

الجواب

جس جگہ کے بارے میں یقین ہو کہ یہاں مسلمانوں کا وقف کردہ قبرستان ہے

وہاں کسی کو اپنی ذاتی دنیوی کام کے لئے کھودائی کرنا جائز نہیں اور مردوں کو دفن کرنے کے لئے جائز ہے۔ بشرطیکہ قبر کا نشان قائم نہ ہوا اور جو زمین وقف قبرستان نہیں بلکہ کسی کی ملکیت ہے اور وہاں قبروں کے نشانات ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم نہیں کہ یہاں دفن اجازت سے ہوا یا بلا اجازت اور قبریں نئی نہیں بلکہ قبریں بہت پرانی ہوں تو اس زمین کا کھودنا اور استعمال میں لانا جائز ہے۔ اگر اتفاق سے کسی جگہ ہڈیاں نکل آئیں ان کو اسی جگہ احتیاط سے دفن کر دیا جائے اور جہاں نشانات بھی نہ ہوں محض شبہ ہی ہو وہاں کی جگہ کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اگر ہڈیاں نکلیں تو حسب سابق عمل کیا جائے۔

قال فی مراقی الفلاح: والنبش حرام الا ان تكون الأرض مغصوبة فيخرج لحق صاحبها ان طلبه وان شاء سواه بالارض وانتفع بها زراعة وغيرها. وان دفن فی قبر حفر لغيره بأرض ليست مملوكة لأحد وأما اذا كانت مملوكة فهی مغصوبة وحكمها سبق ضمن قيمة الحفر من تركة والا فمن بيت المال او المسلمين اه قلت وانما قيدت جواز الحفر فی جواب السوال بان تكون القبور قديمة لعدم علم السائل بكون الدفن غصبًا او بالإذن فينبغي الاحتياط فی نبش ما كان علامة القبر فيه ظاهرة. والله اعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ

قبرستان کی آمدنی کی بعض صورتوں کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مخیر سیٹھ نے ۱۹۱۹ء میں سترہ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے وقف کی اور اس میں سے اس وقت مربع مسجد و مدرسہ، نماز جنازہ کے لئے مکان وضو طہارت کے لئے حوض کنواں، امام و خدام مسجد کے لئے رہائشی مکانات کے لئے مخصوص کی اور متولیان وقف کو ہدایت کی کہ قبرستان سے کسی وقت کچھ آمدنی ہو تو اس کو مسجد کے پیش امام اور عالم مدرسہ کی تنخواہوں میں صرف کریں اور جو بچے

اس کو دوسرے قبرستان میں بوقت ضرورت لگا دیں چونکہ وقف مذکور میں آمدنی کی کوئی
صورت نہیں تھی اس لئے متولیان نے قبر کی کھدائی فی قبر ۱؎ اور ۱۲؎ مقرر کی اور قبروں کے
لئے تابوت اور لکڑیاں بانس وغیرہ مہیا کیے جو دفن کے وقت قیمتاً فروخت کیے جاتے ہیں
اس سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کو گورکنوں کی تنخواہوں مسجد کے پیش امام مؤذن اور مدرسہ
کے مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے قبرستان کے لئے موٹر
عطا کیا جس کا کرایہ مد روپیہ اہل میت سے لیا جاتا ہے جس کی میت کو موٹر میں لایا جاتا
ہے۔ واقف مذکور بھی چار سال تک متولیان میں شامل رہے اور انہوں نے بھی اس آمدنی
کو مصارف مذکورہ میں صرف کیا مگر اب کچھ لوگوں نے واقف کو بہکا دیا ہے جس کی وجہ
سے وہ مصارف مدرسہ میں اس آمدنی کے صرف کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ پس
بصورت مسئولہ قبرستان کی اس آمدنی کو مصارف مدرسہ و تعمیر مدرسہ میں لگانا
جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال میں جتنی صورتیں قبرستان کی آمدنی کی ظاہر کی گئی ہیں یعنی اجرت گورکن۔
قیمت تابوت وغیرہ بہائے قبر و کرایہ موٹر ان کو قبرستان کی آمدنی کہنا حقیقتاً صحیح نہیں۔
کیونکہ قبرستان کی حقیقی آمدنی وہ ہو سکتی ہے جو زمین قبرستان سے متعلق ہو مثلاً
قبرستان کے درخت فروخت ہونے سے آمدنی ہوتی یا قبرستان کی زمین میں کچھ دوکانیں
یا مکانات ایسے ہوتے جو کرایہ پر چلتے جب یہ صورت نہیں تو ہر صورت بالائے آمدنی سے
وقف مذکور اور اس وقف کے واقف کو کچھ تعلق نہیں بلکہ متولیان قبرستان جنہوں نے
اس آمدنی کے ذرائع مہیا کئے ہیں وہ اس آمدنی کو قبرستان کی ضروریات میں صرف کرکے
جو باقی رہے اس کو مدرسہ اور تنخواہ مدرسین اور تعمیر مکانات مدرسہ وغیرہ جو قبرستان
سے متعلق ہیں صرف کر سکتے ہیں البتہ کرایہ موٹر کی آمدنی میں واقف موٹر کی شرائط کا اتباع
ضروری ہے۔ اس کی شرائط میں مصارف مدرسہ و تعمیر مکانات مدرسہ میں تصریحاً یا
اطلاقاً اس آمدنی کا لگانا جائز ہو تو صرف کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وھذا کلہ ظاہر بل اظہر من ان یخفی علی من لہ ادنی بالعلم
والفقہ۔ واللہ اعلم۔

اور یہ جواب مذکورہ العدر علی سبیل التنزل ہے اور اگر یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ واقف کو قبرستان کی حقیقی آمدنی میں مدرسہ اور متعلقات مدرسہ پر صرف کرنے کی ممانعت کا حق حاصل ہے جب بھی ہر صورت تہائے آمدنی مذکورہ میں یہ حق حاصل نہیں لیکن جبکہ وقف نامہ کے صفا سطر ۹ اور دفعہ ۲ پر تصریح ہے کہ آمدنی وقف سے مدرسہ اور عالم کا تقرر کیا جائے اور جملہ امور مذکورہ کا اجراء و ابقاء کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ان امور کا اجراء و ابقاء بدون مصارف کے نہیں ہوسکتا تو واقف کو اس وقف کی حقیقی آمدنی میں بھی مدرسہ اور متعلقات مدرسہ پر صرف سے مخالفت کا حق حاصل نہیں۔ امید ہے کہ حضرت اقدس کے جواب باصواب سے باوجود اختصار کے سوال کی تمام دفعات کا جواب معلوم ہو گیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۱ ج ۲ ۵۸ھ

قبرستان میں کھانا پینا کیسا ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ واقف قبرستان نے سترہ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے وقف کرتے ہوئے وقف نامہ میں تصریح کردی ہے کہ اس میں سے دو سو فٹ مربع قطعہ زمین میں مسجد و مدرسہ وغیرہ تعمیر کیا جائے بقیہ قبرستان کے لئے رکھی جائے یہ دو سو فٹ مربع قطعہ قبروں سے بالکل خالی ہے اور قبرستان کے کنارے پر ہے جیسا نقشہ مرسلہ ہمراہ استفتاء سے ظاہر ہے۔ اس میں مدرسہ طلبہ کے حجرے، مسجد امام و عالم کے لئے مکانات، وضو کے لئے کنواں، حوض، ملازمین قبرستان کے لئے رہائشی مکانات وغیرہ بنے ہوتے ہیں۔ بس سوال یہ ہے کہ اس زمین میں جو کہ قبرستان سے ملحق ہے ——— مگر قبروں سے بالکل خالی ہے طلبہ وغیرہ کے لئے کھانا پکانا، کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب

قبرستان میں کھانے پینے کی حرمت کی تو کوئی دلیل نہیں۔ غایت ما فی الباب بلا ضرورت نامناسب کہا جاسکتا ہے۔ البتہ فقہاء نے قبروں پر چلنے کو قبروں پر سونے کو اور قبروں پر پیشاب پاخانہ کرنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں ضحک فی المقابر کی ممانعت آئی ہے۔ سو یہ سب اس مقام کے ساتھ خاص ہیں جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جنازہ کے ساتھ آگ لے جانے کی جو کراہت آئی ہے اس کا

مقصد میں رسم جاہلیت کی مخالفت ہے کہ وہ لوگ اظہار شوکت کے لئے جنازہ کے ساتھ آگ لے جاتے تھے۔ باقی ضرورت کی وجہ سے اگر قبرستان میں آگ لے جائی جائے جیسا کہ رات کو دفن کے لئے چراغ کی ضرورت ہو تو اس کی ممانعت نہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے رات کے وقت ایک صحابیؓ کو دفن کیا اور قبر میں چراغ جلایا گیا۔

(رواہ الترمذی وحسنہ ص ۱۲۵ ج ۱)

یا اگر قبرستان ہی میں میت لاوارث کی تجہیز وتکفین کی جائے تو پانی کا گرم ہونا مرکب وکفن کو دھونی دینا ظاہر ہے کہ قبرستان میں ہی ہوگا جس کے منع کی کوئی دلیل نہیں بہرحال قبرستان کے احکام اس مقام کے ساتھ مخصوص ہیں جہاں قبریں بنی ہوئی ہوں اور جو جگہ اس سے علیحدہ ہے گو اس کے ساتھ ملحق اور متصل ہو اس کا حکم قبرستان کا سا نہیں وہاں سونا کھانا پینا بول براز کھانا پکانا سب درست ہے۔ دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تین قبریں تھیں تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں کھاتی پیتی سوتی نہ تھیں اور کیا اس گھر میں کھانا نہ پکتا تھا یقیناً قبروں کی جگہ کو کسی طریق سے ممتاز کرکے گھر میں سب کام ہوتا تھا۔ اسی طرح قبرستان مذکورہ فی السوال کے ساتھ جو دوسو فٹ زمین مقام قبور سے علیحدہ ممتاز رکھی گئی ہے وہاں کھانا پینا سونا چلنا پھرنا، کھانا پکانا وغیرہ سب درست ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ مدرسہ میں چلنا پھرنا سونا بھی جائز نہ ہو جس کا کوئی قائل نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی یکم رجب ۱۳۵۱ھ

ما احسن الجواب وھو الحکمۃ وفصل الخطاب

مسلمانوں کو قبرستان میں مدرسہ عربیہ وغیرہ قائم ہوجانے سے خوش ہوجانا چاہیے تھا کہ ان کے اموات کے انس اور سرور وبہجت کا سامان ہوگیا کہ وہاں قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس ہوگا جو سبب نزول رحمت باری ہے۔ کیا عجب ہے کہ درس قرآن وحدیث سے جملہ اموات کی مغفرت ہوجائے مگر کس قدر حیرت وتعجب کا مقام ہے کہ بعض حضرات بلاوجہ اس سلسلہ خیر کی مخالفت میں سرگرم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیں۔ آمین۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون
یکم رجب ۱۳۵۱ھ

قبر پہ زراعت کا حکم اگر کسی زمین پر کوئی مردہ دفن کیا جائے تو اس قبر کو کھیت بنانا یعنی اس پر زراعت وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لئے کوئی میعاد ہے؟ (کہ اتنے سال کے بعد تو جائز ہے اور اس سے پہلے جائز نہیں) یا نہیں؟

الجواب

جب تک قبر کا نشان موجود ہو یا نشان نہ ہو مگر ظاہر حالت سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ابھی جسم میت خاک خوردہ نہیں ہوا ہوگا اس وقت تک اس پر زراعت وغیرہ جائز نہیں اور جسم کے خاک خوردہ ہونے کے میعاد ہر ملک میں الگ ہے عام طور پر کوئی میعاد مقرر نہیں کی جا سکتی ہے اپنے یہاں کے معمر میں سے یا علماء محققین سے دریافت کر لی جائے اور جب یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ جسم خاک خوردہ ہو گیا ہوگا اس کے بعد قبر پہ زراعت جائز ہے بشرطیکہ موضع قبر زارع کا مملوک ہو موقوف نہ ہو اگر موقوف ہوگا تو زراعت جائز نہ ہوگی بلکہ وہ زمین قبر کے کام میں لائی جائے گی۔

وفی الشامیة: (قلت: وقد تقدم) انه اذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشی علیه (ص ۹۴۵ ج ۱) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۹ رجب ۱۳۲۵ھ

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

شرکت جائیداد کا ایک مسئلہ جبکہ شرکاء نے عدم تقسیم کا معاہدہ کر رکھا ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ انوری بیگم، قیصر بیگم و افسر بیگم ان چاروں بہنوں کی ایک مشترکہ اراضی ہے جس کے متعلق ان چاروں میں یہ معاہدہ ہوا تھا اور اس کی باضابطہ رجسٹری بھی ہو چکی ہے کہ یہ مشترکہ اراضی کبھی آپس میں تقسیم نہ ہوگی اور نہ کسی شریک کو اپنے حصہ کے فروخت کی کبھی اجازت ہوگی بلکہ یہ اراضی ہمیشہ مشترک رہے گی اور جب کبھی کسی شریک کو کوئی ضرورت تقریب وغیرہ کی پیش آئے تو وہ اس اراضی کو اپنے کام میں لائے یعنی اس میں مہمانوں کی نشست وغیرہ کا انتظام کرے۔ اور اب یہ حالت ہے کہ وہ اراضی مسماۃ افسر بیگم کے مکان کے سامنے اور متصل ہے اور اس سے ہمیشہ مسماۃ افسر بیگم یا ان کے کرایہ دار فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں جس وقت اس اراضی کے متعلق مندرجہ بالا معاہدہ ہوا تھا اس وقت مسماۃ اکبری بیگم نابالغہ تھی اور ان کی طرف سے ان کی ماں نے جو ان کی ولی ہیں اس معاہدہ کو منظور کیا تھا کہ مسماۃ اکبری بیگم جب بالغ ہوئیں تو انہوں نے کبھی اس معاہدہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور ہمیشہ اس معاہدہ کے خلاف رہیں۔ اب مسماۃ اکبری بیگم کا انتقال ہوگیا اور ورثاء اکبری بیگم بھی اس معاہدہ پر رضامند نہیں ہیں۔ نیز مسماۃ قیصر بیگم کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ورثاء بھی اس معاہدہ کو برا سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں شرعاً ورثاء مسماۃ اکبری بیگم و بعض ورثاء مسماۃ قیصر بیگم اس معاہدہ کو کالعدم کرسکتی اور توڑ سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس مشترکہ اراضی کو تقسیم کرا کر فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگرچہ بعض شرکاء مثلاً افسر بیگم وغیرہ اس معاہدہ کو توڑنا اور اراضی کا تقسیم کرانا پسند نہ کریں۔

سائل: خلیل احمد عفی عنہ

۲۷ شعبان ۱۳۷۱ھ

الجواب

یہ معاہدہ محض مہمل ہے تمام شرکاء کو شرعاً اپنے حصّہ کی تقسیم و علیحدگی کا پورا اختیار ہے اور ہر شریک اپنے حصّہ کی بیع وغیرہ بھی کرسکتا ہے اگر یہ معاہدہ حلف کے ساتھ ہوا ہو تو اس کو توڑنے کے وقت صرف کفارہ قسم لازم آئے گا مگر گناہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ جو قسم کسی خلافِ شرع کام کے متعلق کھائی جائے اس کا توڑنا اور کفارہ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے فی الحدیث الصحیح: من حلف علی امر ثم رای غیرہ خیراً منہ فلیأتہ ولیکفر عن یمینہ او کما قال۔

اور معاہدہ مذکور کا خلافِ شرع ہونا ظاہر ہے۔ لما فیہ من ابطال حقوق الملک لہٰذا اس کے توڑنے میں بصورتِ حلف بھی کچھ گناہ نہیں بلکہ توڑ دینا ضروری ہے۔

واللہ اعلم

۱۵ شوال [illegible]ھ

کسی ایک شریک سے بدون اجازت دوسرے شرکاء کے معاملہ مزارعت اور مزارع کے لئے اس کی آمدنی کا حکم

سوال: ایک علاقہ میں رواج ہے کہ مزارع کو زراعت کے لئے زمین دی جاتی ہے۔ نصف یا ثلث یا ربع غلہ زمین پر یعنی مالکِ زمین کے اگرچہ شرکاء کثیر ہوں آمدنی زمین کی ہے اس کا نصف مزارع کا ہو گا اور نصف مالکین کا ہوگا اب اسی بنا پر زید مالک زمین نے عمرو مزارع کو کوئی بیس بیگہ زمین زراعت کے لئے دی ہے کہ نصف آمدنی زید کی و نصف عمرو کی ہوگی لیکن واقع میں اس رقبہ زمین میں زید کی دو ہمشیرہ بھی بوجہ وراثت کے حصہ دار ہیں لیکن رواج کی رُو سے ان کو مستحق نہیں سمجھا جاتا نصف آمدنی عمرو مزارع لیتا ہے اور نصف زید لیتا ہے اب اگر زید اپنی ہمشیرہ کو زمین سے حصّہ دیتا تب بھی عمرو تو نصف ہی آمدنی کا لیتا اور زید رُبع لیتا۔ غرض اس صورت میں یہ ہے کہ آیا عمرو جو نصف لیتا ہے اس میں حق غیر کا مخلوط ہے یا نہیں؟ اگر غیر کا حق رقم عمرو میں مخلوط ہے تو وہ کیونکر مخلوط ہو سکتا ہے حالانکہ اگر زید اپنی دونوں ہمشیرہ کو

شرع کے موافق رقبہ زمین سے حصہ دیتا اور زمین شریک کر لیتا اور پھر کل زمین مشترک زراعت کے لئے عمرو کو دی جاتی جب بھی تو عمرو کو یہی نصف آمدنی کا ہوتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے اور زید کو ربع آتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے اور زید کو ربع آتا تشریک کی حالت میں کیونکہ ربع اپنی دونوں تشریک کو دینا پڑتا غرض یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں تصرف عمرو کا تو حق غیر ہے بلا اجازت غیر و رضا غیر کے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جو زید کو حصہ آمدنی کا آیا ہے وہ مخلوط ہے حق غیر کے ساتھ اور یہ معلوم نہیں کہ عمرو کا حصہ بھی مخلوط ہے حق غیر کے ساتھ یا نہیں؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق

قال فی الحامدیۃ: غاب احد شریکی الدار فاراد الحاضران یسکنہا رجلا او یؤجرہا رجلا لا ینبغی ان یفعل ذالک دیانۃ اذ التصرف فی ملک الغیر حرام ولا یمنع قضاء اذ الانسان لا یمنع من التصرف فیما بیدہ لو لم ینازعہ احد فلو آجر واخذ الاجر یرد علی شریکہ نصیبہ لو قدر والا یتصدق لتمکن الخبث فی حق شریکہ فکان کغاصب آجر یتصدق بالاجر او یردہ علی المالک واما نصیبہ فیطیب لہ اھ (ص ۹۰ ج ۱)

واجاب عما اذا باع الشرکاء حصتہم من الثمرۃ الا واحدا منہم عنادا او المشتری لا یرضی الا بشراء الجمیع وکذا اذا آجروا الا واحدا منہم بقولہ لا یجبر ان یبیع مع الشرکاء بل یبیعون حصتہم فقط اذا تجد الثمرۃ وتقسم وکذالک فی الدار لا یجبر علی الاجارۃ بل یوجر شرکاء حصصہم

او المستاجرون بھا یؤ . . المصنع فی السکنی بقدر انصبائہم۔
(ص ۹۱ ج ۱)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے جو نصف غلہ طے پایا ہے اس میں سے بقدر اس کے حصے کے جائز ہے اور بقیہ دوسرے ورثاء کو دینا واجب ہے۔ اور مستاجر یعنی عمرو کے لئے جو نصف قرار پایا ہے وہ اس کو لینا جائز ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین میں زید کے سوا کوئی اور شریک بھی ہے؟ یا شرکت کا علم ہے لیکن دوسرے شرکاء کے اذن وعدم اذن کا علم نہیں اور اگر دوسرے شرکاء کا عدم اذن معلوم ہے تو عمرو کے لئے اس زمین میں کاشت کرنا بقدر حصہ زید کے حلال ہے اور دیگر شرکاء کے حصص میں کاشت اس کو حلال نہیں ہے پھر زید کے حصہ میں اس زمین کے جتنے سہام ہوں اس میں تو عقد درست ہے اور دیگر ورثاء کے حصوں میں درست نہیں بلکہ ان کی زمین میں جو اس نے کاشت کی ہے اس میں سے بقدر تخم اور اجرت مثل کے اس کو حلال ہے زائد حلال نہیں ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے البتہ اگر عمرو زید کو اس زمین کی پیداوار کا نصف کامل نہ دے بلکہ نصف ہی سے اس کو بقدر اس کے حصے کے دے اور باقی دیگر ورثاء کے پاس پہنچا دے اور وہ اس پر راضی ہوں تو دوسرا نصف جو عمرو کے لئے طے ہوا ہے پورا عمرو کے لئے حلال ہے جس کا تصدق واجب نہیں۔

قال فی الحامدیۃ: والحاصل ان فی المسئلۃ قولین، وثلاثۃ۔ الاول انہ اذا زرع ارض غیرہ بلا امرہ لا یکون غصباً بل یحمل علی المزارعۃ وحصۃ رب الارض علی ماجری علیہ عرف القریۃ من ثلث اوربع۔ والقول الثانی جواب الکتاب: انہ یکون غاصباً والزرع کلہ لہ لکن یتصدق بما تفضل عن بذرہ واجر مثلہ۔ والقول الثالث: انہ یکون مزارعۃ اذا کان صاحبہا اعدہا للاستغلال بان کان یدفعہا مزارعۃ لغیرہ ولا یزرعہا بنفسہ اھ (ص ۱۵۸ ج ۲)

قلت: واذا علم عدم رضا الشرکاء وعدم اذنہم

فانظاهر كونه غاصباً لا مزارعاً۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۳ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ

مضاربت میں نقصان کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے کہا کہ تم مجھ کو کچھ روپیہ دے دو جس سے تجارت کروں اور نفع و نقصان کا شریک ہوں گا۔ عمر نے بکر سے کچھ روپیہ قرض لے کر زید کو دے دیا۔ زید نے مال تجارت خریدا جس میں زید کو نقصان رہا۔ اب زید نقصان کا شریک ہے یا نقصان عمر پر ہی رہے گا۔ زید نے نقصان کا شریک ہونا خود کہا تھا۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ صورت مضاربت کی ہے اور مضاربت میں مضارب امین و وکیل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تجارت میں کچھ نقصان پیش آئے جو راس المال تک پہنچ جائے تو اگر وہ دونوں یعنی مضارب اور رب المال نفع کو تقسیم کر لیتے ہیں تب تو دونوں بلحاظ نسبت شرکت نفع کو واپس کر کے اصل رقم کو پورا کریں اور اگر اس سے بھی زیادہ نقصان ہو کہ نفع وصول شدہ کو واپس کر کے بھی اصل رقم پوری نہ ہو یا اصل رقم سے نفع ہی نہ ہوا ہو تو مضارب پر کسی حال میں ضمان نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اگرچہ مضارب یہ بھی کہہ دے کہ میں نقصان کا شریک ہوں کیونکہ یہ شرط خود فاسد ہے مگر اس شرط سے مضاربت فاسد نہیں ہوتی۔

فی العالمگیریۃ: قال القدوری فی کتابہ کل شرط یوجب جہالۃ الربح او قطع الشرکۃ فی الربح موجب فساد المضاربۃ وما لا یوجب شیئاً من ذالک لا یوجب فسادھا نحو ان یشترطا ان تکون الوضیعۃ علیہما کذا فی الذخیرۃ اھ ج ۵/ ص ۲۸۵

وفی الہدایۃ: وکل شرط یوجب جہالۃ فی الربح یفسدہ لاختلال مقصودہ وغیر ذالک من الشروط الفاسدۃ لا یفسدھا ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعۃ علی المضارب (ج ۳ ص ۲۴۲)

وفی الهداية ايضاً وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه امين وان كانا يقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلك المال بعضه أو كله حتى يستوفى رب المال رأس المال فان فضل شئ كان بينهما لأنه ربح وان نقص فلا ضمان على المضارب لما بينا اھ ملخصاً (ج ۳ ص ۲۵۰ و ۲۵۱)

لہذا صورت مسئولہ میں زید نقصان کا شریک نہیں سارا نقصان عمرو ہی کو برداشت کرنا پڑے گا بشرطیکہ زید نے عمداً کچھ تعدی نہ کی ہو جو نقصان کا سبب ہوئی ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۴۶ھ

مشترکہ زمین میں ایک شریک نے درخت لگا دیئے تو کیا باقی شریکوں کا ثمرہ میں حق ہے گا یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مشترکہ زمین میں ایک شریک نے باغ لگایا اور اس باغ نے تمام زمین کو گھیر لیا اور کوئی شئی زراعت کی اس زمین میں کوئی نہیں کر سکتا ایسی حالت میں دوسرے شریک جنہوں نے باغ نہیں لگایا تو ان کو اراضی مذکورہ سے آمدنی حاصل نہیں ہو سکتی تو ثمرات باغ کا مالک محض باغ لگانے والا ہوگا یا سب شرکاء ثمرے کے مالک ہوں گے اور درختوں کا مالک لگانے والا ہوگا یا سب شرکاء ہوں گے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں درختوں کا مالک صرف لگانے والا ہی ہے تمام شرکاء مالک نہیں ہاں شرکاء کو یہ حق ہے کہ زمین کو تقسیم کر کے لگانے والے سے مطالبہ کریں کہ ہمارے حصہ زمین میں سے درختوں کو اکھاڑے نیز درخت لگانے سے اگر زمین ناقص ہو گئی ہو تو شرکاء اس زمین کے نقصان کا ضمان بھی اس سے لے سکتے ہیں۔

قال فی الدر: فی غصب المجتبیٰ زرع بلا اذن شریکه (ای فی الارض بأن کانت مشترکة بینهما نصفین ۱۲ شامی) فدفع له شریکه نصف البذر لیکون الزرع بینهما قبل النبات لم یجز وبعده جاز وان اراد قلعه یقاسمه (ای یقاسمه الارض المشترکة بینهما) ویقلع من

نصيبه ويضمن الزارع نقصان الأرض بالقلع والصواب نقصان الزرع قال الشامي مرادہ أن الصواب ان يقول ويضمن الزارع نقصان الأرض بالزرع ووجه التصويب أن الأرض ينقصها الزرع لا القلع لأنها تحرث لأجل الزرع اھ (ج ۳ ص ۵۵)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ محرم ۱۳۵۴ھ

شرکت عنان میں کسی ایک شریک کو وکیل بالعمل بنانا، تقسیم منافع وخسارہ میں شرکاء کا اختلاف اور عامل سے ضمان لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید، عمر، بکر، خالد اور فاروق پانچ مسلمانوں نے ایک ایک ہزار روپیہ شریک کیا کہ اب خرید کر کھینچی ڈال جائے یعنی کھانڈ بنائی جائے اور فروخت کی جائے، خالد شریک امین اور کارکن قرار پایا اور سب شرکاء نے روپیہ اس کو دے دیا۔ فاروق کو کھینچی کے کام سے واقفیت ہے اس لیے اس کا عمل بھی مشروط ہے ــــــ اور اس لیے وہ نفع نقصان میں ۴ پیسے فی روپیہ کا شریک ہے اور باقی شرکاء کا ۳ ۳ پیسے کے حصے وار۔ اختتام سال پر خالد نے کہا کہ تجارت میں نقصان ہوا۔ اور سرمایہ تقریباً ثلث کم ہو گیا۔ فاروق نے اپنے حصہ کا ⅓ کے حساب سے خسارہ مجرا دے کر روپیہ واپس لے لیا مگر زید، عمر، بکر نے حساب کی تفصیل دیکھے بغیر خالد سے کہا کہ بس باقی سرمائے سے اس سال دوبارہ کھینچی ڈالو کیا عجب ہے سال گزشتہ کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ اب شرکاء مساوی رقم اور مساوی نفع ونقصان کے شریک رہے اور اختتام سال پر خالد نے کہا کہ امسال پھر اسی نسبت کا خسارہ ہوا اور دونوں سالوں کا حساب گوشوارہ بنا کر پیش کر دیا جس میں تکس ایک ہزار سرمایہ میں سات سو کا خسارہ اور تین سو روپیہ باقی دکھایا۔ اب حساب دیکھنے پر خالد (امین) کی چند غلطیاں معلوم ہوئیں جو اس سے قبل اعتماد کی بناء پر حساب نہ دیکھنے کے سبب علم میں نہ آئی تھیں۔ سرمایہ سال اول پانچ ہزار روپے تھا مگر گوشوارہ میں کل پانچ ہزار دو سو روپیہ کی خریدی اور تقریباً سو روپیہ ابتدائی مصارف تیاری میں ہی لگ گئے اور یہ ایک سو دو روپیہ خالد امین نے اپنے پاس سے یا جس کو فروختگی مال پر

مجرا لیا۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ اضافہ ہماری اطلاع و اجازت کے بغیر ہوا غلط مفسد للشرکت اور موجب ضمان ہے۔

۲: فارق سے خسارہ کی رقم بحساب ۴ ⁄ ۱ ل جبکہ بشرط نفع میں تہائی مجرائی۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے عدد زدوس بلال پر نقصان پڑنا چاہیے تھا اور اس لئے سال دوم کے لئے سرمایہ کی رقم مجہول ہو گئی۔ سال دوم میں جو کچھ سرمایہ بعد مجرائے خسارہ چہار شرکاء کا ہوا۔ خالد امین نے اس سے دو چند کی زب خریدی اور خسارہ سب شرکاء پر بعد زدوس ڈالا۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ اضافہ کثیرہ تقریباً ڈھائی ہزار باوجودیکہ ابتداء میں صراحتہً کہہ دیا تھا کہ اس بقیہ سرمایہ سے شرکت ہو نہ اس میں کوئی شریک اضافہ کرے نہ واپس کرے ہمارے اذن کے بالکل خلاف ہوا اور مختصر مال کی تجارت ہوتی تو تیاری جلد اور اچھے نرخ پر ہوتی اس اضافہ سے تاخیر ہو کر ہمارے لئے مزید خسارہ کا سبب ہوئی اس لئے شرکت ہی فاسد ہو گئی۔ ہمارا راس المال واپس کرو۔ اور یہ تجارت تمہاری ذاتی تجارت ہے۔

گوشوارہ سے معلوم ہوا کہ راب خرید شدہ ہر دو سال میں تقریباً پانچ سو من ہے اور کھانڈ و سیبا و شیرہ تیار و فروخت شدہ کا میزان چار سو من ہے یعنی تقریباً سو من وزن کی مال میں کمی ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ پیلنی ڈالنے والوں سے ہم تحقیق کر چکے ہیں کہ چھیجے میں پانچ سات من کا اوسط رہتا ہے اور یہ کمی بھی شیرہ میں پانی ملا کر پوری کر لی جاتی ہے کہ غلیظ شیرہ فروخت نہیں ہوتا۔ پس جب تم کو اقرار ہے کہ شیرہ میں پانی بافراط تم نے بھی ملایا ہے تو پھر اتنا مال کہاں گیا اور حد سے کہ پانچ من فیصد کا اوسط چھیج میں ڈال دو مگر باقی مال کو پورا کر دو یا اس کی قیمت بازاری نرخ پر لگا کر محاسبہ کرو۔ خالد چونکہ زمیندار ہے اس نے اپنی ذاتی راب کو بھی شرکت میں ڈال دیا اور بازاری نرخ مجرا لیا۔ اسی طرح تیار شدہ مشترکہ کھانڈ میں کچھ مقدار خود لے کر بازاری نرخ پر اپنے نام لکھی ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں بائع اور مشتری ایک ہی شخص ہوا اور یہ تصرف بھی ہماری اطلاع و اجازت اور رضا کے خلاف ہے۔

گوشوارہ میں خرید شدہ راب اور فروخت شدہ کھانڈ سیبا و شیرہ کا مفصل نرخ

تاریخوار ظاہر کیا گیا ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ جب تک بائعان و مشتریان کی رسیدات نہ ہوں ہم کیسے جانچ کریں کہ حساب صحیح ہے۔ خالد امین کا سب اعتراضات پر جواب یہ ہے کہ میں امین تھا اور دوسرے اعتماد اور اعتبار پر سب کام شرکاء نے چھوڑا اس لئے میرا قول قابل تسلیم ہونا چاہیئے اور میں کہتا ہوں کہ حساب صحیح ہے۔ اور مال کی کمی کا سبب اگر ملازموں و کارکنوں کی بے احتیاطی یا خیانت ہو تو اس کا میں ذمہ دار نہیں اور میرے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہیں کہ حساب یہی ہے کہ جو میں نے پیش کیا اس سے زیادہ میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

شرکاء کہتے ہیں کہ سال دوم میں بہت ہی بے عنوانی ہوئی کہ کچھ سرمایہ تھا اور کچھ بنا لیا کہ خلاف تصریح دو چند مال خرید لیا اور پھر اس کا خسارہ سب پر ڈال دیا۔ لہٰذا اس خلط اور مخالفت نے تجارت کو تمہارا ذاتی بنا لیا اور اگر خلط موجب للضمان ہے تو سابق قول کی شرکت بھی فاسد ہوئی کہ گو کم سہی مگر خلط و اضافہ بلا اجازت شرکاء اس میں بھی ہے۔ نیز دوسرا بڑا سوال کمی مال کی بابت ہے کہ شرکاء اس کام کے کرنے والوں کا تجربہ دلیل میں پیش کر کے اجزاء مال کی مال کے ساتھ مساوات طلب کرتے ہیں اور امین شریک جواب دیتا ہے کہ مجھے خبر نہیں کمی کس طرح ہوئی اور میں بحیثیت امین ہونے کے تاوان نہیں دے سکتا۔ یہ سب بیچ میں گیا خواہ میری ناتجربہ کاری ہو یا کارکنان نے کھا لیا ہو یا چرا لیا ہو مجھے علم نہیں۔ اب حضرات علماء سے سوال یہ ہے کہ یہ شرکت کس قسم کی ہے اور جن امور میں فریقین کا تنازعہ ہے ان میں حق کس طرف ہے اور آخری فیصلہ کیا ہے کہ راس المال شرکاء کو دینے کا حق ہے یا خسارہ جو گوشوارہ میں دکھایا گیا ہے دینا واجب ہے۔

الجواب

(۱) قال الشامی: ولاخلاف ان اشتراط الوضیعة بخلاف قدر رأس المال باطل و اشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحیح۔

(ج ۳ صفحہ ۳۰۰)

(۲) وفیه ایضاً وحاصل ذالک کله انه اذا تفاضلا فی الربح

فان شرطا العمل عليهما سوية جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وكذا
لو شرطا العمل على احدهما وكان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اكثر
ولو كان الاكثر لغير العامل او لاقلهما عملا وله ربح ماله فقط اھ

(ج ۳ ص ۳۴۷) (۱)

وفيه ايضا قبيله باسطر فان شرطا الربح بينهما بقدر رأس
مالهما جاز ويكون مال الذي لا عمل له بضاعة عند العامل له
ربحه وعليه وضيعته وان شرطا الربح للعامل اكثر من رأس
ماله جاز ايضا ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطا الربح
اكثر من رأس ماله لا يصح الشرط ويكون مال الدافع عند العامل
بضاعة لكل واحد منهما ربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس
مالهما ابدا اھ هذا حاصل ما في العناية

(۲) قال في الدر: والربح على ما شرطا اھ قال الشامي وقيد بالربح لأن
الوضيعة على قدر المال وان شرطا غير ذلك كما في الملتقى وغيره

(ج ۵: ۳۴۸)

(۳) وفيه ايضا: ويطالب المشتري بالثمن فقط ويرجع على شريكه
بحصته منه ان ادى من مال نفسه اي مع بقاء مال الشركة والا
فالشراء له خاصة مثلا يصير مستدينا على مال الشركة بلا اذن اھ
قال الشامي اي ان لم يبق مال الشركة اي لم يكن في يده مال
بل صار مال الشركة اعيانا وامتعة فاشترى بدراهم او دنانير
نسيئة فما اشتراه له خاصة دون شريكه لو وقع على الشركة صار
مستدينا على مال الشركة واحد الشريكين لعنان لا يملك الاستدانة
الا ان يأذن له في ذلك بحر عن المحيط (ج ۳ ص: ۳۴۰)

(۵) وفيه ايضا ولكل من شريكي العنان والمفاوضة ان يستأجره

(۱) جواب میں نقل کردہ جزئیات شامی ایچ ایم سعید والے نسخہ میں ج ۴ ص ۳۱۲ تا ۳۱۵ پر ہیں۔ محمد [illegible] عفی عنہ۔

يبضع ويودع ويعير ويضارب ويوكل ببيع وشراء وبنقد ونسيئة ويسافر بالمال ومؤنة السفر والكراء من رأس المال ان لم يكن في يده دراهم ولا دنانير من الشركة فاشترى بدراهم او دنانير فهو له خاصة لأنه لو وقع مشتركا تضمن إيجاب مال زائد على الشريك وهو لم يرض بالزيادة على رأس المال وإن أجازه ومقتضاه أنه لو رضي وقع مشتركا لأنه يملك الاستدانة بإذن شريكه كما قدمناه اهـ (ج ٣ ص ٥٣٢)

(٩) وفيه أيضا. وهو أي الشريك أمين في المال فيقبل قوله بيمينه في مقدار الربح والخسران والضياع والدفع إلى شريكه ويضمن بالتعدي وهذا حكم الأمانات لنهاه عن الإخراج فخرج ثم ربح فأجبت أنه غاصب حصة شريكه بالاخراج فينبغي أن لا يكون الربح على الشرط انتهى ومقتضاه فساد الشركة نهر. وفيه وتفرع على كونه امانة ما سئل قارئ الهداية عمن طلب محاسبة شريكه فأجاب لا يلزم بالتفصيل ومثله المضارب والوصي والمتولي نهر اهـ قال الشامي سيذكر الشارح في الوقف عن القنية أن المتولي لا تلزمه المحاسبة كل عام ويكتفي القاضي منه بالإجمال لو معروفا بالأمانة ولو متهما يجبره على التعيين شيئا فشيئا ولا يحبسه بل يهدده ولو اتهمه يحلفه اهـ والظاهر أنه يقال مثل ذلك في الشريك والمضارب والوصي فيحمل اطلاقه على غير المتهم اهـ (ج ٣: ص ٥٣١) (١)

(٧) وفي الفتاوى الكاملية: سئلت عن الشريك او المضارب إذا خلط مال الشركة او المضاربة بمال آخر بدون اذن الشريك او رب المال وهلك المال هل يضمن: فالجواب في فتاوى قارئ الهداية وهذا لفظه الشريك أو رب المال اذا قال لشريكه او عامله اعمل برأيك فخلط مال

---

(١) نسخہ ایچ ایم سعید: (ج ۴ ص: ۳۱۹/۳۲۰)

الشركة أو المضاربة بمال غيره لا يكون متعديا فاذا هلك لم يضمن وان لم يقل له ذالك يكون متعديا بالخلط. فيضمن مطلق هلك المال. وإذا اختلفا في الإذن فالقول قول المالك الا ان يقيم الآخر بينة على الإذن اهـ (ص ۹۹م)

صورت مسئولہ میں شرکت اول میں فاروق کا نفع میں حصہ زیادہ ہونا تو جائز تھا لیکن نقصان میں حصہ کم ہونا جائز نہ تھا مگر اس سے شرکت فاسد نہیں ہوئی یہ شرط باطل تھی اس لئے فاروق پر بھی نقصان سب کے برابر ڈالا جائے اور جو اس کی طرف زیادہ ہو گیا ہو وہ واپس لے کر جملہ شرکاء میں برابر تقسیم کیا جائے۔ ملاحظہ ہو روایت نمبر ا وعا و عا اور شرکت اول میں جو دو روپیہ کی راب زیادہ ہوئی ہے اگر شرکاء نے خالد کو اس مال بڑھانے کی اجازت تعمیماً یا تخصیصاً نہیں دی تھی تو بقدر دو روپیہ کے راب خالد کی تھی اور اس کو مال مشترک میں ملانا جائز نہ تھا۔ اس کے خلط سے خالد سارے مال کا خود مالک ہو گیا اور اس پر ضمان لازم ہو گیا۔ (بحکم روایت نمبر ۲)

قاعدہ کا مقتضاء یہی ہے اور استحسان کا ذکر آگے آتا ہے اور جو روپیہ جو ابتدائی مصارف میں خالد نے لگایا ہے اگر وہ اجرت عمال وغیرہ کی جنس سے ہے تو یہ موجب ضمان نہیں۔ ملاحظہ ہو روایت عـ۵ و مؤنة سفره والكراء من رأس المال الخ.

اور شرکت ثانیہ میں خالد نے چونکہ اپنی ذاتی راب بھی مال شرکت میں مخلوط کی اور سرمایہ سے دو چند رقم کا مال خرید کر مال مشترک سے مخلوط کیا ہے اور سوال میں مذکور ہے کہ شرکاء نے اس کی اجازت نہ دی تھی لہٰذا خالد اس میں بھی غاصب ہو گیا اور خلط کی وجہ سے اس پر ضمان لازم آ گیا۔ (ملاحظہ ہو روایت عـ۵، عـ۱، عـ۲)

پس شرکت ثانیہ میں تو خالد یقیناً ضامن ہے اور یہ تجارت خالص اسی کی تجارت شمار ہوگی اور شرکت اول میں قواعد کا مقتضا تو یہی ہے کہ دو روپیہ کی راب زائد مخلوط کرنے کی وجہ سے ضامن قرار دیا جائے مگر چونکہ اس قدر قلیل مقدار سے تحرز دشوار ہے کیونکہ بعض دفعہ رقم موجود کے بالکل برابر مال نہیں مل سکتا۔ کچھ آنا روپیہ کی مقدار زائد لینے پر تاجر مجبور ہوتا ہے اس لئے بقاعدہ المعروف کالمشروط اس قدر قلیل

زیادت عفو ہے لیکن شرکت ثانیہ میں زیادت بمقدار کثیر ہے جو عرفاً و عادۃً کسی طرح اجازت کے تحت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ پس اگر خالد کو اس زیادت کی اجازت نہ تھی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو خالد شرکت ثانیہ میں تمام شرکاء کے راس المال کا ضامن ہے اور اس کا نفع و نقصان سب اسی پر ہے۔ رہا مال کی کمی کا سوال سو اس کے متعلق سب شرکاء خالد امین سے زجر و تنبیہ کے ساتھ تفصیلی حساب کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اور موقع ضرورت میں قسم لے سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح عندی — حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

اشرف علی — ۹ صفر [illegible]ھ از تھانہ بھون

۱۰ صفر [illegible]ھ

الدر النظیم فی احکام الشرکۃ والتصرف فی مال الیتیم

حضرت مولائی مرشدی سیدی ہادی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد۔
معروض یہ ہے کہ بندہ یتیم کے مال مخلوط و یتیم کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم نہ جاننے کی وجہ سے تردد و پریشانی میں ہے۔ اب حضور چند مندرجہ ذیل صورتوں کے حکم سے واقف فرما کر بندہ در ماندہ کو مسرور فرمائیں۔

ایک صورت شرکت اموال کی ان میں سے یہ ہے کہ بعض وارث بالغ اور بعض یتیم ہیں اور وہ یتیم جیسا مال میں شریک ہے ایسا ہی خورد و نوش میں شامل ہے۔ آیا ایسا مال مخلوط خریدنے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض یتیم خورد و نوش میں بالغ کے ساتھ شامل ہے اور بعض شامل نہیں۔ آیا ایسا مال مخلوط بالغ سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اتنا سمجھدار ہو گیا ہے کہ نفع و نقصان سمجھ کر بازار میں فروخت کرتا ہے آیا اس کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے مال مخلوط مذکورہ یعنی شرکت املاک میں سے جو مال زمانہ گذشتہ میں خرید چکا ہوں اس کے بابت کیا حکم ہے اور ایسے مال مخلوط کا کھانا کیسا ہے؟

بے خبری کی وجہ سے جو کچھ کھا چکا ہوں اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے۔ آیا کھانے کے عوض یتیم کو کھانا کھلا دینے سے برأت ہو جائے گی یا نہیں، اور جو آم وغیرہ کھائے ان کی قیمت یتیم کو خود ادا کر کے دینا چاہیئے یا اس کے ولی سے ادا کرنا چاہیئے۔ غرض یہ کہ جس صورت سے میری برأت ہو جائے ارشاد فرما کر مسرور فرمائیں اور جو یتیم اب بالغ ہو گیا ہے وہ اپنا حق معاف کر دے تو معاف ہو جاوے گا یا نہیں؟ والسلام

تنقیح

(۱) پہلے یہ امر واضح کیا جاوے کہ یہ وارث بالغ جو یتیم کا مال مخلوط بیع کرتا ہے یہ رشتہ قرابت میں یتیم کا کیا لگتا ہے (۲) نیز یہ بھی بتلایا جاوے کہ یہ وارث بالغ یتیم کے جس مشترک و مخلوط مال کو بیع کرتا ہے یہ مال کس قسم کا ہے منقول ہے یا غیر منقول اور غیر منقول کیسا ہے سریع الفساد جیسے پھل وغیرہ یا غیر سریع الفساد اور یتیم کو ان اشیاء کی بیع کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۳) اور یہ یتیم سمجھدار جو بیع شراء کرتا ہے یہ ولی کی طرف سے ماذون فی البیع ہے یا نہیں؟

(۴) اور یتیم بالغ ہونے کے بعد جن حقوق کو معاف کرتا ہے وہ حقوق کس قسم کے ہیں۔ اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ فقط۔ ظفر احمد از تھانہ بھون

۲۵ محرم ۱۳۴۶ھ

جواب تنقیح

پہلے دو سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مجھے تین ورثاء بالغ کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ وارث بالغ یتیم کا چچا لگتا ہے۔ اس نے منقول شئی جیسے گائے بکری و غیر منقول شئی جیسے درخت وغیرہ یتیم کی ضرورت کے لئے بیع کی۔ دوسری جگہ ایک وارث بالغ یتیم کا عینی بھائی لگتا ہے اور ایک یتیم کا حقیقی ماموں لگتا ہے۔ اس نے بھی شئی منقول جیسے کتاب وغیرہ اور غیر منقول غیر سریع الفساد جیسے درخت بانس وغیرہ اور سریع الفساد جیسے پھل وغیرہ یتیم کی ضرورت کے لئے بیع کرتا ہے۔ تیسری یتیم کی ماں ہے۔ وہ بالغ وارث موجود نہ ہونے کے وقت کبھی غیر منقول سریع الفساد شئی

ضرورت کے وقت بیع کرتی ہے جیسے کھٹل، کیلا، آم وغیرہ۔

آپ کے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یتیم سمجھدار ولی کی طرف سے ماذون فی البیع

ہوتا ہے۔ اس میں ایک بات اور دریافت طلب ہے کہ ———————————

——————————— فقط ماں کی طرف سے

ماذون فی البیع والشراء میں کوئی قباحت ہوگی یا نہیں۔ اور چوتھے سوال کا جواب یہ ہے

کہ دو قسم کے حقوق ہیں مالی جیسے یتیم کا مال مخلوط سے کھانا کھا لیا ہے اور دوسرے حقوق

بدنی جیسے تعلیم دیتے وقت حد سے زیادہ مارا پیٹا ہے۔

الجواب

قال ابن عابدین: فی حاشیة البحر عن جامع الفصولین فی التصرفات الاعیان المشترکة فقال ارض وکرم بین حاضر وغائب أو بین بالغ ویتیم فالحاضر أو البالغ یرفع الأمر إلی القاضی ولو لم یرفع فی الأرض یزرع بحصته ویطیب له ذلک ویقوم علی الکرم فیبیع ثمره ویأخذ حصته ویوقف حصة الغائب ویبیع له ذالک واذا قدم الغائب ضمنه القیمة او اجاز بیعه وذکر محمد فی مواضع أخر لو أخذ الشریک نصیبه من الثمن او اکل جاز ویبیع نصیب الغائب ویحفظ ثمنه فلو حضر صاحبه یخیر کما مر قال ۔ هذا احسان

اھ (ج ۵ ص ۱۶۷)

وفی الفتاوی الحامدیه: (ج ۲ ص ۲۹۶) ثم ان ما مر أن الصال لیتیم یملک بیع مالابد منه خاص بغیر العقار من نحو المنقولات اما العقار فلیس له بیعه ولو مع وجود المسوغات لما فی الدر المختار حیث قال وهذا ان بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیا لامن قبل أم وأخ فانهما لا یملکان بیع العقار مطلقا ولا شراء غیر طعام وکسوة. ۔ انتهی فتامل اھ۔

اس کے بعد جوابات سوالات معروض ہیں۔

(۱) یتیم کے ساتھ جو مال دوسرے ورثاء کا مشترک ہے۔ اگر وہ عقار یعنی مکان وجائیداد کی قسم سے نہیں بلکہ منقولات کی قسم سے ہے تو اگر سریع الفساد ہے جیسے پھل وغیرہ جب تو وارث شریک بالغ کو جائز ہے کہ اپنا اور یتیم دونوں کا حصہ فروخت کر دے اور خریدنے والے کو خریدنا بھی جائز ہے اور وارث بالغ کو لازم ہے کہ یتیم کے حصہ کی قیمت اس کے لئے الگ محفوظ رکھے یا اس کے نفقہ میں لگائے اور اگر سریع الفساد نہ ہو جیسے درخت وغلہ وغیرہ تو ولی یتیم کو یتیم کا حصہ اس وقت بیع کرنا جائز ہے جب کہ یتیم کو نفقہ کے واسطے بیع کی حاجت ہو۔ ورنہ نہیں اور ولی وہ ہے جو یتیم کا عصبہ قریب ہو کہ اس سے قریب اور کوئی نہ ہو یا یتیم اس کی پرورش میں ہو یا وصی ہو۔ غیر ولی کو مال غیر سریع الفساد بقدر اپنے حصے کے مشترکہ فروخت کرنا درست ہے۔ یتیم کے حصے کی بیع کا اس کو اختیار نہیں اور جب یتیم کو حاجت ہو تو جس طرح بیع جائز ہے خریدنا بھی جائز ہے اور اگر بلا ضرورت ولی نے یتیم کا حصہ بھی فروخت کر دیا تو خریدار کو تو وہ مال خرید کردہ حلال ہے لیکن ولی کو گناہ ہوا اور اگر خریدار کو بعد میں معلوم ہوا کہ یتیم کو اس کے حصے کی قیمت نہیں پہنچی ہے تو ورع اور تقویٰ یہ ہے کہ بعد بلوغ کے اس کو اس کے حصے کی قیمت دے دے یا معاف کرا لے۔ باقی واجب نہیں کیونکہ یتیم کا دین اصل ولی کے ذمہ تھا اور جائیداد میں سے یتیم کا حصہ بیع کرنا اور خریدنا درست نہیں۔ الّا للأب او الجد او وصیهما عند الحاجة الشدیدة۔

(۲) ایسے مال مخلوط کا خریدنا جائز ہے جب کہ مال مخلوط سریع الفساد ہو یا غیر سریع الفساد ہو لیکن یتیم کی ضرورت سے ولی نے بیع کیا ہو اور یتیم کے حصہ کی قیمت کا ولی کو الگ محفوظ رکھنا لازم ہے جو اس کے نفقہ میں صرف کی جائے۔

(۳) جب ولی کی طرف سے ماذون ہو تو یتیم سے بیع شراء کا معاملہ درست ہے بشرطیکہ اس کو نقصان نہ دیا جائے اگر وہ بوجہ بچپن کے غبن فاحش سے مال کو بیع کرے تو غبن فاحش سے خریدنا جائز نہیں بلکہ ایسی قیمت دی جائے جس سے اس کو نقصان نہ ہو اور یہ تقویٰ ہے اور فتویٰ سے یتیم ماذون کے ساتھ غبن فاحش سے بھی معاملہ صحیح ہے یعنی قضاءً

قال فی الدر: فلو أذن مطلقا بلا قید صح کل تجارة منه ای الماذون امّا لو قید فعندنا یعم خلافا للشافعی فیبیع ویشتری ولو بغبن فاحش خلافا لهما وأدخل الشارح فیه الصبی والمعتوه الماذون لهما اھ۔

(ص ۳۰۵ ج ۵) قلت والاحتراز والخروج عن الخلاف أولى وأحوط۔

(۴) اگر یتیم کا خورد و نوش ولی کے ساتھ مخلوط ہو اور ولی کسی کی دعوت کرے تو اگر یہ معلوم ہو کہ ولی اس خلط میں یتیم کے نفع کا لحاظ رکھتا ہے اس کو ضرر نہیں پہنچاتا تو اس کے یہاں دعوت کھانا، آم وغیرہ کھانا جائز ہے اور اگر وہ خلط سے یتیم کو ضرر پہنچاتا ہو تو جائز نہیں اور بعد بلوغ کے اگر یتیم اپنا حق معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔ لکونہ إبراء عن الدین وھو صحیح اور اگر معاف نہ کرے تو مثلیات میں مثل لازم ہے اور غیر مثلیات میں قیمت لازم ہے۔ وقت اکل کی قیمت کا حساب لگایا جائے۔ اگر وقت اکل کی قیمت یاد نہ ہو تو دو عادل مسلمانوں سے وقت اداء کی قیمت کا حساب کرا کر قیمت ادا کر دی جائے

واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

جس زیور میں کچھ رقم بالغ بیٹی کی اور کچھ باپ کی ہو اسے ماں پہن سکتی ہے؟

سوال: معاملہ کی ایک صورت میں حکم چاہتا ہوں۔ میری لڑکی اب تقریباً گیارہ سال کی ہے۔ کئی برسوں سے میں ہر مہینہ اس کو نیز دوسرے بچوں کو ایک روپیہ یا زائد بھی دیا کرتا ہوں اور وہ رقم اپنی بچوں پر ہی صرف کر دی جاتی ہے۔ لڑکی چونکہ سیانی ہو چکی ہے اس لئے وقتاً فوقتاً کچھ زیور بنوا دیا جایا کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس سے کچھ روپیہ لے کر اور اس میں کبھی اس سے زائد اور کبھی کم اپنے پاس سے ملا کر کوئی زیور بنوا دیا جاتا ہے۔ یہ زیور نہ تو فقط اس کی جمع سے بنتا ہے اور نہ ہی کل روپیہ میں نے ہی لگایا ہے اور نہ جس قدر روپیہ میں نے لگایا ہے اس کے لئے نیت کی ہے کہ وہ بھی لڑکی کو دے دیا تو ایسی صورت میں وہ زیور کس کی ملک میں سمجھا جائے گا۔ اور اس کا برتنا یعنی کبھی کبھی لڑکی کی ماں کو اس کا پہن لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ زیور مشترک ہے یعنی لڑکی کا بھی ہے اور آپ کا بھی ہے۔ اب اس سے آپ منتفع ہو

سکتے ہیں اور لڑکی بھی اور آپ کی اجازت سے لڑکی کی ماں بھی کیونکہ اس کا انتفاع حکماً آپ ہی کا انتفاع ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ یہ انتفاع قدر حق سے زائد نہ ہو مثلاً زیور میں اگر آدھی رقم آپ کی ہے اور آدھی لڑکی کی تو مہینہ میں پندرہ دن سے زیادہ اس کی ماں استعمال نہ کرے اور اگر دو ثلث آپ کی اور ایک ثلث لڑکی کی ہے تو مہینہ میں ۱۹-۲۰ دن سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ وھذا ھو المهایاۃ التی جعلها الفقہاء طریق الانتفاع بالمشترک۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۶ ربیع ۲ [illegible] از تھانہ بھون

عقد مضاربت و شرکت دونوں کے اکٹھے ہونے کا حکم

سوال: ادھر طرف اس طرح کی شرکتیں ہیں جن کا رواج بہت کثرت سے لوگوں میں ہو رہا ہے جو شرکت اور مضاربت دونوں شامل ہیں۔ مثلاً زید، عمر، بکر تین شخص ہیں، دو کے پاس روپیہ ہے ایک کے پاس روپیہ نہیں۔ زید نے مبلغ ایک ہزار روپیہ دیا اور بکر نے مبلغ ایک ہزار روپیہ دیا اور عمر نے کچھ روپیہ نہیں دیا تھا۔ تینوں میں یہ بات طے پائی کہ اس روپیہ سے ہم لوگ مال خرید و فروخت کریں اور نفع و نقصان اس صورت سے تقسیم کریں گے کہ ہم لوگ زید، بکر، عمر کے کام کرنے کا مزدوری میں حصہ نفع نقصان کا فی آدمی ۳، ۳ لیں گے اور زید بکر نے جو ایک ایک ہزار روپیہ اپنے پاس سے کام کرنے کے لئے دیا ہے۔ اس روپیہ کا معاوضہ نفع و نقصان میں ۳، ۳ ہزار پر حسب ۱۵، ۱۰ ہوئے۔ اور ایک پائی جو بچ گئی وہ خیرات کا حصہ نفع نقصان میں ان لوگوں نے مقرر کر دیا۔ اب شرکت اور مضاربت دونوں صورتیں صحیح ہوئیں یا نہیں۔ اگر شرکت صحیح ہوئی اور مضاربت صحیح نہیں ہوئی یعنی کام کرنے والے کا نقصان کا حصہ دینا ہے مزدوری کا نقصان ہوا اس نے مجبوراً اپنے نفع کے لئے اس شرط پر کام کیا تو کام کرنے والا گنہگار ہوا کہ نہیں۔ کیونکہ اس ملک میں بجز اس صورت کے کوئی مہاجن راضی نہیں ہوگا۔ کام کرنے والا دو چار برس تک برابر نفع کا حصہ پاتا رہا اور ایک سال نقصان کا حصہ دیتا ہے۔ تو اس کی مزدوری اس سال کی ضائع ہوتی ہے۔ ابھی پرورش کے خیال سے اس کام

میں شرکت کرتا ہے۔ اگر نہ کرے تو کوئی حصہ رکھے بھی نہیں اور کوئی دوسری صورت آسان اس شرکت اور مضاربت کو درست کرنے کی ہو تو بتلائی جائے۔

الجواب

یہ صورت مضاربت صحیح نہیں، مضاربت میں عمل رب المال کی شرط مفسد ہے۔

قال فی الخلاصۃ ولصحۃ المضاربۃ شرائط منہا التخلیۃ حتی لو شرط عمل رب المال فسدت المضاربۃ. (ج ۴ ص ۱۸۸) (۱)

صورت جواز یہ ہے کہ جس شخص کی رقم نہ ہو اس کو ماہواری تنخواہ پر ملازم رکھا جائے یا وہاں پر رکھا جائے کہ (عہ) دوکان میں کام کرے جتنے کا مال بکے گا فی روپیہ تجھ کو اتنا دیا جائے گا۔ شریک نہ بنایا جائے اور اگر شرکت کے بغیر کوئی کام نہ کرے تو پھر مال دینے والے اپنی رقم کی کچھ مقدار بے رقم والے کو ہبہ کر دیں اور شرکت عنان کی صورت اختیار کریں جس کے احکام کسی عالم سے زبانی معلوم کر لئے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۶ رجب ۱۳۴۳ھ

شرکت عنان کی ایک صورت معاوضہ حقوق گڈول وغیرہ کے متعلق چند سوالات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید و عمر دونوں ایک دوکان میں شریک ہو کر کام کرتے تھے۔ اس وقت بہت چھوٹا کام تھا۔ دوکان کے مال پر کوئی دوکان کا مارکہ یعنی ٹکٹ نہیں تھا۔ بحالت شرکت ڈھائی برس میں عمر و بقضائے الٰہی فوت ہو گیا اور سارا کام زید کے ہاتھ آ گیا۔ پس زید نے عمرو کے بیٹے بکر کو ایک چھوٹے حصہ (عہ) کا مقدار شریک وار قرار دے کر اپنے ساتھ بٹھایا اس کے بعد جب دوکان کو ترقی ہوئی اور دوکان کے مال پر دوکان کے ٹکٹ بھی ہو گئے۔ تب بکر نے اپنا حصہ بڑھانا چاہا۔ پس

---

(۱) فی الشامیۃ: (ج ۵: ۶۴۵) تحت قولہ: وکل من جانب المضارب اھ قید بہ لأنہ لو اشترط رب المال أن یعمل مع المضارب فسدت. ا ھ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

عہ: یعنی عمرو متوفی کے حصہ کے برابر تھا یا کم ۱۲ ظ

زید نے اس شرط پر بکر کا حصہ دوکان میں بڑھا دیا کہ دوکان کے ٹھکوں میں بکر کا کوئی حق نہیں ہے جس کی بابت فریقین میں باقاعدہ تحریر ہو گئی اور اسی کے مطابق عملدرآمد ہوتا رہا۔
پھر کچھ مدت کے بعد فریقین میں تحریری معاہدہ ہوا کہ اگر زید بکر کو دوکان سے علیحدہ کرے تو دوکان کے موجودہ مال اور نفع کا حساب کر کے بکر کے حصہ کے موافق نقد روپیہ اس کو دے دے گا اور اس کے علاوہ ٹھکوں کے حق کے بابت مبلغ ساڑھے تین ہزار روپے بھی دے کر اس کو دوکان سے علیحدہ کر دے گا اور اگر بکر خود بخود علیحدہ ہو جائے تو اس کو دوکان کے ٹھکوں کا کوئی حق نہ ملے گا۔ صرف مال اور نفع میں سے اس کے حصہ کی مقدار نقد روپیہ دے دیا جائے گا۔

پھر کچھ مدت بعد آخری تحریری معاہدہ ایسی حالت میں ہوا کہ دوکان کی اور زیادہ ترقی ہو چکی تھی اور بجائے ایک دوکان کے دو دوکانیں باہمی شرکت میں ہو چکی تھیں۔ پہلی پرانی بڑی دوکان نمبر ۱ سے موسوم تھی اور دوسری چھوٹی نئی دوکان کو نمبر ۲ کہا جاتا تھا۔ اس آخری معاہدہ سے تقریباً پندرہ سال پیشتر سے زید اپنے بیٹے خالد کو دوکان میں شریک کر چکا تھا لیکن ٹھکوں میں اس کا کوئی حق نہیں رکھا گیا تھا۔ اس آخری معاہدہ کے مطابق بھی زید کا بیٹا خالد دوکان میں شریک دار قرار پایا۔ شرط یہ ٹھہری کہ اگر بکر خود بخود دوکان سے علیحدہ ہو جائے تو اس کو دونوں مذکورہ دوکانوں میں سے کسی دوکان کے پانے کا حق نہیں ہے۔ صرف موجودہ مال اور نفع میں سے اپنے حصے کی مقدار نقد رقم پانے کا حقدار ہے اور بکر خود علیحدہ نہ ہو بلکہ زید اس کو دوکان سے علیحدہ کر دے تو بکر کو چھوٹی دوکان نمبر ۲ معہ اس کے کل ٹھکوں کے ملے گی اور بڑی دوکان نمبر ۱ اس کے کل ٹھکوں کے زید کی رہے گی جس کے ساتھ اس کا بیٹا خالد بھی باہمی قرارداد کے مطابق شریک رہے گا اور اگر پہلی دوکان نمبر ۱ چل جائے مثلاً اس طرح سے کہ مالک دوکان اس کو خالی کرا لے تو زید معہ جملہ حقوق کے دوکان نمبر ۲ کا مالک ہو جائے گا اور بکر کو اس کے حصہ کی مقدار یعنی ایک روپیہ میں ساڑھے پانچ آنہ کے حساب سے موجودہ مال اور نفع میں سے نقد روپیہ اور بابت گڈول تیرہ ہزار سات سو پچاس ۱۳۷۵۰ روپے دیا جائے گا۔ اس بناء پر دونوں دوکانوں کے حقوق گڈول کی قیمت چالیس ہزار روپے

رکھی گئی جس میں چھبیس ہزار دو سو پچاس روپیہ بڑی دوکان نمبرا کی جانب اور
تیرہ ہزار سات سو پچاس روپیہ چھوٹی دکان نمبر۲ کی جانب قرار پایا تھا۔ گڈول اس حق
کا نام ہے جو ہر تاجر کو اس کے مارکیٹ یعنی گاہکوں اور اس کی دوکان کے خاص نام اور
ایک مدت تک ایک خاص جگہ پہ دوکان جم جانے کی بابت قانوناً و عرفاً حاصل ہوتا ہے۔
اس آخری معاہدہ کے بعد کچھ مدت تک کام ہوتا رہا۔ اب بڑی دوکان نمبرا مالک مکان نے
خالی کرا لی اور اس کی جگہ پہ ایک اور دوکان کرایہ پہ لے لی گئی جو کہ سابقہ اصلی دوکان
سے بہت چھوٹی اور کرایہ میں بھی بہت گراں ملی ہے۔ اس کرایہ پہ لی ہوئی دوکان کو بھی
دوکان نمبر۱ کہتے ہیں۔ اب زید نیا تحریری معاہدہ دو برس کے لئے مشترکہ سابقہ
کے حصص میں کسی قدر کمی بیشی کر کے اس طرح کرنا چاہتا ہے کہ زید، بکر، خالد سابقہ
تین مشترکوں کے ساتھ زید کے دوسرے دو بیٹے جعفر اور امین بھی مل کر پانچ
شراکت دار قرار پائیں۔

شرائط اس طرح پر ہوں کہ اگر دو برس مدت مقررہ کے اندر بکر کو علیحدہ کیا
جائے یا بکر خود علیحدہ ہو جائے یا زید کا انتقال ہو جائے تو چھوٹی دوکان نمبر۲ معہ اس
کے جملہ حقوق گڈول کے بجز ایک ثلث کے بکر کو دے دی جائے گی اور اس کے ساتھ
اس ایک ثلث کے معاوضہ میں جو کہ مستثنیٰ کر لیا گیا ہے یا دونوں دوکانوں میں مجموعہ
حقوق کے لحاظ سے چالیس ہزار روپیہ بھی بکر کو دے دیا جائے گا۔ اور اگر اس مدت
مقررہ کے اندر بکر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء کو اس وقت کے موجودہ مال اور
نفع کے حساب سے نقد روپیہ اور بابت حقوق گڈول چالیس ہزار روپے ملا کر
دے دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دونوں دوکانوں سے اس کے ورثاء کو کوئی سروکار
نہ رہے گا بلکہ دونوں دوکانوں کے حقوق گڈول کا مستقل اور پورا مالک زید قرار پائے
گا اور اگر خالد دوکان سے علیحدہ ہو جائے یا اس کا انتقال ہو جائے تو موجودہ مال اور
نفع میں حصہ کے علاوہ مبلغ پچیس ہزار روپیہ اس کو یا اس کے ورثاء کو دیا جائے گا
اور دونوں دوکانوں سے اس کو یا اس کے ورثاء کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ بقیہ دونوں شریک
جعفر اور امین کو علیحدہ کرنے یا علیحدہ ہو جانے کے وقت کوئی حق کسی دوکان کے کسی
گڈول میں نہیں ہے۔ صرف اس وقت کے موجودہ مال اور نفع میں سے بقدر حصہ کے

نقد پانے کے حق دار ہوں گے۔

دورانِ مدت مذکورہ میں زید کا انتقال ہوجانے پر اس کے حقوق گڈول کا مستقل مالک صرف اس کا ایک بیٹا خالد رہے گا۔ زید کے حقوق گڈول کی قیمت مبلغ اسی ہزار روپیہ رکھی گئی ہے۔ پس زید کے بعد خالد کا فرض ہے کہ اس کے حقوق گڈول کی مذکورہ قیمت اسی ہزار روپیہ اور اس وقت کے موجودہ مال اور نفع میں سے اس کے حصہ کے حساب سے نقد روپیہ اس کے یعنی زید کے ترکہ میں شامل کرے تاکہ اس کے ورثاء بیٹوں، بیویوں میں جن میں خالد، جعفر، امین تینوں بھی شامل ہیں میں حصص شرعی کے مطابق تقسیم ہوجائے۔ زید کے بعد خالد کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ حسب تفصیل مذکورہ بالا بکر کو چالیس ہزار روپے نقد اور دوکان علا باستثناء ایک ثلث بقیہ اس کے کل ثلثوں کے ساتھ دے کر اس کو شرکت سے بالکل علیحدہ کردے اسی طرح بقیہ دو شریکوں کو بھی جن کا گڈول میں کوئی حق نہیں ان کی شرکت کی مقدار اس وقت کے موجودہ مال و نفع کا روپیہ دے کر شرکت سے علیحدہ کردے۔

(۶) زید اور خالد دونوں کا انتقال ہوچکنے کے بعد مدت مذکورہ کے اندر بکر کا حق وہی رہے گا جو اوپر مذکور ہوا اس سے زیادہ نہیں۔

(۷) مذکورہ بالا جملہ شرائط دو برس کی مدت کے بعد بھی جب تک دوسرا نیا تحریری معاہدہ مکمل نہ ہوجائے واجب العمل رہیں گی۔ پس ارشاد ہو کہ بطور معروضہ بالا نیا تحریری معاہدہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو اس کے قریب قریب جواز کی کون سی صورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرکت شرکت عنان ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ لا یملک الشریک الشرکۃ الا باذن شریکہ جوھرۃ کذا فی الدر (ج ۳: ص ۵۴۳)

پس زید کا اپنے دونوں بیٹوں کو فی الحال شریک دوکان کرنا شرکاء سابقین کی اجازت پر موقوف ہے اور ان کے شریک کرنے سے اگر بکر اور خالد کے حصص میں

کمائی ہو تو اس کے لئے بھی ان کی اجازت بطیب نفس کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ باپ کا بیٹوں کو شریک دوکان کرنا دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ بیٹوں کا محض نام دوکان کے شرکاء میں شمار کر لیا جائے یہ شرکت معتبر نہیں اور اس صورت میں اولاد باپ کی معین شمار ہوگی۔ ان کا مستقل حصہ دوکان میں نہ ہوگا بلکہ اولاد کے حصص بھی باپ کی ملک ہوں گے جس میں باپ کے سب ورثاء کا حق ثابت ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو اول کچھ سرمایہ یا نقد روپیہ برعایت شرائط ہبہ تملیکا دے دے اور بیٹے اس سرمایہ یا نقد کو دوکان میں لگا کر شریک ہوں۔ یہ صورت شرکت کی معتبر ہے۔ اس وقت ہر بیٹا اپنے حصہ کا مستقل مالک ہوگا جس میں دیگر ورثاء زید کا حق نہ ہوگا بلکہ ہر بیٹے کے حصہ میں صرف اسی کے ورثا حقدار ہو سکیں گے۔

قال في تنقيح الفتاوى الحامدية: وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء ثم اجتمع لهما مال يكون كله للأب إذا كان الابن في عياله فهو مشروط كما يعلم بعبارتهم بشروط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وكون الابن في عيال أبيه فإذا عدم واحد منها لا يكون كسب الابن للأب وانظر إلى ما عللوا به المسئلة من قولهم لأن الابن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع فهذا الحكم على ثبوت كونه معينا له فيه فاعلم ذلك اهـ (ج ٢ / ١٨)

اور جس صورت میں باپ اپنے بیٹوں کو سرمایہ نقد دے کر دوکان میں شریک کرے۔ اس وقت شرعاً باپ کے ذمہ اولاد میں تسویہ ضروری ہے کہ ہر بیٹے کو برابر نقد یا سرمایہ دے۔ ان پر ضروری نہیں کہ ہر ایک کا سرمایہ یا روپیہ برابر لگا کر سب نقد دوکان میں شریک کرے بلکہ اختیار ہے کہ کسی کا حصہ دوکان میں زیادہ رکھے کسی کا کم۔ اور سرمایہ یا روپیہ برابر لگا کر بھی شرکاء کو حق ہے کہ نفع میں کسی شریک کا حصہ برابر رکھا جائے اور کسی کا کم کیونکہ شرکت عنان میں باوجود مساوات راس المال کے نفع میں زیادت ونقص ہو سکتا ہے مگر یہ سب شرکاء کی رضا سے ہونا چاہئے اس کے بعد

تحریر معاہدہ جدید میں جو یہ شرط کی گئی ہے کہ اگر دو برس مدت مقررہ کے اندر بکر کو علیحدہ
کیا جائے یا بکر خود علیحدہ ہو جائے یا زید کا انتقال ہو جائے تو چھوٹی دوکان عا معہ اس
کے جملہ حقوق گڈول کے بجز ایک ثلث کے بکر کو دے دی جائے گی الخ

اس میں علیحدہ کرنے کا حق صرف زید کے لئے ثابت کیا گیا ہے حالانکہ شرعاً ہر شریک
شرکت کو فسخ کرکے دوسرے کو علیحدہ کرنے کا اور خود علیحدہ ہو جانے کا حق رکھتا ہے۔ اب اگر
دوکان شرکاء کی ملک ہے تو یا تو دونوں اس کو تقسیم کرکے الگ الگ حصے بنالیں یا ایک
شخص دوسرے کا حصہ اس کی رضامندی سے خرید کر ساری دوکان کا مالک ہو جائے۔
چاہے زید ایسا کرے یا بکر دونوں اس میں مساوی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بکر کے حصے کو زید
ہی خرید کر اسے الگ کر سکے اور بکر اس کے حصہ کو خرید کر اسے الگ نہ کر سکے یا زید ہی اگر
چاہے تو بکر کو علیحدگی پر مجبور کرکے تقسیم دوکان کا مطالبہ کر سکے اور بکر ایسا نہ کر سکے اور
اگر دوکان کرایہ کی ہے تو مالک دوکان جس شریک کو اپنی دوکان کرایہ پر دینے کے لئے
راضی ہو، وہی دوسرے کو الگ کر سکتا ہے یعنی اگر مالک دوکان تنہا زید کو دوکان کرایہ پر
دے تو وہ بکر کو الگ کر سکتا ہے اور اگر تنہا بکر کو دے تو وہ زید کو الگ کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شرکت خواہ موت سے فسخ ہو یا شرکاء کی علیحدگی سے۔ بہر صورت
جس شریک کو دوکان سے الگ کیا جائے اس کو اس کے حصے کے موافق اصل اور نفع میں
سے حصہ دیا جائے گا اور اس کے لئے ابھی سے دوکان عا کو تجویز کر دینا شرعاً خلاف قاعدہ
ہے۔ کیا معلوم اس وقت بکر کس قدر حصہ ہو اور دوکان عا اس سے کم ہو یا زیادہ لہذا
یہ شرط صحیح نہیں اور اگر بکر اس وقت اس کو منظور بھی کرے تو آئندہ اس کے موافق عمل
کرنا اس پر واجب نہیں بلکہ وقت فسخ شرکت کے وہ ہر دوکان سے اپنے راس المال
اور نفع وغیرہ کے موافق حصہ لے سکتا ہے خواہ وہ دوکان عا کے برابر ہو یا زیادہ اور جس
طرح دیگر شرکاء اس کو دوکان والے سے الگ کرکے دوکان عا دینا چاہتے ہیں وہ بھی یہ حق
رکھتا ہے کہ دیگر شرکاء کو ملا سے الگ کرکے عا ان کو دے دے اور دوکان ملا تنہا مالک سے
کرایہ پر لے لے یا خرید لے اور شرکاء دوکان ملا کو ان کے حقوق کا معاوضہ برضاء یک دیگر
دے کر الگ کر دے اور اگر دوکان شرکاء کی ملک ہے تو تقسیم یا خرید کے لئے باہم دیگر
رضامندی شرط ہوگی۔

اس کے بعد جو یہ شرط کی گئی ہے کہ اگر اس مدّت مقررہ کے اندر بکر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء کو موجودہ مال و نفع کے حساب سے نقد روپیہ اور بابت حقوق گڈول چالیس ہزار روپیہ ملا کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دونوں دوکانوں سے اس کے ورثاء کو کوئی سروکار نہیں ہوگا الخ

اس میں اوّل تو وہی کلام ہے جو اوپر گزر چکا کہ اگر یہ دوکانیں زید و بکر کی ملک ہیں تو جس طرح زید بکر کا حصّہ بکر کی رضا سے خرید کر ان دوکانوں کا مالک ہو سکتا ہے۔ یوں ہی ورثاء بکر بھی زید کا حصّہ زید کی رضامندی سے خرید کر دوکانوں کے مالک ہو سکتے ہیں اور اگر کرایہ کی ہیں تو دوکان سے کسی شریک کو علیحدہ کرنے کا حق مالک دوکان کو ہے۔ چاہے وہ زید کو کرایہ پر دے یا ورثاء بکر ان دونوں کو کرایہ پر لے لیں۔ دوسرے ورثاء بکر کو یہ بھی حق ہے کہ وہ سرمایہ مردود دوکانوں سے موافق حصّہ بکر کے عین سرمایہ لے لیں۔ قیمت سرمایہ لینے پر ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا البتہ جب کوئی شریک دوکان سے علیحدہ ہوگا پھر علیحدگی کے بعد حقوق گڈول میں بھی ان شرکاء کی شرکت باقی نہیں رہے گی کیونکہ یہ حقوق شرکت راس المال کے تابع ہیں۔ جب اس میں شرکت منقطع ہو گئی تو توابع میں بھی منقطع ہو جائے گی۔ اب یا تو ورثاء بکر ان ٹکٹوں اور مارکوں کو تقسیم کر لیں جو زید و بکر میں مشترک تھے اس طرح کہ بقدر حصّہ زید کے حقوق گڈول اس کے پاس رہیں اور بقدر حصّہ بکر کچھ ٹکٹ اور مارکہ ورثاء بکر کو دے دیئے جائیں یا اس وقت باہم رضامندی سے بطور صلح کے ان حقوق کا معاوضہ ایک شریک دوسرے کو دے جس کی کچھ مقدار ابھی سے مقرر کر دینا صحیح نہیں کیا معلوم وقت فسخ شرکت کے کس قدر مقدار ہو اور اگر ان حقوق کا معاوضہ دوسرا شریک رضامندی سے نہ دینا چاہے تو پھر تقسیم سرمایہ کی وہ صورت ہو گی جو آئندہ آتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ حقوق ٹکٹ و مارکہ اصل مذہب کے موافق متقوم نہیں کیونکہ مارکہ کوئی عین نہیں ہے اور نہ کسی عین متقوم کے ساتھ لزوماً قائم ہے۔

ولکنهم قالوا یجوز اخذ العوض فی الحق المجرد علی وجه الاسقاط للحق واستنبطوا من فرع فی مبسوط السرخسی وهو

ان العبد الموصی برقبۃ شخص و بخدمتہ للآخر لو قطع طرفہ
او شج موضحۃ فأدی الأرش فإن کانت الجنایۃ تنقص الخدمۃ
یشتری بہ رای بالأرش عبد آخر یخدمہ او یضم الیہ ثمن
العبد بعد بیعہ فیشتری بہ عبد یقوم مقام الاول فإن اختلفا
فی بیعہ لم یبع و إن اصطلحا علی قسمۃ الأرش بینھما نصفین
فلھما ذلک ولا یکون ما یستوفیہ الموصی لہ بالخدمۃ من الأرش بدل الخدمۃ
لأنہ لا یملک الاعتیاض عنھا ولکنہ اسقاط لحقہ بہ کما لو صالح موصی
لہ بالرقبۃ علی مال دفعہ للموصی لہ بالخدمۃ یسلم العبد لہ اھ۔
قال الحموی فربما یشھد ھذا للنزول عن الوظائف بمال اھ قال
فلیحفظ ھذا فانہ نفیس جداً قال الشامی ثم استشکل ذلک بما
مر من عدم جواز الصلح عن حق الشفعۃ والقسم فانہ یمنع
جواز اخذ العوض ھھنا ثم نقل جوابہ عن البیری بما حاصلہ
أن ثبوت حق الشفعۃ للشفیع وحق القسم للزوجۃ وکذا حق الخیار
فی النکاح للمخیرۃ انّما ھو لدفع الضرر عن الشفیع والمرأۃ وما ثبت
لذلک لا یصح الصلح عنہ لأن صاحب الحق لما رضی علم انہ لا یتضرر
بذلک فلا یستحق شیئاً امّا حق الموصی لہ بالخدمۃ فلیس کذلک
بل ثبت لہ علی وجہ البر والصلۃ فیکون ثابتاً لہ اصالۃ فیصح الصلح
عنہ اذا نزل عنہ لغیرہ ومثلہ ما مر عن الاشباہ من حق القصاص
والنکاح والرق حیث صحّ الاعتیاض عنہ لأنہ ثابت لصاحبہ
اصالۃ لا علی وجہ رفع الضرر عن صاحبہ ولا یخفی ان صاحب الوظیفۃ
ثبت لہ الحق فیہ بتقریر القاضی علی وجہ الاصالۃ لا علی وجہ
رفع الضرر فالحاقھا بحق الموصی لہ بالخدمۃ وحق القصاص
وما بعدہ اولی من الحاقھا بحق الشفعۃ والقسم۔ وھذا کلام
وجیہ لا یخفی علی نبیہ وبہ اندفع ما ذکرہ بعض محشی الاشباہ
من المال الذی یأخذہ النازل عن الوظیفۃ رشوۃ وھی حرام بالنص

اس لیے روکنا مباح الاصل میں بند نہیں اور حجر ہے اور گو مباح الاصل میں بعد قبضہ کے
حق منع الغیر ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ ان اشیاء میں ہے جو صالح للقبض ہوں اور ظاہر
ہے کہ الفاظ یا نشان و مارکہ صالح للقبض نہیں کیونکہ عین نہیں۔ دوسرے اگر ایک کے نشان
یا مارکہ کو دوسرا شخص استعمال کرنے لگے تو وہ عین اول کا استعمال نہیں بلکہ مثل کا استعمال
ہے اور اگر دھوکہ اور تلبیس سے مخلوق کو بچانے کے لئے ایک شخص کا مارکہ دوسرے کے لئے
ممنوع قرار بھی دیا جائے۔

کما قال علمائنا فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسموا باسمی
ولا تکنوا بکنیتی وانہ نہی ان ینقش احد علی خاتمہ
ویلحق بہ نقش خاتم الإمام والقضاۃ والولاۃ فینہی عن نقش
احد علیہ لما فیہ من التلبیس والخداع) تو اس وقت رفع ضرر کے
لئے ہوگا جیسے حق شفعہ و قسم زوجہ و خیار مخیرہ وغیرہ اور ایسے حقوق کا عوض نہیں لیا جا
سکتا جیسا کہ شامی کی عبارت میں مصرح ہے اور بیع حقوق مرور کی روایت سے بھی
اس کے متقوم ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو فقہا حق مرور کی بیع کو مقصوداً
صحیح کہتے ہیں وہ حق تعلی کی بیع کو جائز نہیں کہتے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ:

والفرق بینہ وبین حق التعلی حیث لا یجوز ہو ان حق
المرور حق یتعلق برقبۃ الأرض وہی مال ہو عین فما یتعلق
بہ لہ حکم العین اما حق التعلی فمتعلق بالہواء فہو لیس بعین
مال اھ (ج ۴ / ۱۴۰) اور بظاہر مارکہ کا تعلق محض دکان سے نہیں ہوتا بلکہ ذات تاجر
سے ہوتا ہے۔ اگر دکان بدل جائے تو تاجر دوسری دکان میں اسی مارکہ کو منتقل کر
سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ایسا حق ہے جس کا تعلق رقبہ متقوم سے نہیں ہے بلکہ غیر متقوم سے ہے۔
لہٰذا مارکہ یا ٹریڈ مارک کا تنہا کوئی معاوضہ یا قیمت نہیں ہو سکتی مگر چونکہ یہ ایسی شئ ہے
جس کی وجہ سے سرمایہ دکان کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے حتی کہ عرفاً خود یہ مارکہ بھی
قیمتی شمار ہونے لگتا ہے۔ اس لئے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کو لاشئ اور کالعدم مان
لیا جائے۔ پس ہمارے نزدیک فسخ شرکت کے وقت سرمایہ اور نفع کو تقسیم
کر کے احد الشریکین کا دوسرے کو مارکہ کی قیمت جدا دینا تو صحیح نہیں کیونکہ مستقلاً اس

حق کی کچھ قیمت نہیں بلکہ معاہدہ یوں ہونا چاہیئے کہ وقت فسخ شرکت کے اگر مارکہ اتنے متعدد ہوں جن کو رأس المال و نفع کی نسبت کے موافق شرکاء میں تقسیم کیا جا سکے جب تو مارکہ اور رأس المال و نفع حصہ رسد تقسیم کر دیئے جائیں گے اور اگر مارکہ متعدد نہ ہوں اس لئے تقسیم نہ ہو سکیں تو جو شریک مر جائے یا از خود فسخ شرکت کرے اگر وہ یا اس کے ورثاء سرمایہ کو بانٹنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو شخص حقوق مارکہ لینا چاہے اس کی طرف سرمایہ کم لگایا جائے گا اور جو حقوق مارکہ نہ لینا چاہے اس کی طرف سرمایہ زیادہ لگایا جائے گا اور زیادت کی مقدار وہ ہوگی جس سے اس شخص کے حقوق مارکہ کی عرفی قیمت وصول ہو جائے (فلا یلزم فی ہذہ الصورۃ بیع الحق المجرد بل تبعاً للعین المتقوم فکان کحق المرور مع رقبۃ الارض ۱۲)

اور اگر باہم رضامندی سے ایک شریک یا اس کے ورثاء سرمایہ کو تقسیم نہ کرنا چاہیں بلکہ اپنے سرمایہ کا معاوضہ لے کر شرکت فسخ کرنا چاہیں تو اس وقت ان کے سرمایہ کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو حقوق مارکہ کی عرفی قیمت ملا کر ہوتی ہے۔

شرط چہارم میں جعفر و امین کو حقوق گڈول سے محروم کیا گیا ہے۔ اگر ابتداء شرکت ہی میں ان کا کوئی حصہ گڈول میں نہیں رکھا گیا تو یہ شرط صحیح ہے لیکن اس صورت میں زید پر یہ الزام عائد ہوگا کہ اس نے بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دی گو اس سے شرکت کے جواز و عدم جواز پر کوئی اثر عائد نہیں ہوتا لیکن فی نفسہ اولاد میں تو یہ لازم ہے۔ پس اگر زید نے ان لڑکوں کو جنہیں حقوق گڈول سے محروم کیا گیا ہے کچھ نقد یا سرمایہ اس قدر دے دیا ہو جس سے وہ اس بیٹے کے برابر ہو گئے ہوں جو حقوق گڈول میں شریک رہے۔ گو اس نقد سرمایہ کا تعلق دوکان سے نہ ہو بلکہ دوکان سے علیحدہ ان کو دے دیا گیا ہو اور دوکان میں کسی وجہ سے ان کا حصہ گڈول میں نہ رکھا گیا ہو تو ترجیح بعض الاولاد علی البعض کا گناہ نہ ہوگا ورنہ یہ خرابی باقی رہے گی۔ نیز جعفر و امین وقت علیحدگی کے محض نقد لینے پر مجبور نہیں کیے جا سکتے بلکہ اگر وہ چاہیں تو بقدر اپنے حصہ کے سرمایہ دوکان بھی لے سکتے ہیں۔

شرط پنجم میں زید کا انتقال ہو جانے پر اس کے حقوق گڈول کا مالک صرف خالد کو قرار دیا گیا ہے اس میں خرابی یہ ہے کہ خالد کا حصہ دوسرے ورثاء سے بہت زیادہ ہوگا کیونکہ ان حقوق کی وجہ سے سرمایہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ پس جس بھائی کو بدون ان حقوق کے سرمایہ دیا جائے گا۔ خالد کا سرمایہ ان حقوق کے ساتھ مل کر بہت قیمتی ہوگا اس کی تلافی کے لئے جو خالد کو وصیت کی گئی ہے کہ وہ ان حقوق کے بدلے میں اسّی ہزار روپے ترکہ میں شامل کرے اس میں اوّل تو دوسرے ورثاء کو خالد کا محتاج بنانا ہے۔ دوسرے وہی حقوق مجردہ کی بیع ہے جو جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ زید کے بعد اگر حقوق متعدد ہوں تو ورثاء پر حصہ رسد منقسم ہو سکیں تب تو سرمایہ کے ساتھ سب ورثاء ان کو بھی تقسیم کر لیں اور اگر متعدد قابل قسمت نہ ہوں تو جس کی طرف حقوق مارکہ لگائے جائیں۔ اس کی طرف سرمایہ کا حصہ کم لگایا جائے کیونکہ یہ سرمایہ قلیلہ ان حقوق کی وجہ سے قیمت میں زیادہ ہوگا۔ باقی یہ بات ورثاء کی باہمی رضامندی پر ہے کہ کون حقوق گڈول سے دست بردار ہو کر سرمایہ زیادہ لے اور کون کم کرے اور ان حقوق کا مالک ہو اور اگر صرف خالد ہی کو حقوق گڈول کا مالک بنانا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید اپنی حیات میں اپنے حقوق گڈول کا مالک خالد کو بنا دے اور اس کی وجہ سے جو خالد کو دوسرے بھائیوں پر ترجیح لازم آئے گی اس کی تلافی دوسرے طریقہ سے کرے کہ دوسرے بھائیوں کو نقد یا سرمایہ اتنا دے دیا جائے کہ وہ بدون حقوق مارکہ کے خالد کے برابر ہو جائیں اسی دفعہ میں خالد کو بھی بکر کو علیحدہ کرنے کا اسی تفصیل پر حق دیا گیا ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ اس کا حکم ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

دفعہ ۶ میں یہ لکھا گیا ہے کہ زید و خالد کے بعد مدت مذکورہ کے اندر بکر کا وہی حق رہے گا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس کے متعلق یہ امر قابل بیان ہے کہ بکر کے حقوق گڈول کی تحریر

؎ یعنی یہ شرط تو صحیح ہے کہ بکر کے جتنے حقوق گڈول اس وقت ہیں دو برس تک وہی رہیں گے۔ ان حقوق کے بڑھانے کا اس کو حق نہیں اس مدت میں۔ البتہ حقوق گڈول کے معاوضہ کی تحریر صحیح نہیں نیز یہ شرط بھی صحیح نہیں کہ اس وقت بکر کے جس قدر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تو صحیح ہے لیکن سرمایہ اور نفع کے متعلق تحریر صحیح نہیں ممکن ہے کہ اس کا نفع و سرمایہ اتنا بڑھ جائے جس کے معاوضہ کے لئے دوکان ۲ کافی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۸ شعبان ۱۳۴۲ھ

شرکت و اجارہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید دوکان میں اپنے ساتھ شریک بکر، خالد، جعفر، امین ملا کر کل پانچ شریک قرار دیتا ہے جن میں زید اور بکر دو بڑے حصہ دار ہیں اور پچھلے تینوں چھوٹے چھوٹے حصہ والے ہیں اور چونکہ پچھلے تینوں شریک خالد، جعفر، امین کے حصوں کا نفع ان کے حق المحنت کو دیکھتے ہوئے ناکافی ہے۔ اس لئے چاہتا ہے کہ بقدر حصہ نفع کے علاوہ خالد کو چار سو روپیہ ماہوار اور جعفر اور امین کو ڈھائی ڈھائی سو ماہوار دوکان سے دیا کرے تو آیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کون سی صورت ایسی ہے جس میں ان کا حق المحنت پورا ان کو مل جایا کرے۔ درآں حالیکہ اس کے لئے ان کا حصہ بڑھا دینے کے بعد پھر گھٹانا زیادہ دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی مذکورہ تنخواہوں میں حسب موقع کمی بیشی کی جایا کرے۔ بینوا توجروا

الجواب

صورت مذکورہ میں شریک کا اجیر ہونا لازم آتا ہے اور شرکت اور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) حقوق گڈول ہیں۔ وقت علیحدگی و فسخ شرکت کے اس کے معاوضہ میں صرف دوکان ۲ کے حقوق دیئے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت دونوں دوکانوں میں جس قدر حقوق گڈول بڑھ گئے ہیں دو برس کے بعد وہ اتنے قیمتی ہو جائیں کہ صرف دوکان ۲ کے حقوق گڈول اس کے لئے کافی نہ ہوں پس صحت تحدید سے مراد صحت شرعیہ ہے کہ ان حقوق کی تعداد و نسبت کی تحدید صحیح ہے۔ تحدید با عوض مراد نہیں۔ ۱۲ ظ

اجارہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی صورت جواز یہ ہے کہ اصل سرمایہ میں تو ان شرکاء کو حصہ نہ بڑھایا جائے مگر نفع میں بڑھایا جائے مثلاً جس شریک کا حصہ دوکان ۱/۴ ہے اس کا حصہ نفع میں ۱/۳ کر دیا جائے اور اس کے لئے تمام شرکاء کی رضامندی چاہیے پھر اگر زیادت نفع بھی دوامًا منظور نہ ہو تو اس کے لئے باہمی معاہدہ تحریری سے ایک میعاد مقرر کر دی جائے کہ فلاں فلاں شرکاء کی حسن کارکردگی کی وجہ سے فلاں میعاد تک ان کا حصہ نفع میں بڑھایا جاتا ہے اور شرکت عنان میں راس المال کی نسبت سے نفع کا زیادہ ہونا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ شعبان ۱۳۴۳ھ

حکم شرکت والد و اولاد در کسب

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کے پانچ فرزند ہیں، عمرو، خالد، ولید، محمد علی، ولی احمد اور تین اولاد نابالغ ہیں، عبداللہ، عبدالرحمن، فاطمہ۔ زید نے اپنی ذاتی محنت سے ہزار روپیہ کے نقود واجناس واسطے کسب کے پھر جب عمرو خالد وغیرہ ہوشیار اور قابل کسب ہوئے تو بمعیت ان کے چار ہزار روپیہ کا مال کمایا۔ غرض فی الحال زید کے پاس پانچ ہزار کا مال موجود ہے اور کاروبار زید کے ہاتھ میں ہے۔ اموال مشترکہ ہیں۔ کس نے کس قدر کسب کیا اور کہاں تک محنت کی منضبط نہیں ہے اور نہ اب تحقیق ہو سکتا ہے۔ ولید نے تقریباً آٹھ سال تک علم حاصل کیا۔ اس نے سب کے نقود مشترکہ میں سے بہت سے روپے خرچ کئے۔ طالب علمی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ تھوڑے عرصہ تک کسب معاش میں شریک رہے اور ولی احمد کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔

اب زید فرزندوں سے اور فرزند ہر ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہتے ہیں۔ پس تقسیم اموال ان میں کیونکر ہوگی آیا بقدر کسب بطور تخمین ہوگی یا جملہ اموال زید کا قرار دے کر فرزندوں کا اجر مثل دیا جائے گا اور ایام ماضیہ کا نان ونفقہ اجر مثل سے وضع ہوگا یا حکم مقاصہ کیا جائے گا۔ ولید کا کیا حکم ہے کہ اس نے زیادہ خرچ کیا۔ ولی احمد کی مؤنت شادی سب کے ذمہ ہے یا صرف باپ کے ذمہ ہوگی۔ نابالغ اولاد کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں۔ نیز تحریر فرمائیں کہ تقسیم چار ہزار میں جاری ہوگی یا پانچ ہزار میں اور یہ بھی

(۱) ویجوز ان یتفاضلا فی الربح مع ان یتساویا فی رأس المال (هندية ج ۲/ ۳۱۰)

تلطیف فرما دیں کہ صورت مسئولہ میں اگر کاروبار کسی فرزند کے ہاتھ میں ہو تو کیا حکم ہے۔
بینوا بالکتاب توجروا اجرا جزیلاً عند الوھاب۔

الجواب

زید نے جو اپنے لڑکوں کو کاروبار میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے تو اس کی صورت کیا تھی۔ آیا زید نے ہر بیٹے کو کچھ رقم یا سرمایہ ہبۃً دے دیا تھا۔ پھر وہ رقم یا سرمایہ کاروبار میں لگا کر لڑکا شریک تجارت ہوا یا باپ نے کسی بیٹے کو کچھ بقسم ہبہ نہیں دی۔ نہ سرمایہ دیا اور نہ بیٹوں کے پاس اپنی ذاتی رقم یا سرمایہ تھا جس کو کاروبار میں ملا کر وہ شریک ہوئے ہوں بلکہ بیٹے ویسے ہی بدون رقم دیئے کام کرنے لگے اور اس شرکت سے کام کو ترقی ہوئی۔ پس صورت اولیٰ میں تو یہ البتہ شرکت ہے اور ہر شخص اپنی رقم و سرمایہ کی نسبت سے اس وقت اصل و نفع میں مستحق ہوگا اور صورت ثانی میں یہ شرکت ہی نہیں بلکہ کل سرمایہ زید کی ملک ہے اور سب لڑکے اس کے معین شمار ہوں گے اور جس لڑکے پر زیادہ خرچ ہوا اس صورت میں وہ سب باپ ہی کا خرچ ہوا۔ اس سے زیادت کے رجوع کا حق کسی کو بھی نہیں۔ نیز اولاد کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے لئے زید کو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اس سرمایہ کو ان میں تقسیم کرے بلکہ اولاد بالغین کو بدون کچھ سرمایہ دیئے بھی الگ کر سکتا ہے اور اگر ان کو کچھ سرمایہ دے کر الگ کرے تو یہ اچھا ہے اور اس صورت میں سب کو برابر سرمایہ دے اور نابالغوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھے۔ بلوغ سے پہلے ان کو الگ نہیں کر سکتا۔

قال فی الحامدیہ : ابٌ وابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء ثم اجتمع لهما مال یکون کله للأب اذا کان الابن فی عیاله واجاب خیر الرملی عن سؤال آخر بقوله حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله فجمیع ما حصله بکدہ وتعبه فهو ملك خاص لابیه لا شیء له فیه حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذالك لابیه معین اھ (ص ۱۸ ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ رمضان [illegible]ھ

طباعت کتب میں شرکت اور بغیر اجازت شریک دوسرے شخص کو شریک معاملہ کرنے کا حکم

سوال: زید و عمر میں ایک درسی کتاب کے متعلق یہ طے پایا کہ اس کی تیاری میں جو اخراجات پیش آئیں گے اس میں دونوں کی شرکت بقدر نصف لاگت ہوگی مگر نفع میں زید کو ۴/۱ اور عمر کو ۲/۱ ۔ مثلاً کتاب کی لاگت ایک ہزار روپیہ ہو تو پانچ سو روپیہ زید ادا کرے گا اور پانچ سو روپیہ عمر چونکہ عمر اس کی طباعت اور فروخت کا انتظام بھی کرے گا لہٰذا نفع میں فی روپیہ ۴/۱ زید کے اور ۲/۱ عمرو کے ہوں گے۔ چنانچہ زید نے پہلی قسط ادا کر دی ہے۔ عمر کے پاس روپیہ نہیں ہے لہٰذا عمر نے خالد کو اس معاملہ میں اس طرح شریک کیا کہ خالد پانچ سو ادا کرے اور نفع میں ۸/۱ اس کو بھی دیئے جائیں گے۔ گویا اب صورت حال یہ ہے کہ کل رقم زید اور عمر ادا کریں اور نفع میں ۴/۱ زید کے ۸/۱ خالد اور ۸/۱ عمر کے ہوں۔ زید کو اس معاملہ کی قصداً اطلاع نہیں کی گئی باقی خالد کو پہلی شرط کی جو زید سے طے ہوئی تھی اطلاع کر دی گئی ہے۔ یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید کو اطلاع بھی مل گئی تو اس کو کسی قسم کا نقصان خالد کو شریک کرنے سے نہیں ہوگا۔ اگر یہ صورت جائز نہ ہو تو کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے یا نہیں جو صورت جواز کی ہو تحریر فرمائی جاوے۔

الجواب

فی العالمگیریۃ: ولیس لہ أن یشارک غیرہ إذا لم یشترط وعقد الشرکۃ أن یعمل کل واحد منھما برأیہ ھو الصحیح کذا فی الذخیرہ اھ (ص ۸۰۱ ج ۳) اس سے معلوم ہوا کہ ایک شریک بدون اذن شریک آخر (خواہ صراحتاً ہو یا عموم الفاظ سے) کسی اجنبی کو شریک کر لینا جائز نہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں شریک اوّل کی اجازت ضروری ہے

واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۴ھ

باپ بیٹے نے اپنی کمائی گھر میں مشترک صرف کی اس کا حکم

سوال: زید کی حیات میں اس کے لڑکے عمر نے زید کے سرمایہ سے ایک مکان اور کچھ جائیداد صرف اپنے نام سے خریدی، لیکن مرحوم نے کوئی تعرض نہیں کیا نہ اپنے نام منتقل کرایا۔ جائیداد مذکور پر ۱۹ سال تک زید مرحوم ہی قابض و متصرف رہے اور اس کی آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتے رہے۔ علی ہذا مکان میں زید و عمر دونوں سکونت پذیر رہے جس میں کہ اب عمر سکونت رکھتا ہے۔ عمرو کے اپنے زمانہ ملازمت دس سال میں بزمانہ حیات زید مرحوم جو کچھ کمایا وہ بھی بشرکت اپنے والدین کے گھر میں صرف کرتا رہا تو اس صورت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عمر نے جو زمین اپنے والد کی حیات میں اپنے نام سے خریدی ہے اور باپ نے اس سے تعرض نہیں کیا اور نہ اپنے نام داخل خارج کرایا اور نہ انتقال رسمی کا مطالبہ کیا اور نہ کوئی ثبوت اس امر کا ہے کہ عمر کے نام فرضی بیعنامہ کسی مصلحت سے کیا گیا اور اصل بیع و شراء زید کے لئے تھی تو اس صورت میں وہ زمین عمر کی ملک قرار دی جائے گی اور باپ کا اس کی آمدنی میں تصرف کرتا رہنا علامت ملک والد نہ ہوگی کیونکہ اس کا اشتراک مصارف و اختلاط ہے۔

قال في تنقيح الفتاوى الحامدية: نقلاً عن البزازية والولوالجية وعبارتها رجل تصرف زماناً في أرض ورجل آخر رأى الأرض والتصرف ولم يدّع ومات على ذلك لم تسمع بعده ذلك دعوى ولده فتترك في يد المتصرف لأن الحال شاهد اھ (ص ۱۴ ج ۲) قلت والشراء على اسمه تصرف قوي وكذا الادخال والإخراج على اسمه وأداء خراج الحكومة من لوازم البيع باسمه.

اور مسئولہ صورت میں جب عمر اپنے باپ کے ساتھ صنعت میں معین ہو کر کماتا تھا تو اس کی آمدنی خاص اسی کی ملک ہو گی۔ پھر جو رقم اس نے باپ کے ساتھ شریک ہو کر گھر میں خرچ کر دی اس کا مطالبہ ترکہ میں سے عمر نہیں کر سکتا کیونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کی رقم میں رل گئی تھی اور اس کی رقم باپ کو بخشی تھی فتأمل ؛ البتہ جو رقم اس طرح خرچ ہوئی کہ عمر نے اس کی کوئی چیز خرید کر گھر بھیجی اور وہ چیز اب تک موجود ہے خواہ منقول ہو یا غیر منقول ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جو چیز عمر نے بزمانہ ملازمت خود خریدی ہے وہ اسی کی ہے اور جو باپ نے خریدی ہے وہ ترکہ ہے (۱) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ رشعبان سنہ ھ۔

ایک وارث کے مشترکہ ترکہ میں تجارت کرنے کی ایک صورت کا حکم

سوال: وراثت کا روپیہ قبل تقسیم ہونے کے کسی شریک نے بلا اطلاع دوسرے شریک کے کسی کو مضاربت پر دے دیا اور مضارب نے اس میں کچھ تصرف کیا۔ مال خرید کر بیچا اور نفع بھی ہو گیا تو یہ مضاربت صحیح ہوئی یا نہیں اور جو نفع ہوا ہے مضارب اس میں سے نصف نفع مقررہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب

جس شریک نے مضاربت پر روپیہ دیا ہے نفع مقررہ اس کی ملک تو ہو گیا لیکن اس میں سے فقط اپنے حصہ وراثت کے مطابق اس کو حلال ہے اور باقی نفع خبیث ہے۔ اس لئے دوسرے ورثاء کو بقدر ان کے حصص دے دے یا محتاجوں کو دے دے۔

كما في عالمگيرية: لو تصرف أحد الورثة في التركة المشتركة وربح فالربح كله للمتصرف وحده كذا في الغياثية وفيه أيضا

---

(۱) اس سوال وجواب میں تقسیم ترکہ کا سوال وجواب بھی ہے تاہم یہاں پر صرف مشترکہ خرچ سے متعلق سوال وجواب لیا گیا ہے۔

بعد اسطر مثل ان یکون شریکین جن احدھما وعمل الآخر بالمال حتی ربح او وضع فان الشرکۃ بینھما قائمۃ الی ان یتم اطباق الجنون علیہ فاذا قضی ذلك تنفسخ الشرکۃ بینھما فاذا عمل بالمال بعد ذلك فالربح کلہ للعامل والوضیعۃ علیہ وھو کالغاصب بمال المجنون فیطیب لہ من الربح حصۃ مالہ ولا یطیب لہ من مال المجنون فیتصدق بہ کذا فی المحیط قال الشامی: وفی القہستانی ولہ ان یؤدیہ الی المالك ویحل لہ التناول لزوال الخبث ص ۱۰۲ ج ۳

اور مضارب کے لئے بھی یہی حکم ہوگا کہ کل نفع مقررہ اس کی ملک ہے لیکن جب شریک نے اس سے عقد مضاربت کیا ہے اس کے حصہ کے موافق حلال ہے اور زائد حلال نہیں بلکہ دوسرے شریک کو دے دے یا فقراء کو دے دے۔

وھذا ھو مقتضی القواعد ولم ارہ صریحا۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ شعبان ۴۴ھ

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ
۹ شعبان ۴۴ھ

مقدمہ میں شرکت کی مشترکہ رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمر شہر سہارنپور میں ایک کارخانہ میں برابر کے شریک ہیں، اور دونوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ جو شخص جس قدر روپیہ کارخانہ سے خرچ کے لئے لے گا اس کا اندراج اس کے نام پر ہوگا اور وقت حساب کتاب ایک دوسرے سے کمی بیشی مجرا دے لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعدہٗ اہل سہارنپور پر وقت محرم بقرعید جس میں اکثر مسلمانان شہر سہارنپور پر جھوٹے الزام ہندوؤں نے لگائے۔ چونکہ زید و عمر بھی مسلمان تھے اور ان کا کاروبار اچھے پیمانہ پر تھا اور ہندوؤں کی نگاہ میں وہ ناگوار تھا اس بنا پر ہندوؤں نے زید و عمر پر الزام لگایا چنانچہ دونوں نے اپنے بچاؤ معاملہ میں کوشش کی اور خرچ کرکے۔ بحمداللہ بری ہوگئے اور دونوں کے خرچ بالاشتراک علیحدہ علیحدہ حسب دستور سابق ہوئے۔ خراجات زید و عمر میں تفاوت ہے۔ دریافت طلب

امر یہ ہے کہ الزام جو اہل ہنود نے زید و عمر پر لگائے وہ بوجہ کاروبار مشترکہ جو ان کو ناگوار تھا اور بوجہ اس کے کہ زید و عمر مسلمان تھے اور اس سے نجات دونوں نے اپنے اپنے خرچ سے بالامتیاز حاصل کی تو تحریر فرمائیے کہ عند الشریعۃ شریف دونوں شخص حسب معاہدہ مذکورہ مقررہ خود اپنے اپنے خرچ کے متحمل ہوں گے یا یہ کل اخراجات مقدمات مشترکہ کا بار کارخانہ سے ہوں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان اخراجات کا ہر شخص علیحدہ علیحدہ متحمل ہوگا اور حسب معاہدہ سابقہ ایک دوسرے سے کمی بیشی مجرا نہ لے گا۔ یہ اخراجات مشترکہ کارخانہ سے برنہ ہوں گے۔ اخراجات مشترکہ کارخانہ وہ ہوتے ہیں جو تجارت کے متعلقات میں سے ہوں مثلاً مال لانے یا فروخت کرنے کے لئے سفر کرنا یا دوکان پر آنے جانے والے تجار کی خاطر داری کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور اخراجات مقدمہ اس قسم سے نہیں بلکہ یہ ذاتی اخراجات ہیں پس ان کا بار ہر شریک پر الگ ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۷ ذیقعدہ سنہ ۴۳ھ

بالغ و نابالغ ورثاء کے مشترکہ جائیداد میں تصرف کا حکم

سوال: حضرت میرے خسر صاحب نے چھ وارث چھوڑ کر انتقال کیا ان میں سے ایک میری خسری صاحبہ پانچ میں سے دو بالغ ایک میری بیوی اور ایک میرا سالا اور تین نابالغ ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اگر وہ مال مشترکت میں رہے تو بالغ کی اجازت سے اس میں سے ہمارا کھانا از روئے فتویٰ کیسا ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ اگر بالغ و نابالغ مل کے دستکاری سے کوئی مال کما دے اور اب تک وہ مال تقسیم بھی نہیں ہوا اور بالغ نے کھانا کھلانا چاہا تو اس کے کھانے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

قال فی الهدیة نشرکة الاملاک العین یرثها رجلان ویشتریانها فلا یجوز لاحدهما أن یتصرف فی نصیب الآخر الا باذنه وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالاجنبی اھ

وفی الخانیۃ عن الظہیریۃ أن الشرکۃ اذا کانت بینہما من الابتداء بأن اشتریا حنطۃ او ورثاہا کانت کل حبۃ مشترکۃ بینہما اھ

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۰۲)

ترکہ مشترکہ میں اگر ورثاء سب بالغ ہوں تب تو ایک وارث دوسروں کی اجازت سے اس میں تنہا تصرف کر سکتا ہے اور اگر نابالغ بھی ہوں تو اس وقت کوئی بھی بدون تقسیم ترکہ کے اس میں تصرف نہیں کر سکتا کیونکہ نابالغ کا اذن معتبر نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں ترکہ غیر منقسمہ سے سائل کا پاس اور کا کھانا جائز نہیں اور یہی مسئلہ کسب مشترک کا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۵ ذی الحجہ سنہ

مضارب بغیر کوئی وصیت کیے فوت ہو جائے تو مال کی حفاظت اور ضمان کا مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے بطور مضاربت روپیہ لے کر تجارت میں لگا رکھے ہیں جس کا بعد زید کا انتقال ہو گیا اور مرتے وقت کسی قسم کی وصیت نہیں کی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ مال تجارت کس کا حق ہے اور اس کی حفاظت کس کے ذمہ ہے رب المال کے یا مضارب کے اور اگر وہ مال تجارت نقصان سے ضائع ہو جائے تو نقصان کس کا سمجھا جائے گا اور آیا اس روپیہ کی بابت ورثاء زید پر عمرو کو کسی قسم کا جبر کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی العالمگیریۃ (ص ۴۰۰ ج ۵) وان کانت المضاربۃ حین مات المضارب عروضا او دنانیر ای وکانت رأس المال دراہم فاراد رب المال أن یبیعہا مرابحۃ ولم یکن لہ ذلک وانما یبیعہا وصی المضارب فان لم یکن لہ وصی جعل القاضی لہ وصیا یبیعہا ویوفی رب المال رأس مالہ وحصتہ من الربح ویعطی حصۃ المضارب من الربح غرماءہ وقال فی المضاربۃ الصغیرۃ یبیعہا وصی المیت ورب المال وما ذکرہا اصح کذا فی المبسوط۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصح یہ ہے کہ وصی المضارب نہ ہونے کی صورت میں تو

قاضی اس کی جانب سے وصی مقرر کرے جو مال فروخت کرکے رأس المال اور نفع میں سے مضارب کو دے دے یا رب المال بدون مرابحہ اس مال کو فروخت کرکے سرمایہ وصول کرلے اور جو چیز اتفاقاً گم ہوگئی ہے اس کا ضمان واجب نہیں۔ اگر تعدی سے نقصان ہوا ہو تو تعدی کرنے والے پر ضمان ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر عبدالکریم عفی عنہ
ظفر احمد عفی عنہ	۱۹ ربیع الثانی [illegible]ھ

مضاربت میں کل نقصان رب المال کے ذمہ ہوگا مضارب کے ذمہ کچھ نہیں

سوال: زید نے بکر کو روپیہ دیا۔ بکر کام کرنے والا ہے اور زید صرف روپیہ دینے والا ہے اور ان دونوں میں منافع میں یہ شرط قرار پائی ہے۔ زید ایک حصہ منافع لے اور بکر دو حصے اور اسی طرح نقصان میں بھی زید ایک حصہ نقصان اٹھائے اور بکر دو حصے۔ کیا یہ طریق معاملہ شرعاً درست ہے اس کا منافع سود ہوگا یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں عقد مضاربت صحیح ہے لیکن کل نقصان فقط روپیہ والے کے ذمہ ہوگا۔ (مضارب) کام کرنے والے کے ذمہ اس میں سے کچھ نہ ہوگا۔

کما فی الدر: فی الجلالیۃ کل شرط یوجب جہالۃ فی الربح او یقطع الشرکۃ فیہ یفسدھا والا بطل الشرط وصح العقد اعتباراً بالوکالۃ وفی رد المحتار (قولہ بطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب (ج ۴/ ۴۴۲) واللہ اعلم۔

صحیح	احقر عبدالکریم عفی عنہ
ظفر احمد عفا عنہ	۴ ذوالحجہ [illegible]ھ
۴ ذی الحجہ [illegible]ھ	

شریک کو بوجہ زیادت عمل کے منافع دوکان کے علاوہ تنخواہ دینے کا حکم

سوال: دوکان مشترک ہوجانے کی حالت میں شرکاء دوکان میں سے جو شریک دوکان میں کام کرتے ہیں کوئی منیجر (منتظم) ہوتا ہے اور کسی کے متعلق دوکان کا دوسرا کام ہوتا ہے ان کا کام

کرنے والے شریکوں میں سے ہر شریک کو منیجری وغیرہ کی اس کے کام کے لائق علیحدہ تنخواہ ہے اور جو شریک کام نہیں کرتا اس کو تنخواہ نہیں ملتی بلکہ صرف نفع پانے کا حقدار ہوتا ہے پس ارشاد ہو کہ کام کرنے والے شرکاء کو اس طرح تنخواہ دینا جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب

شریک کا اجیر ہونا درست نہیں بلکہ صورت جواز یہ ہے کہ جو شریک منیجر ہو اس کا حصہ منافع میں زیادہ کردیا جائے مثلاً جو شریک منیجر نہیں ان کا حصہ روپے میں دو آنے ہے تو منیجر کا حصہ روپیہ میں چار آنہ کردیا جائے لیکن یہ جائز نہیں کہ اس کی تنخواہ مقرر کی جائے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
اشرف علی عفی عنہ
۲۲ محرم سنہ ۴۶ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۰ محرم الحرام سنہ ۴۶ھ

شرکت ختم کرنے پر ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا

سوال (۱) زید و عمرو دو شخصوں نے مل کر برابر کے ساجھے سے برتنوں کی دوکان کھول رکھی ہے۔ ابتداً شرکت میں زید کے پاس تو برتن تھے اور عمرو نے نقد روپیہ لگایا عمرو چونکہ تجارت کے کام سے ناواقف تھا اور زید واقف کار۔ اس لئے دوکانداری کا سارا کام اور نفع ونقصان وغیرہ اب تک زید ہی کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ تجارت مذکورہ میں چونکہ آمدنی کی نہایت قلت اور خرچ کی نسبتاً زیادتی کی وجہ سے اصل پونجی میں بھی ایک بڑی رقم گھٹ چکی ہے اور ایسی صورتیں نظر آرہی ہیں جن سے اندیشہ ہے آگے چل کر مزید نقصان پر منتج ہوں گی۔ اس لئے عمرو اب چاہتا ہے کہ زید سے شرکت منقطع کرلے۔ زید نے قطع شرکت کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ عمرو کے حصے کی جو کچھ مالیت نکلے اس کا نقد روپیہ ادا کرنے کا وعدہ زید عمرو کو تحریر کردے لیکن عمرو چاہتا ہے کہ بجائے نقد رقم کا وعدہ لینے کے اپنے حصہ کا مال ظروف دوکان سے علیحدہ کرکے علیحدہ ہو جائے تو شرعاً عمرو کو اپنی خواہش کے مطابق اس صورت پر عمل پیرا ہونے کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) ابتداءً شرکت میں زید کے پاس جو برتن تھے ان میں کچھ ایسے نکلے کہ وہ فروخت

ہونے میں نہیں آتے اور اگر فروخت ہو بھی سکیں تو اصل قیمت سے بھی نہایت کم قیمت لگے گی عمرو چونکہ ابتداء شرکت کے وقت محض ناواقف تھا اس لئے ان برتنوں پر کچھ اعتراض نہ کیا اور بعد میں ان برتنوں کا نقص معلوم ہونے پر دل ہی دل میں گھٹتا رہا لیکن اب قطع شرکت کے لئے مصروف کی تقسیم ہوئی تو کیا ان نہ فروخت ہونے والے برتنوں کو بھی باہم تقسیم کرنا پڑے گا یا وہ زید ہی کو اپنے حصے میں لگا لینا چاہیئے؟

(۳) زید نے خریداری ظروف کی فرمائشیں حاصل کرنے کے لئے پردیسوں کو سفر کیا اور اس سے کچھ فرمائشیں ملی جن میں صرف اتنا نفع ہوا کہ سفر کا خرچ نکل آئے گا لیکن بس نفع کے حصول میں ابھی دیر ہے اور عمرو شرکت قطع کرنا چاہتا ہے اس لئے زید کہتا ہے کہ سفر مذکورہ میں جو خرچ ہوا ہے وہ میں اپنے ذمہ لے لیتا ہوں تاکہ عمرو کا اس خرچ سے اور جو نفع فرمائشوں سے حاصل ہونے والا ہے اس سے کچھ واسطہ نہ رہے جس کی وجہ سے اُسے حصول نفع کا انتظار کرنا پڑے اور شرکت قطع ہونے میں یکسر باقی رہے تو کیا یہ صورت شرعاً درست ہے؟

الجواب

(۱) شرکت کے بعد دکان کا مال دونوں شریکوں میں مشترک ہو گیا ہے اس لئے ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ خوشی سے اسے منظور نہ کرے۔

(۲) یہ ناقص برتن بھی مشترک ہیں اس لئے ہر شریک کے حصے میں یہ بھی لگائے جائیں گے اور عمرو کا ناواقف ہونا عذر معتبر نہیں جبکہ اس نے بعد واقف ہونے کے ان پر اعتراض نہیں کیا اور ان برتنوں کے ساتھ شرکت کو باقی رکھا۔

(۳) شریکین کی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے اگر عمرو اس پر راضی نہ ہو تو ان فرمائشوں کا نفع بھی مشترک تقسیم کر لیا جائے اور سفر خرچ بھی مشترک سرمایہ سے وصول کر لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون

۲۲ محرم ۵۳ھ

بیٹے کا مجنون والد کی دوکان میں تجارت کرنا اور مجنون کے مال میں تصرف کا حکم

سوال: عرض حال یہ ہے کہ والد صاحب کی طبیعت پہلے سے از حد خراب ہوگئی ہے، نماز وغیرہ کی بالکل خبر نہیں رہتی دوا مشکل سے پیتے ہیں، کھانا بھی بہت ہی کم کھاتے ہیں دعا کی ضرورت ہے۔

اب عرض یہ ہے کہ والد صاحب کے مال میں سے ہم لوگ خرچ کس طرح اٹھائیں۔ مال ان کا علیحدہ علیحدہ کرلیں یا ایک ہی جگہ رہے اور جس طرح اختیار ہے اسی طرح اٹھاتا رہے، نیز بیٹے کو ان کی دوکان میں تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زوجہ کا نفقہ تو ان کے ذمہ شرعاً واجب ہے لہٰذا زوجہ اپنا نفقہ بطریق معروف جس طرح ان کی صحت حواس میں ان کی رضاء سے لیا کرتی تھیں لے سکتی ہیں اسی طرح نابالغ بچوں اور بالغ ناکتخدا لڑکیوں کا نفقہ بھی ان کے ذمہ واجب ہے، وہ بھی بطریق معروف ان کے مال سے لیا جاسکتا ہے ہاں بالغ لڑکوں کا ان کے ذمہ واجب نہیں جبکہ وہ اپاہج و معذور نہ ہوں پس بالغ لڑکے جو کمانے کھانے کی قدرت رکھتے ہیں ان کو جائز نہیں کہ ان کے مال میں سے بعد جنون کے کچھ بھی لیں کیونکہ جنون کے بعد اہلیت ان کی فوت ہوگئی اور قبل معاملات سابقہ کالعدم ہوگئے، رہا یہ کہ بیٹے کو ان کی دوکان کے مال میں تجارت بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے:

قال فی الدر وتبطل الشركة ای شركة العقد بموت احدهما إلی ان قال و بجنونه مطلقاً. فالربح بعد ذالك للعامل لكنه تصدق بربح مال المجنون اه۔

قال الشامی: فالشركة قائمة إلی أن يتم اطباق الجنون فتنفسخ فما ذا عمل بعد ذالك فالربح كله للعامل والوضيعة عليه وهو كالغصب لمال المجنون فيطيب له ربح ماله لا ما ربح من مال المجنون فيتصدق به بحر عن التاتارخانيه قال وظاهره أنه لا يحكم بالفسخ الا باطباق الجنون وهو مقدر بشهر أو بنصف حول علی الخلاف ص ۳۰۴ ج ۳۔

وفي الدر أيضاً وتنفسخ (الإجارة) بلا حاجة إلى الفسخ (بموت أحد عاقدين) عندنا لا بجنونه مطبقاً (عقدها لنفسه) إلا لضرورة كموته في طريق مكة ولا حاكم في الطريق فتبقى إلى مكة فيرفع الأمر إلى القاضي ليفعل الأصلح فيؤجرها له لو أميناً أو يبيعها بالقيمة ليدفع له أجرة الإياب إن برهن على دفعها وتقبل البينة هنا بلا خصم لأنه يريد الأخذ من ثمن ما في يده أشباه اه

قال الشامي: لأن الإجارة كما تنتقض بالأعذار تبقى فليحفظ

وقال أيضاً تحت قوله لا بجنونه مطبقاً قال في الدر المنتقى ولا بردته إلا أن يلحق بدار هم ويقضي به فإن عاد مسلماً في المدة عادت الإجارة الخ۔ ص ۸۰، ۹ ج ۵ کتاب الإجارة۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ بیٹا اگر اس دوکان میں شریک ہے کہ کچھ مال اس کا ہے اور کچھ مجنون کا ہے تو جنون کامل کے بعد شرکت فسخ ہوگئی اس کے بعد بھی اگر وہ تجارت کرتا رہے تو کل نفع اسی کی ملک ہوگا لیکن اپنے حصے کا نفع تو اس کو حلال ہے اور مجنون کے حصہ کا نفع حلال نہیں بلکہ اس کو تصدق کر دے (اور بہتر یہ ہے کہ مجنون کے دوسرے ورثاء کو دے دے ۱۲) اور نقصان اگر ہوا تو وہ سب اسی پر ہوگا۔ مجنون پر خسارہ کا کوئی جزو نہ ہوگا اور اگر لڑکا شریک نہیں بلکہ اجیر ہے تو جنون سے اجارہ فسخ نہیں ہوا جتنی مدت کے لئے عقد اجارہ ہوا ہو اس مدت تک عقد اجارہ باقی ہے۔ یہ شخص دوکان میں کام کرتا ہے اور تنخواہ لیتا رہے۔ مدت اجارہ ختم ہو جانے کے بعد عقد اجارہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر لڑکے نے دوکان میں تجارت کی تو اس کا وہی حکم ہے جو شرکت کا اوپر گذر چکا کہ کل نفع اس کی ملک ہوگا اور خسارہ بھی اسی پر ہوگا مگر یہ نفع طیب نہ ہوگا بلکہ اس کا تصدق واجب ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ کل نفع کو ورثاء مجنون پر تقسیم کر دے واللہ اعلم

(تنبیہ) اگر مجنون کے پاس نقد رقم جمع نہیں جو اس کی بیوی اور نابالغ لڑکوں اور نا کتخدا لڑکیوں کو کافی ہو سکے بلکہ ان کے نفقہ کے لئے دوکان چلانا ضروری ہو تو اس صورت میں بیوی کو چاہیئے کہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ مجھ کو مجنون کی دوکان

کے چلانے کی اجازت دی جائے تاکہ نفقہ حاصل ہو سکے پھر سن کے بعد بالغ لڑکے کو دوکان چلانے پر مقرر کیا جائے اور اس کی اجرت مثل یا ماہوار مقرر کی جائے یا نفع میں حصہ مقرر کیا جائے باقی جب تک مجنون زندہ ہے اس وقت تک اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور اگر حکومت سے اجازت حاصل کرنے میں دشواری ہو اور اس کی برادری میں با اثر پنچایت ہو تو پنچایت کی اجازت بھی مثل حکومت کی اجازت کے کافی ہے۔

فان الغرض منه حفظ مال المجنون والتوقی عن التهمة الغصب وهذا يتاتی بكلا الوجهين۔ والله تعالی اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲۰ صفر ۷۰ھ

محض زبانی شرکت کے بعد اگر مشترکہ مال ہلاک ہو جائے تو شریک پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد صدیق، جلال خان، نصیر الدین مظفر نگر سے عازم سفر حج ہوئے روغن زرد حسب ذیل ہمراہ لیا۔ محمد صدیق و نصیر الدین میں مظفر نگر میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ جلال خان اپنا نصف گھی محمد صدیق سے لیں گے۔ بمبئی پہنچ کر محمد صدیق کے گھی پر ہم محصول ریل کا اضافہ ہو گیا۔ جلال خان نے گھی لینے اور صرف دینے سے انکار کیا۔ اب نصیر الدین اور محمد صدیق جہاز پر سوار ہونے کے بعد گھی میں جو نصیر الدین کے پاس تھا شریک ہو گئے۔ اور بمبئی سے تا عرب ہو گئی اور واپسی میں دونوں نے یہ گھی کھایا۔ جدہ پہنچ کر جو گھی کنستر محمد صدیق کا بند تھا۔ اس کو اصرار کے ساتھ موٹر میں رکھ لیا اور نصیر الدین کا گھی بذریعہ شتر مکہ مکرمہ پہنچا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر موٹر ڈرائیور سے گھی کے کنستر کا مطالبہ کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی جس کا استغاثہ حکومت میں ہوا اور حکومت نے موٹر والے سے حلف لے کر دعویٰ خارج کیا۔ اب مکہ مکرمہ میں محمد صدیق اپنے گم شدہ گھی کے کنستر کے نصف قیمت کا مطالبہ نصیر الدین سے کرتے ہیں اور نصیر الدین اپنے گھی کی نصف قیمت کا مطالبہ محمد صدیق سے کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا گم شدہ گھی کا مطالبہ محمد صدیق کو نصیر الدین سے کرنا صحیح ہے یا نہیں اور صرف شدہ گھی کا مطالبہ نصیر الدین کو محمد صدیق سے کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

تنقیح

جلال خان کے انکار کے بعد نصیر الدین اور محمد صدیق کی جو شرکت محمد صدیق کے کنستر میں ہوئی وہ کن الفاظ سے ہوئی ہے۔ آیا نصیر الدین نے یہ کہا تھا اس گھی کا نصف میں بعوض اتنی قیمت کے خریدتا ہوں اور محمد صدیق نے کہا میں بیچتا ہوں یا بیع وشراء کے الفاظ نہیں کہے گئے صرف یہی کہا گیا کہ میں شریک ہوتا ہوں اسی طرح محمد صدیق نصیر الدین کے گھی میں بیع وشراء کے الفاظ سے شریک ہوا یا صرف یہی کہا کہ میں تمہارے گھی میں شریک ہوں۔

جواب تنقیح

بیع وشراء کے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ مظفر نگر میں یہ کہا گیا تھا کہ نصیر الدین کا گھی خرچ ہونے کے بعد اسی قدر محمد صدیق کے کنستر سے لیا جائے گا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر واقعہ اسی طرح ہے جو سوال وجواب تنقیح میں مذکور ہے تو اس صورت میں چونکہ نصیر الدین کا گھی شرکت کے بعد دونوں شریکوں کے تصرف میں آچکا ہے اس لئے محمد صدیق کے ذمہ نصیر الدین کے گھی کی نصف قیمت واجب الاداء ہے اور محمد صدیق کے کنستر میں چونکہ محض لفظی شرکت ہوئی ہے اور محمد صدیق نے اس کا نصف نصیر الدین کو سپرد نہیں کیا نہ اس کے تصرف میں آیا اس لئے محمد صدیق کے گھی کی کچھ بھی قیمت نصیر الدین کے ذمہ نہیں بلکہ وہ اس سے بری الذمہ ہے۔

قال فی الهندیة: اشتری رجل شیئاً فقال له رجل آخر اشرکنی فیه فاشرکه فهذا بمنزلة البیع فان کان قبل قبض الذی اشتری لم یصح ولو اشرکه بعد القبض ولم یسلمه الیه حتی هلك لم یلزمه ثمن، ویعلم انه لابد من قبول الذی اشرکه لان لفظ اشرکتك صار ایجاباً للبیع هکذا فی فتح القدیر ولو کان رجل فی بیته حنطة فاشرك رجلا فی نصفها فلم یقبض احترق نصفها فان شاء المشترك اخذ نصف ما بقی وان شاء ترك وکذا البیع اھ (ص ۴۰ ج ۳) قلت واما فی صورة المسئولة فعلی الصدیق

نصف ثمن حصة نصيبه الدين. ولو كان لم ينقل الشركة لوجود الشركة عملا واكل، تصدق بحصته نصيبه ضمان ما اخذ يكون نصيبه له برضى بأكله من حصته الا بالعوض فان لم يكن متبرعا فغاية ان تكون الشركة فاسدة وحكمه ما بينا فاعلم ذلك

والله تعالىٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

١٠ ربیع ٢ [illegible]ھ

شرکت سے علیحدگی کے وقت شریک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنانے کی ایک صورت

سوال: بندہ ایک شخص کے ساتھ دکانداری کرتا ہے۔ اب اس سے علیحدہ ہونے کا ارادہ ہے۔ اسامیوں کی طرف جو روپیہ بقایا ہے وہ تقسیم کر کے اپنے اپنے ذمہ لے لینا بہت دشوار ہے کیونکہ شریک حصہ دار کا میں اعتبار نہیں کرتا، میرا شریک پنجاب کا باشندہ ہے اور میں یہاں وصول تقسیم کے لئے قیام نہیں کر سکتا۔ اگر میں شریک کو یہ کہوں کہ میرے حصے کا تقاضا تم اپنے ذمہ لے لو اور اسامیوں کے نقصان کے بدلے اس کو پانچ روپیہ سود دے یا بٹہ دے دیا جائے اور میری باقی ماندہ روپیہ کی اس سے جلدی لی جائیں تو یہ طریقہ شرعی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا صورت اختیار کرنی چاہیے۔

الجواب

بٹہ اور سود کی صورت تو حرام ہے۔ جائز صورت یہ ہے کہ شریک سے جتنی رقم وہ دے سکتا ہے قرض لے لی جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ میں تم کو اپنے تمام قرض کے وصول کرنے کا وکیل بناتا ہوں۔ اول اس سے اپنا قرض وصول کرو اس کے بعد جو فاضل رہے اس کو بھی وصول کرکے اپنے قبضہ میں رکھو وہ میں نے تم کو بعد وصول کے ہبہ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

١٣ [illegible]

شیرہ دار لگانے میں شراکت کی ایک صورت

سوال: ہم ایک شیرہ دار لگانے میں دو شریک ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اس چکھڑے کی باری سالم مجھے دیجئے کہ صرف میں ہی دودھ دوہوں اور جب دوسرے کی باری آئے گی تو دودھ صرف تیرا

ہی ہوگا۔ دوسرا کہتا ہے کہ ہر وقت دودھ کو نصفا نصف یا صبح کا تو اور شام کا میں یا ایک فریق کو حصّہ کے موافق روپیہ دے کر گائے کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ اس میں کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟

الجواب

یہ صورت کہ اس بچھڑے کا دودھ سالم ایک بے دوسرے کا دوسرا جائز نہیں جائز صورت یہ ہے کہ ہر وقت کا دودھ تقسیم کر لیا جائے اور صبح و شام کی تقسیم کی جائے تو ہر شخص کو دودھ کا حساب رکھنا ضروری ہوگا جس نے زیادہ دودھ لیا ہے وہ زیادت کو دوسرے شریک پر تقسیم کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک شخص اپنا حصّہ دوسرے کے ہاتھ بیچ کر الگ ہو جائے مگر کوئی دوسرے کو بیع پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ محض ہر شریک کی خوشی پر ہے۔ اگر بیع پر کوئی راضی نہیں ہوا تو بس ہر وقت کا دودھ تقسیم کر لیا کریں۔ (کذا فی الہدایہ) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۵ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ

مشترکہ زمین کو دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر مزارعت پر دینے کا حکم

سوال: ایک علاقہ میں رواج ہے کہ مزارع کو زراعت کے لئے زمین دی جاتی ہے۔ نصف یا ثلث یا ربع علی زمین پر مالک زمین کے اگرچہ شرکاء کثیر ہوں۔ زمین کی جو آمدنی ہے اس کا نصف مزارع کا ہوگا اور نصف مالکین کا ہوگا۔ اب اسی بنا پر زید مالک زمین نے عمرو مزارع کو کوئی بیس بیگہ زمین زراعت کے لئے دی ہے کہ نصف آمدنی زید کی اور نصف عمرو کی ہوگی۔ لیکن واقع میں اس رقبہ زمین میں زید کی دو ہمشیرہ بھی بوجہ وراثت کے حصہ دار ہیں لیکن رواج کی رو سے ان کو مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ نصف آمدنی عمرو مزارع لیتا ہے اور نصف زید لیتا ہے۔ اب اگر زید اپنی ہمشیرہ کو حصہ دیتا ہے جب بھی عمرو تو آمدنی کا نصف ہی لیتا ہے اور زید ربع لیتا ہے۔ غرض اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا عمرو جو نصف لیتا ہے اس میں غیر کا حق مخلوط ہے یا نہیں۔ اگر غیر کا حق حصہ عمرو میں مخلوط ہے تو وہ کیونکر مخلوط ہو سکتا ہے حالانکہ اگر زید اپنی دونوں ہمشیراؤں کو شرع کے موافق رقبہ زمین سے حصہ دیتا اور زمین میں شریک کر لیتا اور پھر کل زمین عمرو کو زراعت کے لئے دی جاتی جب بھی تو عمرو کو یہی نصف

آمدنی کا ہوتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہی ہے۔ اور زید کو ربع آنا تشریک کی حالت میں کیونکہ ربع اپنی دونوں ہمشیراؤں کو دینا پڑتا۔ غرض یہ کہ صورت مذکورہ میں عمرو کا حق غیر میں بلا اجازت ورضا تصرف ہے یا نہیں؟ اور جو زید کو حصہ آمدنی کا آیا وہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق: قال فی الحامدیۃ غاب أحد شریکی الدار فاراد الحاضر ان یسکنہا رجلاً ویؤجرہا رجلاً لا ینبغی ان یفعل ذالک دیانۃً اذ التصرف فی ملک الغیر حرام ولا یمنع قضاءً اذ الانسان لا یمنع من التصرف فیما بیدہ لو لم ینازعہ أحد فلو آجر وأخذ الأجر یرد علی شریکہ قدر نصیبہ لو قدر والا یتصدق لتمکن الخبث فی حق شریکہ فکان کغاصب آجر یتصدق بالأجر او یردہ علی المالک واما نصیبہ فیطیب لہ اھ (ص۹۰ ج۱) وأجاب عما اذا باع الشرکاء حصتہم من الثمرة الا واحداً منہم عناداً والمشتری لا یرضی الا بشراء الجمیع وکذا اذا اجروا الا واحداً منہم بقولہ لا یجبر ان یبیع مع الشرکاء بل یبیعون حصتہم فقط اذ تجذ الثمرة وتقسم وکذالک فی الدار لا یجبر علی الاجارة بل یؤجر شرکاءہ حصصہم والمستاجرون یہایئون الممتنع فی السکنی بقدر انصبائہم (ص۱۹۱ ج۱)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے جو نصف غلہ پایا ہے اس میں سے بقدر اس کے حصہ کے جائز ہے اور بقیہ دوسرے ورثاء کو دینا واجب ہے اور مستاجر یعنی عمرو کے لئے جو نصف قرار پایا ہے وہ اس کو لینا جائز ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین میں ایک کے سوا کوئی اور شریک بھی ہے یا شرکت کا علم ہے لیکن دوسرے شرکاء کے اذن کا علم نہیں اور اگر دوسرے شرکاء کا عدم اذن معلوم ہے تو عمرو کے لئے اس زمین میں کاشت کرنا بقدر حصہ زید کے حلال ہے اور دیگر شرکاء کے حصہ میں کاشت اس کو حلال نہیں ہے پھر زید

کے حصّہ میں اس زمین کے جتنے سہام ہوں اس میں تو عقد درست ہے اور دیگر ورثا کے حصوں میں درست نہیں بلکہ ان کی زمین میں جو اس نے کاشت کی ہے اس میں سے بقدر تخم و اُجرت مثل کے حلال ہے۔ زائد حلال نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب ہے البتہ اگر عمرو زید کو اس زمین کی پیداوار کا نصف کامل نہ دے بلکہ نصف میں سے بقدر اس کے حصے کے دے اور باقی دیگر ورثا کے پاس پہنچا دے اور وہ اس پر راضی ہوں تو دوسرا نصف جو عمرو کے لئے ٹھہرا ہے پورا عمرو کے لئے حلال ہے جس کا تصدق واجب نہیں۔

قال فی العالمگیریة: اذا زرع ارض غیرہ بلا أمرہ لا یکون غصبًا بل یحمل علی المزارعة وحصة رب الأرض علی ما جری علیه عرف القریة من ثلث أو ربع والقول الثانی جواب الکتاب أنه یکون غاصبًا والزرع کله له لکن یتصدق لما فضل عن بذرہ وأجر مثله والقول الثالث أنه یکون مزارعة إذا کان صاحبها اعدها للإستغلال بأن کان یدفعها مزارعة بغیرہ ولا یزرعها بنفسه اھ (ص ۵۸۵ ج ۴)

قلت واذا علم عدم رضاء الشرکاء وعدم اذنهم فالظاهر کونه غاصبًا لا مزارعًا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۳ ذی القعدہ ۵۴ھ

شرکتِ عنان میں عامل کے لئے اس کے حصّے سے زیادہ نقصان کی شرط لگانے کا حکم

سوال: پانچ آدمیوں نے مشترکہ چھ ہزار روپے کے سرمایہ سے (جس میں میری بیوی کا پانچ سو روپیہ شامل ہے) ایک تجارتی دوکان بنام عبدالحکیم محمد سلیمان جاری کی ہے اس میں یہ شرطیں قرار پائیں۔

(۱) پانچ شرکاء میں سے عبدالحکیم، عبدالرحیم، محمد سلیمان دوکان کا انتظام کاروبار کریں گے۔

(۲) فقرے کی نشست یعنی تمام داد و ستد کا کل اختیار حقیقۃً عبدالحکیم کے ہاتھ میں ہوگا۔ باقی دونوں شخص اس کے احکام کی پیروی کرتے رہیں گے۔ روپے

کی تحویل بھی عبدالحکیم کے سپرد رہے گی۔

(۳) میعاد شرکت تین سال قرار دی گئی ہے۔ اس کے بعد علیحدہ ہونے کا اختیار ہوگا۔ میعاد مذکورہ کے درمیان اگر کوئی علیحدہ ہونا چاہے اور سب شرکاء منظور بھی کرلیں تو اس کے روپے کی ادائیگی متفقہ اقساط کی قرارداد پہ ہوگی۔

(۴) شرکاء یا کارکنندوں میں نزاعی اختلاف ہونے پر احقر کاتب الحروف کا فیصلہ واجب التسلیم ہوگا

(۵) نفع نقصان ½ حصہ اصل رقم چھ ہزار روپیہ کا اور ½ تینوں مذکورہ اشخاص کا ہوگا۔ یعنی اگر نفع ہوگا تو حاصل شدہ کے نصف حصہ کے تینوں کارندے مستحق ہوں گے اور باقی نصف حصہ اصل رقم چھ ہزار پہ تقسیم ہوگا جس کو ہر ایک شریک اپنی مقدار رقم کے موافق پانے کا مستحق ہوگا۔ مثلاً جس کے پندرہ سو ہیں وہ پندرہ سو کے جو دو ہزار والا ہے وہ دو ہزار کا میری بیوی صرف پانچ سو کے پانچ سیکڑہ کی مستحق ہوگی اور اگر خدانخواستہ گھاٹا ہوجائے تو وہ بھی بطریق مذکور آدھا تینوں کارندے بھگتیں گے اور آدھا اصل رقم چھ ہزار پر پڑے گا۔ خلاصہ یہ کہ نفع ہونے پر تینوں آدھا نفع لیں گے تو گھاٹے کی صورت میں گھاٹا بھی آدھا دیں گے اور علاوہ اس کے اپنے اپنے حصہ کی رقم کا نفع نقصان بھی ان کے حصہ میں آوے گا۔

مرقومہ بالا تفصیل کے بعد مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کی ضرورت ہے۔

(۱) کیا یہ معاملہ مضاربت قرار پائے گا یا شرکت۔

(۲) مضاربت ہوئی تو تینوں کارندے گھاٹا ہونے کی صورت میں اپنے مقررہ حصے کا گھاٹا بھگتنے کے مستحق ہوں گے یا کل گھاٹا رقم کے ذمہ پڑے گا اور وہ اجر مثل پانے کے حقدار ہوں گے اور مضاربت صحیحہ ہوئی یا فاسدہ مکروہہ یا غیر مکروہہ۔

(۳) شرکت ہوئی تو فاسدہ ہوئی یا صحیحہ مکروہہ ہوئی یا غیر مکروہہ فاسدہ ہوئی تو پھر وہ کارندہ کس چیز کے مستحق ہوں گے گھاٹا بھگتنے کے یا اجرت مثل پانے کے۔

(۴) کچھ نیں دین کی مجبوریاں ایسی ہیں کہ جائداد دینے سے دوکان بچ نہیں سکتی اگرچہ اب سودی روپیہ لانے کی ضرورت ہوئی تو میں نے اپنے حصہ کا روپیہ دے کر کہا کہ باقی روپیہ کا سود سب شرکاء اپنے پاس سے ادا کریں۔ انہوں نے منظور کرلیا مگر پھر بھی

بسا اوقات دوکان کو بیاج دینا ہی پڑتا ہے جو سال کے ختم پر بصیغہ اخراجات ظاہر کیا جاتا ہے اس کے منہا کرنے کے بعد منافع قرار پایا جاتا ہے تو کیا میری بیوی اور میں چونکہ درمیانی واسطہ ہوں دوکان کے اس بیاج دینے سے دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ بوقت شرکت ڈیپ کی اتنی کیست قرار دی تھی کہ مجھ کو بیاج دینے کا وہم وخیال بھی نہ ہوا۔ بینوا توجروا۔

تنقیح

السلام علیکم۔ میرا جو طرز ہے جواب دینے میں وہ مقتضی ہے کہ جواب سے قبل بعض سوال کروں۔ اگر ان سوالوں کا جواب دینا خلافِ مصلحت ہو تو استفتاء دوسری جگہ بھیج دیا جائے۔

عا: عقد کے جواز یا عدم جواز کو اس کے انعقاد کے قبل کیوں نہیں دریافت کیا گیا۔

حا: اب کیا اختلاف باہمی ہوا جس کے فیصلہ کرنے کے لئے استفتاء کی ضرورت ہوئی اہل اختلاف میں سے ہر ایک کا قول کیا ہے۔

عد۳: کیا اس فیصلہ کو سب مانیں گے؟

جواب تنقیح

نحمدہٗ ونصلی۔ عالیجاہ۔ بسلام مسنون کے بعد عرض ہے۔

(۱) انعقاد شرکت کچھ ایسی جلدی میں ہوا کہ مَیں کئی ہیں دیکھ سکا نہ حضور سے استفتاء کر سکا۔ ہاں اپنی بیوی کی طرف سے اپنی شرط منوائی تھی شریعت کے خلاف ہوگی تو شریعت کے موافق کرنی لازمی ہوگی ورنہ میں علیحدہ ہو جاؤں گا۔ بہرحال سخت غلطی ہوئی۔

(۲) باہمی کوئی اختلاف نہیں، جو کچھ ثابت ہوا تھا مذکورہ شرائط کے بموجب سب نے تسلیم کرلیا۔ انہی شرائط پر دوکان چلائی جا رہی ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری بیوی خلاف شرع شرکت کے گناہ میں تو مبتلا نہیں۔

(۳) جبکہ شرائط میں یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ میرا فیصلہ ناطق سمجھا جاوے گا اور آنجناب کا فیصلہ شرعی مجھے واجب التسلیم ہے تو باقی شرکا راؤل تو ایسے نہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے چون وچرا کریں۔ ثانیاً یہ کہ میرا فیصلہ ناطقیت والی شرط پر واجب التسلیم ہوگا۔

الجواب

یہ صورت شرکت عنان ہے جس میں مساوی مال مشترکا ضروری نہیں اور تفاضل فی الربح بھی جائز ہے جبکہ زیادت ربح کی مشروط عامل کے لئے ہو۔ تساوی اموال کی صورت میں یا اس شخص کے لئے ہو جس کا حصہ زیادہ ہے مگر اس میں تفاضل فی الوضیعۃ کی شرط صحیح نہیں یعنی کسی پر نقصان زیادہ نہیں ڈالا جاسکتا بلکہ نقصان ہر شریک پر اسی نسبت سے عائد ہوگا جو اس کے راس المال کی نسبت ہے۔

قال فی الدر: وتصح مع التفاضل فی المال دون الربح وعکسه اھ قال الشامی قید بالربح لأن الوضیعة علی قدر المال وإن شرطا غیر ذلک کما فی الملتقی وغیرہ (ج ۳ ص ۵۲۸)

اور شرکت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی بلکہ شرط فاسد ہی خود باطل ہوجاتی ہے۔ صرح به فی الدر والشامیة (ج ۳/۵۳۱)

پس صورت مذکورہ میں شرکت فاسد نہیں ہوئی البتہ یہ شرط غیر مشروع ہے کہ عاملین کو جس طرح نفع زیادہ دیا جاتا ہے نقصان بھی زیادہ دیا جائے لہذا اس شرط کو بدلا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ نقصان ہر شخص پر اس کے راس المال کی نسبت سے ڈالا جائے۔

قال الشامی (قوله مع التفاضل فی المال دون الربح) ای بأن یکون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً واشترطا التساوی فی الربح وقوله وعکسه ای بأن یتساوی المالان ویتفاضلا فی الربح لکن هذا مقید بأن یشترط الاکثر للعامل منهما أو لأکثرهما عملاً اما لو شرطاه للقاعد أو لأقلهما عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال قلت والظاهر أن هذا محمول علی ما اذا کان العمل مشروطا علی احدهما اھ (ج ۳/۵۳۰)

قلت: وفی الصورة المسئولة کذلک فانهم اشترطوا العمل علی الثلاثة۔

جواب سوال چہارم: سود دینا سخت مجبوری کی حالت میں جائز ہے اور سخت مجبوری
روپیہ جس کے اندر ضرر شدید ناقابل برداشت لاحق ہو۔ اب اس کو خود دیکھ لیا جائے۔
کہ ایسی مجبوری ہوتی ہے یا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ اشرفیہ ۲۳ ذی الحجہ [illegible]ھ

غیر منقسم ترکہ میں تصرف کرنے کا حکم

سوال: گزارش ہے کہ میری عبارت سابقہ حسب مقصود کافی نہیں تھی لہذا دوبارہ تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ مجھ تعین سے عرض گذار ہوں کہ میں نے از مشترکہ نا تقسیم کچھ روپیہ صرف کر چکا ہے۔ اس میں سے کچھ باقی ہے، اور دوسرے ورثاء بھی محتاط طور پر صرف کر چکے ہیں۔ آیا میں قبل حساب ان کو اس عزم سے صرف کر لوں کہ بعد حساب جو میرے ذمہ نکلے گا ادا کر دوں گا یا قبل حساب صرف ہی کرنا جائز نہیں۔

الجواب

قال البحر الرائق: ص ۱۲۴ ج ۵: وفي الكافي وإن لم يرد أن يعزل حصته بغيبة شريكه وينتفع بها ولا شيء عليه وثبت سلم الباقي فإن هلك قبل التسليم إلى شريكه هلك عليهما وتمامه في جامع الفصولين في حاشية منحة الخالق عن جامع الفصولين أيضاً أرض أو كرم بين حاضر وغائب أو بين بالغ ويتيم فالحاضر أو البالغ يرفع الأمر إلى القاضي ولو لم يرفع فلو الأرض يزرع بحصته ويطيب له ذلك ولو الكرم يقوم عليه فيبيع ثمره ويأخذ حصته ويوقف حصة الغائب أو يبيع له ذلك وإذا قدم الغائب ضمنه القيمة أو أجاز بيعه في مواضع أخر عن محمد رحمه الله لو أخذ الشريك نصيبه من الثمن وأكله جاز ويبيع نصيب الغائب ويحفظ ثمنه فلو حضر صاحبه يخبره كما مر۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اشیاء متروکہ اور اس کے منافع میں بدون دوسرے

شریک کے ایک شریک اپنا حصہ الگ کر سکتا ہے اس لئے اتنی گنجائش ہے کہ ان بالغوں کا حصہ اس روپیہ میں سے الگ رکھ دیا ہے۔ بقیہ صرف کریں اور وقت جاکر ان کا حصہ ان کو دے اور باوجود حفاظت کے یہ حصہ جو الگ کیا جائے گا آپ کے پاس ہلاک ہو جاوے تو ہلاک شدہ میں سے ان کے حساب میں نہ لگایا جائے گا۔ جتنا ہلاک شدہ میں ان کا حق اور ورثے سہام فرائض کے نکلتا ہے اور بقیہ آپ کو دینا پڑے گا۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۲۰ محرم ۵۳ھ

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ

مضاربت میں نقصان کی ایک صورت کا حکم

سوال: بندہ ایک شخص کی شرکت میں کہ روپیہ اس کا اور محنت میری سوداگری کا کام کرتا ہے اور مبلغ پانچ سو روپیہ میں نے ان کے پاس اس لئے رکھ دیا تھا کہ میں نفع و نقصان میں شریک ہوں نہ معلوم سوداگری میں نقصان ہزار روپیہ کا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ نقصان میں بھی تم شریک ہو اور منجملہ ان پانچ سو روپیہ کے جو میں نے ان کے پاس بخیال احتیاط رکھے تھے ان میں سے مبلغ دو سو روپیہ میں نے لے آیا تھا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ تجارت میں نقصان ہوا ہے تم وہ دو سو روپیہ واپس کرو حالانکہ فتویٰ دیوبند کا اس مضمون کا موجود ہے کہ نقصان روپیہ والے پر پڑتا ہے۔ محنت کرنے والے کی محنت رائیگاں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نقصان کا روپیہ تم سے ضرور لیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ روپیہ ادا کر دوں تاکہ کام درست رہے۔ اب میں یہ روپیہ نفع میں سے مجرا کر دوں یا گھر سے ادا کر دوں اس کی تدبیر فرما دیں اور اس سال مبلغ گیارہ سو روپیہ نفع ہوا اور میں نے ہزار روپیہ اپنا ان کا ہر کیا۔ اس کا نصف حصہ پانچ سو روپیہ ان کو دیا اور ایک سو روپیہ یہ خیال کرکے کہ میرا پانچ سو روپیہ ہے جو ان کے پاس جمع تھا اس کا پتہ نہیں بلکہ دو سو روپیہ جو میں نے لیا تھا وہ بھی واپس طلب کرتے ہیں۔ آیا دو سو روپیہ جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ فی الدر عن الخلاصۃ کل شرط یوجب جہالۃ

فی الربح او یقطع الشرکۃ فی الربح یفسدھا والا بطل الشرط وصح العقد اعتبارا بالوکالۃ۔ وفی الشامی تحت (قولہ یبطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب (ص ۲ م ج ۵)

پس صورت مسئولہ میں نقصان فقط روپیہ والے کا ہوا اور کام کرنے والے کے ذمہ نقصان پورا کرنا نہیں ہے جیسا کہ دیوبند کے فتوے کا سوال میں حوالہ دیا ہے۔ باقی رہا دوسرا سوال اس کے متعلق سائل نے جو صورت اختیار کی ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ صاحب حق کو اپنا حق وصول کرنا جنس حق سے جس طرح ممکن ہو جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر

عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۱۵ ربیع الثانی ۵۳ھ

شرکت میں نقصان ہر شریک کے راس المال کے موافق ہوگا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مجید اور سعید نے باہم گفتگو کی کہ آؤ ہم تم دونوں روپیہ ملا کر بشرکت تجارت کریں۔ مجید نے کہا کہ ہم صرف ایک حصہ روپیہ لگا دیں گے اور تم تین حصہ روپیہ لگاؤ کیونکہ لکھنے پڑھنے خط وکتابت کا کام میرا ہی لڑکا کرے گا باقی کام ہم تم دونوں مل کر کریں گے۔ اس پر سعید نے کہا کہ نفع ونقصان کس کے ذمہ کتنا ہوگا۔ اس باہمی قرارداد کے بعد مجید نے ایک حصہ اور سعید نے تین حصہ روپیہ لگا کر بشراکت تجارت شروع کی جس میں ایک ہزار روپیہ کا نقصان ہوا۔ اب مجید کہتا ہے کہ ہم صرف پونے چار سو روپیہ نقصان دیں گے اور تم سوا چھ سو روپیہ نقصان دو کیونکہ ہمارے لڑکے نے لکھنے پڑھنے کا کام کیا۔ اس کا حق المحنت ہم کو ملنا چاہیے۔ سعید نے جواب دیا کہ اسی وجہ سے تو تم نے اپنے عوض ہم سے دو حصہ روپیہ زیادہ لگوایا تھا۔ پھر معاوضہ اور حق المحنت کیا؟ اگر خلاف قرارداد یوں ہی کرتے ہو تو خیر اپنے لڑکے کا حق المحنت لو مگر ہمارے دو حصہ زائد روپیہ کا پھر ہم کو سود دو۔ اس نزاع کا شرعی فیصلہ کیا ہے اور کس کو کتنا نقصان دینا چاہیے؟

الجواب

فی العالمگیریہ (ص ۱۰۰ ج ۳) ولو شرطا العمل علیھما جمیعاً

صحت الشرکۃ وان قل رأس المال احدھما وکثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بینھما علی السواء وعلی التفاضل فان الربح بینھما علی الشرط والوضیعۃ علی قدر رؤس اموالھما کذا فی سراج الوھاج اھ
پس نقصان مجید اور سعید کے ذمہ ان کے رأس المال کے موافق پڑے گا۔ ان کی شرط نصفا نصف کی نقصان کے بارے میں صحیح نہیں۔ اگر نفع ہوتا تو اس کو نصفا نصف تقسیم کرتے لیکن اب ایک حصہ نقصان مجید کے ذمہ اور تین حصہ سعید کے ذمہ ہے۔

فقط کتبہ الاحقر

الجواب صحیح — عبدالکریم عفا عنہ از خانقاہ امدادیہ

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ج ۲ ۵۴ھ — تھانہ بھون ۱۱ ج ۲ ۵۴ھ

شرکت میں عامل کے لئے زائد نفع کی شرط درست ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تین آدمیوں نے شریک ہوکر تجارت کی روپیہ برابر کا ہے لیکن جو شخص کام کرے گا اس کا حصہ محنت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہوگا وہ باقی حصہ داروں سے بوجہ جانی محنت کے زیادہ لے گا باقی دو شریک کوئی کام مشترکہ تجارت کا انجام نہیں دیتے صرف مال ہی سے شریک ہیں ان کو کم ملتا ہے اور جو جان و مال دونوں سے شریک ہے اس کو زیادہ تو یہ صورت جائز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں شرکت صحیح ہے اور نفع عامل کو شرط کے موافق دوسرے شرکاء سے زیادہ ملے گا۔ کما فی العالمگیریہ ص ۱۸۸ ج ۳ وان شرطا الربح للعامل اکثر من رأس مالہ جاز علی الشرط ویکون مال الدافع عند العامل مضاربۃ وھکذا فی الشامیۃ ص ۵۲۷ ج ۳ لیکن اگر خدانخواستہ تجارت میں خسارہ ہو تو خسارہ میں سب شریک ہوں گے جس کو نفع زیادہ ملتا ہے اس پر خسارہ زیادہ نہ پڑے گا۔ صرح فی العالمگیریۃ ونصہ والوضیعۃ ابدا علی قدر رؤس اموالھما کذا فی سراج الوھاج اور نفع میں زیادتی کی شرط حصوں کے اعتبار سے طے کرنا چاہیئے۔ اگر روپیہ متعین کر دے کہ مثلاً سو روپیہ زائد عامل کو ملیں گے تو جائز نہیں

کما ھو الظاھر فقط۔

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۲۴ شعبان ۴۵ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۲۴ شعبان ۴۵ھ

چند آدمیوں کا شریک ہو کر مشترکہ رقم مضاربت کے لئے دینا

سوال: کچھ وقتوں پر نظر کرکے یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ مرتبہ آ چکی ہے کہ بالفعل صرف ایک ہزار روپیہ دس مسلمانوں سے بوقت واحد مثلاً محرم کے مہینے میں لے کر اس روپیہ سے ہر وقت بکنے والی کتابیں خرید کروں حساب اس کا بالکل الگ رکھوں اور سال گزرنے پر یا چھ ماہ گزرنے پر اس کا نفع حساب کرکے ٹھیک ٹھیک نصف صاحب روپیہ کو دوں اور نصف خود لے لوں۔ اس مذکورہ صورت میں رب المال دس ہوں گے جو شریک اپنا روپیہ واپس لینا چاہے حساب کے وقت ۲ ماہ پہلے اطلاع کردے وقت حساب مع نفع کے اس کا روپیہ واپس کردوں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر چند آدمی شریک ہو کر مشترک رقم مضاربت کے لئے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک شخص کا روپیہ مضارب درمیان میں ادا کردے بلکہ سب شرکاء کی رضامندی شرط ہے۔ وھذا کلہ من المتواتر البتہ اگر ایسا کیا جاوے کہ ہر شخص کی رقم کی کتابیں جداگانہ رکھی جاویں تو پھر ہر شخص کا حساب الگ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۴ شوال ۴۵ھ

معاملہ مضاربت اور قرض کی ایک ممنوع صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے تجارت کرنے کے واسطے کچھ روپیہ لیا۔ زید اس روپیہ سے تہ دہ ریشم کا بنارس سے لاتا ہے۔ بنارس کی مقامی نرخ سے تقریباً ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ کفایت فی گز رہتا ہے۔ یہی ایک روپیہ جو کفایت میں بچتا ہے عمرو کو بطور نفع تجارت دیتا ہے مگر آمد و رفت کا خرچہ اپنے ذمہ اور مال کا صرفہ روپیہ والے کے ذمہ کرتا ہے۔ کبھی تو

مال لا کر عمرو کے حوالے کر کے پھر اپنے یہاں لا تکبیت اور کبھی بغیر حوالہ کئے ہوئے اپنے گھر رکھ کر عمر کو خریدی کی تفصیل بنا کر حسب خریداری میں اس کے نام ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ فی گٹہ زیادہ کر کے لکھ دیتا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہو تو اس میں اصلاح فرما کر جائز صورت سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ روپیہ زید نے یا تو قرض لیا ہے یا مضاربت کے طور پر لیا ہے۔ پس اگر قرض لیا ہے تب تو صریح سود ہے اور اگر مضاربت پر لیا ہے تو اس میں نفع کی تعیین اور آمد و رفت کا کرایہ زید کے ذمہ ہونا خلاف شرع ہے۔ پس یہ صورت ہر حال ممنوع ہے اور اس طرح سے نفع لینا دینا بالکل حرام ہے اور جواز کی ایک صورت ہو سکتی ہے جس میں اصل مقصود یعنی عمر کو نفع اور زید کو قرض حاصل ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ عمر اولاً زید کو اپنا وکیل بنا کر اور آمد و رفت کا کل خرچہ دے کر[ف] بنارس سے مال منگوا لے بعد ازاں اس پر قبضہ کرنے کے زید کے ہاتھ نفع سے فروخت کر دے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۲۹ ج ۱ سنہ ۵۴ھ

بدون تقسیم و رضامندی شرکاء اپنا حصہ تصرف کے لئے متعین کرنا

سوال: یہ مدرسہ عربیہ ایک زمانہ سے میرے زیر اہتمام قائم ہے۔ درس نظامی کی تعلیم اپنے اکابر کے طرز پر بحمد اللہ دی جاتی ہے چونکہ نیچریت اور بدعت کا یہاں شیوع ہے اس لئے اس کے بقاء کی بہت زیادہ فکر رہتی ہے مدرسہ جس عمارت میں ہے وہ ایک احاطہ دار وسیع مکان ہے جو کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوٹھی ایک مشترک سکنی و زرعی جائیداد ہے۔ بعض شرکاء نے اپنا حصہ مدرسہ کے نام وقف کر دیا ہے۔ بعض نے بطیب خاطر اجازت دے دی ہے۔

ف اس خرچ میں اس جانے والے کی تنخواہ بھی ہونا لازم ہے ورنہ کام کرنا قرض کے دباؤ میں ہوگا اور اگر کسی دوسرے آدمی سے منگا کر زید کے ہاتھ فروخت کریں تو پھر اس جانے والے کو اختیار ہے کہ چاہے مفت لا دے چاہے معاوضہ لے کر۔ ۱۲ منہ

بعض ایسے ہیں کہ اجازت نہیں دیتے بلکہ قیام مدرسہ سے ناراض ہیں، ان کی اجازت کی کوئی صورت نہیں، وکلاء سے تقسیم کے متعلق مشورہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ اراضی چونکہ ایک نمبر میں واقع ہے۔ اس لئے ضابطہ کا بٹوارہ نہیں ہو سکتا۔ خانگی بٹوارہ اس لئے ممکن نہیں، شرکاء باہم رضامند نہیں اور عدالتی بٹوارہ قانوناً ممتنع ہے۔ ایسی صورت میں مدرسہ اپنے طور پر تقسیم کر کے اپنے حصہ پر قابض و متصرف ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حقیقی تقسیم تو جب ہوگی جبکہ سب شرکاء راضی ہوں یا قاضی وغیرہ تقسیم کرے لیکن بدون تقسیم حقیقی اپنے حصہ کو تصرف کے لئے معین کر لینا صورت مذکورہ میں جائز ہے۔

کما فی رد المحتار، ما نصہ: اقول ذکر فی العمادیۃ فی الفصل الرابع والثلثین فکل واحد من الشرکاء ان یسکن فی بعض الدار بقدر حصتہ ام وافتی بمثلہ فی الحامدیہ (شامی ص ۵۵ ج ۵) وذکر العلامۃ الشامی تحت قول الدر دار او حانوت بین اثنین لا یمکن قسمتہا آشاجرا فیہ فقال احدہما لا اکری ولا انتفع وقال الآخر ارید ذلک امر القاضی بالمہایاۃ الخ قلت فعلم منہ انہ ان لم یرفع الامر الی القاضی بعد التشاجر وسکن احدہما بقدر حصتہ یجوز وان لم یرض شریکہ کما لا یخفی وفی الباب التاسع والعشرین من کراہیۃ العالمگیریۃ ص ۶۸ ج ۶) ما یؤیدہ ان شئت فانظر ثمہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر
عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون ۵ ذی القعدہ ۱۳۵۵ھ

شرکت میں متوفی شریک پر الزام خیانت کی ایک صورت

سوال: زید نے عمر سے مضاربت کر کے پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے دئے اس شرط پر کہ نفع میں دونوں نصفا نصف کے شریک رہیں گے۔ عمر نے ایک سال تک تجارت کر کے حساب کرنے کے وقت یہ کہہ دیا کہ دوکان میں مال بجائے پانچ سو کے ایک ہزار کا موجود ہے یعنی پانچ سو کا مال نفع میں ہے اور دئے معاہدہ اس مال نفع میں سے ڈھائی سو رب المال کے ہوئے

اور ڈھائی سو مضارب کے۔ اب چونکہ مضاربت نہ رہی چونکہ مشترکت ہوگئی تو ساڑھے سات سو
رب المال کے اور ڈھائی سو عمر مضارب قدیم کے رہے۔ شرکت تجارت کئی سال تک ہوتی رہی
اور نفع از روئے معاہدہ رہا جو مضاربت میں مقرر ہوا تھا۔ یعنی نصفا نصف رہا۔ اتفاقاً عمر
مضارب قدیم کا انتقال ہوگیا۔ اب جو دوکان کا حساب دیکھا گیا تو دوکان بہت زیادہ مقروض
ثابت ہوئی۔ حالانکہ عمر مضارب قدیم اپنے شریک سے یہی کہتا رہتا تھا کہ دوکان پر کسی کا قرض
واجب نہیں اور جو کچھ تھا بھی وہ سب ادا کر دیا گیا ہے۔ قرض کی مقدار مال موجودہ سے
کئی گنا زیادہ ہے۔ حالانکہ متوفی دوکان میں نقصان کبھی نہیں بتاتا تھا بلکہ ہمیشہ نفع ہی کبھی کم کبھی
زیادہ دکھلاتا اور تقسیم کرتا رہتا تھا۔ اس روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفع کا کچھ
حصہ مخفی طور پر اپنے پاس رکھتا تھا نہ اس کو تقسیم کرتا تھا نہ اس سے قرض ادا کرتا تھا
پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں شریک متوفی دوکان میں شریک سمجھا جائے
گا اور اس کے ورثاء کو دعوی شرکت پہنچے گا یا نہیں؟

الجواب

(از مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مفتی مدرسہ امینیہ دھلی)

اگر مضارب ہر سال کا حساب کر کے نفع تقسیم کرتا رہا تو شرکت کا حساب صرف آخری
سال کا ہی رہ جس میں مضارب کا انتقال ہوا ہے۔ البتہ اگر سالانہ حساب نہیں ہوتا تھا
بلکہ یوں ہی بلا حساب [illegible] کے نام سے دونوں رقم لیتے تھے تو کل شرکت اس وقت سے سمجھی
جائے گی جس وقت سے مضاربت ختم ہو کر شرکت قرار پائی تھی اور دونوں [illegible]
نفع کے نام سے وقتاً فوقتاً لی وہ سب حساب میں واپس [illegible] یہاں تک کہ راس المال
پورا ہو۔ اس کے بعد اگر کچھ بچے تو دونوں کو طے شدہ حساب سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔
اور اگر راس المال ہی پورا نہ ہوا تو نقصان راس المال پر حصہ رسدی تقسیم ہوگا۔ دوسرے
لوگوں کا جو قرض ہے وہ دوکان کے موجودہ مال سے پہلے ادا کر دیا جائے گا اور جب تک کہ
مضارب کی خیانت کا ثبوت نہ ہو کوئی رقم اس کے ذمہ نہ ڈالی جائے گی۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ

مدرسہ امینیہ دہلی

تنقیح من جانب امداد الاحکام

(۱) زید کا یہ کہنا کہ عمر ہر سال نفع تقسیم کرتا تھا دلیل کا محتاج ہے، کیا زید کے پاس اس کے متعلق بینہ عادلہ ہیں یا عمر نے دوکان کے حساب میں تقسیم نفع کو ہر سال ظاہر کیا اور کن الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔

(۲) زید کا یہ قول کہ عمر نے ہمیشہ دوکان کو قرض سے سبکدوش ظاہر کیا اس کی کیا دلیل ہے۔ کیا اقرار عمر پر بینہ موجود ہیں؟

(۳) عمر نے دوکان پر جو قرض ظاہر کیا اس کا کیا ثبوت ہے۔

(۴) جس وقت عمر نے دوکان میں ایک ہزار کا مال دکھلایا تھا تو اس وقت زید نے عمر کو شریک دوکان تسلیم کر لیا تھا یا نہیں؟ اگر شریک تسلیم کر لیا تھا تو نقصان کے متعلق کیا معاملہ طے ہوا تھا؟

ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ر شعبان ۵۲ھ

جواب تنقیحات

(۱) عمر نے ایک سال تک تو نفع تقسیم کیا ہی نہیں اور مضاربت کا بھی ایک سال تھا۔ اس ایک سال کے ختم ہونے پر عمر نے یہ نفع دکھلایا کہ دوکان میں مال بجائے پانچ سو روپیہ کا راس المال کے ایک ہزار کا موجود ہے لہٰذا از روئے معاہدہ پانچ سو کا مال جو نفع سے پیدا ہوا رب المال اور مضارب میں نصفا نصف ہو گیا۔ لہٰذا مضاربت نری شرکت ہو گئی۔ اس کے بعد عمر کو زید نے شریک تسلیم کر کے تجارت جاری رکھی۔ عمر ہر مہینہ کے ختم پر آمد و خرچ بہی میں لکھا ہوا زید کو دکھلا کر نصفا نصف نفع تقسیم کر دیتا تھا اور دونوں کے حصہ نفع کو بھی بہی میں درج کر دیتا تھا۔ چنانچہ وہ بہی موجود ہے۔

(۲) بہی میں عمر کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے کہ دوکان پر جو کچھ قرض تھا سب ادا ہو گیا اب کچھ قرض باقی نہیں رہا۔ اور یہی مضمون عمر نے زید کے حساب کا عدالت میں بھی لکھوا دیا۔

(۳) عمر نے بہی کے ایک جداگانہ ورق پر قرض کی تعداد لکھ رکھی تھی جس کو وہ زید سے مخفی رکھتا تھا۔ وفات کے بعد جو بہی دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ دوکان پر اس قدر قرض ہے۔ نیز عمر کی وفات کے بعد قرضخواہ نے اسی مقدار کا مطالبہ کیا جو بہی میں مرقوم تھے۔ اسی جگہ میں نے بھی اپنے دستخط کر دیئے ہیں۔ چنانچہ بہی دیکھنے سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ اس قرضخواہ کے علاوہ دوسرے قرضخواہ نے بھی اپنی بہی سے قرض کی تفصیل لکھ کر عمر کے انتقال کے بعد دوکان پر مطالبہ کی غرض سے بھیجی اور عرفاً تاجروں کے بہی کھاتہ کا حساب معتبر سمجھا جاتا ہے چنانچہ موجودہ گورنمنٹ بھی تاجروں کے بہی کھاتہ کو رجسٹر شدہ کاغذ کی طرح معتبر جانتی ہے۔

(۴) اس کا جواب ۱ میں گزرا۔ اس عبارت پر خط کھینچ دیا ہے۔

تنقیح مکرر

بابت ۱ یہ تحریر باقاعدہ ہے یا بے قاعدہ اور بے محل ہے اور تاریخ کے ساتھ ہے یا بلا تاریخ۔

تنقیح جدید۔ (۱) یہ ابھی اور تنقیح طلب باقی ہے لہٰذا سوال کا جواب موقوف ہے اس تنقیح کا جواب آنے پر وہ بات یہ ہے کہ جس طریقے سے قرض کی تفصیل مع دستخط قرضخواہ بہی میں درج ہے یہ طریقہ تجار میں مروج یا معتبر ہے یا نہیں اور اس طریقہ سے وہ قرض صرف ایک پر عائد ہوتا ہے یا دونوں شرکاء پر۔

(۲) نیز یہ لکھا جائے کہ اس بیاض کی قرض لکھنے کی تاریخ ______ اور قرض لینے کی تاریخ میں کون مقدم ہے کون مؤخر ہے۔

(۳) اور بیاض کی تحریر میں ایسے موقع پر درج ہے جس جگہ اندراج معتبر اور معروف ہے یا ویسے ہی بے محل لکھا ہوا ہے۔

(۴) اور قرض جو بہی کے آخر میں ایک طرف ہے وہ سب کا سب اس تحریر بیاض کی سے مقدم ہے یا کل مؤخر ہے یا بعض مقدم اور بعض مؤخر۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۵ رمضان ۴۸ھ

جواب تنقیح

جواب متعلق سوال ۲ کے متعلق جو پوچھا گیا ہے کہ یہ تحریر باقاعدہ ہے یا بے قاعدہ؟ جواب عرض ہے کہ بے قاعدہ اور بے محل ہے مگر تاریخ کے ساتھ ہے۔

(۱) جس طریقہ سے قرض کی تفصیل مع دستخط قرضخواہ بہی میں درج ہے یہ طریقہ تجار میں مروج اور معتبر ہے اس طریقہ سے وہ قرض دونوں شرکاء پر پڑتا ہے۔

(۲) بیباقی قرض لکھنے کی تاریخ اور قرض کی مقدار واجب الادا پر قرضخواہ کے دستخط کرنے کی تاریخ ایک ہی ہے۔

(۳) بیباقی کی تحریر بہی میں ایسے موضع پر درج ہے جس جگہ اندراج معروف و معتبر نہیں بالکل بے محل ہے۔

(۴) قرض جو بہی میں لکھ کر قرضخواہ کے اس پر دستخط کئے گئے ہیں وہ سب کا سب تحریر بیباقی سے مقدم ہے۔

یہ بھی یقیناً معلوم ہے کہ جس طرح قرضخواہ نے عمر کی بہی پر مقدار قرض لکھ کر اپنے دستخط کئے ہیں اسی طرح اس نے اپنی بہی پر عمر سے بھی مقدار قرض لکھوا کر دستخط کرا لئے ہیں بلکہ بر قانونی ترتیب کے لئے ٹکٹ بھی لگا کر عمر سے دستخط کرا لئے ہیں اور اس کی یعنی قرضخواہ کی بہی میں کسی جگہ بیباقی درج نہیں۔ حالانکہ اگر بیباقی ہو جاتی تو قرضخواہ پر باقاعدہ کاروبار اپنی بہی میں بیباقی لکھنا ضروری تھا۔

تنقیح بار سوم

(۱) پہلی مرتبہ بھی یہ لکھا گیا تھا کہ زید کے پاس بینہ عادلہ ہیں یا نہیں۔ جواب میں اس سے تعارض نہیں۔ اب تحریر کیا جائے کہ فریقین کون اپنے دعوے پر بینہ بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

(۲) زید نے عمر کو دوکان کے لئے قرض کرنے کی اجازت دی تھی یا نہیں یا محض اس کے فعل پر سکوت ہی کیا تھا۔

(۳) کیا زید کام میں شریک اور دوکان میں موجود رہتا تھا۔ فقط شروع ماہ میں حساب کے لئے جاتا تھا۔

(۴) کیا بہی میں تقسیم نفع کے وقت عمر اس بستم کو ادا کرنے کے لئے کچھ رقم ادائے قرض

جواب

تنقیح کا جواب واضح نہیں ہوا اس لئے جواب تشقیق کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ اگر زید و عمر نے دوکان کی بہی میں ادائے قرض کے نام سے کچھ رقم بمد خرچ لکھی ہے اور وہ رقم قرضخواہوں کو نہیں پہنچی تو اس صورت میں عمر خود اپنی تحریر سے خائن ثابت ہوگیا اور خود اسی کے قلم کی یہ تحریر بہی میں موجود ہے کہ دوکان کا سب قرض بے باق ہوگیا ہے مگر یہ تحریر بے محل ہے اس لئے تحریر جانچنے والے دو مسلمان عادل اگر یہ کہہ دیں کہ یہ تحریر عمر ہی کی ہے اس سے بھی عمر پر خیانت کا ثبوت ہو گیا اور اگر ان باتوں میں سے کوئی بات ثابت نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور درصورت ثبوت خیانت عمر کا سارا قرضہ عمر کے ذمہ ہوگا۔ زید کے ذمہ کچھ نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۲۵ رمضان ۵۳ھ

باپ کے کئی بیٹوں نے ملازمت کرکے جائداد خریدی تو اس جائداد کے مالک کون کون ہوں گے

سوال: نہایت ادب سے گذارش ہے کہ فدویان ایک ایسی جگہ آباد ہیں جہاں مولوی صاحبانؒ کا کم گذر ہوتا ہے اس لئے ہم شرعی قواعد و قانون سے بے بہرہ ہیں اس لئے حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے۔ امید ہے کہ حضرت غور فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

ایک باپ کے کئی بیٹے ہیں جن میں سے ـــــ ایک یا دو بھائی ملازمت کرکے صاحب عزت ہوئے۔ جاگیر حاصل کی پینشن پر چلے آئے بعد میں سب بھائی الگ ہوگئے۔ تو سب مال و متاع جو گھر میں موجود ہے۔ بحصہ برابر تقسیم کر لیا گیا مگر وہ جاگیر دار جو پینشن جو کہ ماہوار ملتی ہے ان کا حصہ کسی کو نہیں دیا اس لئے حضور مطلع فرمائیں کہ دوسرے بھائیوں کا حصہ اس جاگیر میں اور پینشن میں ہے کہ نہیں۔

الجواب

جس بھائی نے اپنی تنخواہ سے جاگیر پیدا کی ہے وہ خاص اسی کی ہے دوسرے بھائیوں کو اس میں حق نہیں۔ اسی طرح پینشن بھی خاص اسی کا حق ہے جس کو پینشن ملتی ہے۔ دوسروں کا اس میں حق نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۱۹ ذیقعدہ ۵۳ھ

مشترک جائیداد کی تقسیم کی ایک صورت کا حکم

سوال: زمینداروں نے باخوشی جائیداد تقسیم کر لی اور ہر ایک اپنے اپنے حصّہ کے قابض ہو گیا اسی کو خانگی تقسیم کہتے ہیں چند دنوں کے بعد سرکاری طور پر بٹوارہ کرنے کی کسی نے درخواست دے دی جس کو سرکاری بٹوارہ کہتے ہیں اور امین بٹوارہ نے آکر تقسیم شروع کی! اس میں بعض نے امین کو رشوت دے کر دوسرے شخص کی عمدہ زمین یا درخت یا اسامی اپنے نام لکھوا لیا اور اپنی خراب زمین وغیرہ اسی قدر اس کے نام کروا دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا کیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ مورث نے ایسا کیا ہو اور ورثاء کو اصل مالک کا پتہ بھی نہ ہو۔

الجواب

ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ تقسیم میں مساوات لازم ہے مقدار میں بھی کیفیت میں بھی۔ اگر مورث نے ایسا کیا ہو تو وارث کو چاہیئے کہ اپنی اصل زمین لے لے اور دوسرے کی واپس کر دے باقی اس کے مورث نے جو گناہ کیا اس کا یہ ذمہ دار نہیں اور اگر دوسرا شخص کچھ رقم بطور تاوان کے لے کر اسی سرکاری بٹوارہ پر راضی ہو جائے تو اس کو اس طرح یا کسی اور طرح راضی کر لیا جائے۔ الغرض دوسرے کی چیز پر بدون اس کی رضامندی کے قبضہ درست نہیں اور امین کی تبدیل قسمت پر طرفین اس شرط پر راضی تھے کہ اس کو رشوت دے کر فیصلہ نہ کرایا جائے جب اس کے خلاف کیا گیا تو تبدیل رضاء سے نہ ہوئی بلکہ غصباً ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ

بھائیوں کی مشترک کمائی سے منتظم بھائی نے مشترکہ جائیداد خریدی تو کیا سب میں برابر تقسیم ہو گی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں۔ تین بھائی ہیں ان کے معاملات سب مشترک ہیں۔ جائیداد و مکانات کھانا پینا اور سب اشیاء مشترک ہیں ان میں دو بھائی برسر روزگار ہیں اور ایک بیروزگار ہے اور گھر پہ رہتا ہے اور گھر کا اور جائیداد کا انتظام سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ باپ بھی ان کا اپنے روزگار سے روپیہ حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں بھائی بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب روپیہ منتظم بھائی کے ہاتھ سے گھر کی ضروریات میں علی سبیل الاشتراک خرچ ہوتا ہے اور اس مشترکہ آمدنی سے منتظم بھائی نے یہ مشورہ

باپ کچھ جائیداد بھی خریدی۔ کئی سال کے بعد اس منتظم بھائی کا لڑکا برسرِ روزگار ہو جاتا ہے اور اس کے روزگار سے اس کو زیادہ روپیہ حاصل ہوا وہ روپیہ بھی اسی طرح علی سبیل الاشتراک خانگی ضروریات میں خرچ ہوتا رہا۔ اور اس سے بھی منتظم بھائی نے جائیداد علی سبیل الاشتراک خریدی، اس کے روزگار ملنے کے دو تین سال بعد باپ کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے بعد بھی ان تینوں بھائیوں کے معاملات مشترک رہے۔ باپ کے مرنے کے بعد بھی منتظم بھائی نے کچھ جائیداد اور خریدی جس میں منتظم بھائی کے لڑکے کا روپیہ زیادہ خرچ ہوا اور باقی دو بھائیوں کا کم مگر یہ جائیداد بھی علی سبیل الاشتراک خریدی گئی۔ اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا روپیہ جائیداد کے خریدنے پر کم خرچ ہوا اور منتظم بھائی کے لڑکے کا حاصل کردہ روپیہ جائیداد پر زیادہ خرچ ہوا۔ تفصیل معلوم نہیں۔ اب یہ تینوں بھائی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں شریعت اور فقہ حنفی کے مطابق یہ جائیداد تینوں بھائیوں پر علی السویہ اور برابر تقسیم ہو گی یا منتظم بھائی کو زیادہ حصہ ملے گا اور کتنا زیادہ، کیونکہ اس کے لڑکے کا جائیداد خریدنے پر زیادہ روپیہ خرچ ہوا اور اگر کسی صورت سے معلوم ہو جائے کہ منتظم بھائی کے لڑکے کا روپیہ جائیداد کے خریدنے پر اتنا خرچ ہوا اور دونوں بھائیوں کا اتنا تو اس صورت میں یہ جائیداد کیسے تقسیم ہو گی۔ تینوں بھائیوں کو شرعاً مساوی حصہ ملے گا یا منتظم بھائی کو زیادہ غرض دونوں صورتوں کا حکم مفصل تحریر فرمایا جائے۔ یہاں لوگوں کا رواج تو یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تقسیم علی السویہ ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم حصہ ملے۔ بحوالہ کتب و صفحات جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

سئل فی اخوۃ خمسۃ تلقوا ترکۃ عن ابیہم فاخذوا فی الاکتساب والعمل فیہا جملۃ کل علی قدر استطاعتہ فی مدۃ معلومۃ فحصل الربح فی المدۃ فہل تکون الشرکۃ وما حصلوا بالکسب بینہم سویۃ وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرۃ وصوابا۔

الجواب نعم اذ کل واحد یعمل لنفسہ ولاخوتہ علی وجہ الشرکۃ واجاب خیر الرملی بقولہ ہو بینہم علی السویۃ حیث لا یمیز کسب ہذا من کسب ہذا ولا یختص احدہما بہ ولا بزیادۃ علی الآخر

اذا التفاوت ساقط طلقط الساقط، إذا اختلطا المتقطا الاخر مقال واحال
واحادواحاد، ص ۱۲ ج ۱ من تنقیح الفتاوی الحامدیہ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں یہ جائیداد تینوں بھائیوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگی جبکہ ہر بھائی نے اپنی کمائی کو دوسرے کے ساتھ مخلوط رکھا ممتاز نہیں کیا اور سب کا خرچ وغیرہ مشترک ہی چلتا رہا ہے تو اب تفاوت کو ساقط کیا جائے گا اور سب کو بحصہ مساوی شریک سمجھا جائے گا واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۸ رمضان ۳۰ھ

فصل فی المسائل الجدیدۃ المتعلقۃ بالشرکۃ والمضاربۃ

ایسی کمپنی میں شرکت کا حکم جس کے قواعد وضوابط خلاف شرع ہوں

سوال: باعث تصدیع یہ ہے کہ کتاب ہذا کمپنی لمیٹڈ میرٹھ جہت ملاحظہ بغرض فتویٰ ارسال خدمت ہے کہ آیا اس کی شرکت وخریداری خلاف شرع دنیا جائز ہے یا نہیں۔ اسی معروضہ کے نیچے کتاب ہذا پر فتویٰ مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اس کمپنی کے دفعات پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے بہت باتیں خلاف شرع نظر آئیں۔

مثلاً ۱۲ صفحہ میں جو انتقال حصص کے قواعد ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی ان حصص کے ساتھ بیع وشراء کا ایسا ہی معاملہ کرے گی جیسا کہ اعیان مبیعہ ومشتریہ کے ساتھ کیا جاتا ہے حالانکہ شرعاً حصہ قابل بیع وشراء نہیں۔ ۱۲ صفحہ ۱۳ میں حقیقت کی دفعہ ۳۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی حصہ کا مطالبہ پورا ادا نہیں کیا گیا (گو کسی قدر ادا ہو گیا) تو کمپنی کو اس حصہ پر پوری ملکیت حاصل ہے گویا کسی نے سو روپیہ میں شئے بیچے اور باقی ادا نہ کر سکا تو اپنے قاعدہ کے موافق ان پچیس روپیوں کی مالک کمپنی ہے حالانکہ یہ بالکل خلاف شرع ہے بلکہ اس صورت میں پورے مطالبہ سے کم رقم جو وصول ہوئی ہے وہ بیچنے والے کو واپس کرنا واجب ہے۔

اور ص۹ میں مطالبہ کی دفعہ ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حصہ دار مطالبہ سے پہلے پیشگی کچھ حصوں کی رقم ادا کرے گا تو کمپنی اس کو پیشگی مدت کا سود دے گی۔ یہ صریح سودی معاملہ ہے جس کو کوئی مسلمان جائز نہیں رکھ سکتا۔ اسی صفحہ کی دفعہ ۵۹ میں ضبطی حصص کے ماتحت حصہ داروں سے خرچ کے ساتھ سود حاصل کرنے کی تصریح ہے یہ بھی صریح حرام ہے۔
ص۱۱ میں اختیارات سنڈیکیٹ کے تحت دفعہ ۱۱ و ۱۲ میں ڈائریکٹران کو پچاس حصوں کا شریک بنا کر ان کو جلسہ کی شرکت کے وقت علاوہ سفر خرچ کے ۲۰ روپے دیا جانا لکھا ہے۔ اگر وہ شریک ہیں تو مثل دوسرے شرکاء کے ان کا حال ہونا چاہیئے ان کے ساتھ یہ خاص مراعات اس کو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ شریک بھی ہیں اور اجیر بھی ہیں اور شرعاً شریک کا اجیر ہونا درست نہیں۔ اسی طرح مینیجنگ ڈائریکٹر کو ص۱۲ میں پچاس حصوں کا شریک مان کر پانچ فیصدی منافع خاص سے اور ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھی شریک کو اجیر بنایا گیا ہے۔ یہ بالکل خلاف شرع ہے اسی طرح ص۱۲ میں دفعہ ۲ اختیارات مینیجنگ ڈائریکٹر میں لکھا ہے کہ اگر وہ تین سال کے اندر ملازمت چھوڑ دیں تو ان کے حصے جو کمپنی میں ہوں گے ضبط ہو جائیں گے یا پانچ ہزار روپے ہرجانہ دیں یہ ضبطی اور ہرجانہ دونوں خلاف شرع ہیں۔ شرعاً ملازم کو ہر وقت ملازمت چھوڑ دینے کا اختیار ہے۔ بہر حال یہ کمپنی بالکل یورپین طرز پر ہے جس میں حلال و حرام اور شریعت کا ذرا پاس نہیں کیا گیا مسلمانوں کو اس حالت میں اس کی شرکت حرام ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۵ محرم ۴۸ھ از تھانہ بھون

کتاب البیوع

فی المتفرقات

خون کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد اسی کی تجارت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک مقام شہر ساگر میں ایام سردی میں چار پانچ سو جانور ہر روز ذبح ہوتے ہیں۔ گائے بیل، بھینس وغیرہ۔ اس خون کا ٹھیکہ ایک مسلمان کے پاس ہے۔ اس خون کو ٹھیکہ دار اٹھا کر لے جاتے ہیں اور وہیں جا کر اس کو جلاتے ہیں وہ جل کر مثل خاک کے ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو ولایت فروخت کرنے کے لئے روانہ کرتے ہیں اس کا بیوپار مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ بیوپار جائز ہے۔

قال فی الدر: کما بطل بیع صبی لا یعقل و مجنون و بول ورجیع آدمی لم یغلب علیه التراب فلو مغلوبا به جاز کسرقین وبعر اھ

قال الشامی: والمراد انه یجوز بیعهما لو خالصین اھ وفی البحر عن السراج ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به۔

قال فی ط: ثم هذا ذکر واحکم دودة القرمز اما اذا کانت حیة فینبغی جریان الخلاف الآتی الی ان قال: وقد ذکر سیدی عبد الغنی النابلسی فی رسالة ان بیعها باطل وانه لا یضمن متلفها لانها غیر مال قلت وفیه انه من اعز الاموال الیوم ویصدق علیها تعریف المال المتقوم ویحتاج الیها الناس کثیرا فی الصباغ وغیره فینبغی جواز بیعها کبیع السرقین والعذرة المختلطة بالتراب فی ط قال: وسیأتی ان جواز البیع یدور مع حل الانتفاع وانه یجوز بیع العلق للحاجة مع انه من الهوام وبیعها باطل وکذا بیع الحیات للتداوی اھ قال الفقیه ابو اللیث ان کانت الاساکفة لا یجدون شعر الخنزیر الا بالشراء ینبغی

الا ان یجوز حصہ المشترا اھ (حاشیہ الہدایہ آخرین ص ۳۹)

ان اقوال کا مقتضا یہ ہے کہ اگر کسی وقت خون کی بھی قیمت عرفاً ہو جائے تو اس کی بیع دشراء صحیح ہے اور خون کی راکھ تو پاک ہے اس کی بیع صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس میں اشکال صرف اتنا ہے کہ خون فی نفسہ مباح الاصل ہے جس کا قبضہ پہلے اس پر ہو جائے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا تو جو چمار اس کو جمع کر کے لاتے ہیں وہ اس کے مالک ہو جاتے ہیں مگر درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مباح الاصل سے اجارہ اس شرط سے جائز ہے کہ کام کا وقت مقرر کر دیا جائے۔ اس صورت میں مزدور کی ملک میں وہ مباح داخل نہ ہوگا۔ استاجرہ لیصید لہ او یحتطب لہ فان وقت لذلک وقتاً جاز ذلک والا لا فلو لم یوقت وعین الحطب فسد اھ

قال الشامی: قولہ والا لا ای والحطب للعامل اھ (ص ۵۹ ج ۵)

لہٰذا چماروں کو جب اس کام کے لئے اجیر مقرر کیا جائے تو یہ لازم ہے کہ وقت کے موافق اجرت مقرر کی جائے البتہ اگر ذبح کے خون پر پہلے خود قبضہ کر لیا جائے اس کے بعد چماروں کو اس کے اٹھانے اور جلانے پر اس طرح اجیر مقرر کیا جائے کہ اگر اس مقدار معین خون کو تم اٹھالاؤ اور جلادو تو یہ اجرت ملے گی یہ صورت جائز ہے۔

قال فی الدر: الا اذا عین الحطب وھو ای الحطب ملکہ فیجوز لجعلہ الحطب لتعیین الوقت لا بسببہ (؟) اھ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۔۔ صفر ۔۔۔ ھ

سرکاری مویشی خانہ سے نیلام شدہ جانور خریدنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مانڈ یا اور کوئی جانور جو سرکاری مویشی خانہ میں داخل ہو کر نیلام ہوتے ہیں اس کا لینا جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنی ملک ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

سرکاری مویشی خانہ میں جو جانور فروخت ہوتے ہیں ان کا خریدنا جائز ہے۔ اور وہ خریدنے سے ملک میں بھی آجاتے ہیں۔

واللہ اعلم

خریدا ہوا بیل اگر قیمت ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو قیمت کی ادائیگی لازم ہے۔

سوال: زید نے عمر سے ایک بیل خریدا خریدتے وقت کہا کہ ایک مہینہ بعد روپیہ ادا کردوں گا۔ اس وقت ہاتھ میں بالکل روپیہ نہیں ہے۔ عمر نے بھی راضی ہو کر بیل زید کے حوالے کردیا چند روز کے بعد وہ بیل مرگیا اب وہ روپیہ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ مردہ چیز کا روپیہ لینا جائز نہیں۔ بحسب شریعت روپیہ دینا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے عمر سے بیل خرید لیا اور زید نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تو اب زید کے پاس ہلاک ہونے کے بعد زید کے ذمہ قیمت کا ادا کرنا واجب ہے اور یہ قیمت مردہ بیل کی نہیں مانگی جاتی بلکہ زندہ بیل کی مانگی جاتی ہے کیونکہ عمر نے تو اس وقت زندہ بیل دیا تھا۔

قال فی الهداية. واذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع ولا خيار لواحد منهما الا من عيب او عدم رؤية. (ج ۳/۲) وفيها ايضاً ولو قبض المشتري وهلك في يده في مدة الخيار ضمنه وفيها ايضاً فان هلك في يده هلك بالثمن وكذا اذا دخله عيب اھ (ج ۳/۵و۱۲) قلت اذا كان الحكم في الملك في الخيار فمع عدمه اولى

والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۴ صفر [illegible]ھ

ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں زیادتی کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ملک بنگالہ کشور گنج کے اطراف وجوانب میں یہ رواج ہے کہ جیٹھ اور اساڑھ کا مہینہ جو زمانہ تنگدستی کا ہے ہر کم قیمت کی چیز زیادہ قیمت سے کر فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً بازار میں چاولوں کا نرخ آٹھ یا دس روپیہ من ہے تو اگر وہ نقد ثمن پر فروخت کریں تو اتنے ہی نرخ پر اور اگر ادھار ثمن پر فروخت کریں تو دو تین مہینہ اجل مقرر کرکے آٹھ یا دس روپیہ من خرید وفروخت کرتے ہیں۔ خریدنے والا چونکہ مفلس اور پریشان ہے اس واسطے اتنے نقصان ہی پر قبول کرلیتا ہے۔ آیا یہ بیع بالاجل کی صورت ہوئی یا سلم کی صورت ہوئی یا اور کچھ اگر بیع بالاجل ہے تو ہدایہ میں استباحن عن الاجل

حرام لکھا ہے۔ کما فی کتاب الصلح۔

ولو كانت له ألف مؤجلة فصالحه على خمسمائة حالة لم يجز لأن المعجل خير من المؤجل وهو غير مستحق بالعقد فيكون بإزاء ما حطه عنه وذلك اعتياض عن الأجل فهو حرام۔ اور اگر صورت سلم کی ہے تو ہدایہ مع الکفایہ صفحہ ۵۳۱ مطبوعہ نولکشور میں ہے۔

والمراد بالموزونات غير الدراهم والدنانير لأنهما أثمان والمسلم فيه لابد أن يكون مثمنا فلا يصح السلم فيها

اور اسی صفحہ مرقومہ کے حاشیہ میں بالموزونات الخ ای التی یجوز السلم فیہا غير الدراهم والدنانير فإن أسلم فيها دراهم أو دنانير فالاتفاق أنه باطل وإن أسلم غيرها من العروض كحنطة أو ثوب في عشرة دراهم ودنانير فلا يصح بالاتفاق صورته أن يسلم عشرة أذرع من الكرباس وغيره في عشرة دراهم أو دنانير انتهى وفي فتاوى قاضيخان ولا يجوز في الدراهم والدنانير ولا يجوز الإسلام الحنطة في الدراهم المؤجلة عندنا وإذا لم يصح سلما قال عيسى يبطل العقد أصلا انتهى وقال شمس الأئمة السرخسي رحمه الله الصحيح ما قال عيسى الخ وفي تنوير الأبصار شراء الشئ اليسير بثمن غال لحاجة القرض يجوز ويكره فقط الخ۔

الجواب

قال في الخلاصة رجل باع شيئ على أنه بالنقد بكذا وبالنسية بكذا أو إلى شهر بكذا أو إلى شهرين بكذا لم يجز اھ (ج ۳/ ۶۰) وكذا في العالمگيرية (ج ۳/ ۸۰) وفي الهداية لأن الأجل شبها بالمبيع ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل وفي الحاشية نقلا عن العناية وما نحن فيه هو أن يقول أن أجلتني مدة كذا فثمنه يكون بزيادة مقدار فيثبت زيادة الثمن بالشرط (ج ۳/ ۵۸)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اجل کی وجہ سے ثمن زیادہ کرنا فی نفسہ جائز ہے مگر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بائع یوں کہے کہ اس چیز کی قیمت نقد ادا کی جائے تو ثمن یہ ہے اور ادھار ادا کی جائے تو ثمن یہ ہے اور مجلس عقد میں اس کا نقد یا نسیہ ہونا معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ بائع اول مشتری سے دریافت کرے کہ تو قیمت نقد دے گا یا ادھار۔ اگر وہ کہے کہ نقد ادا کروں گا تو اس سے کم قیمت بتلائے اور اگر کہے کہ میں ادھار لینا چاہتا ہوں تو اس سے قیمت زیادہ بیان کی جائے تو یہ صورت جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ رجب ۱۳۴۵ھ

شئی مشتبہ خریدنے کا حکم سوال: ایک مسلمان مگر غیر عادل عطر فروش نے ایک دوسرے کارخانے کے نام کی مہر سے میرے ہاتھ عطر فروخت کیا میں نے اس سے کہا کہ اگر یہ چوری کا ہوگا تو مواخذہ ہوگی۔ اس لئے اس کا وبال تم پر بھی ہوگا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں اس کا ذمہ دار ہوں یہ چوری کا نہیں ہے میں نے یہ سمجھا کہ اس نے مصنوعی مہر کارخانہ کی لگا رکھی ہے تاکہ دوم درجہ کے عطر کو اس مہر کی وجہ سے اول درجہ کا کہہ کر بیچ لے۔ آیا یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے۔

الجواب

عطر فروش کو دھوکہ دہی کا گناہ ہوگا مگر خریدار کو اس سے عطر خریدنا جائز ہے جبکہ چوری کا ظن غالب نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مشتری کی عدم موجودگی میں مبیع تولنے کا حکم سوال: ہمارے اس طرف رواج ہے کہ دوکاندار لوگ بیع ہونے کے قبل اور مشتری کی عدم موجودگی میں چینی اور نمک وغیرہ کے سیر بھر و آدھا سیر یا پاؤ کے پڑے تول کر کاغذ وغیرہ میں باندھ کر رکھ دیتے ہیں۔ پھر مشتری جا کر خرید کر کے بغیر تولے اٹھا لے آتا ہے۔ یہ بیع صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر خریدنے والا یہ کہہ کر چینی و نمک خریدتا ہے کہ مجھ کو پاؤ بھر یا آدھ سیر چینی وغیرہ دے دو اور بائع اس کہنے پر پاؤ بھر یا آدھ سیر کا پڑا اٹھا کر دے دیتا ہے اس صورت

میں خریدار کو دوبارہ وزن کرنا ضروری ہے بدون وزن کے استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر وزن کے ساتھ معاملہ نہیں ہوتا بلکہ خریدار یوں کہتا ہے کہ مجھ کو ایک یا دو آنہ والا پوڑا دے دو اور بائع اس کو اسی قیمت کا پوڑا دے دیتا ہے تو اس صورت میں بدون وزن کے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بازار سے پھلوں کی خریداری کا حکم جہاں اکثر بیع فاسد ہوتی ہے

سوال: عرض یہ ہے کہ پھل انبہ وغیرہ جو بازاروں میں بکتا ہے جس کی بیع کہیں باطل ہے کہیں فاسد ہے۔ دونوں بیع رل مل رہی ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ فاسد کس کی اور باطل کس کی ہے۔ ایسے پھل انبہ وغیرہ بازار سے خرید کر کھانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

فی الأشباہ ناقلاً عن القنیۃ من اکراھنہ غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اھل السوق لا تخلو عن الفساد فان کان الغالب ھو الحرام تنزہ عن شراءہ ولکن مع ھذا لو اشتراہ یطیب لہ وقال الشارح الحموی وجہہ ان کون الغالب فی السوق الحرام لا یستلزم کون مشتری حراما لجواز کونہ من الحلال المغلوب والأصل الحل اھ ملخصاً۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں بازاروں کی اکثر بیع وشراء فساد سے خالی نہ ہوں وہاں تقویٰ تو یہ ہے کہ ایسی اشیاء کی خرید سے بچے جن میں فساد غالب ہے اور اگر خریدے گا تو فتویٰ سے اس کا خریدنا جائز ہے مگر تقویٰ کے خلاف ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۲ ذی الحجہ ۴۳ھ

کیڑے کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ یہاں کے جنگلوں میں ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہے نہایت خوبصورت سبز رنگ کا جو کہ کاسس کیڑا اور سونا کیڑا کے نام سے مشہور ہے۔ گراں قیمت میں خرید و فروخت ہوتا ہے اس کی بڑی کمپنی کلکتہ میں ہے۔ یہ کس کام میں لگتا ہے یہاں کسی کو معلوم نہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کسی زندہ کیڑے کو مار کر خرید و فروخت کرنا کیسا ہے اور نیز احقر نے گیارہ سو روپے کا کیڑا خرید کیا ہے اب اس کو نفع میں فروخت کر سکتا ہوں۔

الجواب

یہ بیع درست ہے اور نفع بھی جائز ہے۔

قال فی الدر: وجوز ابو اللیث بیع العلق وبہ یفتی للحاجۃ مجتبی
قال العلامۃ الشامی: اقول العلق فی زماننا یحتاج الیہ للتداوی……
وحیث کان متمولاً لمجرد ذٰلک دل علیٰ جواز بیع دودۃ القرمز
فان تمولہا الآن اعظم اذ ھی من اعز الاموال ویباع منہا فی کل
سنۃ قناطیر بثمن عظیم لعلہا ھی المرادۃ بالعلق فی عبارۃ الذخیرۃ
لقرینۃ التعلیل فلا یکون مستثناۃ من بیع المیتۃ اھ (ج ۴/۱۴۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۸ صفر ۱۳۴۶ھ

مختلف اشیاء مثلاً تصویر، تاش، گنجفہ، کوٹ پتلون کی بیع کا حکم

سوال ۔ ملک افریقہ ضلع ناٹال میں تجارت و بیع بایں صورت ذیل ہوتا ہے۔

ایک بہت بڑی دوکان ہے جس میں مختلف اقسام کی جائز و ناجائز اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے مثلاً گندم، جوار، چاول وغیرہ پارچہ پوشیدنی میں ململ، خاصہ ریشم، بانات، الاخمیرو وغیرہ ساختہ و تیار شدہ، کوٹ پتلون، انگریزی ٹوپیاں وغیرہ۔ تیار شدہ اقسام خوردنی میں سے مثلاً گوشت بیل جس کی یہ کیفیت ہے کہ ٹین کے ایک سربمہر ڈبہ میں محفوظ ہوتا ہے اور اس بیل کے ذبح کرنے والا بظن غالب عیسائی المذہب شخص ہوتا ہے جو عقیدۃً دہریہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ گوشت پکا پکایا امریکہ سے آتا ہے جو سڑتا بستا نہیں واللہ اعلم کس چیز سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے کہ مدتوں خراب نہیں ہوتا لیکن جس وقت ڈبہ کھولا گوشت کو کھولا جاتا ہے تو سخت بدبو اور سڑاہندی آتی ہے۔ انگریزی مٹھائیاں بھی اس دوکان پر فروخت ہوتی ہیں جن میں سے بعض کے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ بیل کے سُم کی گوند (جیلٹن) ڈالا جاتا ہے اور بعض مٹھائیوں میں رنگ و خوشبو ڈالی جاتی ہے۔ اور اس رنگ و خوشبو میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے۔ ڈبل روٹی تیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک ڈبہ کی سطح اندرونی میں کچھ روغن ملتے ہیں۔ اس روغن میں شک ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ یہ وہ چربی ہو کہ جس جانور کا ذابح دہریہ ہوتا ہے اور یہ بھی وہم

بلکہ شک ہے کہ چربی خنزیر کی ہو۔ اس لیے کہ وہ ملک بالکل عیسائی المذہب دنیا سے باہر ہے۔ نیز ممکن ہے کہ اس روٹی کے تیار کرنے والے عیسائی المذہب یا لامذہب مشرک اشخاص ہوتے ہیں کیا اس روٹی کا کھانا درست یا تجارت درست ہے۔

ادویہ انگریزی اسٹاکس دوکان پر فروخت ہوتی ہیں جن میں سے بعض میں یقیناً شراب ہوتی ہے۔ بعض ظناً بعض میں شکاً بعض میں وہماً لہو ولعب کی اشیاء یعنی ربڑ کی گڑیاں بعینہٖ شکل آدمی کے مشابہ جو طول میں و عرض میں دو دو تین تین انچ کی اور بعض چار یا پانچ گرہ کی ہوتی ہیں یا دوسری لہو ولعب کی اشیاء باجے گاجے کو ممول رسی کھینچنے کی چیزیں جو بچے اکثر بجاتے کھیلتے ہیں۔ آتش بازی، تاش، گنجفہ، تصویریں، کوٹ پتلون پہننا مسلمانوں کو حرام ہے تو ان کی بیع بھی مسلمانوں کے ہاتھ حرام ہوگی۔ مگر غیر مسلم اشخاص کے ہاتھ ان کی بیع کی جائے تو کیا حکم ہے۔
علی ہذا القیاس اگر غیر مسلم اشخاص کے ہاتھ ایسی اشیاء کی بیع کی جائے جو بطور لباس اہل اسلام کو ناجائز ہے مثلاً تیار شدہ پارچہ زنانہ از نہایت باریک ریشم یا جالی کے یا لہنگے بنددار لباس یا دوسری اقوام غیر مسلم کا لباس یا لہو ولعب کی اشیاء کی بیع مثلاً تاش گنجفہ باجے گاجے وغیرہ۔

الجواب

(۱) نمبر اوّل کی بیع جائز ہے۔ (۲) ان اشیاء کی بیع بھی فی نفسہٖ جائز ہے کیونکہ ان اشیاء کا مسلمانوں کے لیے لبس حرام ہے اور بیع لبس کو مستلزم نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ان کو ہیئت بدل کر استعمال کرے فکان کبیع العصیر ممن یتخذہ خمرا وکبیع الأمرد ممن یتہم باللواط لیکن اگر ظن غالب ہو کہ خریدنے والا اسی ہیئت پر پہنے گا تو اعانت علی المعصیۃ کا بعض کے نزدیک گناہ ہوگا (۳) ان اشیاء کی بیع جائز نہیں بالکل حرام ہے (۴) جس مٹھائی میں بیل کے سم کا گوند ڈالا جاتا ہے اگر زندہ بیل یا ذبیحہ کا گوند ڈالا جاتا ہے اور اس گوند میں ناپاک خون کی آمیزش نہیں اور یہ گوند بحالت حیات میں بدون جانور کو زخمی کئے حاصل ہوتا ہے تو جائز ہے اور مردہ یا ذبیحہ کافر کا گوند ڈالا جاتا ہے تو حرام ہے۔ (۵) رنگ اور خوشبو جس میں اسپرٹ کی آمیزش ہے اگر وہ خمر اربعہ میں سے نہیں تو عموم بلوی کی وجہ سے پاک ہے ورنہ ناپاک ہے (۶) جب اس روغن میں ظن غالب یہ ہے کہ وہ ذبیحہ دہریہ کی چربی ہے تو اس کا کھانا حرام ہے اور بیع بھی حرام ہے۔

(۷) ادویہ انگریزی کی بابت بھی وہی جواب ہے جو رنگ و پڑیا کی بابت ہے جس کا حکم نمبر ۵ میں گذر چکا ہے۔ (۸) تصویر دار گڑیوں کی بیع حرام ہے (۹) باجے گاجے، ورزش کے کھلونے کی بیع جائز ہے کیونکہ حرمت اس کی ذات میں نہیں بلکہ فعل میں ہے اور جو تفصیل کرتے پتلون میں نمبر ۲ میں اوپر گذری ہے وہ یہاں بھی ہے۔ آتش بازی کی بیع بھی باجے گاجے کے حکم میں ہے اور تاش گنجفہ اور تصویروں کی بیع حرام ہے کیونکہ تاش گنجفہ بھی تصویروں سے خالی نہیں ہوتے۔ (۱۱) اس کا جواب نمبر دوم سے معلوم ہو گیا اور نصاری کے ہاتھ اس کا بیع کرنا جائز ہے لعدم علة التشبه في حقهم فكان بيعه لهم بيع الحلال لهم۔

(۱۲) اس لباس کی بیع جائز ہے۔ (۱۳) تصویر دار اشیاء کی بیع جائز نہیں نہ ایسی اشیاء کی جو کفار کی معبود ہیں۔ جیسے صلیب وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ محرم ۱۳۴۵ھ

ثمن خرید بیان کرنا اس وقت ضروری ہے جب کہ بیع مرابحہ و تولیہ کرے۔ دیگر میں ضروری نہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ تجار کی کیفیت تجارت میں یہ ہے کہ ایک تاجر و مالک دوکان کے تجارتی معاملات کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول بہت سا مال ایک بڑی دوکان سے قرض لاتا ہے۔ بوعدہ تین یا چھ ماہ بعدہ اپنے قبضہ میں مال لا کر لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ بعض کے ہاتھ نقد بعض کے ہاتھ قرض لیکن بیع کے قبل یا بعد یا مجلس بیع میں اس امر کا ہرگز ذکر نہیں آیا کہ یہ مال میں قرض لایا ہوں۔ حضرت اقدس نے بہشتی زیور میں حصہ پنجم میں نفع لے کر یا دام کے دام بیچنے کا بیان کے چوتھے مسئلہ میں اس صورت کو ناجائز فرمایا ہے۔ مزید براں بیشتر مشتری بوقت معاملہ بیع یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ یہ مال قرضہ کا لایا ہوا ہے بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ یہ مال تاجر کے نقد داموں کا خریدا ہوا ہے۔

الجواب

تاجر کو یہ بتلانا کہ میں نے یہ مال قرض خریدا ہے یا نقد اس وقت ضروری ہے جبکہ وہ خریدار سے یہ کہے کہ میں تم کو اپنی خرید پر دے رہا ہوں یا اپنی خرید پر اتنا نفع لے رہا ہوں

اور اگر خرید پر معاملہ نہ ہو تو بائع کو اس امر کے بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس نے نقد لیا تھا یا ادھار۔ (شامی ص ۱۵۳ ج ۴)

الغرض سائل کو بہشتی زیور سے یہ شبہ ہوا کہ نفع لے کر بیچنے میں مطلقاً خرید کے بیان کی ضرورت ہے حالانکہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بائع مشتری میں یہ بات طے ہو کہ اصل خرید پر معاملہ کیا جائے گا یا اصل خرید پر متعین مقدار نفع کی لے جائے گی تب یہ بتلانا ضروری ہے کہ اصل خرید نقد پر تھی یا ادھار پر۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

چرم قربانی قصاب کے ہاتھ فروخت کیا تو اس کی قیمت میں کمی بیشی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: عرض یہ ہے کہ قربانی کا چمڑا قصاب کو بقیمت دیا گیا اس چمڑے میں قصاب کو گھاٹا آیا اور ابھی تک چرم قربانی کی قیمت قصاب نے نہ دی تو اب اس سے کچھ روپیہ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ بائع کو چھوڑنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب

بیع وشراء میں بائع و مشتری کو ثمن میں سے کچھ کم کر دینے یا زیادہ کر دینے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے قربانی کرنے والے قصاب سے چمڑے کی قیمت کچھ کم کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ کمی اتنی کی جائے جتنی کہ تاجر اپنی اور چیزوں کی قیمت میں کمی گوارا کر لیا کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ یہ قیمت ہمارے تو کام نہ آئے گی غریبوں کو صدقہ کرنا پڑے گا بے پروائی کے ساتھ بہت زیادہ کمی نہ کریں کیونکہ اس میں فقراء کا حق تلف کرنا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲ صفر ۴۵ھ

غلط کتابوں کی تجارت کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ بندہ ایک کتب فروش اپنی اوقات بسری کے لئے ہر قسم کی کتابیں دینی و غیر دینی فروخت کرتا ہوں اور قرآن شریف ہر مطبع کا صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ بیوپاریوں کے لئے ہر قسم کی کتابیں اور قرآن صحیح غلط کم و بیش کی وجہ رکھنا پڑتا ہے ورنہ بیوپاری لوگ نہیں ٹھہرتے۔ فقط خوردہ بکری پر دوکان کا ڈبابہ ترقی نہیں کرپاتا اور نہ نفع معقول ہوتا ہے جس سے گزران اپنا ٹھیک چلے۔ لہذا عرض یہ

ہے کہ ایسی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو قرآن بہت غلط ہو اس کی بیع جائز نہیں بلکہ اس کا دفن کر دینا لازم ہے یا صحیح کر کے گھر میں رکھا جائے اور بیع کیا جائے اور جو کم غلط ہو یعنی اس میں اتنی قلیل غلطیاں ہوں جس سے تحرز دشوار ہے اور عرفاً بھی اس کو کم غلط سمجھا جاتا ہے اس کی بیع جائز ہے، ورنہ اس کو تجار معلوم کر سکتے ہیں کہ کون سا قرآن کم غلط ہے اور کون سا بہت غلط ہے۔

فان الغلط مثل القرآن الخلق الذی یتعذر منہ القراءۃ وبحث علی لزوم دفنہ فی العالمگیریۃ فی باب الحظر والاباحۃ وایضاً فعل عثمان یشہد لما قلنا فانہ أمر بالمصاحف التی نسخت قبل جمعہ بأن تغسل بالماء ثم تحرق زاجرا عن وقوع الناس فی الغلط صرح بہ الحافظ فی الفتح فی باب جمع القرآن۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ۴ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ

مملوکہ زمین میں جمع ہونے والی مچھلیوں کی بیع کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زمین کے ایک ٹکڑے نشیبی پر سرکاری لگان مقرر ہے اور ہمیشہ اس میں پانی رہ جاتا ہے۔ آبادی کا موقع نہیں ملتا۔ مالک کو بھاری لگان کی ادائیگی اپنی گرہ سے سخت نقصان ہے۔ طلباء اور حکام کی مدارات اس پر لازم ہے۔ اس نشیبی ٹکڑا مذکورہ میں مچھلی بہت جمع ہوتی ہے۔ راستہ آمد ورفت مچھلی کا بند ہے۔ ماہرین فن مچھلی کا اندازہ اور اپنے نفع کا خیال کر کے قیمت دینا منظور اور مچھلی کی بیع پر مجبور کرتے ہیں۔ مچھلی کی بیع فاسد یا باطل جائز ہے یا نہ؟ اور بصورت بیع اس کا زر ثمن حلال ہے یا نہیں؟ حکام اور طلباء پر اس زر ثمن سے صرف کرنا کس طرح ہے۔ اگر ناجائز ہے تو اس کے جواز کا کوئی حیلہ ہے؟ جس سے سرکاری معاملہ کا بوجھ مالک سے گر جائے۔ بحوالہ کتب فقہ حنفیہ مفصل طور پر سوال کا جواب مرحمت فرمایا جائے کہ عند اللہ آپ صاحبان ماجور و مثوب ہوں گے۔

الجواب

قال في الدر: وفسد بيع سمك لم يصد او صيد ثم ألقي في مكان
لا يؤخذ منه الا بحيلة للعجز عن التسليم وان اخذ بدونها صح وله
خيار الرؤية الا اذا دخل بنفسه ولم يسد مدخله فلو سده ملكه
اه قال الشامي والحاصل كما في الفتح انه اذا دخل السمك في حظيرة
فاما ان يعدها لذلك اولا ففي الاول يملكه وليس لاحد اخذه ثم
ان امكنه أخذه بلا حيلة جاز بيعه لأنه مملوك مقدور التسليم
والا لم يجز لعدم القدرة على التسليم وان كان مملوكاً (ج)
وفي الثاني لا يملكه فلا يجوز بيعه لعدم الملك الا ان يسد
الحظيرة اذا دخل فحينئذ يملكه ثم ان امكن اخذه بلا حيلة جاز
بيعه والا فلا وان لم يعدها لذلك لكنه أخذه وارسله فيها ملكه
ثم حكم البيع منوط على ما مر من اخذه بحيلة او بغير حيلة اهـ
بمعناه (ج ۴ / ۱۹۲)

خلاصہ یہ کہ اگر یہ زمین مچھلیوں کے جمع ہونے کے لئے مقرر کر لی گئی ہو تو مچھلیاں صاحب
زمین کی مملوک ہیں دوسروں کو پکڑنے کا حق نہیں اسی طرح اگر زمین اس لئے تیار تو نہ کی گئی
ہو مگر مچھلیوں کے دخول کے بعد نکلنے اور آنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہو تب بھی مالک زمین کی
مملوک ہیں یا راستہ بھی بند نہ کیا گیا ہو لیکن مالک زمین نے ان کو خود لا کر چھوڑا ہو جب بھی
مملوک ہیں، اور ہر صورت میں بیع کا حکم یہ ہے کہ اگر مچھلیاں بدون جال وغیرہ کے بہ آسانی پکڑی
جا سکیں تب تو پکڑنے سے پہلے بیع درست ہے ورنہ جائز نہیں جس صورت میں بیع جائز ہے اس
صورت میں ثمن حلال ہے ورنہ حلال نہیں جس کا تصدق غرباء پر واجب ہوگا اور لگان میں
بھی دے سکتا ہے اور ان مذکورہ صورتوں سے کوئی نہیں تو مچھلیاں مالک زمین کی مملوک نہ
ہوں گی اور ثمن کا خریداروں کو واپس کرنا واجب ہوگا۔ اس صورت میں بیع کرنا اور ثمن کا
لگان وغیرہ میں دینا کچھ جائز نہ ہوگا۔ عدم ملک اور عدم جواز بیع کی صورت میں حیلہ جواز یہ
ہے کہ مچھلیوں کو شکار کر کے بیع کیا جائے واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد ۱۶ جمادی الثانیہ ۴۳ھ

کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور وغیرہ فروخت ہوتے ہیں ان کا حکم

سوال: الہ آباد میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کانجی ہاؤس کا جانور خریدنا جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا بیع کا معقود میں نیابت ہوتی ہے استیلاء میں نیابت نہیں ہے بعد میں جو خیال مجھ کو ہوا وہ عرض کرتا ہوں اطمینان فرما دیجئے۔ وہ یہ کہ کانجی ہاؤس کو ملازم بحیثیت ملازم نہیں ہوتا بلکہ جیسے ملک پر حصول استیلاء فوج و ملازم سے ہوتا ہے ایسے یہاں بھی ہے اگر یہ نہیں ہے تو صورت کیا ہونی چاہیے جس سے استیلاء صحیح مانا جائے۔

الجواب

قال في البحر: وإنما حرم عليه أي على المستأمن التعرض لما لهم لأنه ضمن بالاستيمان أن لا يتعرض لهم، فالتعرض بعد ذلك يكون غدرًا والغدر حرام إلا إذا غدر بهم ملكهم فأخذ ماله أو حبسه أو فعل غيره بعلم الملك ولم يمنعه لأنهم هم الذين نقضوا العهد اهـ (ج ۵ ص ۹۹) ومثله في الهداية (ج ۲ ص ۵۰۲)

قلت دل على أن فعل غير الملك بعلمه وعدم منعه كفعله وفعل الملك موجب للاستيلاء فكذا فعل غيره بعلمه وعدم منعه وبأمره بالأولى۔ پس صورت مسئولہ میں کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور قانون حکومت کے موافق بیع ہوتے ہیں ان پر استیلاء متحقق ہے کیونکہ استیلاء ولاۃ بالفعل تک نہیں ہو سکتا فوج یا ملازمین ہی کے ذریعے سے اکثر ہوا کرتا ہے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۵ جمادی الثانیہ سنہ ۴۶ھ

بیعانہ کی رقم ضبط کر لینا ظلم اور غصب ہے

سوال: شہری رواج کے مطابق بغرض اظہار قطعیت معاملہ مشتری بطور بیعانہ کچھ رقم بیع کو قبل از ادائے کل رقم و قبض مبیع دیتا ہے جس کو عرفاً بیعانہ کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ اگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھتا ہے تو بیعانہ بائع مشتری کو واپس نہیں کرتا۔

الجواب

اطمینان کے لئے بیعانہ لینے یا دینے کا تو مضائقہ نہیں مگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھے تو زر بیعانہ کی واپسی واجب ہے اور اس کا دبا لینا ظلم اور غصب میں داخل ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ رجب سنہ ۱۳۴۳ھ

آڑھت کے معاملہ کا کیا حکم ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ آڑھت سے مال دوسری جگہ روانہ کیا جاتا ہے جس کے یہاں مال جاتا ہے وہ ہم کو ہی روپیہ فی سیکڑہ کمیشن دیتا ہے مگر فرمائش دہندہ سے یہ طے رہتا ہے کہ جتنے روپیہ کو مال خریدیں گے اس قدر قیمت لکھی جائے گی۔ اس کے اوپر ہم آڑھت سے فی سیکڑہ ... روپیہ لیں گے مگر ہمارے یہاں ایک دوسری بات یہ متعارف ہے کہ جو شخص کسی سے مال خریدے گا تو جس قیمت پر بیع وشراء ہوتی ہے اس سے ایک آنہ فی تھان وضع کرکے بائع کو قیمت دیتے ہیں اور یہ دستور بائع اور مشتری کو ہمیشہ سے معلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ بائع اس کو بُرا سمجھتا ہے بلکہ یہ رسم ہے جو قدیم سے چلی آ رہی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی رہتا ہے کہ اس بیع وشراء کو بائع اور مشتری سمجھتے ہیں کہ اس قیمت پر ہوئی ہے جو قیمت ایک آنہ فی تھان وضع کرلینے کی ہے۔ لہٰذا گذارش یہ ہے کہ اب اگر فرمائش دہندہ کو مال روانہ کیا جائے تو آیا وہ قیمت لکھی جائے گی جس پر بیع وشراء طے ہوئی ہے یا وہ قیمت جو ایک آنہ فی تھان وضع کرلینے کے بعد باقی رہتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر ایک آنہ فی تھان پہلے وضع کرکے بائع کو باقی قیمت دی جاتی ہے تو فرمائش دہندہ کو وہ قیمت لکھنی چاہیئے جو ایک آنہ فی تھان وضع کرلینے کے بعد باقی رہتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بائع کو پوری قیمت طے شدہ بدون ایک آنہ فی تھان وضع کرنے کے دے دی جائے اور پھر اس کے بعد ایک آنہ فی تھان بائع سے اپنے حق کا لے لیا جائے تو اس صورت میں فرمائش دہندہ کو وہ قیمت لکھنا جائز ہے جس پر بیع وشراء اول طے ہوئی تھی۔

والحاصل ان الدلال یأخذ اجرۃ دلالتہ فی ہذہ الصورۃ من البائع والمشتری کلیہما فلو عقد الدلال والبائع علی ثمن معلوم وادی الدلال الیہ ذلک الثمن بعینہ فتمّ البیع علیہ وجاز لہ ان یبیعہ مع المشتری الثانی مرابحۃ علی الثمن المذکور وما اخذہ بعد ذالک من البائع لم یکن حطًا من الثمن بل ہو اجر دلالتہ واذا لم یؤد الدلال الثمن کاملا بل حط منہ حقّہ اولا ثم ادی الیہ الباقی لم یکن جعلہ اجرا لانہ لم یدخل فی ملک البائع بعد بل ہو داخل فی الحط فیکون الثمن ہو المودی بعد الحط فلا یجوز بیعہ مرابحۃ علی الثمن الاوّل بل علی ما بقی بعد الحط۔ قال فی العالمگیریۃ واذا حط البائع عن المشتری بعض الثمن باعہ مرابحۃ بما بقی بعد الحط اھ (ج ۳ م/۹۲) قلت والحط انما یکون قبل تسلیم المشتری الثمن وقبض البائع ایاہ واما لو اعطاہ شیئًا بعد تسلیم الثمن فلا یجعل حطا بل ہبۃ او اجرًا علی حدۃٍ

اور احوط یہ ہے کہ فریاٹشن دہندہ کو اطلاع کر دی جائے کہ جو قیمت تم کو لکھی جاتی ہے اس میں ایک آنہ فی تھان ہمارا حق بھی شامل ہے اور تم سے فی سیکڑہ اس مجموعی قیمت پر لیا جائے گا اس کے بعد اگر وہ راضی ہو اور اس کو منظور کرے تو پھر کچھ شبہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۲ رجب ۱۳۴۳ھ

حکم نقد و ادھار متفرق نرخ سے بیچنا درست ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں کہ بازار میں اناج مثلاً نقد فی من چار روپیہ کے حساب سے فروخت ہوتا ہے کوئی شخص ادھار پر پانچ روپیہ فی من کے حساب سے دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے

۲۔ نیز دونوں نرخ ایک ہی آدمی نے جاری کر رکھے ہیں۔ نقد والا کوئی آتا ہے تو چار روپیہ فی من کے حساب سے اور ادھار والا آتا ہے تو پانچ روپیہ کے حساب سے دیتا ہے کیا اس کو دونوں نرخ ایک وقت میں جاری کرنے جائز ہیں؟

۳۔ ادھار پر گراں نرخ لگانا سود تو نہیں؟

۴۔ اگر یہ معاملہ جائز ہے تو دینے والے کو خلاف مروت کا گناہ تو نہیں؟

الجواب

۱۔ ادھار اور نقد کی قیمت میں فرق کرنا جائز ہے قال فی رد المحتار الا تری أنه یزاد فی الثمن لأجله اذا ذکر الأجل (ج ۴/۲۴۵)

ذکروا فی موضع الاستدلال فاشعر بجوازه البتہ یہ ضروری ہے کہ اوّل مشتری سے طے کر لیا جائے کہ نقد لیتے ہو یا ادھار اگر نقد لینے کو کہے تو اس کے مناسب دام بتا دے اور اگر ادھار کہے تو اس کے مناسب دام ٹھہرائے۔ ہاں یوں نہ کہے کہ ابھی دام دو تو یہ ثمن ہے اور پھر وہ زبان سے کچھ نہ کہے اسی طرح معاملہ ہو جائے تو اس صورت میں جہالت ثمن کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔

قال فی الخلاصة رجل باع شیئاً علی أنه بالنقد بکذا و بالنسیئة بکذا أو إلی شهر بکذا أو إلی شهرین بکذا لم یجز (ج ۳/۴۰) ذکره فی باب جهالة الثمن۔

۲۔ کچھ حرج نہیں بشرطیکہ موافق صورت مذکورہ بالا کے معاملہ کیا جائے۔

۳۔ نہیں (۴) گناہ تو نہیں ہے مروّت کے خلاف ہے۔ بشرطیکہ ادھار سے اس کو تنگی نہ ہو اور ادھار دینے کی وسعت ہو۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۵ رجب سنہ ۴۳ھ

قرض کی رقم سے کوئی چیز خریدی تو مشتری مالک ہوگا یا قرض دہندہ

سوال: میرے بہنوئی مولوی بنیاد علی مرحوم کی زوجہ ثانی نے جو میری بہن ہیں کچھ روپیہ بطور امانت میرے پاس رکھا ہوا تھا ضلع میں جب آٹا پیسنے کی مشین آئی اور اس میں نفع بہت دیکھا گیا تو میں نے اپنے بہنوئی مولوی بنیاد علی صاحب سے کہا اگر ہمارے پاس روپیہ ہوتا تو ہم بھی ایک ایسی مشین لاتے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو روپیہ تمہارے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہے اس میں سے جس قدر روپیہ کا انجن لے خرید لو اور جو کچھ نفع ہو اس میں سے میری زوجہ مسماۃ بشیر النساء کا یہ روپیہ جو بطور قرض ہے ادا کر دیجیو۔ چنانچہ میں نے اس روپیہ کا انجن خرید لیا۔ میرے بہنوئی نے اس انجن کے نصف منافع میں اپنے لڑکے منظور عزیز کو جو مسماۃ بشیر النساء کا سوتیلا لڑکا ہے شریک کر دیا اور یہ بات مسماۃ کے علم میں آگئی

مجھ پر اعتماد تھا۔ میرے بہنوئی مولوی جنید علی کا انتقال ہوگیا مگر میں نے انجن کی آمدنی سے کل
قرضہ مسماۃ مذکورہ کو ادا کر دیا۔ بعد ادائیگی قرضہ جو کچھ نفع ہوا اس کو میں اور میرا بھانجہ نصف نصف
تقسیم کرتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ اب وہ انجن فروخت ہوگیا۔ اس کے نصف کا قاعدۂ شرعی
سے میں مالک ہوں یا نہیں۔ اگر مالک نہیں ہوں تو جو کچھ منافع بادائیگی قرض میں میں نے صرف
کیا ہے اس کا میں مستحق ہوں یا نہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

صورت مذکورہ میں سائل نے جو رقم انجن میں لگائی ہے وہ بطور قرض لے کر لگائی ہے
لہٰذا انجن سائل کی ملک ہوا اور اس کے منافع کا پورا مالک سائل ہوا۔ اب اس کے بعد جو
مالکِ رقم کے بیٹے کو منافع میں شریک کیا گیا ہے اگر شرکت کے وقت یہ تصریح کر دی گئی
تھی کہ یہ رقم قرض نہیں رہی بلکہ مسماۃ کی طرف سے سائل کو بطور مضاربت کے دی گئی ہے
اور سائل نے اس کو منظور کر لیا اور منافع میں سائل کے ساتھ اس کا بھانجہ مضاربت کی وجہ
سے شریک کیا گیا ہے تو یہ انجن صاحب رقم کی ملک ہوگیا مگر اس صورت میں مضاربت کے
تمام احکام کی رعایت ضروری ہے لہٰذا یہ بتلایا جاوے کہ صاحب رقم کے لڑکے کو کیا کہہ کر
شریک کیا گیا تھا اور کس وقت کس طرح معاملہ کیا گیا تھا اور اگر اس کی تصریح نہیں کی
گئی تو بھانجہ کو نصف منافع میں شریک کرنا درست نہیں ہوا بلکہ انجن اور منافع سب کا سب
سائل کی ملک تھے اور اس کے ذمہ صرف قرض کی رقم کا ادا کرنا لازم تھا۔ ہذا واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ شوال [illegible]ھ

آڑھت کی ایک صورت کا حکم سوال: یہاں دستور ہے کہ بیوپاری کو سو کا مال خریدتے
ہیں اور بیوپاری سے دو روپیہ سیکڑہ بطور اجرت لیتے ہیں اس کو عرف میں آڑھت
کہتے ہیں اگر اس طرح مثلاً بکر نے زید تاجر کو پانچ سو روپے دیئے اور زید تاجر
سے کہہ دیا کہ تم بنارس میں جا کر مال خود خرید لینا اور ہم کو دو روپیہ کے حساب سے
دس روپیہ آڑھت کے دے دینا بقیہ مال بیچنے کے بعد ہمارا پانچ سو اصل اور دس
آڑھت کا یعنی پانچ سو دس (۵۱۰) روپیہ ادا کر دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے آڑھت کی اجرت لینا اس وقت جائز ہے جبکہ آڑھتی نے بیوپاری کو مال خرید کردلایا ہو اور بیوپاری نے مال کی قیمت خود ادا کی ہو خواہ اپنے مال سے یا کسی سے قرض لے کر لیکن جبکہ آڑھتی نے بیوپاری کو مال خرید کر نہیں دیا بلکہ اپنے پاس سے روپیہ دے دیئے کہ اس کا مال خرید لینا اس صورت میں آڑھت کے نام سے دس روپیہ پانچ سو کے علاوہ زائد لینا سود ہے جو جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۳ شعبان سنہ ۹۳ھ

والد کی زندگی میں بیٹے کا سوال: عمرو نے اپنے والد کی حیات میں زید کے سرمائے سے اپنے نام جائیداد خریدنا ایک مکان اور کچھ جائیداد صحراء کی اپنے نام سے خرید کی لیکن مرحوم نے کوئی تعرض نہیں کیا نہ اپنے نام منتقل کرایا۔ جائیداد مذکورہ پر ۹ سال تک زید مرحوم ہی قابض و متصرف رہے اور اس کی آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتے رہے۔

الجواب

عمرو نے جو زمین اپنے والد کی حیات میں اپنے نام سے خریدی ہے اور باپ نے اس سے تعرض نہیں کیا اور نہ اپنے نام داخل کرایا اور نہ انتقال رکھی کا مطالبہ کیا اور نہ کوئی ثبوت اس امر کا ہے کہ عمرو کے نام فرضی بیعانہ کسی مصلحت سے کیا گیا اور نہ اصل بیع و شراء زید کے لئے تھی تو اس صورت میں وہ زمین عمرو ہی کی قرار دی جائے گی اور باپ کا اس کی آمدنی میں تصرف کرتا رہنا علامت ملک والد نہ ہوگی کیونکہ اس کا مبنی اشتراک مصارف و اختلاط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: نقلاً عن البزازیۃ والوالجیہ وعبارتہا رجل تصرف زماناً فی ارض ورجل آخر رأی الأرض والتصرف ولم یدع ومات علی ذالک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولدہ فتترک فی ید المتصرف لأن الحال شاھد اھ (ج ۲/۱۴) قلت وشراء علی اسمہ

تصرف قوی وکذا الادخال والاخراج علی اسمه وأداء خراج الحکومة
وغیرها من لوازم البیع باسمه۔ والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۵ شعبان المعظم سنہ [illegible]ھ

گندم کی تجارت کے مختلف مسائل

سوال: مسئلہ مندرجہ میں میری رہبری فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ سائل گندم کی تجارت کرنا چاہتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ منڈی یا پوڑ میں گندم کی خریداری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص غلہ کو جو بائع کا ہوتا ہے خرید کرنا چاہے تو کچھ روپیہ بطور بیعانہ دے کر خرید سکتا ہے لیکن مشتری کو بقیہ رقم کا سود مال کے وصول کرنے یا فروخت کرنے تک کا دینا پڑتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر غلہ موجودہ خرید نہ کیا جائے بلکہ جو ریٹ (بھاؤ) آئندہ مہینوں کا منڈی کی جانب سے شائع ہوتا ہے مثلاً اس طور سے کہ آئندہ ماہ شروع ساڑھے سے پانچ روپیہ من کا ریٹ شائع ہوا۔ اگر اس ریٹ پر کوئی شخص خریداری کرتا ہے تو اس کو پچیس من کی خریداری پر دو سو روپیہ بطور بیعانہ دینے پڑتے ہیں اور ایک ماہ دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ مشتری اس مہلت کے اندر اندر بقیہ روپیہ دے کر اپنے مال کو وصول کرے یا فروخت کرنے کی اجازت دے دے۔ اس صورت میں نفع ونقصان کا تعلق صرف مشتری سے ہوتا ہے ورنہ بعد انقضاء میعاد یا استثناء سابقہ مہلت بقیہ رقم کا سود دینا پڑتا ہے۔ اور مال حسب رواج دونوں صورتوں میں بائع کے پاس رہتا ہے لیکن مشتری کو اختیار ہے کہ خریداری کے بعد کسی دوسری جگہ کل روپیہ ادا کر کے منتقل کر دے لہذا التماس ہے کہ ایسی تجارت شرعاً جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو کیا صورت ہے؟

الجواب

ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت جائز ہے بشرطیکہ دو ماہ کی میعاد کے اندر مشتری اپنا مال وصول کر لے اور بیع خود طے کرے تاکہ انقضاء میعاد کے بعد سود نہ دینا پڑے اور اگر اس طرح دو ماہ کے اندر مشتری مال مذکور کو خود بیع نہ کر سکے بلکہ منڈی والوں کے ذریعے سے فروخت کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک دفعہ مال مذکور کو اپنے سامنے وزن

کرا کے اس پر قبضہ کرلے پھر منڈی والوں کو اس کی فروخت کا وکیل بنا دے بدون اس کے منڈی والوں کے ذریعے فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

لعدم دخول المبيع في ضمان المشتري قبل القبض بل هو باق في ضمان البائع فلا يصح توكيل المشتري إياه فكانه وكل البائع في بيع ماله فلذلك لا يجوز والله أعلم. قال في البحر وأما أمره للبائع بفعل شيء قبل القبض إلى أن قال وكذا البيع على ثلاثة أوجه فإن قال بعه لنفسك فباعه انفسخ ولو قال بعه لي لا يجوز البيع ولا ينفسخ ولو قال بعه ممن شئت فباعه انفسخ وجاز البيع الثاني للمأمور في قول محمد وقال أبو حنيفة لا يكون فسخا لقوله بعه لي ولو اشترى ثوبا أو حنطة فقال للبائع بعه قال الإمام الفضلي إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخا وإن لم يقل البائع نعم لأن المشتري ينفرد بالفسخ في خيار الرؤية وإن قال بعه لي أو كن وكيلا في البيع فما لم يقبل البائع ولم يقل نعم لا يكون فسخا وإن كان بعد القبض والرؤية لا يكون فسخا ويكون وكيلا بالبيع سواء قال بعه أو بعه لي اهـ (ج ٥/٣٠٠) والله أعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ ذی القعدہ [illegible]

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فی الحال بازار میں ۵ روپے من دھان ملتا ہے۔ بہت سے لوگ ۵ روپیہ من دھان اس شرط پر قرض دیتے ہیں کہ اس وقت دھان لے لو ۲ ۳ مہینے کے بعد صرف دس روپیہ دینا پڑے گا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر یوں کہا کہ نقد پانچ روپیہ کے عوض بیچتا ہوں اور ادھار دس کے عوض تو جائز نہیں۔ اور اگر بدون نقد و ادھار کی قیمت الگ الگ بیان کئے پانچ کا مال دس میں فروخت

کیا تو جائز ہے۔

فی العالمگیریة: رجلٌ باع علیٰ أنه بالنقد بکذا وبالنسیئة بکذا أو إلی شهر بکذا وإلی شهرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصة انتهی جلد ثالث ص ۱۳۵ مطبوعہ نولکشوری۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ شوال سنہ ۱۳۴۳ھ

بغرض تجارت سیاہ خضاب بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے!

سوال: بغرض تجارت سیاہ خضاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

تجارت کے لئے سیاہ خضاب بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے لأن الحرمة لیست بقائمة بعینه وانما الحرمة فی الاستعمال اذا استعمله خادعًا ومن شاب قبل أوان الشیب أو خضب لإذهاب العدو فی الحرب یجوز له الخضاب بالسواد کما صرح به فی الهندیة وغیرها۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۵ رجب سنہ ۱۳۴۴ھ

خنزیر کے علاوہ دوسرے محرم حیوانات کی بیع کا حکم

سوال: جو چیز نجس عین نہ ہو اس کو بیچ کر کھانا مسلمان کے لئے جائز ہوگا یا نہیں جیسے مینڈک یا کیکڑے یا بعض دریائی جانور جیسے کچھوے وغیرہ جواب شافی وکافی مطلوب ہے۔

الجواب

قال فی الدر: ویباع دود القز وبیضه والنحل المحرز عند محمد وبه قالت الثلاثة وبه یفتی عینی وابن ملک وجوّز ابو اللیث بیع العلق وبه یفتی للحاجة مجتبی بخلاف غیرهما من الهوام فلا یجوز اتفاقًا کحیات وضب ومافی البحر کسرطان الا السمک وما جاز الانتفاع الا بجلده

او عظمه والحاصل ان جواز البیع یدور مع حل الانتفاع مجتبیٰ واعتمده المصنف اھ قال الشامی قوله بحیات فی الحاوی الزاهدی یجوز بیع الحیات اذا کان ینتفع بها الادویة ومالا یجوز الانتفاع بجلده او عظمه ای من حیوانات البحر اوغیرها قال فی الحاوی ولا یجوز بیع الهوام کالحیة والفارة والوزغة والضب والسلحفاة والقنفذ وکل مالا ینتفع به الا بجلده وبیع غیر السمك من دواب البحر ان کان له ثمن کالسقنقور وجلود الخز ونحوها یجوز والا فلا کالضفدع والسرطان وقال قبله ویبطل بیع الاسد والذئب وسائر الهوام والحشرات ولا یضمن متلفها اھ ولکن فی الخانیة بیع الکلب المعلم عندنا جائز وکذا السنور وسباع الوحش والطیر جائز معلمًا او غیر معلم وبیع الفیل جائز وفی القرد روایتان عن ابی حنیفة اھ ونقل السائحانی عن الهندیة ویجوز بیع سائر الحیوانات سوی الخنزیر وهو المختار وعلیه مشی فی الهدایة اھ (ج ۴/۱۶۲)

جس جگہ مینڈک اور کیکڑے کی قیمت ہو اسی طرح جو دریائی جانور بازار میں عام طور سے قیمتی شمار ہوتے ہیں وہاں ان کی بیع جائز ہے اور ثمن حلال ہے اور جس جگہ یہ چیزیں قیمتی نہ ہوں نہ ان کو عام طور بیچا جاتا ہو وہاں ان کی بیع درست نہیں۔

قلت وهذا محمل مافی الهندیة عن جواز بیع سائر الحیوانات سوی الخنزیر عندی ای اذا کانت لها قیمة. واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد

از تھانہ بھون ۸ شعبان ۱۳۴۸ھ

حکم زر بیعانہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائیداد فروخت کے لئے نکالی مشتری سے زر ثمن طے ہوگیا اور بیع نامہ رجسٹری ہونے سے قبل مبلغ ڈیڑھ ہزار روپیہ بابت زر ثمن بطور پیشگی اور مبلغ ڈیڑھ سو روپیہ بابت بیعانہ بائع کو دے دیا اور پیشگی معاہدہ کے لئے مشتری نے ایک اقرار نامہ تحریر بایں مضمون کہ اگر میں طے شدہ قیمت پر جائیداد مذکورہ نہ خریدوں تو مبلغ مذکورہ جو بائع کو

دے چکا ہوں اس سے دستبردار ہو جاؤں گا اور مشتری نے ایک تحریر اسی معاہدہ کی تکمیل کے لئے بائع سے بھی کرالی کہ اگر بائع اس قیمت پر جائیداد فروخت نہ کرے تو بذریعہ حاکم وقت جائیداد کا بیع نامہ رجسٹری کرالے۔ واضح رہے کہ مشتری کو اس معاہدہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس جائیداد کے خریدار اور چند اشخاص بھی موجود تھے۔ منجملہ ان کے بائع کا ایک مہاجن تھا جس سے ایک مدت سے روپیہ کا لین دین جاری تھا۔ اس مہاجن سے بھی بائع اس مضمون کا ایک اقرار نامہ تحریر کیا تھا مگر مشتری مذکور چونکہ اس سے زیادہ قیمت پر خریدتا تھا اس لئے بائع نے مہاجن مذکور کی رضامندی سے اس معاہدہ کو فسخ کر دیا۔ اس کے بعد مشتری مذکور کو وکلاء و کاغذات عدالت سے تحقیق ہوا کہ وہ جائیداد وقف ہے جس کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اس لیے مشتری نے جائیداد مذکور کے خریدنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے بائع کے حسب ذیل چند نقصان ہو گئے۔

اولاً: قدیم مہاجن جس سے اس جائیداد کی بابت ایک اقرار نامہ ہو چکا تھا اس سے معاملہ لین دین میں تخفیف کا وعدہ تھا بشرطیکہ جائیداد مہاجن کے ہاتھ فروخت کرے۔ اس صورت میں وہ منفعت فوت ہو گئی۔

ثانیاً: وہ ڈیڑھ ہزار روپے بائع نے اپنی حسب خواہش جائیداد خریدنے کے لئے کچھ متفرق لوگوں کو بطور بیعانہ دے دیا تھا اور کچھ اپنے بعض تصرفات میں لے آیا۔

ثالثاً: فروخت جائیداد سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو گیا اور اس سے مالی نفع بھی مفقود ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں وہ ڈیڑھ ہزار روپیہ جو مشتری مذکور نے بائع کو دیا تھا اور جس کو بائع زید نے تصرف میں لا چکا ہے وہ شرعاً زید کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب

بیعانہ ڈیڑھ ہزار روپے جو بائع نے مشتری سے لیا اور اس کو صرف کر دیا یہ رقم بائع کے ذمہ مشتری کو واپس کرنا واجب و لازم ہے اور مشتری کے اس لکھنے سے کہ اگر میں زمین نہ خریدوں تو مبلغ مذکور رسے جو بائع کو دے چکا ہوں دست بردار ہو جاؤں گا" یہ رقم بائع کی ملک نہیں ہوئی کیونکہ دست برداری اعیان سے شرعاً لغو ہے۔ دستبرداری دین سے ہوا کرتی ہے اور اس کی بھی تعلیق صحیح نہیں۔ فقد صرحوا بعدم جواز الابراء عن الاعیان

وعدم صحت تعلیق اور جو نقصانات بائع نے ظاہر کئے ہیں وہ سب لغو ہیں کیونکہ شرعاً مشتری کو بعد خریدنے کے بھی یہ حق ہوتا ہے کہ اگر مبیع میں کوئی عیب نکلے تو مبیع کو واپس کرکے اپنا ثمن لے لے یا نقصان عیب لے لے۔ پس جائیداد کا وقف ہونا ایک عیب تھا جس کی وجہ سے مشتری بعد بیع دختراد کے بھی بیع کو واپس کر سکتا تھا اور قبل از بیع تو اس کو یہ حق ضرور ہے پس بائع کے ذمہ زر بیعانہ کا واپس کرنا واجب ہے۔

اور سوال میں یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ بائع نے جو مشتری کو دھوکا دیا کہ زمین وقف کو اس کے ہاتھ بیع کرنے لگا اور اس کا وقف ہونا ظاہر نہ کیا اور دھوکے سے مشتری سے زر بیعانہ وصول کر لیا وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ فقط۔ ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۴ شعبان ۵۲ھ

خریداری کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے پر منافع لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک قطعہ مکان واقع شہر سلطان پور میں فروخت ہو رہا تھا جس کی خریداری کے لئے زید نے بکر و عمر سے تذکرہ کیا تھا کہ یہ مکان ہم کو خرید دیا جائے۔ اس کے کئی روز بعد بکر نے عمر سے یہ کہا مکان جو فروخت ہو رہا ہے مالک مکان شہر سلطان پور سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر رہتے ہیں اس کی خریداری کے لئے چلنا چاہیے۔ بکر کے کہنے کے موافق عمر بھی تیار ہو گیا اور بکر کے خرچ سے بکر و عمر دونوں مالک مکان کے پاس پہنچ کر بات چیت خریداری مکان متذکرہ کر کے آٹھ سو روپیہ پر بکر نے طے کیا اور اپنا پچیس روپیہ بکر نے دے کر بیعانہ کی رسید مالک مکان سے حاصل کی اور فیما بین یہ طے پایا کہ کل شہر سلطان پور دفتر رجسٹری میں جا کر بعد تکمیل بیعنامہ روپیہ دے دیا جائے گا۔ چنانچہ بموجب وعدہ مالک مکان آئے اور فروختگی مکان کی خبر زید کو بھی ہوئی۔ زید نے بکر سے کہا کہ اس مکان کے لئے میں نے آپ سے اور عمر سے تذکرہ کیا تھا کہ مکان مجھے خرید دیا جاوے۔ اس پر بکر نے زید سے کہا آٹھ سو روپیہ پر میں نے اس مکان کو طے کیا اور پچیس روپیہ بیعانہ دیا ہے اب ایک ہزار پچیس روپیہ اس تفصیل کے ساتھ کہ آٹھ سو روپے قیمت مکان دو سو روپیہ منافع اور پچیس روپیہ بابت خرچ رجسٹری وغیرہ دینا ہوگا۔ اس پر زید نے ایک ہزار پچیس روپیہ بکر کو دیا اور اس روپیہ میں سے بکر نے مالک مکان کو پورے آٹھ سو چھپیہ

دے دیئے۔ اور پچیس روپیہ جو بکر نے بیعانہ کا دیا تھا اس کو لے لیا اور پچیس روپیہ رجسٹری وغیرہ میں خرچ کیا۔ بیعنامہ بنام زید مالک مکان سے تحریر کرا دیا اور مبلغ دو سو روپیہ منافع بکر نے لے لیا ایسی حالت میں رقم منافع دو سو روپیہ کا لینا بکر کو جائز ہے کہ نہیں۔ جناب مولانا صاحب زید مجدکم دو سو روپیہ مذکورہ بالا کی بابت زید نے بکر پر دعوی عدالت دیوانی میں دائر کر رکھا ہے جس کی تاریخ پیشی ۱۳ فروری ۱۹۴۰ء مقرر ہوئی ہے۔ لہٰذا التماس ہے کہ شرع شریف کے موافق معاملہ کا حکم مرحمت فرمادیں۔ قبل تاریخ پیشی متذکرہ صدر جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

صورت سوال سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ جس وقت بکر نے زید سے یہ کہا کہ آٹھ سو روپیہ پر میں نے اس مکان کو طے کیا ہے اور پچیس بیعانہ دیا ہے۔ اب ایک ہزار پچیس روپیہ آپ کو دینا ہوگا۔ الخ اس وقت تک بکر اور مالک مکان میں باہم زبانی ایجاب وقبول تام نہ ہوا تھا جس سے شرعی طور پر بیع کا تحقق ہو جاتا اگر ہماری یہ فہم صحیح ہے تو چونکہ یہ مکان اس وقت تک بکر کی ملک نہیں ہوا تھا اس لئے اس مکان کی خریداری کو زید کی طرف منتقل کرنے پر جو اس نے زید سے ۲۰۰ روپے منافع لیا یہ بالکل ناحق بلا استحقاق ہے جو شرعًا اس کے لئے جائز نہیں۔

اور اگر یہ مفہوم سوال صحیح نہیں جو ہم نے سمجھا ہے تو صحیح مفہوم سوال متعین کر کے دوبارہ سوال کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۴ شعبان [illegible]ھ

سوال: شخصے قطعہ زمین خریدہ بود چوں قیمت زمین -/۲۵ روپیہ متعین شدہ بود بائع گفت اگر من آئندہ قیمت معینہ زمین باز توام داد	واپسی کی شرط اگر عقد بیع میں نہیں لگائی تو مشتری کے ذمہ مبیع کا ثمن اول پر واپس بائع کے ہاتھ فروخت کرنا لازم نہیں

زمین مرا باز دہی۔ مشتری گفت این شرط فاسد است قبول نمی کنم چرا کہ بیع درست نمی شود۔ مگر بہرحال بائع مہر ورزید گفت اگر تو گرفتن توانی تو دست بدین قیمت کہ من گیرم خواہم فروخت این در بیع شرط نیست واین بدین خیال گفت شاید کہ آئندہ قیمت

این زمین زیادہ نہ گردد یا اگر قیمت قدرے زیادہ شود تاہم بدان قیمت وادن مرا چندان نقصان نخواہد شد بدین سخن بیع گردید پس رفتہ رفتہ قیمت آن زمین زیادہ شدن گرفت بائع نتوانست گرفت بعدہ در عرصۂ نہ سال قیمت آن زمین چنان زائد گردید کہ در زمین کسے نبود یعنی بجائے ۲۵ قیمت آن زمین ۱۲۵۵ روپیہ گردید۔ اکنون مشتری را اشد ضرورت افتاد کہ آن زمین را بفروشد بائع اوّل فرصت را غنیمت داند او پندا شت کہ اگر اکنون در ۲۵ روپیہ گیرم مرا بسیار نفع شود چرا کہ اگر اندک زمین از خود بفروشم اتاں چہار ضعف زمین از مشتری اوّل توانم گرفت یا اگر ۲۵ روپیہ قرض کردہ گیرم از زراعت آن زمین قرض بخوبی ادا توانم کرد اگر قیمت زمین این قدر زیادہ نگشتے بائع اوّل بگرفتن ہرگز ہمت نہ کردے) لہٰذا بائع اوّل گریستہ میگوید زمین من خواہم گرفت مرا در ۲۵ روپیہ خواہی داد چرا کہ بوقت عقد مامن وعدہ کردہ بودی۔ مشتری اوّل میگوید آن شرط فاسد بود آن را در بیع شرط قرار ندادہ بودم۔ چرا آن را اعادہ میکنی بلکہ تحت مرضی بلحاظ قیمت آن زمان نزد دست بدان قیمت فروختن گفتہ بودم۔ اکنون چون قیمت زمینم زیادہ گردید قیمت این زمان را لحاظ باید کرد در قیمت سابق فروختن مرا خسارت کلی افتد چگونہ بدہم بلکہ این قدر رعایت توانم کرد کہ بنسبت قیمت حال از تو قدرے کم گیرم مگر بائع اوّل راضی نمی شود و بدان قیمت گرفتن اوعا میکند بدین صورت مشتری اوّل آن زمین را از خود دیگرے بہ قیمت جاریہ حال فروختن جائز خواہد شد یا نہ۔

الجواب

جب مشتری نے تصریح کردی تھی کہ بدین قیمت کہ من گیرم الخ اور یہ بھی تصریح کردی تھی کہ یہ شرط بیع میں نہیں ہے تو اب مشتری کو لازم نہیں ہے کہ بائع اوّل کے ہاتھ اس زمین کو دو سو بچاس قیمت سابقہ میں فروخت کرے بلکہ اس کو جائز ہے کہ جو قیمت زیادہ دے اس کے ہاتھ فروخت کرے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ شعبان سلسلہ

صورت ہجوا از خریدن نیلام] سوال: اگر زید نے روپیہ ادا نہ کیا اس کی جانب سے داد (بیل و غیرہ یا زرعی زمین) عدالت سے پیادہ آکر علانیہ نیلام کرکے اس کی قیمت سے

زید کا قرض ادا کر دیتا ہے۔ عدالت کو یہ حق ہے یا نہیں۔ عدالت زید کی جو چیز فروخت کرے عمر اس کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی البدائع فی دلیل مسئلة الاستیلاء ولنا انهم استولوا علی مال مباح غیر مملوك ومن استولی علی مال مباح غیر مملوك یملکه کمن استولی علی الحطب والحشیش والصید ودلالة ان هذا الاستیلاء علی مال مباح غیر مملوك ان ملك المالك یزول بعد الاحراز بدار الحرب فتزول العصمة ضرورة زوال الملك والدلیل علی زوال الملك ان الملك هو الاختصاص بالمحل فی حق التصرف او شرع للتمکن من التصرف فی المحل وقد زال ذلك بالاحراز بالدار لان المالك لا یمکنه الانتفاع به الا بعد الدخول فی دار الحرب ولا یمکنه الدخول بنفسه لما فیه من مخاطرة الروح وغیرها وقد لا یوافقه غیره ولو وافقه فقد لا یظفر به فلما یمکنهم استرداده فاذا زال الملك او ما شرع له الملك یزول الملك ضرورة اه (ص ۱۲۸ ج ۷)

قلت واذا امر الملك الحربی او نائبه ببیع مال احد من المسلمین بیع من یرید لا یقدر المالك علی الامتناع منه لما فیه من مقابلة السلطان وفیه مخاطرة بالروح واذا کان کذلك فقد زال ملکه وثبت الاستیلاء علیه بقوة السلطان۔

صورت مسئولہ میں بظاہر استیلاء کا تحقق ہے اس لئے نیلام کا خریدنا جائز ہے ولا یعارضه ما فی شرح السیر الکبیر فی غصب مسلم مال مسلم فی دار الحرب ودفعهما الی ملك تلك الدیار وتملیك الغاصب حیث قال لا یحل للغاصب واذا ظهرنا علیهم اخذه المغصوب منه بلا قیمة فان هذا الحکم مخصوص بالغصب وغصب المسلم مسلما لیس من الاستیلاء وتمکین الملك لم یکن الا تائیدا للغصب فهو یزیده غلبة وما کانت حراما ابتداء لا ینقلب حلالا بخلاف ما اذا کان الاستیلاء ابتداء

فانہ یزیل ملک المالک عنہ۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ ذی القعدہ [illegible]ھ

ٹھیکہ کے تحت آنتوں کی بیع اور سال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچنے کے معاہدہ کا معاوضہ لینا

سوال: اس طرف دستور ہے کہ آنت وغیرہ کا ٹھیکہ لیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ٹھیکہ دار سے ایک نرخ مقرر ہو کر یہ طے ہو جاتا ہے کہ کل آنت تم کو دی جائیں گی اور کسی کے ہاتھ نہ بیچیں گے تم اتنا روپیہ ہم کو دے دو۔ یہ جو روپیہ یکمشت لیا جاتا ہے یہ محض اس بات کا ہے کہ اور کسی کو نہ دو گے اور قیمت فی آنت جو مقرر ہوتی ہے وہ آنت آنے پر دی جاتی ہے مثلاً اس سال یہ ہوا کہ سب قصابان سے ایک شخص نے یہ کہا کہ سال بھر تک جس قدر ذبیحہ ہو سب کی آنت ۱۰ فی آنت تم کو دی جائے گی اور کسی کو نہ دیں گے تم ہمیں تین سو روپیہ دے دو اس نے منظور کر لیا۔ یہ ٹھیکہ شرعاً کیسا ہے؟ اور یہ ٹھیکہ کی رقم قصاب اپنی مسجد میں لگاتے ہیں بلکہ تصریح کراکے ٹھیکہ دار سے لیتے ہیں کہ مسجد میں لگائیں گے۔ سو یہ جائز ہے یا نہیں اور بیع آنتوں کی جو اس ٹھیکہ کے ماتحت ہوتی ہے درست ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ رقم جو ٹھیکہ کے وقت لی جاتی ہے جائز نہیں کیونکہ یہ متقوم کا عوض نہیں۔ مال کی قیمت اس کے علاوہ فی آنت الگ لی جاتی ہے تو یہ رقم محض پختگی عہد کا عوض ہے اور یہ کوئی متقوم شئی نہیں، ربو میں داخل ہے اور جو بیع اس معاہدہ کے تحت ہوتی ہے وہ جائز اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

آلات لہو و لعب اور تصویروں کی تجارت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ (۱) گراموفون کی تجارت کفار کے ساتھ جائز ہے کہ نہیں (۲) مسلمانوں کے ساتھ اس کی تجارت کا کیا حکم ہے۔ (۳) تصویروں اور جانداروں کے مجسموں یعنی کھلونوں کی تجارت کا کیا حکم ہے اور کفار کے ساتھ کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱): گراموفون کی تجارت کفار کے ساتھ جائز ہے اور مسلمانوں کے ساتھ خلاف

اختیار ہے۔

۳۔ تصویروں اور مجسموں کی تجارت کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں لأن معصیۃ قائمۃ بعینہ وفی "الأولی قائمۃ بالفعل دون العین" وہذا اذا قامت بالفعل یجوز عند أبی حنیفۃ خلافاً لہما واذا قامت بالعین فلا یجوز اتفاقاً وفی بیعہ ای المزمار مع الکفار لانہ لم تقم الحرمۃ بالعین ولا بالفعل فان الکفار لیسوا بمخاطبین بحرمۃ الغناء ولا ہو حرام فی الأدیان کلہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۱ رمضان [illegible]ھ

صورت لزوم بیع بطریق نیلام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی ضرورت کے لئے ایک ہندو کے پاس دو مکان رہن رکھ کر دس ہزار روپے لئے کاروبار میں نقصان آجانے کی وجہ سے نیز قرابت داروں کے نقصان پہنچانے کی وجہ سے زید اس کا روپیہ ادا نہ کر سکا اور سود کی رقم بڑھتے بڑھتے سترہ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ ہر چند ادائیگی کی کوشش کی گئی لیکن سوائے نقصان کے کوئی صورت بہتری کی پیدا نہ ہوئی یہاں تک کہ گھر کا زیور وغیرہ سب ختم ہو گیا اور سوائے مرہونہ مکان کے زید کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ آخر ہندو نے نالش کر کے ڈگری حاصل کر لی اور عدالت سے مکان کے نیلام کا حکم دے دیا۔ نیلام چونکہ قاعدہ کے موافق نہ ہوا اس لئے لوگ اس پر بولی نہ دے سکے اور عمرو نے جو بہت دیندار ہے آٹھ ہزار روپیہ کی بولی دے کر اپنے نام چڑھا لیا۔ زید نے درخواست کی کہ نیلام قاعدہ کے موافق نہیں ہوا۔ حاکم نے گواہ طلب کئے۔ ایک مسلمان مسمی خالد اس پر رحم کھا کر آمادہ ہو گیا کہ تم ہندو سے کسی مقدار پر فیصلہ کر لو۔ میں تم کو تمہارا مکان رہن رکھ کر بغیر سود کے رقم دے دوں گا۔ جب تمہارے پاس ہو ادا کر دینا۔ چنانچہ زید نے ہندو سے کہا وہ اس کی گفتگو ہوئی عدالت پر رقم ٹھہر کر راضی ہو گیا۔ الغرض جب عدالت میں گواہ پیش کئے گئے تو ان میں سے ایک گواہ نے آمادگی ظاہر کی کہ میں ۹ ہزار میں لینے کے لئے تیار ہوں اور بہت ممکن تھا کہ اگر اور بولی بڑھائی جاتی تو اور زیادہ قیمت بڑھتی کیونکہ مکان بیس ہزار روپے کی قیمت سے کم کا نہیں ہے لیکن نا ہیں بعد عدالت نے اس گواہ کی سماعت نہ کی اور آٹھ ہزار پر عمرو کے نام بولی کو ختم کر دیا۔ ناچار زید نے اب عمرو سے درخواست کی کہ تم بنابریں

میرا مکان واپس کروا دو اور اس پر ظاہر کر دیا کہ حالت مجھ پر رحم کھا کر روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور ہندو بھی مجھ پر مہربان ہو کر دس ہزار روپیہ لینے پر راضی ہو گیا ہے لیکن اس کو اصلاً رحم نہ آیا اور جواب دیا کہ جبکہ شرعاً میری ملک میں یہ مکان آ گیا اور مجھے اس سے انتفاع جائز ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کو واپس کر دوں ہاں اگر شرعاً مجھے اس سے انتفاع جائز نہ ہو تو میں اس کو واپس کر سکتا ہوں۔ پس صورت مذکورہ بالا میں سوال یہ ہے کہ باوجودیکہ زیادہ کی بولی دینے والے لوگ موجود تھے۔ حاکم کا بیس ہزار کی مالیت کے مکانات کو آٹھ ہزار پر چھوڑ دینا صحیح ہے یا نہیں اور شرعاً یہ بیع صحیح ہو چکی ہے یا نہیں اور اس صورت میں کہ ہندو تک زید کی بربادی دیکھ کر رحم کھا رہا ہے اور اپنے سات ہزار چھوڑ رہا ہے۔ عمرو کا مکان کو واپس نہ کرنے پر اصرار کرنا ظلم ہے یا نہیں؟ اگر ظلم ہے تو اس کا گناہ کس قدر ہے اور بالفرض اگر بیع صحیح ہو چکی ہے تو عمرو مکان کو واپس کر دے تو عند اللہ ماجور ہوگا یا نہ ہوگا؟

الجواب

جب عدالت کے حکم سے مکان نیلام ہوا اور حاکم نے عمرو کے نام پر نیلام ختم کر دیا اور باوجود مدیون کی عذرداری کے بھی حاکم نے نیلام عمرو ہی کے نام قائم رکھا تو اس صورت میں یہ مکان عمرو کی ملک ہو گیا اور اس کو اس مکان سے انتفاع ہر طرح جائز ہے اور عمرو کا مکان کا واپس نہ کرنا ظلم نہیں۔ ظلم زید نے خود اپنے اوپر کیا کہ سودی قرض لے کر بیچنے کو نیلام مکان کا موقع دیا یا ظلم بنئے نے کیا کہ زید کو سودی قرض دیا۔ عمرو نے کچھ ظلم نہیں کیا اس نے تو بکتی ہوئی شے خریدی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر عمرو زید کی حالت پر رحم کر کے اپنی عالی حوصلگی سے اس مکان کو واپس کر دے تو اس کو بہت بڑا اجر عظیم ملے گا۔ من اقال نادماً اقال اللہ عثراتہ یوم القیامۃ واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۸ رمضان [illegible]

خریدار کو ایک خاص معاہدہ کے تحت کمیشن دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک تجارت کی کمپنی نے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو

دوسرے دوکاندار اس کمپنی کی دوکان سے مال خریدتے رہتے ہیں ان کا ہر سال حساب کرکے
دیکھا جاتا ہے کہ سال بھر میں کس قدر روپے کا مال خرید کیا ہے پس اس مجموعی رقم پر مثلاً دو
روپیہ یا تین روپیہ سیکڑہ جیسے پہلے ٹھہر چکا ہے اس کے حساب سے ان خریداروں کو
دیا جاتا ہے۔ فرض کریں کہ کسی خریدار نے سال بھر میں دس ہزار روپے کا مال خرید لیا اور
مثلاً تین روپیہ سیکڑہ دینا ٹھہرا تھا تو اس خریدار کو مبلغ تین سو روپے دیے جائیں
گے یا اس کے حساب میں سے کاٹ دیے جائیں گے۔ اب کمپنی مذکور یہ چاہتی ہے کہ اپنے
یہاں کے دوکانداروں سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم لوگ ہماری کمپنی کے فلاں فلاں مارکوں
جیسا مال سال بھر ہماری کمپنی سے خریدتے رہوگے کسی دوسری کمپنی سے ہرگز نہیں لوگے
تو ہم تم کو دو یا تین روپیہ فی سیکڑہ کے حساب سے سال کے تمام ہونے پر دیا کریں
گے اور اگر تم نے دوران سال میں کبھی کسی دوسری جگہ سے بھی مال خرید کیا تو تم کو کچھ نہیں
دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ اس قسم کا معاہدہ انہیں مارکوں پر کیا جاتا ہے جو زیادہ چالو
ہیں اور جیسا ان مارکوں کا مال ہے۔ دوسری کمپنیاں بھی رکھتی ہیں لیکن دوسری کمپنیاں
مارکہ اپنا اپنا اور اپنے نام کا رکھتی ہیں یعنی فرق صرف مارکوں میں ہوتا ہے۔ ماہیت
اور چیز ایک ہی ہوتی ہے۔ چالو مارکوں کے علاوہ جو مارکہ معمولی ہیں اور بہت چلنے والے
نہیں ہیں ان میں ہر ایک خریدار کو اختیار ہوتا ہے کہ ان معمولی مارکوں والا مال جہاں
چاہیں اور جس کمپنی سے چاہیں خرید لیا کریں۔

پس ارشاد ہو کہ معاہدہ مذکورہ (کہ خریدار کو سال بھر برابر خاص چالو مارکوں کا
مال خریدتے رہنے کی حالت میں دو تین روپیہ سیکڑہ مثلاً تمام پر رعایت دی
جاوے اور دوران سال میں دوسری جگہ ایک مرتبہ بھی خریدنے میں بالکل کچھ نہ دیا
جائے) شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

یہ معاہدہ جائز ہے کیونکہ خریدار کو سال تمام پر جو کمیشن فی سیکڑہ پر دیا جاتا ہے
وہ بائع کی طرف سے تبرع ہے خریدار کا حق لازم نہیں اور تبرع کو کسی شرط سے
مشروط کرنا جائز ہے واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ شوال [illegible]ھ

مشترکہ باغ کا گورنمنٹ کے استیلاء سے ایک شریک مالک ٹھہرا، اسے باغ کو خرید لینا کیسا ہے

سوال: ایک مسئلہ مندرجہ ذیل ہے کہ ایک باغ ہے جس میں چند شرکاء تھے عمرو بکر و زید وغیرہ۔ گورنمنٹ کے فیصلہ سے صرف زید کا قرار پایا یعنی گورنمنٹ کے استیلاء سے اب زید صرف اس باغ پر قابض متصرف ہے اور ذاکر کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ ذاکر کو اس باغ کو خریدنا جائز ہوگا یا نہیں۔ جواب مدلل تحریر فرمائیے۔

الجواب

سوال تنقیح طلب ہے اگر گورنمنٹ نے اس باغ کا مالک صرف زید کو اس لئے قرار دیا کہ عدالت کے نزدیک دوسرے شرکاء کا ثبوت ناکافی تھا یا انہوں نے ثبوت پیش کرنے میں سستی کی یا زید نے کوئی قانونی چالاکی کی تو اس صورت میں ذاکر کو اس باغ کا خریدنا جائز نہیں جبکہ اس کو ذاتی طور پر علم ہے کہ باغ تنہا زید کا نہیں ہے اور اگر گورنمنٹ نے دوسرے شرکاء کا حصہ ضبط کر لیا تھا کسی جرم کی سزا میں اور ضبط کرنے کے بعد سے باغ کا مالک زید کو بنا دیا تو یہ صورت استیلاء کی ہے اور اس صورت میں دوسرے شرکاء کی ملک سے باغ نکل گیا اور استیلاء کے بعد گورنمنٹ کے قبضہ دلانے سے زید کل کا مالک ہو گیا وہ اب ذاکر اس کو زید سے خرید سکتا ہے۔ دلائل کی گنجائش وسعت نہیں۔ ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ شوال ۴۳ھ

تتمہ سوال بالا

جناب کا جواب تسلی بخش ہوا ذاکر کو دکھلایا اب بھی تو میرا خیال تھا کہ استیلاء گورنمنٹ سے زید باغ کا مالک ہو گیا مگر صورت تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ زید باغ کا حقیقۃً مالک نہیں ہوا اور دیانۃً مجھ پر سوال ختم ہو گیا مگر ایک صورت اور قابل دریافت ہے وہ یہ کہ عمرو بکر و خالد و زید سب میرے موروثی کاشتکار ہیں۔ میری زمین پر موروثی کاشتکار ہونے کی حیثیت سے قابض و غاصب ہیں۔ ہر چند کہ ان کو سمجھایا گیا کہ مسئلہ عام لوگوں کو میری زمین چھوڑ دینی چاہئے مگر حرص و طمع میں آج تک نہیں چھوڑا۔ جو زمین آج کل دس بارہ بلکہ چندہ روپیہ بیگہ پر اٹھ سکتی ہے اس کو وہ ایک روپیہ بیگہ پر جوتتے ہوتے ہیں مگر قانونی مجبوری کی وجہ سے میں زمینات کو ان لوگوں سے لے نہیں سکتا۔ اب اگر زید سے میں یا ذاکر باغ کو بطریق بیع لے کر قابض ہو جاؤں اور یہ سمجھوں کہ وہ لوگ میری اراضی پر غاصبانہ قابض ہیں۔ جب بھی ان کے باغ کو لے کر قہراً قابض ہو جاؤں اور دیانۃً یہ سمجھوں

کہ باغ کے منافع میری ان اراضیات کے منافع کے عوض میں ہیں تو یہ صورت جواز خرید باغ کی میرے (یعنی ذاکر) کے لئے درست ہوگی یا نہیں۔ علاوہ اس کے وہ درخت سب ذاکر ہی کی زمین پر لگے ہوئے ہیں اس کو شرعاً اپنی زمین خالی کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ امید ہے کہ جواب جلد مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب

اگر وہ درخت سب ذاکر ہی کی زمین میں لگے ہوئے ہیں (جیسا کہ عبارت خط کشیدہ سے معلوم ہوتا ہے) تو ذاکر کو اس باغ کا خرید نا جائز ہے مگر قیمت کل زید کو دینا جائز نہیں بلکہ سب شرکاء میں تقسیم کرنا ضروری ہے لیکن اگر زید سب شرکاء میں قیمت تقسیم نہ کرے اور ذاکر کو یقین ہے کہ وہ تقسیم نہ کرے گا تو اس کو چاہیئے کہ دوسرے شرکاء سے کچھ تھوڑا سا دے دلا کر صلح کر لے اور سب شرکاء کے حصہ کو تراضی سے ملک میں لے آئے۔ رہا یہ کہ وہ لوگ اس کے موروثی کاشتکار ہیں الخ سو موروثی کاشتکار کو قبضہ غاصبانہ کی وجہ سے گناہ تو ہوتا ہے مگر ان کے ذمہ کچھ ضمان نہیں کیونکہ امام صاحبؒ کے یہاں عقار میں غصب متحقق نہیں ہوتا صرف منافع کا غصب ہے اور منافع غصب میں متقوم نہیں اور در حقیقت اس کو غصب بھی کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس کو اول تو زمین اجارہ پر دی گئی تھی۔ بارہ سال بعد وہ اسی عقد اجارہ اول پر متمکن ہو گیا اور اجارہ سابقہ فسخ نہیں ہوا پس یوں کہنا چاہیئے کہ وہ مستاجر ہے مگر موجر کو زیادہ اجرت سے مانع ہے لہٰذا غصب متحقق نہیں بلکہ اجارہ کا حکم ہے پس ذاکر کا کچھ قرض ان کے ذمہ نہیں صرف ان کو اپنے فعل کا گناہ ہوتا ہے اور چونکہ وہ فعل حق العبد سے متعلق ہے اس لئے سخت گناہ ہے مگر زمیندار کا ان کے ذمہ کچھ روپیہ لازم نہیں ہوا۔

(نوٹ) البتہ اگر زمیندار موروثی کاشتکار سے یہ کہہ دے کہ آج سے اس زمین کا اجارہ فی بیگہ دس بارہ روپیہ سال لیا کریں گے اگر منظور ہو تو کاشت کرے ورنہ چھوڑ دو اور یہ بات زبانی ہی کہہ دے تحریر کی ضرورت نہیں تو اب اگر وہ یہ زمین کاشت کرے گا شرعاً اس کے ذمہ دس بارہ روپیہ فی بیگہ لازم ہوگا اور اس سے کم ادا کرنے میں وہ باقی کا مدیون ہوگا۔ اس باقی کو جس حیلہ سے بھی چاہے وصول کر سکتے ہیں پس ذاکر اس باغ کو خرید لے اور زبانی بقیہ حصہ داروں سے اپنی زمین کا اجارہ بڑھا دے۔ جب وہ اس

کرایہ کو ادا نہ کریں گے تو باغ کا حصہ اس کے عوض ضبط کرلے اور اگر ادا کردیں تو پھر وہی صورت کرے جو اوپر مذکور ہوئی ۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۴ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں زیادتی کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے دھان اور چاول نقد ایک بھاؤ پر بیچتے ہیں اور باقی دوسرے بھاؤ پر مثلاً جو لوگ نقد روپیہ دیتے ہیں وہ پانچ روپیہ من دھان اور آٹھ روپیہ من چاول لے سکتے ہیں اور جو لوگ دو چار مہینے کے وعدہ پر باقی لیتے ہیں ان کو دھان پانچ روپیہ کے بجائے آٹھ یا دس روپیہ من دینا پڑتا ہے اس قسم کی بیع جائز ہے کہ نہیں ؟

الجواب

اگر بیع کے وقت یوں کہے کہ نقد لوگے تو یہ بھاؤ اور ادھار لوگے تو یہ بھاؤ ہے یہ تو جائز نہیں اور اگر یہ معلوم کرکے کہ خریدار نقد لینے والا ہے یا ادھار ایک بھاؤ بیان کردے تو یہ جائز ہے خواہ ادھار کا نرخ زیادہ ہی بتلایا جاوے ۔

قال فی کنز العمال عن ابن مسعود لا تصلح الصفقتان فی الصفقة ان یقول هو بالنسیئة بكذا وكذا وبالنقد بكذا وكذا وعزاه الی تاریخ الحاکم (ص ۲۲۰ ج ۲)

وصرح بكراهته فی الهندية ایضاً كتبته عنها غیر مرة وعلله الجصاص فی احكام القرآن بان فیه تعویضاً للاجل وهو لا یجوز . واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

خود کو مورث کا تنہا وارث بتاکر قبضہ کرنا اور اس کی بیع کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید کو شاہان مغلیہ ہندوستان کی طرف سے بطور وظیفہ جاگیر زمینیں ملی تھیں ، ان زمینوں کی دستاویز میں یہ شرط تھی کہ ان زمینوں کا نفع زید اپنے اور اپنے فرزندوں اور توابعین پر بطور معاش کے خرچ کرے اور دعائے خیر بادشاہ کے حق میں کیا کرے ۔ زید موافق دستاویز کے عمل کرتا رہا ۔ اب زید

کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اپنے پیچھے ایک بھائی جو مفقود ہے عرصہ پچاس ساٹھ سال سے اور ایک
بہن اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ مرور زمانہ کے سبب جاگیر زمینوں و املاک چندو راجہ کے قبضہ
میں ہے چونکہ زید کے ورثاء میں کوئی فرزند نرینہ نہ تھا اس وجہ سے مذکورہ زمینوں کی تولیت
زید مذکور کے سمدھی کرتے تھے وظیفہ زمین کسی کے نام نہ ہوتی تھی۔ بعد میں راجہ مذکور نے
ایک منادی کرائی کہ جس جس کی جاگیر انعامی یا کسی طرح کی ہو پہلی دستاویز پیش کر کے
اپنا حق ثابت کریں۔ نئے سرے سے اپنے اپنے نام کرا کے ریاست مذکور کی سند لے لے۔
تو زید مذکور کا ایک نواسہ عمرو جو عمر میں بڑا تھا اور عالم بھی تھا۔ وہ ریاست مذکور کے صیغہ
دارالانعام میں حاضر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ زید مذکور کا میں نواسہ ہوں اور زید نانا
نے مجھے متبنی سے پالک کیا ہے۔ اس لئے میں مذکورہ جاگیر کا حق دار ہوں۔ بجز میرے دوسرا
کوئی بھی حق دار نہیں ہے۔ ریاست مذکور کے صیغہ دارالانعام نے یہ دعویٰ سن کر بعد تصدیق
ریاست کے نے پالک کے قانون کے مطابق جاگیر عمرو مذکور کے نام کر دی اور جو نئی سند
ملی اس سند میں عمر مذکور کو اختیار کلی دے دیا کہ جاگیر مذکور کا نفع بھی لے سکتا ہے اور
فروخت بھی کر سکتا ہے۔ فروخت کرنے میں یہ شرط رہا اس سند میں لکھی ہے کہ فروخت شدہ
قیمت میں سے ایک متعین رقم دارالانعام ریاست مذکور میں داخل کرے۔ عمرو مذکور
نے یہ غیر مشروع دعویٰ مصلحۃً دائر کر دیا کہ جاگیر تلف نہ ہو جائے اور زید کے ورثاء کا حق
تلف نہ ہو جائے کیونکہ عمرو مذکور عالم باعمل تھا اور اپنے نانا زید مذکور کے نقش قدم پر چلتا تھا
اب عمرو مذکور کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا بکر جاگیر مذکورہ کی تولیت کرتا
رہا اور اپنے والد کے موافق چلتا رہا۔ اتفاقاً بکر کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب اس بکر کے لڑکے خالد
نے اور اس کے چچاؤں نے مل کر اتفاق کر کے جاگیر مذکور فروخت کر ڈالی اور اس روپیہ
کو آپس میں تقسیم کر لیا اور زید مذکور کے ورثاء کو فروخت شدہ زمین کی قیمت میں سے کچھ
بھی نہیں دیا۔ اب زید مذکور کے ورثاء کا اس روپیہ میں حق ہے یا نہیں اور حق تلف
کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوئے یا نہیں؟

تنقیح

یہ سوال تنقیح طلب ہے۔ یہ بتلایا جائے کہ چندو راجہ نے اس زمین پر جو زید کو شاہان
مغلیہ کی طرف سے عطا ہوئی تھی قبضہ مالکانہ کر کے پھر از سرے نو اپنی طرف سے زید کے ورثا

اور یہ ثبوت کاغذی محض ترجیح بلا مرجح ہے۔ بیچنے کے لئے مانگا گیا۔ ہندو راجہ نے ان زمینوں پر قبضہ مالکانہ نہیں کیا بلکہ قبضہ انتظامی کرکے اصل مالکوں کو ثبوت ملکیت پیش کرنے کے بعد ان کی ملک تسلیم کرتے ہی واپس کر دی۔ جو صورت ہو اس کو واضح طور پر لکھ کر سوال کیا جائے۔

احقر ظفر احمد عفی عنہ

جواب تنقیح

ہندو راجہ کا زمین مذکورہ پر قبضہ انتظامی ہے کیونکہ اس نے وارثان نظام کا صحیفہ لکھوا کر انگلے شاہوں کے عطیہ جاگیرات جن لوگوں کو دی تھیں ویسے ہی قائم رکھی ہیں اور اس کا انتظام کیا ہے۔

الجواب

چونکہ ہندو راجہ نے عمرو کو زید کا وارث سمجھ کر یہ زمین و جائیداد دی ہے اور درحقیقت اس کا مالک زید کو تسلیم کیا گیا ہے، عمرو کو مالک نہیں مانا گیا بلکہ عمرو کو محض وارث زید سمجھ کر جائیداد دی گئی اور عمرو کا یہ قول صحیح نہ تھا کہ زید کا وارث میرے سوا کوئی نہیں بلکہ اس کے ورثاء عمرو کے سوا اور بھی تھے اس لئے یہ زمین صرف وارثان عمرو کی ملک نہیں بلکہ تمام وارثان زید کا اس میں حق ہے، پس عمرو کے ورثاء کو اس جائیداد کو بیع کرکے اس کی قیمت میں تنہا تصرف کرنا جائز نہیں اور یہ بیع بھی تمام زمین کی صحیح نہیں ہوئی بلکہ صرف حصہ عمرو میں صحیح ہوئی اور بقیہ حصہ ورثہ زید کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ اجازت دیں تو بیع ان کے حصے کی نافذ ہوگی اور ان کو ان کے حصے کی قیمت دلائی جائے گی اور اجازت نہ دیں تو ان کے حصے کی بیع جائز نہیں اور جو لوگ ان کے حصے پر قبضہ کریں یا اس کے حصے پر قبضہ کریں گے وہ گنہگار و فاسق و غاصب ہیں۔ عنداللہ وہ اس غصب کے جواب دہ ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ رہا یہ کہ اس جائیداد میں ورثاء عمرو کا کس قدر حق ہے اور ورثاء زید کا کس قدر، اس کو فرائض کے ذریعے سے معلوم کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ فقط

ظفر احمد عفی عنہ

از تھانہ بھون ۳۰ محرم الحرام [illegible]ھ

افیون کی بیع جائز ہے

سوال: افیون کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو دوا میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

افیون کی بیع جائز ہے اور دوا میں نشہ سے کم مقدار میں استعمال بھی جائز ہے۔ نشہ کی مقدار کا استعمال جائز نہیں۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر قمر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ

بیع الحیوان بحیوان ، سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی ایک صورت ہے۔ یہ کہ ایک شخص نے ایک بھینس دے کر تین گائے خریدی ہیں اور جانبین سے تسلیم مبیع ہو چکی ہے۔ اب ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے کیونکہ کسی جانب سے کسی جنس کی قیمت مقرر نہیں کی گئی ہے لہذا ثمن مجہول رہا اور اس مدعا پر برجندی کتاب البیع ص ۹ ج ۳ کی عبارت پیش فرماتے ہیں۔

امّا الاعیان التی لیست من ذوات الامثال مبیعۃ ابداً۔

اس صورت میں عوضین غیر ذوات الامثال میں سے ہیں لہذا جب تک کسی عوض کی قیمت مقرر نہ ہو۔ ہر ایک مبیع ہوا اور ثمن مجہول رہا۔ اور دوسری عبارت اس مدعا پر عالمگیری کی پیش فرماتے ہیں۔ رجل قال بعت منک ھذہ المائۃ الشاۃ بھذہ المائۃ الشاۃ کل منھما اثنان بالبیع فاسد امداد الفتاویٰ ص ۱۲۵ ج ۳ کتاب البیع اور احقر یہ عرض کرتا ہے کہ صورت مسئولہ میں بیع صحیح ہے۔ اس پر یہ عبارت شرح وقایہ آخرین کی پیش کی جاتی ہے۔ وباللحم بالحیوان باب الربوٰ۔

لہذا عرض ہے کہ براہِ مہربانی آپ جواب سے سرفراز فرمائیں کہ کون سا جواب صحیح ہے اور عبارات ثلاثہ برجندی وعالمگیری وشرح وقایہ کا کیا محمل ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر مجلس بیع میں بھینس اور تینوں گائے موجود تھیں تو بیع صحیح ہے کیونکہ بھینس اور گائے اشارہ سے متعین ہو چکی ہیں اور حیوانات میں باہم ادھار مفقود ہے جس کے لئے حرام ہے۔ فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ ومن ثمہ منع العلماء الاستقراض فی الحیوانات قال فی الدر المختار جاز بیع اللحم بحیوان ولو من جنسہ لانہ بیع الموزون بما لیس

بموزون فیجوز کیفما کان (سواء کان متفاضلا او مساویا اولا شامی) بشرط اما النسیئة فلا اھ ص ۲۸۵ ج ۴) اور ظاہر کہ بیع الحیوان بالحیوان میں غیر موزون کی بیع غیر موزون کے عوض ہے اس میں تفاضل بالکل جائز ہے۔ قال فی العالمگیریۃ: ولا بأس بالسمک واحد باثنین (لأنه لا یوزن ص ۲۷۰ ج ۴)

اور ظاہر کہ گائے بجنسہ بھی موزون نہیں پس تفاضل جائز ہے البتہ نسیئہ (ادھار) حرام ہے۔ پس اگر مجلس عقد میں تینوں گائے اور بھینس موجود تھیں تو بیع جائز ہے۔ پس اگر ان میں سے کوئی مجلس عقد میں غیر موجود تھی تو بیع فاسد ہے اور عالمگیریہ فصل ثامن میں فساد بیع کی وجہ یہ ہے کہ سو بکریوں کے مجموعہ کو دوسرے مجموعہ کے عوض بیع نہیں کیا ہے بلکہ ایک کو ایک کے عوض بیع کیا ہے اور اس واحد واحد کی تعیین کی گئی ہے۔ اگر مجموعہ کا مجموعہ کے عوض بیع کیا جاتا تو عقد صحیح ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ تھانہ بھون ۲۱ ربیع الثانی ۵۴ھ

ٹڈیوں کی تجارت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) ٹڈی کی تجارت کس حالت میں جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو ریشہ کہ ٹڈی دس پانچ روز میں سوکھ جاوے تو تجارت اس کی جائز ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تک گوشت کا ریشہ ٹڈی پر رہے گا چاہے وہ سوکھ ہی جائے اس کی تجارت جائز نہیں ہوتی۔ برائے مہربانی اس کی اصلاح نہایت غور سے فرماویں اور سنتے ہیں کہ ٹڈی سے گوشت کا ریشہ سال بھر میں جا کر جدا ہوتا ہے۔

(۲) اکثر ٹڈی کے تاجر ایسا کرتے ہیں جو آدمی گیلی ٹڈی لا دے اس کو اندازے سے اس کے خرچ کے واسطے دام دیتے ہیں اور ٹڈی علیحدہ ڈلوا دیتے ہیں اور جب دس پانچ دن میں سوکھ جاوے جب اس کا وزن اور قیمت کرتے ہیں اسی طرح ٹڈی لانے والا اگر جنگل سے گیلی اٹھا لاوے اور سوکھا کر اس کو بیچ لیا کرے تو لینے اور دینے والوں دونوں کی روزی میں کچھ فرق تو نہیں آتا۔

الجواب

(۱) فی العالمگیریۃ (ص ۱۹۶ ج ۴) فی العیون لا بأس ببیع عظام الفیل وغیرہ

من الميتات الا عظم الآدمي والخنزير هذا اذا لم يكن على عظم الميتة

ولم يكن عليه دسومة فاما اذا كان فهو نجس ولا يجوز بيعه، وفي الدر

وكما ينتفع بما لا تحله حياة منها كعصبها وصوفها كما مرّ في الطهارة

وفي الشامي اي حيث تكلم على عظمها وشعرها (ص ۲۲ ج ۴)۔

ہڈیوں کی تجارت جائز ہے کہ ان پر دسومت نہ ہو جو گوشت یا چربی کی اور دسومت ہو تو جائز نہیں اور رطوبت سے مراد اثر چکنائی جس کو عربی میں عصب کہتے ہیں: قوله: جائز ہے کیونکہ پٹھا پاک ہے اور حلال جانور کو جب ذبح کیا گیا ہو تو اس کی ہڈیاں بطرح بیچنا جائز ہے خواہ دسومت ہو یا نہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ جنگل سے تمام ہڈیاں اٹھا لاوے اور سوکھنے کے بعد فروخت کرے۔

(۲) اگر چربی وغیرہ ہڈیوں پر لگی ہوئی ہو تو فقط سوکھنے سے تو پاک نہ ہوگی لیکن چربی کو کھرچ کر اڑا دے تو پاک ہو جائے گی۔ کما فی الدر: ويطهر (عصب) لا (لحم) لم تحله الزكاة
وظفر وعظم (ويصلح) يؤمن به اثرها مطلقاً به يفتي (شامي ص ۲۱۹ ج ۱)۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۰ ربیع الثانی ۵۶ھ

تتمة الجواب

قال في الدر: وكل اهاب ومثله المثانة والكرش (ومثله الامعاء)

وفي البحر عن التجنيس اصلح امعاء شاة ميتة فصلى وهي معه جاز

لانه يتخذ منها الاوتار وهو كالدباغ اه شامي: دبغ ولو بشمس طهر

فيصلى به ويتوضأ منه اه (ص ۲۰۹ ج ۱) قلت جعل الكرش كالاهاب

في طهارته بالدباغ ولو بشمس ولا يخفى ان الامعاء لا تتخلو

عن الدسومة فلما كفى فيها الدباغ فالاولى ان يطهر ما على العظم

من الدسومة بالجفاف بالشمس فليتأمل۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی کی دسومت یعنی وہ دسومت جو گوشت یا چربی کے اثر سے باقی ہو، وہ چربی یا گوشت کا ریشہ وغیرہ نہ ہو، اگر دھوپ سے خشک ہو جائے تو ہڈی پاک ہو جائے گی اس کی بیع درست ہے لیکن ہنوز اس مسئلہ میں شرح صدر

انہیں جیسا دوسرے علماء سے بھی رجوع کیا جائے۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ ربیع الثانی ۵۸ھ

حکم تجارت افیون | سوال: تجارت افیون از گورنمنٹ لائیسنس گرفتہ شرعاً چہ حکم دارد و بدلیل فرمایند۔

الجواب

افیون کی تجارت جائز ہے کیونکہ اس کا استعمال بعض صورتوں میں حد نشہ سے کم مقدار میں جائز ہے اور لائیسنس کی وجہ سے جواز تجارت میں کچھ فرق نہ آئے گا اور کوئی شبہ ہو تو ظاہر کیا جائے۔ فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

۹ شعبان ۵۸ھ

ظفر احمد عفا عنہ ۹ شعبان ۵۸ھ

بیع تام ہونے کے لئے قبضہ مشروط نہیں | سوال: تیس بتیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے کہ میرے والد شریف چند بیگہ زمین قرض کے عوض ایک ہندو کے پاس بیع کر دی تھی مگر اس وقت تک اس ہندو کے نام انتقال وغیرہ نہیں ہو سکا۔ اب پٹواری وغیرہ ہمیں تحریک دے رہے ہیں کہ اگر تم رہن یا مستاجری کا دعویٰ کر کے اس ہندو کو بیدخل کرنا چاہو تو کوئی مشکل بات نہیں۔ لہٰذا گذارش یہ ہے کہ (۱) گروی یا مستاجری کا دعویٰ کرنا (۲) یونہی اسے ڈرا کے بغیر کسی لین دین کے زمین واپس لے لینا (۳) اس ال یا کمی پر حالاً یا قالاً دھمکیاں وغیرہ دے کر زمین خرید لینا یا کوئی اور صورت ہو سکتی ہے جس سے عند اللہ گناہ بھی لازم نہ ہو۔ در ملکیت بھی حلال ہو جائے اور واضح ہو کہ کمترین نہایت مسکین اور نادار ہے اور ہندو متمول اور دولت مند۔ بینوا توجروا۔

الجواب من المولانا ظفر احمد صاحب مدّ فیوضہم

بیع کے تمام و صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرعاً لازم نہیں لہٰذا وہ ہندو زمین کا مالک ہو چکا ہے۔ اب جب تک اس کی رضامندی کے ساتھ دوبارہ زمین نہ خریدی جائے اس پر قبضہ کرنا حرام ہے اور جتنی صورتیں سوال میں درج ہیں وہ ناجائز ہیں۔ بس سہل صورت یہ ہے کہ ہندو سے صلح کر لی جائے کہ تم اپنا قرض لے لو اور خوشی سے زمین کو چھوڑ دو جبر و تشدد نہ کیا جائے ورنہ گناہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۵۴ھ

(نوٹ) اس کے بعد سوال مذکور ایک خاص صورت کی تحقیق کے واسطے مکرر آیا جو سائل کو پیش آئی تھی۔

سوال: اس وقت بلا کسی تحریک کے ٹھیکہ زمین مذکورہ کا سرکار کی جانب سے بندہ کے نام تک کرایا ہے اور بعد چندے حسب قواعد سرکاری ہماری ریاست کی زمینوں کے قبضے بھی ہونے والے ہیں۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر قبضے ہو چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مقبوض الیہ قبضہ نہ بھی کرے تو آئندہ کو ٹھیکہ بہر حال اسی سے وصول کیا جاوے گا۔ ہندو کو فروخت کرنے کے لئے دیانت اور نیک نیتی کے ساتھ بہت کچھ کہا گیا مگر وہ ایک نہیں مانتا۔ اب جو حکم ہو ارشاد فرمائیں اور جب ہندوستان کے دارالحرب اور دارالاسلام ہونے میں علماء کا اختلاف ہے تو یہ بھی بتلائیں کہ دونوں تقدیروں پر ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب من الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

جب جواب سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ زمین تمہاری نہیں رہی تو سرکار کی طرف سے ٹھیکہ بلا تحریک ہونا اور تحریک پر ہونا سب برابر ہے باقاعدہ اس ہندو کو اس پر قبضہ دے دینا اور مکمل اندراج کر دینا لازم ہے۔ تم نے اصل بات کو مخفی رکھا ہے۔ غالباً اس واسطے سرکار نے تمہارا نام برقرار رکھا۔ اس کو اپنی ملک کا اختیار ہے۔ تم بیع پر کیوں مجبور کرتے ہو وہ نہیں مانتا تو تم کیوں برا مانتے ہو اور دارالحرب اور دارالاسلام ہونے کا اختلاف انگریزی علاقہ اور ہندو ریاستوں کے متعلق ہے۔ اسلامی ریاستوں کے دارالحرب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ان میں اختلاف نہیں بلکہ وہ دارالاسلام ہیں اور دارالحرب میں بھی دھوکہ دینا اور غصب کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ فقط

الجواب صحیح   احقر عبد الکریم عفی عنہ

ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ ربیع الثانی سنہ ۵۵ھ

بیع موقوف کی ایک صورت | سوال: ایک شخص مر گیا اور اس کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ان دونوں بیٹوں نے باپ کے گھر کو دو حصے کر کے ہر ایک نے ایک ایک حصہ اٹھا لیا۔ بہنوں کو نہیں دیا۔ بہنیں بھی چپ رہیں۔ پھر ان دونوں بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے

کے پاس اپنا ادھار گھر بیچ دیا، تب بھی بہنیں خاموش رہیں، پھر دوسرے بھائی نے پورے گھر کو ایک اور شخص کے ہاتھ بیچ دیا تب بھی بہنیں خاموش رہیں۔ اب وہ شخص جس نے پورا گھر لیا تھا اس گھر کو بیچنا چاہتا ہے۔ اس گھر کو دوسرے شخص کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

اس صورت میں اگر ان پانچ وارثوں کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا تو اس مکان میں سے ہر ایک بیٹے کو ۲/۸ پہنچتا ہے اور ہر بیٹی کو ۱/۸۔ پس بیع مذکور کے ذریعہ ۳/۴ مشتری کی ملک ہو چکا ہے اور ۱/۴ کی بیع موقوف ہے۔ ان بیٹیوں کی رضامندی پر اگر وہ رضامند ہوں تو بیع درست ہو جائے گی اور اگر اس بیع کو قبول نہ کریں بلکہ رد کر دیں تو بیع باطل ہو جائے گی اور حالت موجودہ میں جو شخص اس مکان کو خریدے گا وہ ۳/۴ کا مالک بنے گا اور ۱/۴ میں بیع موقوف رہے گی البتہ اگر خریدار اس عیب شرکت کے سبب واپس کرنا چاہے تو اس گھر کو بالکل واپس کر سکتا ہے۔

فی الدر المختار: من خیار العیب استحق بعض المبیع فان قبل قبضہ خیر فی الکل لتفرق الصفقۃ وان بعدہ خیر فی القیمی لا فی غیرہ لان تبعیض القیمی عیب لا المثلی اھ واللہ اعلم

عبدالکریم عفی عنہ، ۲۰ ربیع الثانی ۵۳ھ

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا قائلین عدم جواز کا جواب

سوال: بیع نسیئہ از نرخ بازار یعنی ثمن نسیئہ زائد از قیمت نقد مثلاً بازار میں پیدا جیسے غلہ مکئی یا گیہوں چار پیمانہ یعنی صاع فی روپیہ فروخت ہوتی ہے تو ادھار دو پیمانہ فی روپیہ فروخت کرنا جائز ہے یا کہ نہ، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کتاب ہدایہ باب المرابحۃ والتولیۃ میں ہے۔

ومن اشتری غلاماً بالف درھم نسیئۃ فباعہ بربح مائۃ ولم یبین فعلم المشتری فان شاء ردہ وان شاء قبل لان للاجل شبھا بالمبیع الا یری انہ یزاد الثمن لاجل الاجل ہدایہ

لہ ج ۳ / ۴۷ ۔ اختیار

اس مسئلہ کو قاعدہ کلیہ تصور فرما کے مثل چیز کو بھی کم از کم نرخ مروج نسیئہ فروخت کرنا جائز بتاتے ہیں یہ بیع سشراء ان کی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا بحوالۃ الکتاب۔

جواب مسئلہ سائل

یہ بیع سشراء جائز نہیں کیونکہ بعض ثمن بمقابلہ اجل ہوئی اور اجل مال نہیں ہے۔ جیسا کہ مسئلہ مذکور میں یہ عبارت ذکر ہے۔

وإن استهلكه ثم علم لزمه بألف ومائة لأن الأجل لا يقابله شئ من الثمن (هدايه) لأن الأجل ليس بمال متقوم فلا يقابله شئ من الثمن (عيني) لأن الأجل في نفسه ليس بمال فلا يقابله شئ (رد المختار) مقتضى كونه ليس بمال انه لا يصح مقابلة الثمن (التحرير المختار على رد المختار)

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ اجل مال نہیں۔ جب اجل مال نہ ہوا تو اس کے مقابلہ میں ثمن جائز نہیں خاص کر یہ چیز نقل کیا جاتا ہے۔ لا يجوز بيع الحنطة بثمن النسيئة أقل من سعر البلد فانه فاسد واخذ ثمنه حرام (قاضي خان) ان بيع الحنطة بنقصان حكم البلد فهو فاسد وإن اخذ الثمن بعد مضي المدة فهو حرام لأن الثمن متفاضل بالحكم وهو الربا یعنی ادھار اجل کے ذریعے سے زیادتی ثمن ربوا میں داخل ہے۔ لقوله تعالىٰ وأحل الله البيع وحرم الربوا. يعني احل لكم الأرباح في التجارة بالبيع والشراء وحرم الربوا الذي هو زيادة في المال لأجل تاخير الأجل (خازن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا نرخ ایک شہر میں جاری ہو تو ادھار پر اس نرخ مروجہ سے کم پر فروخت جائز نہیں۔

علماء جو اس مسئلہ کے قائل ہیں

(۱) جناب من یہ بیع حرام ہے کہ نسیئہ مال متقوم نہیں، یہ حکم مذکور ہے شرح وقایہ ہدایہ وغیرہ میں اور جو لوگ غلام پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس مع الفارق ہے کہ مقیس علیہ غیر مقدرات سے ہے اور ربوا مقدرات میں جاری ہوتا ہے۔ خادم العلماء محمد عباس علی عنہ

(۲) ویزاد الثمن لاجل الاجل پر تسلیم قاضی خان کے صریح جزئیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا جیسا کہ امر مسلم عند الفقہاء ہے۔ نیز قیمتی و غیر قیمتی اشیاء میں یہ بھی اتحاد فی الحکم قابل غور ہے۔ البتہ اختلاف الجنسان فیجوزا قابل بحث ہے۔

عبد المنان از دفتر جمعیت احناف

(۳) جواب مجیب موافق قاعدہ فقہ بالکل درست ہے اور عزیمت پر مبنی ہے اور جواز کی روایت جس کو مولانا عبد الحی مرحوم نے ہدایہ کی عبارت سے اخذ کیا ہے۔ رخصت کا معنی ادا کرتی ہے۔ سو میرے خیال میں تقویٰ کی رو سے ایسی بیع کا ترک بہتر ہے۔
فضل حق۔

(۴) کتب فقہ کی رو سے جواز ثابت ہوتا ہے جیسے عبارت ہدایہ سے ظاہر ہے مگر اجل کے مقابلہ میں قیمت زائد لینا اگر ربوا نہیں تو شبہ ربو ضرور ہے پس متقی مسلم کے لئے اجتناب لازم ہے۔ محمد شریف خطیب جامع مسجد۔

الجواب من الخانقاه

ادھار لینے کی وجہ سے زیادہ داموں میں گیہوں وغیرہ کا فروخت کرنا سود نہیں ہے وہ زیادتی ہے جو اجل کے مقابلے میں ہو اور اس صورت میں اجل کا مقابلہ نہیں ہے۔ مقابلہ اجل کا اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ یا ہر سال کے عوض میں اتنی زیادتی ہوتی رہے گی، اور یہاں یہ بات نہیں بلکہ اگر وہ خریدار مدت معینہ سے پیشتر ادا کرے تب بھی اتنی ہی رقم دے گا اور مدت معینہ یا اس سے گذر جانے کے بعد ادا کرے گا تب بھی وہی رقم ادا کرے گا۔ غرض یہ کہ لاجل الاجل اور شئی ہے بمقابلۃ الشئی اور چیز ہے۔ دونوں میں بین فرق ہے۔ اول صورت ربوا نہیں دوسری ربوا ہے۔ خود صاحب ہدایہ نے خیار رد کی وجہ جزئیہ مرقومہ فی السوال (یعنی من اشتری غلاما بالف درہم نسیئۃ الخ) میں یزاد الثمن لاجل الاجل لکھی ہے اور استہلاک کی صورت میں کل ثمن لازم ہونے کی وجہ لان الاجل لا یقابلہ شئی من الثمن تحریر کی ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ مقابلہ اجل اور چیز ہے اور اجل کو زیادت ثمن کا باعث بنانا دوسری چیز ہے۔ دونوں کو ایک گردانا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کما لا یخفی علی من له ادنی تامل باقی رہا ایضاح اور قاضی خان کا جزئیہ جو مجیب اول نے لکھا ہے یعنی لا یجوز

بیع الحنطۃ بثمن النسیئۃ۔ اس کا جواب جب ہو سکتا ہے جبکہ اس جزئیہ کا
موقع بتلایا جاوے یعنی باب فصل وغیرہ لکھیں اس وقت اس میں غور ہو سکتا ہے کہ اس
کا کیا محمل ہے۔

مؤید اول نے جو حکم قیاس بیع الفارق کا دیا ہے یہ بالکل عجیب ہے۔ مؤید صاحب
نے یہ خیال نہ فرمایا کہ مثلی شی کی بیع میں تفاضل کو اس وقت ربوا قرار دیا جاتا ہے جبکہ
اس کی جنس سے مبادلہ ہو۔ اور جب غیر جنس سے ہو تو پھر تفاضل کا جواب منصوص علیہ
ہے۔ چنانچہ مؤید دوم نے اپنے قول البتہ اذا اختلفا الجنسان الخ سے مؤید اول پر یہی
اعتراض کیا ہے۔ پس جب غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہے تو مثلی چیز بھی اموال ربویہ سے
خارج ہو گئی اور قیاس اس کا غلام پر صحیح ہے۔ علیٰ ہذا نیز مؤید صاحب نے یہ خیال نہ
کیا کہ تفاضل کے معنی کیا ہیں۔ تفاضل کے معنی یہ ہیں کہ احد البدلین دوسری چیز سے زائد ہو
سو اس کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ حنطہ و دراہم وغیرہ میں مساوات شرط نہیں فرمائے
اور تفاضل کے وہ معنی جو قول مؤید سے نکلتے ہیں کہ نرخ مقررہ سے اضافہ ہو۔ لہذا اعتراض
لا دلیل علیہ اور مؤید ثالث محض تقویٰ کے طور پر اس بیع سے منع کرتے ہیں۔ فتویٰ کی رو
سے پس بیع کو ربوا نہیں کہتے اور مؤید رابع بھی اس صورت کو ربوا نہیں کہتے اور شبہ
ربوا کی وجہ نہیں لکھی جو جواب دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

تنبیہ: یہ سب گفتگو اس میں ہے کہ معاملہ مذکورہ فی السوال سودی معاملہ نہیں ہے
البتہ کسی حاجت مند شخص کو ثمن فاحش کے ساتھ چیز دینا جس کو وہ مجبوراً لیتا ہو کراہت
سے خالی نہیں ہے لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع المضطر۔ واللہ اعلم

(مراجعت کی گئی) احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ [illegible]

مسئلہ تاجر کا مدیون کے مال کو نیلام کرنا اور اس مال کے خریدنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ریاست ہذا میں دستونیاں قرضہ دائن

؎ علاوہ ازیں اس جزئیہ میں غلام کی قید احترازی نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر میں او غیرہا موجود ہے
اور عینی شرح کنز میں من اشتری شیئا ہے ۱۲ منہ

بذریعہ قرقی و نیلام مال مدیون کرانی جاتی ہے۔ دوسرے شخص کو اشیاء نیلام کردہ ناجائز ہیں یا نہیں؟

تنقیح

قرقی و نیلام کون کرتا ہے۔ حکام ریاست یا حکام انگریزی پھر ریاست اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔

جواب تنقیح

حسب الحکم حضور عرض ہے کہ ریاست اسلامی اور قرقی و نیلامی کنندہ و حکم دہندہ ریاست کے ملازمین ہیں مگر ریاست ہذا میں جملہ قوانین انگریزی ہیں اور بطریق انگریزی ہی نیلام بھی ہوتا ہے اور اس وقت رئیس کے نابالغ ہونے کے باعث پیچر بھی انگریز ہے اور گورنر کی منظوری سے مقرر ہے۔ فقط

الجواب

قال في الدر: والقاضي يحبس الحر المديون ليبيع ماله لدينه وقضى دراهم دينه من دراهمه يعني بلا أمره وكذا لو كان دنانير وباع دنانيره بدراهم دينه وبالعكس استحسانا لاتحادهما في الثمنية ولا يبيع القاضي عرضه ولا عقاره للدين خلافا لهما وبه أي بقولهما ببيعهما للدين يفتى اختيار وصححه في تصحيح القدوري ويبيع كل ما لا يحتاجه في الحال (ص ۵۴۹ ج ۵)

قال الشامي عن التبيين ثم عندهما يبدأ القاضي ببيع النقود ثم العروض ثم العقار فالحاصل أنه يبيع ما كان أنظر له الى آخر ما قال والله وافاد واجاد۔

صورت مسئولہ میں صاحبین کے قول پر حاکم مسلم اور قاضی مسلم کا مدیون کی جائیداد وغیرہ قرقی و نیلام کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مدیون کے مال میں سے اول ان چیزوں کو فروخت کیا جائے جن کا فروخت کرنا زیادہ مضر نہیں وہ ناکافی ہو تو پھر جائیداد و مکانات کو نیلام کیا جائے اور اس قرقی اور نیلام کا خریدنا مسلمانوں کو بہرحال جائز ہے۔ اگر قاضی یا حاکم خلاف مصلحت عمل کرے گا وہ گنہگار ہوگا خریدنے والا گنہگار نہیں۔ اگر مسلمان نہ خریدیں گے تو کفار خرید لیں گے اور مسلمان کی جائیداد کفار کے ہاتھ میں چلا جانا

اشبہ ہے۔ اور اگر غنیمت اور ترقی کرنے والا کافر ہے جب بھی مسلمانوں کو اس کا خریدنا جائز ہے لأن الکافر یملك مال المسلم بالاستیلاء کما عرف فی موضعہ اھ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد
از تھانہ بھون یکم ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

باپ نابالغ بیٹے کی کوئی چیز خود بھی خرید سکتا ہے

سوال: کیا باپ کو اختیار ہے کہ اپنے فرزند صغیر کی کوئی چیز آپ خریدے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنے فرزند کی کتاب میں چار آنہ پر خرید لی ہے۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں جائز ہے بشرطیکہ صغیر کو نقصان فاحش نہ ہو غبن فاحش ہو تو جائز نہیں واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ

فصل فی خیار الرؤیۃ وخیار الشرط وخیار العیب

خیار عیب اور اس پر صلح کی ایک صورت

سوال: میں نے ایک شخص کے ہاتھ ہزار جلدیں ایک کتاب کی ہدیہ کیں اور دوسرے شخص کے ہاتھ آٹھ سو جلدیں۔ شخص اول نے پہنچنے کے بعد کہا کہ دفتر سے جانچ کرانے کے بعد معلوم ہوا کہ ۵۰ کتابیں مکمل ہیں اور بقیہ نامکمل۔ شخص دوم نے یہ سمجھا کہ کل نامکمل ہیں۔ ان میں اوراق کم ہیں۔ یہ کتابیں میں نے ایک تیسرے شخص سے لی تھیں۔ اس شخص کو اطلاع دی تو اس نے کہا کہ میں نے دفتر سے مکمل کرا کے بھیجا ہے مگر میں نے شخص اول اور دوم کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ اقرار کر لیا کہ میں ان کتابوں کو مکمل کر دوں گا۔ چنانچہ میں ان اوراق کی کاپیاں لکھوا کر شخص دوم کو دے کر یہ کہا کہ میرے یہاں یہ نہیں طبع ہو سکتیں آپ خود چھپوا لیجئے اور جو صرف ہو میرے روپے میں سے وضع کر لیجئے انہوں نے منظور کر کے کاپیاں لے لیں کئی ماہ تک کاپیاں ان کے پاس رکھی رہیں۔ جب انہوں نے نہ چھاپا اور شخص اول کا بھی تقاضا ہوا۔ میں وہ کاپیاں شخص دوم سے لے کر شخص اول کو دیں۔ شخص اول نے اقرار کیا کہ میں اس کو چھاپ کر خود اپنی کتابیں بھی مکمل کر لوں گا اور شخص دوم کو بھی چھاپ کر دوں گا۔ وہاں بھی یہ کاپیاں

کے صفحوں پر چھپی پڑی تھیں اور پھر تجربہ بھی کہ شخص دوم کے ہاں آگ لگی جس میں تمام سامان کے ساتھ وہ کتابیں بھی جل گئیں۔ شخص اول نے مجموعہ قیمت بارہ سو روپیہ سے ہزار روپے دے دیئے اور دو سو روپیہ چھوڑ دیئے کہ کتابوں کی طبع کے بعد اس کی چھپائی وغیرہ وضع کر کے جو بچے گا وہ دوں گا شخص دوم نے ایک حبہ بھی نہیں دیا تھا اگرچہ اقرار یہ تھا کہ ۲۰۰ روپے ماہوار کے حساب سے بالاقساط ادا کروں گا مگر ناممکن ہونے کی وجہ سے اب تک مجھے وہ روپیہ نہیں دیا تھا اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ ان کتابوں کی قیمت ایسی صورت میں واجب الاداء ہے یا نہیں اور مجھے ان سے لینے کا شرعاً حق ہے یا نہیں۔

الجواب

في العالمگيرية: وإذا اشترى مصحفاً فوجد أنه جامع فإذا فيه آيتان ساقطتان أو آية ساقطة قال هذا عيب يرد به ص ۷۳ ج ۳[۱] وقال في موضع آخر وإذا احدث عند المشتري عيب بآفة سماوية أو غيرها ثم اطلع على عيب كان عند البائع فله أن يرجع بنقصان العيب ثم وقال في لو وجد المشتري بمشتريه عيباً وأراد رده فاصطلحا على أن يرد البائع الدراهم (والأولى دراهم بالتنكير شامي ج ۴) إلى المشتري ولا يرد عليه جاز ويجعل حطاً من الثمن. ص ۷۰ ج ۵)

صورت مسئولہ میں شخص دوم کو ان کتابوں کو رد کرنے کا بائع کی طرف حق حاصل تھا لیکن بائع نے مبیع میں عیب تسلیم کر لیا لیکن جب بائع نے اور مشتری نے تکمیل نقصان پر صلح کر لی اور بائع نے یہ کہہ دیا کہ تکمیل نقصان میں جس قدر لاگت صرف ہو وہ میرے ذمہ ہے تو یہ صلح جائز ہے اور اب شخص دوم کو واپس کرنے کا حق حاصل نہیں رہا۔ پھر جب وہ کتابیں شخص دوم کے پاس آگ لگنے سے ہلاک ہو گئیں تو اب اس کے ذمہ ان کتابوں کی قیمت ادا کرنا واجب ہے البتہ تکمیل نقصان پر جو لاگت صرف ہوتی اس قدر قیمت میں سے وہ منہا کر سکتا ہے۔ باقی قیمت کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ ۳ محرم ۵۲ھ

سوال: میری دکان میں اپنے کپڑے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے کسی میں کپڑے میں اگر کوئی عیب ہو تو خریدنے والے کو اس عیب کا بتلانا ضروری ہے یا نہیں

(۱) ج ۳/ص ۷۳ ۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

کوئی داغ ہوتا ہے کوئی کسی مقام پر سے کٹا ہوتا ہے اس لئے یہ تھوڑے بازار کے تھانوں سے کم نرخ پر بکتے ہیں جو لوگ کپڑے میں نفاست چاہتے ہیں وہ میرے یہاں خریدنے آتے ہیں ان کو کپڑوں کا عیب جتلانا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عیب صاف صاف بیان کر دیا جائے اگر اس کی ہمت نہ ہو تو کم از کم یوں کہہ دے کہ اچھی طرح دیکھ کر لو میں عیب کا ذمہ دار نہیں جیسا مال ہے سامنے ہے اس کے بعد بھی جو راضی ہو کر خریدے گا تو آپ پر شرعاً کتمانِ عیب کا گناہ نہیں ہوگا واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ صفر ۴۹ھ

رضاء بالعیب اور بائع کے حط ثمن کی ایک صورت

سوال: ہم نے دساور سے مال منگوایا جو خراب نکلا کارخانہ سے واپسی مال یا کمی داموں کا جھگڑا کیا گفتگو بذریعہ خط و کتابت کے کرتے رہے اس اثنا میں ایک خریدار دوکان پر آیا اس کو پہلے ہی کہہ دیا گیا کہ مال خراب ہے اگر لینا چاہو تو خرید داموں پر دے دیں گے۔ بیجک اور مال دونوں اس کے آگے رکھ دیئے اس نے اپنا پڑتہ اور ضرورت دیکھ کر مال لے آیا۔ اس کے کچھ دن کے بعد دساور سے جواب آیا کہ بیجک میں ۴ر فی فرد کے حساب سے کم کر لو لیکن یہ جو چار سے ۴ر فی فرد کی واپسی ہم نے اپنے خریدار کو نہیں دی اس لئے کہ اس نے بیجک و مال دونوں کو جانچ کر اپنا پڑتہ دے کر لے لیا تھا اگر اس سے اب کہا جائے کہ بیجک میں کچھ بھول ہے لہذا اور دام دو تو ہرگز نہیں دے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ۴ر فی فرد کے واپسی لینے کا ہمارا خریدار حقدار ہے یا نہیں۔

الجواب

سائل کے خریدار کو ۴ر فی فرد کی واپسی لینے کا حق نہیں ہے بلکہ یہ واپسی سائل کو رکھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے مال کو بیع کر دینا عیب پر راضی ہونا ہے۔ اس دساور کو یہ دام دینا لازم ہے۔

قال فی الدر: وکذا کل مفید رضا بعد العلم بالعیب یمنع الرد والارش ومنه العرض علی البیع درمختار۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۳ جمادی الاولیٰ ۴۹ھ

فصل فی البیع الفاسد والباطل

ذبح سے قبل بکری کی کھال یا گوشت فروخت کرنا بیع فاسد ہے

سوال: ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ ایک شہر میں بکری کا گوشت اور کھال حسب تشریح ذیل فروخت ہوتی ہے۔ ایک شخص دیہات سے بکری خرید کر لاتا ہے اور شہر میں پہنچ کر بکری کی کھال زید کے ہاتھ اور گوشت عمر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور ابھی بکری زندہ ہے ذبح نہیں کی گئی۔ پھر جب عمر مناسب سمجھتا ہے بکری کو ذبح کر کے گوشت نکالتا ہے اور کھال زید کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ بیع فاسد ہے یا باطل۔

الجواب

قال فی العالمگیریۃ: ولا یجوز بیع لبن فی ضرع ولا ولد فی بطن ولا یجوز بیع صوف علی ظهر غنم فی الروایۃ المشهورۃ کذا فی محیط السرخسی ولو سلم الصوف واللبن بعد العقد لم یجز ایضاً ولا ینقلب صحیحاً کذا فی البحر ولو باع الجلد والکرش قبل الذبح لا یجوز فان ذبح بعد ذلک ونزع الجلد والکرش وسلم لا ینقلب العقد جائزاً کذا فی الذخیرۃ (ص ۵۰ ج ۳)

صورت مسئولہ میں گوشت اور کھال کی بیع قبل الذبح فاسد ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

بامر سیدی حکیم الامت ۲۸ جمادی الثانیہ

جس بکری کی بیع بطریق فاسد ہوئی ہو اس کا گوشت خریدنے کا حکم

سوال: ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ ایک شخص کسی تاجر چرم سے روپیہ پیشگی لے کر دیہات سے بکری خرید کر لاتا ہے یا اپنے ذاتی روپیہ سے خریدتا ہے۔ دونوں حالتوں میں زندہ بکری کا چمڑا تاجر چرم کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور شرط یہ ہوتی ہے کہ جب ذبح ہوگی اس وقت چمڑا ملے گا۔ اب وہ مالک بکری گوشت فروخت کرنے والوں کے ہاتھ مذکورہ بکری علاوہ چمڑا کے فروخت کر دیتا ہے اور یہ شرط ہوتی ہے کہ بعد ذبح چمڑا اس کو واپس کر دیں۔ گوشت والے اسی وقت اس

کو ذبح کرکے گوشت وغیرہ لے کر بازار میں برائے فروخت لے جاتے ہیں اور چمڑہ مالک بکری کو واپس کردیتے ہیں۔ یہ دو امور دریافت طلب ہیں۔

(الف) اس قسم کی بکری کا گوشت بازار سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اس طرح سے چمڑا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) قال فی العالمگیریۃ: ولا یجوز بیع لبن فی ضرع ولا فی بطن ولا یجوز بیع صوف علی ظہر غنم فی الروایۃ المشہورۃ کذا فی المحیط السرخسی ولو سلم الصوف واللبن بعد العقد لم یجز ایضاً ولا ینقلب صحیحاً کذا فی البحر ولو باع الجلد والکرش قبل الذبح لا یجوز فان ذبح ذلک ونزع الجلد والکرش وسلم لا ینقلب العقد جائزاً کذا فی الذخیرۃ (ص ۳ ج ۳)

ان نصوص فقہ سے واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں جس طرح بکری کا گوشت فروخت کیا جاتا ہے یہ بیع فاسد ہے۔

(الف) اگر معین طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس بکری کی بیع بطریق فاسد ہوئی ہے تو اس کا گوشت خریدنا جائز نہیں اور اگر عام رواج کی تو خبر ہے مگر کسی خاص کی بابت معلوم نہیں کہ اس کی بیع کس طرح ہوئی ہے، اس صورت میں احتیاط کرنا اچھا ہے مگر خرید لے گا تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔

قال فی الاشباہ ناقلاً عن القنیۃ غلب علی ظنہ أن أکثر بیاعات اھل السوق لا تخلو عن الفساد فان کان الغالب ھو الحرام تنزہ عن شراءہ ولکن مع ھذا لو اشتراہ یطیب لہ اھ قال الحموی ووجھہ ان کون الغالب فی السوق الحرام لا یستلزم کون المشتری حراما لجواز کونہ من الحلال المغلوب والاصل الحل اھ (ص ۴۲) قلت وھذا الامکان یرتفع إذا علم کون المشتری بعینہ من الحرام۔ واللہ اعلم۔

(ب) جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

بامر سیدی حکیم الامت ۹ رجب ۱۳۴۸ھ

حربی سے اس کی اولاد خریدنے کا حکم

سوال: میں سخاوت حسین نے اپنے پڑوسی چمار سے لڑکا لے کر مسلمان کرکے چند ماہ کا تھا جب اسے بطور غلام خرید کر پرورش کیا اور اس کا نام لیاقت رکھا جب یہ غلام لیاقت جوان ہوا تو اپنے آقا سخاوت حسین صاحب کی پروردہ لونڈی شبراتا کو لے کر اپنے آقا سے چھپ کر فرار ہو گیا اس وقت تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا۔ تخمیناً عرصہ ۲۰ سال یا اس سے زائد تک غلام لیاقت لونڈی شبراتا اپنے آقا سخاوت حسین سے پوشیدہ رہے اب لیاقت غلام و لونڈی شبراتنؓا کا پتہ لگا ہے تو اب اس صورت میں غلام لیاقت و لونڈی شبراتا جبکہ سخاوت حسین نے آزاد نہیں کیا تھا سخاوت حسین کی ملک میں ہیں یا نہیں اور سخاوت حسین کا ان پر کوئی حق ہے یا نہیں؟

(۲) اس درمیان ان کی جو اولاد ہوئی وہ کس کی ملک ہے۔ بعد سخاوت حسین کے جن کو ترکہ سخاوت حسین ملا ہے وہ ورثا لونڈی شبراتا و غلام لیاقت اور اس کی اولاد کے مثل ترکہ کے پانے کے حقدار ہیں یا نہیں؟

رفوٹ: اولاد غلام لیاقت کے نطفہ اور شبراتا کے بطن سے ہے۔

الجواب

لڑکا حریت و عبدیت میں والدین کا تابع ہوتا ہے۔ بظاہر جس چمار سے لڑکا لیا گیا تھا وہ اور اس کی بیوی آزاد ہیں تو یہ لڑکا بھی آزاد پیدا ہوا۔ اب اس کی بیع حر کی بیع ہے اور بیع الحر باطل ہے لانہ لیس بمال عند احد پس یہ لڑکا غلام اور سخاوت حسین کی ملک نہیں ہوا اور یہ معاملہ بیع باطل ہے۔

(۲) مسئولہ طور پر جب یہ ثابت نہیں کہ لیاقت اور شبراتا سخاوت حسین کے غلام کس طرح ہو گئے۔ ہندوستان میں جو بعض قومیں اپنی اولاد کو فروخت کر دیتی ہیں اس سے وہ اولاد خریدنے والے کی ملک نہیں ہو سکتی۔ لانہ بیع الحر فی الاصل لہذا جو اولاد لیاقت اور شبراتا سے پیدا ہو گئی ہے وہ سخاوت حسین کی ملک نہیں ہو سکتی نہ ورثاء سخاوت حسین کو ان میں کوئی حق ملک حاصل ہو سکتا ہے۔

قال فی فتاوی الشامیة فی النھر عن منیة المفتی اذا باع الحربی ھناک ولدہ من مسلم عن الامام انہ لا یجوز ولا یجبر علی الرد۔

(قال سیدی حکیم الامۃ وجہ عدم الجبر علی الرد انہ واقعۃ (حضر) لم تتمکن لحکم الاسلام ولایۃ فیہا وقت وقوعہا ۔ ولو دخل دارنا بأمان مع ولدہ فباع الولد لایجوز فی الروایات اھ ای لانہ فی اجازۃ بیع الولد نقض امانہ اھ (ص ۳۲۸ ج ۳)

قلت وما ذکرہ فی فتاوی عبدالحی من قول البزازیۃ والصحیح ان البائع ان کان یری جواز بیعہ ملکہ مطلقا وان کان لا یری ان اشتراہ وذھب بہ مکرھا ملکہ بالقھر اھ (ج ۱ ص ۲۰۱) لایعول علیہ لان الروایات اذا تعارضت یرجح المحرم علی المبیح وایضا فانہ مدارہ علی اعتقاد البائع ولایعرف ان اھل الھند یرون جواز بیع الاولاد فی مذھبہم بل الظاھر انہم مخالفون فی ذالک مذھبہم ومعتقدھم ومع ذالک فقول البزازیۃ خلاف اکثر المشائخ کما صرح بہ ھو بان بیعہ لایجوز اذا لم یو ذن الاصول ونقل العلامۃ عبدالحی عن الواقعات الحسامیۃ دخل دار الحرب بامان فاشتری من احدھم بنتا وابنۃ بطوع تکلموا فیہ قال اکثر المشائخ انبیع باطل مطلقا وفی البرجندی ولو باع الحربی ابنۃ او ابنہ فی دار الحرب من المسلم بطل سواء یری البائع جواز البیع اولا وھو روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ ورایۃ ھشام عن محمد اھ (ج ۲ ص ۱۰۳) واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۴ ذی القعدہ ۱۳۴۶ھ

غیر ملکی کارخانوں سے مال منگوانے اور قبل الوصول ۔ سوال: یہاں شہر رنگون میں بالعموم بیع کرنے کا حکم۔ نیز دوسرے کے مال کا مادکر بڑے تاجروں کا دستور ہے کہ استعمال کرنا اور اس پر جرمانہ لینا نرخ طے کرکے ولایت انگلستان جاپان یا جرمنی وغیرہ کے کارخانوں میں خریداری کی فرمائش روانہ کرتے ہیں کہ فلاں نمونہ اور فلاں قسم کا اس قدر مال مثلاً تین ماہ کے عرصہ میں تیار کرکے اس قدر نرخ پر روانہ کریں نیز منجملہ کچھ فرمائش کے مثلاً تہائی مال چوتھے مہینہ میں اور تہائی مال پانچویں مہینہ میں اور بقیہ چھٹے

جیسے جہاز پر چڑھائیں گے اور کبھی اس طرح فرمائش ہیں رکھتے ہیں کہ کل مال مثلاً تین ماہ کے ختم پر جہاز پر چڑھا دیا جائے اس فرمائشی مال کے ولایت سے روانگی سے پہلے ہی بلکہ بعض اوقات اس مال کی تیاری سے بیشتر یہ بڑے تاجر اسی طرح اس آنے والے مال کی فروختگی کا معاملہ یہاں کے چھوٹے تاجروں سے طے کر لیتے ہیں کہ فلاں قسم اور فلاں نمونہ کا مال اسی قدر مدت میں اس قدر نرخ پر تم کو دیں گے۔ اگر کوئی مسلمان اس طرح پر خرید و فروخت نہ کرے تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں کوئی بڑی تجارت نہیں کر سکتا۔ پس ارشاد ہو کہ اس طرح پر معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ سابقہ میں یہ بڑا تاجر ولایت فرمائش روانہ کر دینے کے بعد بازار کا بھاؤ گرا ہوا دیکھ کر اپنا نقصان محسوس کرتا ہے۔ پس کل یا جزو غیر تیار شدہ مال کی بابت بذریعہ تار ولایت میں اطلاع دیتا ہے کہ فرمائشی مال تیار کر کے نہ بھیجا جائے۔ اس صورت میں ولایت والے کوئی رقم بطور ہرجانہ صاحب فرمائش سے وصول کرتے ہیں پس ارشاد ہو کہ اگر یہ ہرجانہ کی رقم صاحب فرمائش ادا کرے تو شرعاً گنہگار ہوگا یا نہیں۔

۳۔ بڑے تاجروں کا یہ بھی دستور ہے ولایت کے کارخانوں سے معاملہ کر کے اپنے مال کے لئے کوئی خاص مارکہ مقرر کر لیتے ہیں یہ مارکہ اکثر جاندار چیزوں کا ہوتا ہے پھر وہ مارکہ کوئی دوسرا تاجر اپنے مال میں نہیں بنا سکتا اگر بنائے تو قانوناً مجرم ٹھہرے اور ہرجانہ بطور تاوان اس کو دینا پڑے اور اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لئے وہ مارکہ ڈلوا کر مال تیار کرانے سے یہی دوسرا تاجر روک دیا جائے۔ چنانچہ اس خاص مارکہ والے مال کو تاجر لوگ بہت کم نفع پر یا بالکل بغیر نفع لئے اصل لاگت پر فروخت کرتے ہیں پھر جب اس خاص مارکہ والا مال ملک میں پوری شہرت پالیتا ہے تو خاطر خواہ منافع پر بیچا رہتا ہے چونکہ قانوناً دوسرا تاجر اس خاص مارکہ کو اپنے مال پر نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے یہ دوسرا تاجر کوئی دوسرا مارکہ ڈال کر ولیسا یا اس سے کسی قدر بڑھیا مال بھی تیار کرائے تو بھی خریداران اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمارے کارخانے میں بھی مدت دراز سے اس طور پر مختلف مارکوں کا مال آیا کرتا ہے۔ اب اگر نئے مال کی ہم کو ضرورت پڑتی ہے تو بے جان چیزوں کا مارکہ ڈلواتے ہیں لیکن جاندار چیزوں

کے کئی سابقہ مارکہ پر جما ہے بہت شہرت پا چکے ہیں ان شہرت یافتہ مارکوں کی بدولت ہماری دوکان چل رہی ہے۔ اب اگر ان مارکوں کو بند کروا یا جائے تو دوکان کا کام رک جائے گا اور لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جائے گا۔ اگر یہی مال موجودہ جاندار تصویر کے مارکہ کو ترک کر کے بے جان چیز کا کوئی دوسرا مارکہ لگا کر منگا یا جائے تو اگرچہ پہلے سے عمدہ بڑھیا مال تیار کروایا جائے۔ پھر بھی اس قدر قیمت جو سابقہ مارکہ والے کی ہے ہرگز نہیں مل سکتی بس ارشاد ہو کہ ایسی حالت میں جاندار مارکہ والے مال کو جاری رہنے دینا درست ہے یا نہیں اور نیز اگر کوئی دوسرا تاجر ہمارا مارکہ والا مال تیار کرانے تو عدالت انگریزی سے رجوع ہو کے اس کو بند کر دینا اور اس کے ایسا کرنے سے جس قدر نقصان پہنچا ہے تخمیناً اس قدر اس سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہود و نصاریٰ و ہنود اور دوسری قومیں اور نیز اپنی قوم اگر یہ یقین کر لے کہ فلاں مسلمان تاجر اپنے مارکوں کا دعویٰ نہیں کرے گا تو یقیناً وہ لوگ ان کے مارکوں کا مال تیار کرائے گئیں جس کا نتیجہ یہ ہو اس کی تجارت یا تو بالکل نیست ہو جائے یا بالکل کمزور پڑ جائے۔

الجواب

(۱) اس معاملہ کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ بیع اس وقت نہ ہو بلکہ اس وقت محض وعدہ ہو کہ اتنے عرصہ کے بعد جب مال آ جائے گا ہم تم کو دیں گے۔ اس کا مضائقہ نہیں اور اس صورت میں چھوٹے تاجروں سے جو رقم پیشگی لی جائے گی وہ قیمت یا ثمن نہ ہوگا بلکہ اس کا قرض ہوگا بڑے تاجر پر مگر اس صورت میں تاجر اور خریدار دونوں کو اپنے قول سے پھر جانے کا حق ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مال آنے یا تیار ہونے سے پہلے ہی چھوٹے تاجروں سے بیع کا معاملہ کر لیا جائے اور یوں کہا جائے کہ ہمارا جو مال ولایت میں تیار ہو رہا ہے یا جو وہاں سے آ رہا ہے ہم نے اس کو تمہارے ہاتھ فروخت کر دیا یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ بیع معدوم ہے یا بیع سلم یقبض ہے اور دونوں فاسد ہیں۔ ہاں اگر خریدار کا نقصان ہو تو اس سے اس طرح بیع کرنے کا مضائقہ نہیں مسلمان کے ساتھ اس طرح معاملہ نہ کیا جائے اور اگر بدون اس طرح معاملہ کئے ہوئے چارہ نہ ہو تو اس کے جواز اور صحت کی صورت یہ ہے۔ بعد منزل پہنچ جانے کے ایجاب و قبول اسی وقت طے شدہ قیمت پر دوبارہ کر لیا

جائے۔ اگر خریدار مسلمان ہوگا تو وہ دوبارہ ایجاب وقبول ضرور کرے گا کیونکہ مسلم میں زبان ہی چلتی ہے اور تو کچھ نہیں ہوتا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے اسی وقت بیع سلم کی جائے جس کو ہمارے ہاں بدھنی کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے مگر اس کے لئے چند شرائط ہیں ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔ منجملہ ان کے ایک شرط یہ ہے کہ جس مال میں بیع سلم کی جارہی ہے وہ ایسا مال ہو کہ اگر ولایت سے نہ بھی آوے تو ہندوستان سے خرید کر خریدار کو دیا جا سکے۔ دوسری یہ کہ اس مال کی صفات بیان کرنے سے اس کی کیفیت وحالت کا خریدار کو پورا اندازہ ہو جاوے کہ مجھ کو ایسا مال ملے گا۔ نیز وہ مال ایسا ہو جس کے افراد میں تفاوت بہت زیادہ نہ ہو بلکہ سب افراد قریب قریب ہوں۔ نیز مدت اور مال عقد کے وقت متعین ہو جائے اگر کسی عذر کی وجہ سے مدت کے بعد ادا ہو مگر مدت متعین کر دینا عقد کے وقت ضروری ہے۔ نیز خریدار سے مال کی قیمت عقد کے وقت ہی وصول کی جاوے بالاجمال یہ ضروری شرائط بیع سلم کی بیان کر دی گئیں ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔

قال فی الدر: ولو انقطع فی اقلیم دون آخر لم یجز فی المنقطع ۔ قال الشامی ای منقطع فیہ لانہ لا یمکن احضارہ الا بمشقۃ عظیمۃ فیعجز بالتسلیم۔ بحر (ص ۲۱۸ / ج ۴)

(۲) اگر قسم ہرجانہ ادا کرے تو گنہگار نہیں بشرطیکہ ابھی تک ان ولایت والوں نے تیاری فرمائش کا کام شروع نہ کیا ہو اور اگر انہوں نے اس کی فرمائش تیار کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ پھر اس نے انکار کیا تو اس کے متعلق مفصل سوال کیا جائے کہ فرمائش کے واپس لینے میں اس حال میں ان کو واقعی ضرر پہنچتا ہے یا نہیں مثلاً ملازموں کی مشغولی سے کارخانہ کا حرج یا کچھ تیار شدہ مال کا ان سے بے کار ہونا وغیرہ۔

(۳) ایک شخص کے مارکہ کو دوسرا شخص استعمال نہیں کر سکتا۔ لا لانہ حقہ فان الحقوق المجردۃ لا تملک بل لما فیہ من الخداع۔ اگر کوئی شخص دوسرے کا مارکہ استعمال کرے تو مارک والے کو اس پر جعل وفریب دہی کا مقدمہ دائر کرنے کا حق ہے لیکن اگر اس صورت میں عدالت صاحب مارکہ کو رقم مدعی علیہ سے دلوائے تو وہ مقدار ضرر وصرف مقدمہ سے زائد رقم اس کو مدعی علیہ کی جانب واپس

کر دینی چاہیئے ۔ مارکہ بے جان چیز کا ہو تو اس میں مشبہ ہی نہیں ۔ یہ تو بالکل جائز ہے ۔ البتہ جاندار مارکہ بظاہر حرام ہے اس میں بھی دو درجے ہیں ایک درجہ استعمال کا ہے تو جس مال پر تصویر مارکہ ہے اس کو دوکان میں رکھنا اور تصویر کے ساتھ فروخت کرنا دوسرا بنوانے کا ہے ۔ پس ایسی مارکہ دار چیزوں کے دوکان میں یا گھر میں رکھنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو جس کے اعضاء کی تفصیل کھڑے ہونے والے کو نظر نہ آوے تو اس کا گھر میں اور دوکان میں رکھنا ممنوع نہیں اور اگر اتنی بڑی ہو کہ تھوڑے فاصلے سے بھی اس کی تفصیل اعضاء نظر آسکتی ہو تو اس کا رکھنا ممنوع ہے ۔

قال فی الدر أو کانت صغیرة لاتتبین تفاصیل اعضائها للناظر قائما وهی علی الارض ذکره الحلبی اھ وفی الشامیه لکن فی الخزانة ان کانت الصورة مقدار طیر (ای بقدر جثة الطیر) یکره وان کانت اصغر فلا ۔ رہا تصویر کا بنانا ، یہ مسلمان کے لیئے مطلقاً حرام ہے خواہ چھوٹی بنائے یا بڑی بنائے ۔ اسی طرح مسلمان سے بنوانا بھی ممنوع ہے ۔

قال فی الشامیة هذا کله فی اقتناء الصورة اما فعل التصویر فهو غیر جائز مطلقاً لانه مضاهاة لخلق الله تعالیٰ کما مر اھ ولو استاجر مصورا فلا أجر له لان عمله معصیة کذا عن محمد وفی آخر حظر المجتبی عن ابی یوسف یجوز بیع اللعبة وان یلعب بها الصبیان ۔ اھ ملخصاً (ج ۱/ ۴۹ ، ۴۰۰) رہا کافر سے تصویر بنوانا پس ہرچند کہ یہ بھی کراہت تحریمی سے خالی نہیں مگر مسلمان کے بنانے کے برابر اس میں حرمت نہیں ۔

قال فی الدر : أو أمر المسلم ببیع خمر او خنزیر او اشترائهما ای وکل المسلم ذمیا او أمر المحرم غیره ببیع صیده یعنی صح ذالک عند الامام مع اشد کراهته اھ (ص ۵۰۱ ج ۴)

پس تفصیل تو تصویر کے بنوانے اور رکھنے کی تو ابتدائی حالت میں نظر کرتے ہوئے اور صورت مستفسرہ میں حکم یہ ہے کہ جب غلطی سے جاندار کا مارکہ ڈلوا دیا گیا اور اب اس کے ازالہ میں نقصان کثیر ہوتا ہے تو اب یہ مارکہ بظاہر تصویر کے حکم میں داخل ہے کہ جس طرح بضرورت وہ جائز ہے کیونکہ اس کی تخریب سے نقصان مالی لازم آتا ہے اسی طرح

اس بارہ میں بھی گنجائش ہے جبکہ اس کا ازالہ موجب ضرر ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بہت کر سکے اس کا زائل کر دینا افضل و اولیٰ ہے۔ یفرق بین تصویر مسکۃ وفیھا فانت فی الاول مجرد الاقتناء ضرورۃ وھھنا فعل التصویر امرا بالستر عنا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۵ محرم ۱۳۵۳ھ

بیع بشرط الاقالہ سے بیع کا فاسد ہونا اور بیع فاسد کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شخص کا مکان اس شرط پر بیع کیا کہ جس وقت تم کو ضرورت ہوگی فوراً اصلی قیمت پر تم کو واپس کر دوں گا۔ دو گواہوں کے سامنے مالک مکان نے اس کے مطابق رجسٹری کرا دی اب جو مکان طلب کیا تو خریدنے والے نے کہا کہ جاؤ دعویٰ کرو۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

الجواب

قال فی الھدایۃ: وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین او للمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہ (ج ۳ ص ۵۹)

صورت مسئولہ میں یہ بیع فاسد ہے جس کا حکم یہ ہے کہ بائع و مشتری دونوں کو توڑ دینا دیانتاً واجب ہے لیکن اگر مشتری نہ توڑے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ قبضہ سے شیٔ مبیع اس کی ملک میں داخل ہو گئی اور اگر یہ بیع بالوفا تھی تو دوبارہ سوال کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

نابالغ کی جائیداد کو فروخت کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و حاملان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ بکر اور زید دو حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کی جائیداد اور کاروبار مشترک تھے۔ نیز گھر بھی ایک ہی تھا یعنی کھانا پینا بھی علیحدہ نہیں تھا۔ ان میں سے زید فوت ہو گیا۔ وہ صرف دو لڑکے خالد اور ولید وارث نابالغ چھوڑے دونوں نابالغوں کا حقیقی چچا بکر ولی رہا۔ حسب سابق سب ساتھ ہی رہتے رہے۔ اور کاروبار صرف ولی مذکور ہی کرتا رہا۔ جائیداد غیر منقولہ مشترکہ میں صرف دو مکان تھے۔ بکر اور خالد نے مہر

دو مکان سودی روپیہ پر رہن رکھ دیئے۔ اس وقت خالد بھی بالغ ہو چکا تھا۔ کچھ
عرصہ بعد ہر دو مکانات مذکورہ میں سے ایک مسلمان کے ہاتھ ایک مکان بیع کر دیا۔
بوقت بیع مذکور ولیدہ کی عمر دس سال کی تھی۔ یہ بیع سنہ ۱۹۱۰ء میں ہوئی تھی اور ولیدہ کو بیع کا
بخوبی علم تھا۔ بیع شدہ مکان پر بیع کے وقت مشتری کا قبضہ ہو گیا اور اب تک
مسلسل ہے اور فریقین بیع شدہ مکان کے عین متصل رہتے ہیں اس واسطے ولیدہ کا
یہ علم ہمیشہ تازہ رہا۔ کئی سال کے بعد مرتہن نے زر رہن مع سود کا دعویٰ کر دیا۔
دوران مقدمہ میں خالد و ولیدہ نے عذر کیا کہ دونوں بوقت رہن نابالغ تھے۔ گو اب بالغ
ہو گئے ہیں اس لئے ان کے حصے پر رہن کا اثر نہیں ہے۔ تحقیقات عدالت سے ثابت ہوا
کہ خالد رہن کے وقت ۱۸ سال سے زیادہ عمر کا ہو چکا تھا البتہ ولیدہ نابالغ تھا چنانچہ عدالت
انگریزی نے رہن شدہ جائیداد کا چہارم یعنی ولیدہ کا حصہ رہن سے خارج سمجھ کر علیحدہ
کر دیا اور صرف بقیہ خالد کے حصے پر ڈگری کر دی چونکہ اس دوران میں ولیدہ بھی بالغ
ہو چکا تھا اور مقدمہ کی پیروی کر رہا تھا۔ اسے بخوبی علم ہو گیا کہ نابالغی کی وجہ سے اس کا
حصہ ڈگری سے بچ گیا ہے۔ عدالت نے ہر دو مکان کی نیلامی کا حکم دیا جو مکان بیع ہو چکا
تھا اس کے مشتری نے عذرداری کی اس لئے اس بیع شدہ مکان کی نیلامی ملتوی ہو
گئی اور صرف دوسرا مکان نیلام ہوا۔ اب مرتہن اور مشتری کے بیع شدہ مکان کے
باہم مقدمات دائر ہوئے اور کئی سال مقدمہ رہا۔ اگرچہ اس مقدمہ میں ولیدہ فریق نہیں
تھا لیکن فریقین کے دلائل میں ولیدہ کا حصہ بھی آیا اور عدالت نے صریح فیصلہ کر دیا کہ
مکان متنازعہ میں کوئی حق مرتہن نیز ولیدہ کا نہیں ہے۔ مرتہن کا دعویٰ خارج کر دیا۔ یہ
فیصلہ عدالت ماتحت سے ہو کر ہائی کورٹ تک بحال رہا۔ قانون انگریزی کے بموجب
اب ولیدہ کا کوئی حق باقی نہیں رہا اس لئے وہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں ولیدہ نے
مشتری سے بالواسطہ کہلوایا کہ مکان کا میرا حصہ واپس کر دو اور بیع سے ناراضامندی کا
اظہار کیا۔ مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ ولیدہ سنہ ۱۹۱۵ء میں بالغ ہو گیا تھا کیونکہ اس کی
عمر ۱۵ سال کی ہو گئی تھی۔ بالغ ہونے اور بیع کا ابتداء سے علم ہونے کے باوجود اس نے سنہ ۱۹۲۳ء
تک سکوت کیا یعنی ایام بلوغ ۸ سال تک عقد بیع کو تسلیم کرتا رہا۔ ان حالات میں شرع
شریف کا کیا حکم ہے۔ آیا اس قدر مدت کے بعد اب بھی ولیدہ کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے

یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں جو مکان مشترک مابین بکر و خالد و ولید بحالت نابالغی ولید بیع کیا گیا اس کی بیع حصہ نابالغ میں نافذ نہیں ہوئی۔

قال الحموی علی الاشباہ لو ادعی یتیم بعد بلوغه أن بیع عقاره بغیر مسوغ فادعی المدعی علیه المسوغ فالقول قول الیتیم وعلی المدعی علیه البینة لأن الیتیم یتمسک بعدم خروجه عن ملکه اذ بیعه والحالة هذه عندنا باطل کما صرح به فی التاتارخانیة ولا فرق عندنا بین أن یکون البائع أبا أو جداً أو قاضیاً أو وصیاً من جانب الأب أو القاضی ولم أر من صرح بذلک ولکن علم من کلامهم (ص ۳۱۵)

وفیه أیضاً لا یجوز للوصی بیع عقار الیتیم عند المتقدمین ومنعه المتأخرون أیضاً إلا فی ثلاث کما ذکره الزیلعی إذا بیع بضعف قیمته وفیما إذا احتاج الیتیم إلی النفقة ولا مال له سواه وفیما إذا کان علی المیت دین لا وفاء له منه وزدت أربعة فصار المستثنی سبعة ثلاثة من الظهیریة فیما إذا کان فی الترکة وصیة مرسلة لا نفاذ لها إلا منه وفیما إذا کانت غلاته لا تزید علی مؤنته وفیما إذا کان حانوتاً أو داراً یخشی علیه النقصان اھ والرابعة من بیوع الخانیة فیما إذا کان العقار فی ید متغلب وخاف الوصی علیه فله بیعه اھ قال الحموی ومثل الوصی الأب فلا یجوز بیعه عقار الصغیر إلا فی المسائل المذکورة کما أفتی بذلک شیخ مشایخنا شمس الملة والدین محمد الحانوتی اھ (ص ۳۱۳ و ۳۱۴)

خلاصہ ان نقول کا یہ ہے کہ باپ اور وصی کو نابالغ کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں پس صورت مذکورہ میں چچا اور بھائی نے جو ولید کا حصہ بیع کیا یہ صحیح نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ ان دونوں میں سے کوئی وصی ہو یعنی ولید کے باپ نے ان میں سے کسی کو ولید کا وصی بنایا ہو تو اس صورت میں بعض حالات میں یہ بیع درست ہو سکتی ہے۔ اگر ولید کے

باپ نے کسی کو وصی بنایا ہو تو اس صورت میں دوبارہ سوال کیا جائے اور یہ بتلائیں کہ وصی نے ولید کا حصہ کیوں اور کس وجہ سے بیع کیا۔ رہا ولید کا بعد البلوغ ۱۰ سال تک بیع سے سکوت کرنا یہ اس کے حق میں دعویٰ کو مسقط نہیں۔

وکان أحد الورثة قاصرًا والباقی بالغین تسمع الدعوی (بعد المدۃ المذکورۃ) بالنظر الی القاصر لقدر ما یخصہ دون البالغین اھ (ج ۳/۵۳۱) وقال ایضا تحت قول المتن حتی لو أمر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر عامًا فالم نصہ عن الخیریۃ أن المستثنی ثلاثۃ مال الیتیم والوقف والغائب اھ (ج ۳/۵۳۲)

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

جمادی الثانیہ [illegible]ھ

اپنی زمین کے اندر پانی میں مچھلی کی بیع کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس صورت میں کہ زمین کا ایک ٹکڑا نشیبی پر سرکاری لگان مقرر ہے اور ہمیشہ اس میں پانی رہ جاتا ہے۔ آبادی کا موقع نہیں ملتا۔ مالک کو بھاری لگان کی ادائیگی اپنی گرہ سے سخت نقصان ہے۔ طلباء اور حکام کی مدارت اس پر لازم ہے۔ اس نشیبی ٹکڑا مذکورہ میں مچھلی بہت جمع ہوتی ہے۔ راستہ آمد و رفت مچھلی کا بند ہے۔ ماہرین فن مچھلی کا اندازہ اور اپنے نفع کا خیال کر کے قیمت دینا منظور اور مچھلی کی بیع پر مجبور کرتے ہیں۔ مچھلی کی بیع فاسد یا باطل یا جائز ہے یا نہ اور بصورت بیع اس کا زرثمن حلال ہے یا نہ حکام اور طلباء پر اس زرثمن سے صرف کرنا کس طرح ہے۔ اگر نا جائز ہے تو اس کے جواز کا کوئی حیلہ ہے جس سے سرکاری معاملہ کا بوجھ مالک سے گر جائے۔ بحوالہ کتب فقہ حنفی مفصل طور پر جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

قال فی الدر وفسد بیع سمک لم یصد أو صید ثم ألقی فی مکان لا یؤخذ منہ الا بحیلۃ للعجز عن التسلیم وإن أخذ بدونہا صح ولہ خیار رؤیۃ الا اذا دخل بنفسہ ولم یسد مدخلہ فلو سدہ ملکہ اھ قال الشامی والحاصل کما فی الفتح أنہ دخل السمک فی حظیرۃ

فاما أن يعد صائداً لذلك اولا ففي الاول يملك وليس لأحد أخذه ثم ان أمكن أخذه بلا حيلة جاز بيعه لأنه مملوك مقدور التسليم والا لم يجز لعدم القدرة على التسليم وان كان مملوكا (۱۲) والثاني لا يملكه فلا يجوز بيعه لعدم الملك الا أن يسد الحظيرة اذا دخل فحينئذ يملكه ثم ان امكن أخذه بلا حيلة جاز بيعه والا فلا وان لم يعد صائداً لذلك لكنه أخذه وارسله فيها ملكه ثم حكم البيع منوط على ما مر من أخذه بحيلة او بغير حيلة اه بمعناه (ص ۱۴۲ ج ۴)

خلاصہ یہ کہ اگر یہ زمین مچھلیوں کے جمع ہونے کے لئے مقرر کرلی گئی ہو تو مچھلیاں صاحب زمین کی مملوک ہیں دوسروں کو پکڑنے کا حق نہیں۔ اسی طرح اگر زمین اس لیے تیار تو نہ کی گئی ہو مگر مچھلیوں کے دخول کے بعد نکلنے اور آنے کا راستہ بند کردیا گیا ہو تب بھی مالک زمین کی مملوک ہیں یا راستہ بھی بند نہ کیا گیا لیکن مالک زمین نے ان کو خود لاکر چھوڑا ہو تب بھی مملوک ہیں اور ہر صورت میں بیع کا حکم یہ ہے کہ اگر مچھلیاں بدون جال وغیرہ کے بآسانی پکڑی جاسکیں تب تو پکڑنے سے پہلے بیع جائز ہے ورنہ جائز نہیں جس صورت میں بیع جائز ہے اس صورت میں ثمن حلال ہے ورنہ حلال نہیں جس کا تصدق مشتری پر واجب ہوگا اور لگان میں بھی دے سکتا ہے اور اگر ان مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو مچھلیاں مالک زمین کی مملوک نہ ہوں گی اور ثمن کا خریداروں پر واپس کرنا واجب ہوگا۔ اس صورت میں بیع کرنا اور ثمن کو لگان وغیرہ میں دینا کچھ جائز نہ ہوگا۔ عدم ملک اور عدم جواز بیع کی صورت میں حیلہ جواز بیع یہ ہے کہ مچھلیوں کو شکار کرکے بیع کیا جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ جمادی الثانیہ ۲۳ھ

کھال کی بیع گوشت سے علیحدہ کرنے سے پہلے جائز نہیں

سوال: ہمارے محلے میں دو تین گائے کی ہر سال قربانی ہوتی ہے اور اس جگہ کے قصاب کھال نکالتے اور گوشت بناتے ہیں اور قربانی کی کھالوں کو خریدتے ہیں لیکن کھالوں کی قیمت واقعی نہیں دیتے کمی کے ساتھ تین یا چار روپیہ فی کھال دیتے ہیں چونکہ اور کوئی خریدار نہیں ہوتا اس لئے مجبوراً کھالیں انہیں کو دینی پڑتی ہیں۔ امسال ایک قصاب دوسرے گاؤں کا آیا اور

اور اس نے قبل از قربانی، قربان کی گائے کو دیکھ کر کھالوں کا سودا کر لیا اور چھ روپیہ سات روپیہ فی کھال کی شرح سے کھالوں کو خرید لیا۔ بعد قربانی کے کھالیں قصاب کو دے دی گئیں۔ یہ عمل محض مساکین کے فائدے کے خیال سے کیا گیا۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھالوں کا قربانی سے پہلے سودا کرنے سے قربانی ناجائز ہوگئی۔

الجواب

کھال کی بیع کرنا قبل اس کے کہ کھال گوشت سے علیحدہ کی جائے درست نہیں۔ (بحوالہ الثانی درمختار کتاب البیوع ج ۴/۱۴۷) اس لئے کھالوں کا معاملہ درست نہیں ہوا۔ اس کو دوبارہ کر لیا جائے اور تراضی طرفین کے ساتھ قصاب سے کہہ دیا جائے پہلی بیع صحیح نہ ہوئی تھی اب دوبارہ زبان سے اسی قیمت پر ایجاب و قبول کر لو اور اگر وہ کھالیں اس وقت قصاب کے پاس نہ ہوں تو سوال دوبارہ کر لیا جائے لیکن اس عمل سے قربانی میں کچھ نقصان نہیں آیا۔ قربانی درست ہوگئی۔ صرف یہ لازم ہے کہ جب تک کھالوں کا معاملہ دوبارہ صحیح نہ ہو جائے اس وقت تک کھالوں کی قیمت میں تصرف نہ کیا جائے بعد تصحیح عقد کے تصرف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۱ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۶ھ

وقف کی بیع باطل ہے

سوال: زید کا وقف کردہ مکان متولی وقف عمرو بیع کر دے اور اس کے پیسوں سے اور جائیداد خریدے تو آیا اس طرح کرنے سے وقف باطل ہوگا یا نہیں؟

الجواب

وقف تو باطل نہ ہوگا البتہ متولی کی بیع باطل ہے جبکہ بلا اذن قاضی ایسا کیا ہو اور ہندوستان میں بلا اذن قاضی ہی ایسا ہوتا ہے پس عمرو کو لازم ہے کہ اس بیع کو جو باطل ہے کالعدم سمجھے اور مشتری کو ثمن واپس کر کے زمین موقوفہ کو واپس لے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۳ھ

قبرستان کی زمین کی بیع کا حکم

سوال: مسلمانوں کے ایک گاؤں میں سالہا سال سے مسلمان زمینداروں کی طرف سے مردہ دفن کرنے کے لئے ایک اراضی ہے جگہ جب تم

قبرستان معروف چلی آتی ہے۔ کاغذات سرکاری میں اس کا نمبر ۲۵ نوعیت قبرستان درج ہے تقریباً ساٹھ سال ہوئے ایک بندوبست میں زمینداران نے حسب ضابطہ ایک واجب العرض بھی داخل کیا جس کی دفعہ ۲۴ میں الفاظ ذیل لکھے ہوئے ہیں:

"اور مردہ مسلمانان کے قبرستان میں ہندوؤں کے جو لوگ ہیں جلا اور گاڑا کریں اور کچھ واسطہ معیت نہ ہوگا" ان الفاظ میں اب تک بھی کوئی تغیر نہیں ہوا بلکہ بدستور چلے آتے ہیں۔ تقریباً چالیس سال ہوئے اراضی قبرستان مذکورہ کے ملحق جو اراضی متعلق ۲۴/۲ تعدادی چودہ بسوہ اور متعلق ۲۶/۲ تعدادی سولہ بسوہ افتادہ ملک ۲۶ تھی۔ برضامندی مالک زمیندار اس میں مردے دفن ہونے لگے اور مالک کے زمانہ حیات ہی میں بہت سی قبریں بن گئیں تھیں اور بندوبست حال میں جس کو تخمیناً تیس سال ہوئے اراضی ۲/۱ بیگہ گیارہ بسوہ متعلق ۲۵/۳ سابقہ اور اراضی ۳ متعلق ۲۴ تعدادی چودہ بسوہ اور اراضی متعلق ۲۶ تعدادی سولہ بسوہ کل چار بیگہ ایک بسوہ نوعیت قبرستان لکھی گئی اور بنا تسلیم ہر سہ نمبرات مذکورہ ۲۵/۳، ۲۴، ۲۶/۲ کے ایک ... قبرستان مذکورہ کا قائم کر دیا گیا۔ مالک اور زمیندار نے بھی قبرستان مذکورہ کل اراضی چار بیگہ ایک بسوہ تسلیم کرتے ہوئے کاغذات بندوبست پر دستخط کر دیئے۔ اصل مالک زمیندار کے انتقال کے بعد اس کے کسی وارث نے اپنی حقیت مندرجہ کھیوٹ ۲ دے کا بیعنامہ ایک غیر مسلم کے نام کیا جس کو عرصہ تقریباً آٹھ سال کا ہوا اور اراضی متعلق نمبر ۲۶/۲ تعدادی سولہ بسوہ جو کھیوٹ ۲ میں درج تھی بیع سے مستثنیٰ قصداً یا سہواً بائع نے نہیں کیا۔ بجز بدرج کھیوٹ ۲ ہونے کے اس اراضی کی بیع کی بیعنامہ میں کوئی صراحت بھی نہیں کی گئی۔ بس صورت مذکورہ بالا میں حسب ذیل سوالات ہیں۔ (۱) اراضی متعلق ۲۴، ۲۵/۳، ۲۶/۲ حکم قبرستان میں شامل ہوگی یا نہیں اور کل اراضی چار بیگہ ایک بسوہ کو بحکم قبرستان تسلیم کیا جاوے گا یا نہیں جبکہ اصل مالک نے بوقت بندوبست حال تسلیم کر لیا تھا (۲) اس کل اراضی قبرستان میں کسی جزو کی بیع کرنا کسی کو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر غلطی یا سہو سے کسی جزو کی بیع کسی شرعی وارث نے کر دی تو شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہوگا۔

تنقیح

اراضی دو بیگہ گیارہ بسوہ ۲۵/۳ کے متعلق تو چونکہ زمینداران نے تصریح کی ہے کہ کچھ واسطہ

ملکیت کا نہ ہو اس کو تو وقف کہا جا سکتا ہے بشرطیکہ سب مالکوں کی اجازت ہو اور ان میں کوئی نابالغ نہ ہو۔ باقی نمبروں کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زمینداروں نے اس کے وقف ہونے کی تصریح کی ہے یا نہیں؟ صرف قبرستان قرار دینے سے وقف ہونا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا جب تک اس تنقیح کا جواب نہ دیا جائے مسئلہ نہیں بتلایا جا سکتا۔

جواب تنقیح

واجب العرض جس کو تقریباً ساٹھ سال ہو گئے ہیں وہ بدستور چلا آرہا ہے اس میں کسی نمبر کے متعلق زمینداروں کی جانب سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے اس میں کسی جانب کی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی جس کی رو سے ۳۴/۱ و ۳۴/۲ بھی مثل ۳۵ ایک حکم میں ہیں اس لئے سوال میں اس تفصیل کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

الجواب

(۱) اراضی دو بیگہ گیارہ بسوہ تو بحکم قبرستان موقوف ہے جس کا نمبر کاغذات سرکاری میں ۳۵ تھا۔ اس کی تو بیع و شراء جائز نہیں کیونکہ زمینداروں نے اس کے متعلق وسط ملکیت نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے باقی اراضی ۳۴/۱، ۳۴/۲ کو محض اس وجہ سے کہ ان میں برضامندی مالک و زمیندار مردے دفن ہوتے گئے اور زمینداروں نے کاغذ پر دستخط کر دیئے تھے۔ تو یہ قبرستان موقوف نہیں کہا جا سکتا جب تک زمیندار کی طرف سے وقف یا قطع ملکیت کے الفاظ کا ثبوت نہ دیا جائے کیونکہ دفن اموات کی اجازت دینا وقف کو مستلزم نہیں بعض دفعہ اراضی مملوکہ میں بھی دفن کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

(۲) اراضی نمبر ۳۵ کے کسی جزء کی بیع جائز نہیں اور ۳۴/۱ و ۳۴/۲ کا وقف ہونا جب تک مالکان کی تصریح سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی بیع کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

(۳) اراضی نمبر ۳۵ کا کوئی جزء بیع ہو گیا ہو تو بیع باطل ہے بائع پر لازم ہوگا کہ مشتری کو ثمن واپس کر کے اس زمین کی بیع کو فسخ کرے اور اراضی ۳۴/۱، ۳۶/۱ کی بیع وارثان مالک کو جائز ہے۔ جب تک اس کے وقف کا ثبوت نہ ہو۔ اگر وقف کا ثبوت ہو جائے تو ان نمبروں کی بیع بھی درست نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۳ ربیع الثانی [illegible]

باغ کی خودرو گھاس کی بیع کا حکم

سوال: زید ایک آم کے باغ کا مالک ہے اور وقتاً فوقتاً اس کی درستگی اور حفاظت کرتا رہتا ہے۔ بارشس کے زمانہ میں اس باغ کے اندر گھاس خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اس گھاس کو زید بعض لوگوں سے کچھ رقم لے کر ان کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مویشی اس میں چرایا کریں۔ سوال یہ ہے کہ آیا زید کے لئے یہ جائز ہے اور اس طرح وصول شدہ قیمت حلال ہے یا ناجائز وحرام ہے؟

الجواب

باغ کی گھاس کو اس طرح فروخت کرنا جائز نہیں البتہ ایک صورت میں جائز ہے جبکہ ایک دو مرتبہ باغ کی زمین میں ہل چلا دیا جائے یا گھاس کو پانی دے دیا جائے جس سے گھاس بڑھ جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

فصل فی بیع الأراضی والبساتین والزروع والثمار

باغ کا پھل بطور ٹھیکہ کے کئی سال کے واسطے بیع کرنا

سوال: ایک شخص کے پاس چند باغ ہیں۔ ایک باغ کا پھل آنے سے پہلے بلکہ کئی سال بیشتر بیچتا ہے اور کہتا ہے یہ بیع نہیں بلکہ ٹھیکہ ہے۔ ایک باغ مع زمین مال لگان لے کر دیتا ہے۔ لینے والا زمین میں آلو گاجر وغیرہ لگا لیتا ہے اور نہر وغیرہ کا پانی بھی مثل کاشتکاروں کے دیتا ہے۔ اب زکوٰۃ اصل باغ کے مالک پر ہے یا لینے والے پر یا دونوں پر کس تفصیل سے جنس پر یا رقم پر۔

الجواب

پھل آنے سے پہلے باغ کا پھل بیچنا حرام ہے اور ٹھیکہ پر پھل کی بیع درست نہ ہوگی اور جس باغ کو لگان پر دیتا ہے اس کی پیداوار میں زکوٰۃ نہ مالک پر ہے نہ کاشتکار پر بلکہ

ف۔ اس مسئلہ کی تحقیق امداد الاحکام ج ۲ صفحہ ۳ پر باب العشر والخراج کے تحت عنوان "ارض حربی میں عشر وخراج کا واجب نہ ہونا" کے عنوان سے موجود ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ مرتب

ردّ حیلۂ جواز بیع ثمار قبل از ظہور	سوال: عرض ہے کہ ایک زمیندار صاحب کو خادم نے باغوں کی بیع فاسد مروجہ زمانے سے بچنے کا حیلہ بتلایا کہ زمین کا مع

درختوں کے ٹھیکہ دے دیں۔ انہوں نے ایک اپنے بڑے باغ کا (جس میں اراضی قابل زراعت بھی ہے اور بعض پیاز بھی ہے اور درخت آم وغیرہ بہت ہیں) سب کا ٹھیکہ سات سو روپیہ میں دے دیا اور اس حیلہ کا ثبوت درمختار جلد ۴ صفحہ ۴۲ مجتبائی باب ما یدخل فی البیع تبعاً کی اس عبارت سے سمجھا۔

وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ یعلم فیہا الادراک بباقی الثمن۔

ایک سیّد متدین عالم نے میری تائید کی۔ اب عرض ہے کہ حضرت یہ مسئلہ صحیح بتلایا یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اپنی غلطی سے زمیندار کو آگاہ کر دوں۔ درصورت غلطی کے تجدید معاملہ کی جائے یا کیا صورت اصلاح کی ہے بیان فرمائیں۔

الجواب

یہ صورت حیلہ درست نہیں ہوئی کیونکہ اس زمین میں اشجار کا ہونا مانع اجارہ ارض ہے اور درختوں کا ٹھیکہ دینا بدون صورت مساقات کے درست نہیں پس اوّل درختوں کا معاملہ بطور مساقات کے کرنا چاہیئے تھا۔ پھر زمین کا اجارہ کرنا چاہیئے تھا۔ قال فی الشامیہ، وفی الثالث (وھو ما اذا وجد بعضہ دون بعض کثمر الأشجار المختلفۃ الانواع) یشتری الموجود من الثمر بکل الثمن و یحلل لہ البائع ما سیوجد لکن استیجار الأرض لایتاتی منہا لکن الأشجار باقیۃ علی ملک البائع وقیامہا فی الارض مانع من صحۃ استیجار الارض الّا ان یأخذھا اولا معاملۃ کما مر لانہا تصیر فی تصرفہ او تکون الاشجار علی المساۃ فانہا حینئذ لاتمنع صحۃ اجارۃ الأرض کما یعلم من بابہا۔ (ج ۴ ص ۶۱)

(ف) بدون شامی دیکھے ہوئے محض درمختار سے فتویٰ کبھی نہ دیا جائے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۴۸ھ

حکم بیع الارض المشترکۃ / **بیع ارض المشترکۃ**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تین بھائی بہن تینوں علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ زید نے اپنی کچھ جائیداد اپنے ایک بھائی کے ہاتھ قیمت لے کر فروخت کر دی، یہ جائیداد زید کی زرخرید تھی اور تھوڑی سی جائیداد اس میں مشترک بھی تھی۔ جائیداد بیع کرنے سے قریباً پونے چار سال بعد زید لاولد مر گیا۔ بعد انتقال زید ایک بھائی دعویدار ہوتا ہے کہ جائیداد اور بیع شدہ زمین از روئے شرع شریف میں ایک ثلث جائیداد پانے کا مستحق ہوں اور بیعنامہ جائیداد محض فرضی ہے۔ از روئے شرع شریف مذہب حنفیہ زید کو اپنی جائیداد فروخت کرنے کا یا بلا قیمت کے ایک بھائی کو دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

الجواب

اس جائیداد میں جس قدر بائع کی زرخرید تھی وہ تو کل اور جس قدر آبائی تھی اس میں سے بقدر حصہ بائع مشتری کی ملک ہو گئی اور زمین آبائی میں سے جو مقدار حصہ بائع سے زائد ہے اس کی بیع صحیح نہیں ہوئی بلکہ بقیہ ورثاء اس کے حقدار ہیں اور دوسرے بھائی کا اس کو فرضی کہنا اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ شرعی حجت سے اس کا فرضی ہونا ثابت نہ کرے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۲۰ رجب ۱۳۴۵ھ

پھلوں کی خرید و فروخت کی ایک صورت

سوال: گذارش ہے کہ میری ملک میں ایک باغ ہے جس میں مختلف اقسام کے پھلوں کے درخت ہیں جو جدا جدا موسموں میں پھل لاتے ہیں۔ حتی الامکان یہی سعی کی جاتی ہے کہ ہر ایک پھل کو اس کی تیاری پر فروخت کیا جائے مگر اس صورت میں بڑی دشواری اور بہت نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے ہر پھل کا جدا جدا خریدار بمشکل دستیاب ہوتا ہے اور اگر کوئی خریدار آتا ہے تو قیمت بہت کم لگاتا ہے اور مجھے یہ دشواری پیش آتی ہے۔ ہر پھل کی حفاظت کے لئے فروخت ہونے تک ملازم تنخواہ دار رکھنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں کچھ نفع نہیں ہوتا میں نے ایسا بھی کیا کہ باغ کو مع زمین کے ٹھیکہ پر دے دیا مگر ٹھیکہ دار کی بے پرواہی اور عدم نگہداشت کی وجہ سے درختوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا اس لئے گذارش ہے کہ کوئی ایسی صورت ارقام فرما دیں جس میں سہولت بھی ہو اور نقصان بھی زیادہ برداشت نہ کرنا پڑے۔

الجواب

اس صورت میں یہ کہا جائے کہ پورے باغ کی جو قیمت خریدار لگائے آپ اس قیمت میں موجود پھل کو بیع کر دیں اور خریدار سے کہہ دیں اس موجودہ پھل کے سوا جو اور پھل بعد میں آئے گا وہ میں نے تمہارے لئے مباح و حلال کر دیا اور یہ قیمت اس پھل کی ہے جو اس وقت موجود ہے۔

قال فی الشامیہ: وجد بعضہ دون بعض کثمر الاشجار المختلفۃ الانواع وفیہ یشتری الموجود من الثمر بکل الثمن ویحل لہ البائع ما یوجد لان استیجار الارض لا یتاتی ھنا لان الاشجار باقیۃ علی ملک البائع وقیامھا فی الارض مانع من صحۃ الاستیجار الارض (ج۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ظفر احمد عفی عنہ

از تھانہ بھون ۔ شوال ۱۳۴۸ھ

فصل فی بیع السلم

بیع سلم کی ایک صورت کا حکم

سوال: بائع مشتری کو ایک دری بطور نمونہ کے دکھلاتا ہے اور مشتری پسند کر کے نرخ ٹھہرا کر جس قدر دریوں کی ضرورت ہوتی ہے خریداری کا آرڈر دیتا ہے اور نقد روپیہ یا سوت جو کچھ ٹھہرتا ہے بائع کو خریدار پیشگی دے دیتا ہے اور بائع بلا تعیین میعاد جس طور مال تیار ہوتا جاتا ہے پہنچاتا رہتا ہے اور آخر میں حساب صاف ہو جاتا ہے لیکن معاہدہ کے بعد اگر دریوں کا نرخ کم و بیش ہو جائے تب بھی بائع کو اسی نرخ پر دری دینی پڑے گی اور سوت کا بھاؤ گھٹ بڑھ جائے تو خریدار کو اسی نرخ سے سوت دینا پڑے گا۔ دونوں کو معاہدہ کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ متعاقدین میں سے کوئی بدعہدی یا وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اس کو دری والوں کی اصطلاح میں مال بیچنا یا خریدنا کہتے ہیں۔ اس طرح کا معاملہ اور معاہدہ بیع و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اس کے جواز کی کیا صورت ہے۔ اکثر بائع باہر کے بیوپاریوں کے پاس بھی نمونہ بھیج کر اس طرح کا معاملہ کرتا ہے۔

الجواب

یہ معاملہ بیع سلم ہے۔ بائع اگر کافر ہے تو شرائط سلم میں خلل ہونے سے بھی یہ مال خریدا ہوا مشتری کے لئے حلال ہے اور جو صورت سوال میں مذکور ہے اس صورت سے بھی مال حلال ہوگا اور اگر بائع مسلمان ہے تو بیع سلم کی شرائط کی رعایت کرنا بائع و مشتری دونوں پر واجب ہے اور شرائط بیع سلم کسی عالم سے زبانی دریافت فرمالیں۔ بقدر ضرورت بہشتی گوہر بہشتی زیور میں بھی مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے چند شرائط یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ بصورت مسئولہ میں اگر بائع مشتری مسلمان ہیں تو اول تو دری کی صفت و نوع اور طول و عرض اور وزن معین کرنا ضروری ہے۔ دوسری مدت معلوم و معین کرنا ضروری ہے کہ مال کتنے ماہ میں دیا جائے گا۔ چاہے اس سے پہلے ادا کر دیا جائے یا کچھ دیر ہو جائے مگر مجلس عقد میں اجل کا تعین لازم ہے۔ تیسرے جتنی دریوں کا معاملہ طے کیا جائے اس کی قیمت روپیہ یا سوت مجلس عقد میں ادا کر دی جائے۔ اگر مجلس عقد میں مشتری ایک دو دری کی قیمت ادا نہیں کر سکتا تو زیادہ کا معاملہ نہ کرے اور جتنی دریوں کا معاملہ قیمت پیشگی ادا کر کے طے ہوگا۔ اتنی ہی دریوں کے بارے میں بائع اور مشتری مجلس عقد کے معاہدے کے پابند ہوں گے۔ اس کے بعد کے مال میں نہیں بلکہ بعد کے مال کے لئے ہر دفعہ معاملہ از سرے نو کرنا ہوگا اور اس میں بھی شرائط مذکورہ کی رعایت لازم ہوگی۔

قلت: ولا یجب مراعاۃ المساواۃ فی الطول والعرضیۃ فی ھذہ الصورۃ فقد قال فی الدر: کما جاز بیع اللحم بالحیوان ولو من جنسہ وکما جاز بیع کرباس القطن بغزل مطلقاً کیف ما کان لاختلافھما جنساً کبیع القطن بالغزل فقال لایجوز الا متساویاً وادعی المجانسۃ بینھما قال الشامی والفتوی علی قول محمد کما فی الاختیار ونفی المجانسۃ الأظھر اھ (ص ۲۸ ج ۴)، واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۸ رجب ۱۳۴۵ھ

سوال: ایک مسئلہ کے جواب کا خواستگار ہوں بار بار لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟ میں	بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟

آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا۔ حضور سے اس کا جواب چاہتا ہوں انگریزی سکہ کے ایک روپیہ دے کر انگریزی سکہ کے بیس آنہ پیسہ پر بیع سلم کرنا درست ہے یا نہیں دلائل کی ضرورت نہیں صرف حکم کافی ہے۔

الجواب

قال فی الدر: ویصح فیما امکن ضبط صفته کجودته ورداءته ومعرفة قدره ککیل وموزون وخرج بقوله مثمن الدراہم والدنانیر لانها اثمان فلم یجز فیها السلم خلافا لمالک وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس الخ۔

قال الشامی: قیل وفیه خلاف محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین (فهو ثمن عنده) الا ان ظاهر الروایة عنه کقولهما وبیان الفرق فی النهر وغیره اھ (ص ۵ - ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ پیسوں میں سلم جائز ہے جبکہ شرائط سلم کی رعایت کی جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۹ جمادی الاولی سنہ ۴۶ھ

لیکن جہاں ربوا لینے کے لئے اس کو حیلہ قرار دیا گیا ہو وہاں باقاعدہ مقدمۃ الحرام حرام اس کو ناجائز کہا جائے گا۔ جواز اس صورت میں ہے کہ اتفاقاً ہو جائے اور اس میں افضاء الی ترویج الرباو کا احتمال نہ ہو۔ اشرف علی

بیع سلم کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال: ہمارے ہاں دھان میں بیع سلم جائز ہونے کے کل شرائط موجود ہیں فقط اس ملک کے بازاروں میں ملنے کی شرط میں تردد ہے کیونکہ ہمارے ہاں بازاروں میں دھان فروخت ہوتا ہی نہیں بلکہ لوگوں کے مکانوں میں خرید و فروخت ہوتا ہے لیکن ہمارے یہاں سے تقریباً ۲۸ میل دور ہبی گنج ضلع سلہٹ میں سب مزدور غلہ فروخت کے واسطے موجود رہتا ہے اور ہمارے یہاں سے کسی کے ذریعے سے وہاں ہبی گنج جا کر فروخت ہوتا ہے لیکن ہبی گنج سے ہمارے یہاں منگوانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر قسم کی چیز مثلاً چاول دال نمک مرچ بسنی اور منیاری بزازی وغیرہ دوکانداروں کے سامان کشتی

کے ذریعہ ہی بہی گنج سے ہمارے یہاں کے بازار وغیرہ میں آتا ہی رہتا ہے۔ اب تردد اس وجہ سے ہے کہ ہم ضلع چاٹگام میں مقیم ہیں اور بہی گنج ضلع سلہٹ میں واقع ہے تو بہی گنج میں مہیا ہونے کی وجہ سے یہاں بیع سلم جائز ہوگی یا نہیں؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں پر بعض ہاٹ ایسے ہیں کہ ہفتہ میں فقط ایک دو دن لوگ جمع ہو کر ہر قسم کی ضروریات کی چیزوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں ان ہاٹوں کی تاریخوں میں ہر موسم میں دھان بھی آکر فروخت ہوتا ہے روزانہ چاہے دیگر اشیاء موجود ہی ہوں مگر ہاٹ کی تاریخ کے علاوہ اور کسی دن دھان خرید و فروخت نہیں ہوتا اور نہ موجود رہتا ہے اب معروض یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں دھان میں بیع سلم جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں بیع سلم درست ہے جبکہ ۲۰ میل کے فاصلے سے شہر میں دھان بازار میں موجود رہتا اور ہاٹ کے موقع پر اس موضع میں بھی بازار سے دستیاب ہو سکتا ہے۔

قال فی الدر: ومنقطع لا یوجد فی الاسواق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق۔ ولو انقطع فی اقلیم دون الآخر لم یجز فی المنقطع اھ

قال الشامی: لانہ لا یمکن احضارہ الا بمشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسلیم (بحر: ج ۴/۲۱۷) قلت فالمدار علی العجز ولیس فی الصورۃ المسئولۃ لما ذکرنا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

فصل فی بیع بالوفاء

بیع بالوفاء کی تعریف

سوال: بیع الوفا کی تعریف کیا ہے اور کسی کو قرضہ سودی کے اور اس کا حکم! عذاب الیم سے چھوڑا دینے کی غرض سے اس کا خود کر لینا یا سعی و کوشش دوسری جگہ کرا دینا کیسا ہے۔ عند اللہ اس کا کیا اجر ہے۔ بحوالہ نصوص

وحدیث جواب مرحمت ہو اور بیع الوفا میں مدت جو قائم کی جاتی ہے وہ اختیاری ہے یا شرعی؟

الجواب

بیع الوفاء کی تعریف درمختار میں اس طرح ہے۔

صورته ان یبیع العین بالف علی انه اذا رد علیه الثمن رد علیه العین اھ وفیه ایضا ثم ان ذکر الفسخ فیه او قبله او زعماه غیر لازم کان بیعا فاسدا ولو بعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به لان المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وھو الصحیح اھ وفیه ایضا وفی الظهیریة لو ذکر الشرط بعد العقد یلتحق بالعقد عند ابی حنیفة ولم یذکر انه فی مجلس العقد او بعده وفی البزازیة ولو باعه لآخر باتا توقف علی اجازة مشتریه وفاء ولو باعه المشتری فللبائع او ورثته حق الاسترداد اھ. وفیه ایضا ناقلا عن الاشباه القول السادس فی بیع الوفاء انه صحیح لحاجة الناس فرارا من الربا وقالوا ما ضاق علی الناس امر الا اتسع حکمه اھ

بیع وفا کی تعریف یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ بیع کرنا کہ مشتری جس وقت زرِ ثمن بائع کو واپس کردے بائع کو مبیع کا واپس کرنا ضروری ہوگا۔ اس طرح بیع کرنا اصولِ شرعیہ کے لحاظ سے دراصل ناجائز ہے۔

فقد نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن بیع وشرط رواہ الطبرانی. بطریق ابی حنیفة وذکرہ عبد الحق فی احکامه وسکت عنه واعله ابن القطان. بابی حنیفة کذا فی التخریج للزیلعی. قلت واعلاله رد علیه فلیس مثل ابی حنیفة یعل به

مگر چونکہ بیع بالشرط کے ناجائز ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے. چنانچہ امام شافعی کے نزدیک بعض صورتوں میں بیع بالشرط جائز ہے اور ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ بیع بالشرط جائز ہے۔ اسی لئے فقہاء متاخرین نے

ضرورت کی وجہ سے بیع بالوفاء کو جائز کردیا ہے تاکہ اس طرح سود سے تو بچا رہے. باقی سود کا گناہ جس قدر سب کو معلوم ہے کہ سود خور پر حضور صلی اللہ علیہ نے سخت لعنت فرمائی ہے تو اس گناہ سے بچنے کے لئے بیع بالوفاء کرنے میں اگر ثواب کی امید نہیں تو یہ کیا کم نفع ہے کہ سود کے عذاب سے بچ جائے اور تو ! عدم شریعہ سے ثواب کی بھی امید ہوتی ہے گو یقین نہیں ہو سکتا. بیع وفاء میں جو مدت قائم کی جاتی ہے وہ اختیاری ہے لازم شرعی نہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عوام جس طرح بیع وفا کرتے ہیں کہ بیع کے وقت یوں کہتے ہیں کہ فلاں مدت تک تو یہ رہن ہے اور اس مدت تک اگر زرثمن واپس نہ کیا تو پھر بیع ہے. یہ صورت بالکل ناجائز ہے۔ یہ کسی کے نزدیک بیع وفاء نہیں بلکہ بیع وفاء یہ ہے کہ معاملہ کے وقت بیع شراء ہی کا نام لیا جاوے اور ایجاب و قبول کے بعد ساتھ ہی ساتھ یہ شرط کر لی جائے کہ خریدار جس وقت (یا فلاں مدت تک اگر) زرثمن واپس کر دے تو بائع کو مبیع کا واپس کرنا لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر بائع مبیع کو کسی وقت (یا فلاں مدت تک) واپس کر دے تو خریدار کو قیمت واپس کرنی ہوگی. خوب سمجھ لو واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ شوال ۱۳۴۳ھ

بیع بالوفاء کی مروجہ صورت کا حکم

سوال : بعض لوگ علماء کہلاتے ہیں بزرگ صورت پیشوائے قوم ہیں عیدگاہ وغیرہ میں انہیں لوگوں کا امام بھی بنایا جاتا ہے تراویح وغیرہ میں قرآن بھی سناتے ہیں. غرض لوگوں میں مقتدا سمجھے جاتے ہیں مگر وہ ایسا کرتے ہیں کہ ہزار روپے کا مکان پانچ سو روپیہ میں لیا اس طرح کہ اگر پانچ سال کے اندر اندر روپیہ دوگے تمہارا مکان واپس مل جائے گا ورنہ بیع سمجھی جائے گی. مگر بہر صورت تم پانچ سال اسی مکان میں رہو اور چار روپیہ ماہوار کرایہ دیتے رہو حالانکہ ویسا مکان دو روپیہ ماہوار مل سکتا ہے اس کا نام بیع الوفا بھی استفاع بالرہن بتلاتے ہیں اور عدم ظہور سے جائز کہتے ہیں بہت لوگ ضرورت سے ایسا کرتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز ان کو کس طریقہ سے سمجھایا جائے.

الجواب

جو صورت سوال میں مذکور ہے عوام اس کو بیع بالوفا سمجھتے ہیں مگر یہ بیع

بالوفا ہرگز نہیں یہ بالکل باطل معاملہ اور قمار ہے اس قسم معاملہ کرنے والا سود خور ہے۔ بیع بالوفا کا صحیح طریقہ صفائی معاملات (ص ۹۱) میں درج ہے۔ کسی عالم سے اس مقام کو سمجھ کر پڑھ لیا جاسکے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

بیع بالوفا کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے ایک قطعہ دوکان بطریق ذیل خریدا جس کی دستاویز کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں۔ کیا اس بیع نامہ کے نزدیک جن کرایہ کا لینا مشتری کو جائز ہے۔ بصورت عدم جواز کیا مشتری پر فرض ہے کہ وہ کرایہ مذکور بائع کو واپس کر دے۔

نقل دستاویز باختصار

مقر فلاں مکان مسمی فلاں ایک ہزار سات سو بدست فلاں فروخت وبیع کامل کیا اور زر ثمن تمام وکمال وصول پایا اور مشتری کو مکان پر قابض ودخیل کر دیا۔ چاہیے مشتری و وارثان مشتری نسلاً بعد نسل باختیار مالکانہ قابض ودخیل رہیں۔ مقر کو اور وارثان مقر کو کوئی دعویٰ اور حق باقی نہیں ہے لیکن شرط باہمی یہ ہے کہ اگر بعد گزرنے پانچ برس کے اندر دو ماہ بائع یا وارثان بائع زر ثمن یکمشت مشتری کو یا وارثان مشتری کو ادا کر دیں تو دستاویز بیعنامہ ہذا مسترد ہوجائے گا اور بائع قابض ہوجائے گا لہٰذا یہ چند کلمے بطور بیعنامہ خیار کے لکھے گئے تاکہ سند رہیں اور وقت پر کام آئیں۔

ف: مبلغ ایک ہزار سات سو روپیہ ۱۹۳۴ء وزیر خیاط سے وصول پایا اور دستاویز واپس کر دیا۔ ۷ مارچ ۱۹۳۴ء

خلاصہ یہ کہ دوکان (یا مکان) مذکور زید نے عمرو وزیر خیاط سے بطریق مذکورہ دستاویز خریدا بعد انقضاء پانچ سال عمرو نے زید کو زر ثمن واپس کر دیا اور دستاویز پر مشتری سے وصولیات کے دستخط لے کر جو عبارت مذکور ہے دستاویز واپس لے لیا۔ اب اس کے متعلق مندرجہ ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے۔

اول یہ کہ بیع مذکور صحیح ہوئی یا نہیں۔ دوم یہ کہ پانچ سال مشتری نے جو کرایہ وصول

کیا وہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں۔
سوم یہ کہ مشتری کہتا ہے کہ بعض اماموں کے نزدیک جائز ہے آیا یہ صحیح ہے۔
کسی امام کے نزدیک یہ بیع اور منافع جائز ہیں یا نہیں۔ چہارم یہ کہ بصورت عدم جواز
آیا مشتری پر فرض ہے کہ کرایہ مکان مذکور کا جو پانچ سال تک وصول کیا بائع یعنی عمرو
کو واپس کردے یا نہیں؟

الجواب

قال في الدر: وبيع الوفاء صورته ان يبيعه العين بالف على انه اذا رد عليه الثمن رد عليه العين قيل هو رهن فتضمن زوائده وقيل بيع يفيد الانتفاع به وفي اقالة شرح المجمع عن النهاية وعليه الفتوى ثم ان ذكر الفسخ فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعا فاسدا. ولو بعده على وجه الميعاد جاز ولزم الوفاء به لان المواعيد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح اھ قال الشامي: قوله وقيل بيع يفيد الانتفاع به هذا محتمل لاحد قولين الاول انه بيع صحيح مفيد لبعض احكامه من حل الانتفاع به الا انه لا يملك بيعه قال الزيلعي في الاكراه وعليه الفتوى. الثاني القول الجامع لبعض المحققين انه فاسد في حق بعض الاحكام حتى ملك كل منهما الفسخ وصحيح في حق بعض الاحكام كحل الانزال ومنافع البيع ورهن في حق البعض حتى لم يملك المشتري بيعه من آخر ويسقط الدين بهلاكه فهو مركب من العقود الثلاثة جوز لحاجة الناس اليه بشرط سلامة البدلين لصاحبهما قال في البحر وينبغي ان لا يعدل في الافتاء عن القول اي القول الثاني ١٢ الجامع وفي النهر والعمل في ديارنا على ما رجحه الزيلعي اھ (ص ۴/۳۸۲) وهو القول الاول ١٢

صورت مسئولہ میں فتویٰ متاخرین کے موافق یہ بیع صحیح ہے بلکہ الفاظ بیع
نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع نے اس کو بیع کامل کے عنوان سے بیع کیا ہے اور تمام

حقوق مبیع وثمن کو بیان کر کے آخر میں صراحۃً فسخ کو ذکر کیا ہے تو شرط بعد تمام عقد کے پائی گئی ہے جو صاحبین کے نزدیک مفسد عقد نہیں لہٰذا یہ معاملہ بعض متقدمین کے نزدیک بھی صحیح ہوا وان لم یکن ھذا الشرط لازمًا عندھم۔

پس مشتری کو وہ کرایہ حلال ہے جو پانچ سال میں اس نے حاصل کیا اور ضرورت حاجت کی وجہ سے بیع بالوفاء کو متاخرین نے جائز قرار دیا ہے اور اسی ضرورت سے قول صاحبین کو لیا گیا ہے ورنہ اصل مذہب کا مقتضا یہ ہے کہ یہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور رہن کے منافع حاصل کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ صفر سنہ ۱۳۵۰ھ

بیع بالوفاء کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے ایک بیگہ زمین سو روپیہ میں اس شرط پر چار سال کی مدت ٹھہرا کر لیا کہ تم چار سال کے اندر اندر جس سال میں میرے کل سو روپیہ ادا کردو گے میں بھی اسی وقت تمہاری زمین چھوڑ دوں گا اور اگر چوتھے سال ختم ہونے پر بھی تم نے میرا روپیہ ادا نہیں کیا تو یہ زمین بیع صحیح میں شامل ہوجائے گی اور میں اس زمین کا مالک بن جاؤں گا اور زید مدت معینہ مذکورہ تک زمین کا خراج بھی ادا کرتا رہا۔ یہ معاملہ شرعًا جائز ہے یا نہیں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب من بعض العلماء

صورت مذکورہ فی السوال کو بیع الوفاء کہتے ہیں۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت بیع کی اور دوسری صورت رہن کی تو یہ صورت ظاہرًا بیع ہے اور حقیقۃً رہن ہے اگر اس کو بیع سے تعبیر کیا جاوے تو صورت حرام ہے کیونکہ بیع مشروط ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع وشرط۔ اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوجاتی ہے کما ھو مقرر عند الفقہاء اور اگر اس کو رہن سے تعبیر کیا جائے تب بھی حرام ہے اس واسطے کہ مرتہن کو شئ مرہونہ سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ اگرچہ راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت بھی دے دے۔ جیسا کہ درمختار میں (ج ۲ ص ۲۷۰) ہے کہ:

یکرہ للمرتہن ان ینتفع بالرھن وان اذن لہ الراھن

قال المصنف وعليه يحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا يحل للمرتهن ذالك ولو بالإذن لأنه ربوا . قلت وتعليله يفيد انها تحريمية فتأمله . قلت هذا في المشروط وقد تقرر ان المعروف كالمشروط

نیز در مختار کے صفحہ ۳۶۱ مجتبائی ج ۲ پر ہے کہ لا الانتفاع به مطلقا الا بالإذن للآخر وقيل لا يحل للمرتهن لأنه ربوا وقيل ان شرطه كان ربوا و الا لا. اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں اور سابق روایت عبداللہ بن محمد اسلم سمرقندی کی پوری نقل فرماتا ہے۔

قال في المنح وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند أنه لا يحل له ان ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه و ان اذن له الراهن لأنه اذن في الربوا لأنه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربا وهذا امر عظيم .

پھر آگے فرماتے ہیں:

ثم رأيت في جواهر الفتاوى اذا كان مشروطا صار قرضا فيه منفعة وهو ربوا والا فلا بأس .

پھر کچھ آگے فرماتے ہیں:

وما في الاشباه من الكراهة على المشروط .

پھر فرماتے ہیں۔

قال الطحاوي قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع .

ان تمام عبارات سے بوضاحت معلوم ہوگیا کہ مرتہن کو شئ مرہونہ سے انتفاع بالاذن بھی حرام ہے۔ اس لئے کہ ربوا ہے اور ربوا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی صاف معلوم ہوا کہ مرتہن کو شئ مرہونہ سے انتفاع جب حرام ہوتا ہے جب کہ مشروط ہو یا معروف ہو۔ جیسا کہ سوال کی صورت ہے اور اگر مشروط و معروف نہ

ہو تو جائز ہے جیسے مدیون دائن کو قرض ادا کرتے ہوئے اپنی طرف سے بلا شرط کے کچھ زیادہ ادا کر دے اور اگر زیادتی کی شرط کر لی جائے یا عرف زیادہ ادا کرنے کا ہو تو حرام ہے نیز علامہ شامی نے بیع الوفا کی مختلف صورتیں نقل فرمائی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وفی حاشیۃ الفصولین عن جواہر الفتاوی وهو أن يقول بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن فهذا البيع باطل وهو رهن وحكمه حكم الرهن وهو الصحيح فعلم أنه لا فرق بين قوله على ان ترده علي او على ان تبيعه مني۔

پھر آگے فرماتے ہیں۔

قال في الخيرية والذي عليه الأكثر أنه رهن لا يفترق عن الرهن في حكم من الأحكام شامی ج ۴/۲۴۷۔

اس عبارت سے اس صورت کا رہن ہونا صحیح اور راجح معلوم ہوا۔ نیز یہ حدیث شریف میں ہے کل قرض جر نفعا فهو ربوا۔ تو اگر اصول مذہب کو صورت مذکورہ پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو بالکل حرمت ثابت ہوتی ہے مگر درمختار میں یہ بھی موجود ہے۔

وفي الدر: صح بيع الوفاء في العقار استحسانا واختلف في المنقول

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں۔

قال في البزازية بعد كلام وبهذا لم يصح بيع الوفاء في المنقول وصح في العقار باستحسان بعض المتأخرين۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین میں بیع الوفا بعض متاخرین کے نزدیک جائز ہے لیکن اکثریت اس کی طرف ہے کہ یہ صورت حقیقتاً رہن ہی ہے اور رہن سے انتفاع حرام ہے اگرچہ اذن مالک بھی ہو تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ راجح اور صحیح اصول مذہب کی بنا پر یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے البتہ اگر صحیح معنی میں اضطرار ہو تو بعض متاخرین کے فتوے پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ الضرورۃ تبیح المحظورات بھی اہم مسئلہ ہے مگر اضطرار صرف بائع یعنی مالک زمین کے حق میں متصور ہو سکتا ہے مشتری یعنی روپیہ والے کو کوئی اضطرار نہیں ہے کہ وہ اس قسم کا معاملہ

کرے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ کتبہ عبدہ المذنب الاحقر محمد تقی غفرلہ

مدرسہ مصباح العلوم بریلی ۷ رجب ۱۳۴۴ھ

الجواب

الجواب صحیح والمجیب نجیح اور بیع الوفاء کی ایک صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول بیع شراء کا ہو اور ایجاب وقبول میں کوئی شرط واپسی وغیرہ کی نہ ہو بلکہ بعد ایجاب وقبول کے بعد شرط ردّ وغیرہ کی جاوے یہ بالاتفاق جائز ہے لخلو العقد عن الشرط اور جب زبانی ایجاب وقبول میں متصلاً شرط نہ ہو تو بیعنامہ میں متصلاً شرط کے لکھنے سے حرمت نہ آئے گی۔ لأن الأصل فی العقود القول والکتابۃ وثیقۃ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

اصل الجواب وکذا التصحیح صحیحان ۳ شعبان ۱۳۴۴ھ

اشرف علی ۳ شعبان ۱۳۴۴ھ

باب الحقوق

حق مرور حاصل ہونے کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنا مکان اپنے پسر اور دختر کے نام بیع کیا۔ بیعنامہ کے الفاظ یہ ہیں کہ حویلی مذکورہ مع حقوق داخلیہ وخارجیہ توابع ولواحق اس کے لئے بمقابلہ مبلغ ۔ ۔ ۔ ۔ سکہ رائج الوقت بدست پسر ودختر خود کے فروخت کیا الخ اس کے بعد قطعات مکان کی تفصیل مذکور ہے جس میں وہ دو کوٹھہ جس کے اندر دروازہ مکان دختر کے نام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پسر کو اس دو کوٹھہ کے اندر سے اپنے قطعہ میں جانے کے لئے حق مرور حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ بات ظاہر ہے کہ حقوق داخلیہ وخارجیہ کی بیع ہر دو مشتریان کے ہاتھ ہوئی ہے جن میں حق مرور بھی داخل ہے اور دروازہ کی زمین وغیرہ کی بیع صرف دختر کے ہاتھ ہوئی ہے اور چونکہ یہ کلام متصلاً واقع ہوا ہے اس لئے اس کی تصحیح جز ثم

اس کے نہیں ہوسکتی کہ رقبہ طریق کو دختر کے نام بیع مانا جائے اور حق مرور کو اس سے مستثنیٰ مان کر اس کی بیع دونوں کے حق میں مانی جائے اور حق مرور کی بیع چونکہ مفتیٰ بہا قول مفتی بہ پر ہوسکتی ہے لہٰذا وہ قابل استثناء ہے۔

قال فی الدر: وصح بیع حق المرور تبعًا للأرض بلا خلاف ومقصودًا وحدہٗ فی روایۃ وبہ أخذ عامۃ المشائخ شمنی اھ

قال الشامی قولہ تبعا للأرض یحتمل ان یکون المراد تبعًا للأرض الطریق بان باع الطریق وحق المرور فیہ وان یکون المراد ما اذا کان لہ حق المرور فی ارض غیرہ الی ارضہ فباع ارضہ مع حق مرورھا الذی فی ارض الغیر والظاھر ان المراد الثانی لأن الأول ظاھر لا یحتاج الی التنصیص علیہ ولقولھم إنہ لا یدخل الا بذکرہ او بذکر کل حق ھو لھا وھذا خاص بالثانی کما لا یخفی قولہ وبہ اخذ عامۃ المشائخ قال السائحانی ھو الصحیح وعلیہ الفتوی مضمرات اھ (ص ۱۴۲ ج ۴) وفیہ ایضًا (ص ۱۸۱ ج ۴)

باع رقبۃ الطریق علی ان لہ ای للبائع حق المرور او السفل علی ان لہ قرار العلو جاز اھ پس پسر کو دروازہ وصحن دختر میں حق مرور حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

کوچہ غیر نافذہ میں ایسا دروازہ کھولنے کا حکم جو عرصہ دراز سے بستہ ہو

سوال: زید کا مکان کوچہ غیر نافذہ میں ہے جس کا دروازہ دخول وخروج کا عرصہ ۳۵ سال سے بند ہے یعنی دروازہ مع کواڑ کے دیوار میں منصوب رہا مگر زنجیر لگی رہتی تھی۔ کبھی برس چھ ماہ میں اگر مٹی بھوسہ وغیرہ لانے کی ضرورت ہوتی تو کھول کر وہ کام کر لیتا بعدہٗ بدستور زنجیر ڈال دیتا اور آمد و رفت دوسرے دروازے سے کرتا رہا اب اس نے اسی مسدود دروازہ کو کھول کر آمد و رفت شروع کر دی ہے اور اس کو بجائے خام وخشت کے پختہ کر لیا ہے بکر وخالد جو کہ اس کوچہ غیر نافذہ میں رہتے ہیں اور ان کے مکانوں کا دروازہ دخول وخروج کا اسی کوچہ میں بمقابل دروازہ زید کے ہے۔ اس

دروازہ کو علی الدوام کھولنے سے مانع ہیں۔ آیا صورت موجودہ میں خالد وبکر کا زید کو اس بند دروازہ کو کھولنے سے منع کرنا درست ہے یا نہیں؟ عبارت کتاب مع باب ومفصل تحریر فرمائیں جس کی صورت یہ ہے:

کوچہ نافذہ

کوچہ غیر نافذہ

دروازہ خالد

دروازہ بکر

مکان زید

یہ وہ دروازہ ہے جو ۵۰ برس سے بند تھا اب اس کو زید نے کھول کر آمد ورفت شروع کی ہے۔
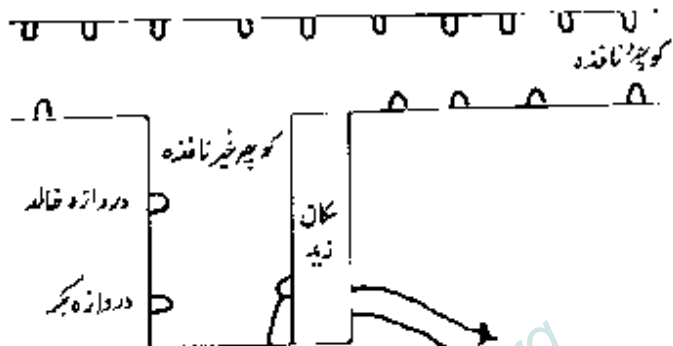
یہ زید کا دروازہ قدیم ہے جس سے آمد ورفت کرتا ہے

الجواب

قال فی الفتاوی الکاملیہ: سئلت فی رجل له دار لها باب فی سکة غیر نافذة فاغلقه وفتح لها بابا من سکة أخری فاراد المشتری أن یفتح بابها القدیم فی سکة الغیر النافذة هل له ذلك؟ فالجواب أنه إن اقر اهل السکة بذلك الباب فله فتحه کبائعه لقیامه مقامه افاده فی جامع الفصولین والله تعالیٰ اعلم (ص۲۵۵) قلت واذا کان ذالك للمشتری فللمالك بالأولی والمسئلة مذکورة کذالك فی الفتاوی الحامدیة (ص ۲۲۲ ج ۲) باب الحیطان۔

صورت مسئولہ میں جب زید کا ایک دروازہ سکہ غیر نافذہ میں قدیم سے بنا ہوا ہے مگر اس نے آمد ورفت ادھر سے بند کر رکھی تھی تو ظاہر اس کے لئے اس

سکہ غیر نافذہ میں حق مرور کو ثابت کرتا ہے اور اس کو اس دروازہ کا دوبارہ کھولنا جائز ہے اور عمرو وخالد کو روکنے کا حق نہیں مگر یہ کہ مانعین بینہ عادلہ سے اس بات کو ثابت کر دیں کہ اس مکان کا یہ دروازہ جو کوچہ غیر نافذہ میں ہے جس وقت بنایا گیا تھا اس وقت یہ امر طے ہو چکا تھا کہ زید کو اس دروازہ سے سکہ غیر نافذہ میں حق مرور حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ دروازہ صرف حاجت وضرورت کے وقت کے لئے ہوگا۔ تو اس بینہ کے بعد بے شک زید کو اس دروازہ مسدودہ کو علی الدوام کھولنا درست نہ ہوگا اور اگر ایسے بینہ موجود نہ ہوں تو محض زید کا ۵۰ سال تک اس کو بند رکھنا اور ادھر سے مرور نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ زید کو اس کوچہ میں حق مرور حاصل نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ محرم ۴۸ھ

کمپنی کو لمیٹڈ کرنا اور حقوق گڈول کی قیمت لگانا

سوال: ایک دوکان میں زید وعمرو وبکر تین شخص مشترک یا زائد شریک ہیں جن کے حصے برابر نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں۔ اب تینوں مذکورہ شریک یہ چاہتے ہیں کہ مذکورہ دوکان کو لمیٹڈ بنا دیں۔ لمیٹڈ کمپنی کے لئے سرکاری قانون یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے دوکان میں نقصان ہو کر قرضخواہوں کا قرضہ ہو جائے اور وہ قرضخواہ عدالت میں دعوی دائر کرکے ڈگری حاصل کرلیں تو اس ڈگری کا اثر شرکاء دوکان کی دوسری جائیداد پر بالکل نہیں پڑے گا بلکہ دوکان بند ہو کر اس کا سارا مال سرکاری نگرانی میں آجائے گا۔ پھر سرکار اپنے انتظام سے بذریعہ نیلام وغیرہ اس دوکان کا روپیہ جمع کرکے قرضخواہوں پر حصہ رسد تقسیم کردے گی خواہ ان کو کم ملے یا پورا پورا۔ کمی کی صورت میں قرضخواہوں کو اس کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ شرکاء کی دوسری جائیداد سے اس کمی کو پورا کرسکیں۔ پس ارشاد ہو کہ آیا مفصلہ بالا طریقہ پر کسی تجارتی دوکان کو لمیٹڈ بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں۔ لما فیہ من اضاعۃ الحقوق ومنعہا عن اہلہا۔

سوال ۵ : تینوں شرکاء مذکورہ یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت اپنی دوکان کو لمیٹڈ بنائیں اس وقت موجودہ مال کی قیمت کے ساتھ ساتھ گڈول کے دام بھی باہمی مشورہ سے شامل کریں۔ (گڈول عرفاً و قانوناً ان حقوق کا نام ہے جو ہر تاجر کو ایک خاص دوکان میں مدت دراز تک بیٹھک اور اس کے نام اور اس کے رجسٹری شدہ مارکوں وغیرہ کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں اور ان میں شہرت کی حالت میں اس دوکان کے مال میں نفع بھی زیادہ ہوتا ہے اور بکری بھی زیادہ ہوتی ہے) مثلاً دوکان کے مال کی قیمت دو لاکھ روپے ہو تو اس کے ساتھ گڈول یعنی حقوق شہرت کے دام ایک لاکھ روپیہ رکھ کر جملہ تین لاکھ روپیہ قرار دیا جاتا ہے یہ بھی واضح رہے کہ لمیٹڈ نہ ہونے کی حالت میں اگر شرکار تجارت کی جائیداد دوسری بھی ہو تو قرضہ دینے والے اس کی حیثیت دیکھ کر زیادہ قرضہ دے دیتے ہیں اور لمیٹڈ ہوجانے کی حالت میں اتنا قرضہ نہیں دیتے۔ بلکہ محض دوکان کے سرمایہ کے اعتبار سے کم قرضہ دیتے ہیں کیونکہ یہ قانون مشہور ہے اور سارے قرضہ دینے والے اس قانون کو خوب جانتے ہیں۔ پس ارشاد ہو کہ صورت مذکورہ میں بطریق مذکورہ تینوں شرکار کو تین لاکھ روپیہ مثلاً قرار دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

محض اس قانون کے مشہور ہونے سے قرضخواہوں کا حق عنداللہ ساقط نہ ہوگا اور حقوق گڈول کی تنہا قیمت کچھ نہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ حقوق گڈول کی وجہ سے مجموعی دوکان کی قیمت زیادہ شمار کی جائے مگر چونکہ تنہا یہ حقوق شرعاً قیمتی نہیں۔ اس لئے یہ جائز نہیں کہ ایک شریک کو صرف حقوق گڈول کی وجہ سے ایک لاکھ کا شریک مانا جائے بلکہ اس کی طرف تھوڑا بہت مال بھی ہو جس کی قیمت حقوق گڈول کی وجہ سے زیادہ شمار کی جائے اور یہ اخیر مسئلہ تتمیم فائدہ کے لئے لکھ دیا ہے۔ باقی سوال مقصود کا جواب جزو اول سے ہی ہوگیا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح
اشرف علی عفی عنہ
۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

دوسرے کے مال کا مارکہ استعمال کرنا اور اس پہ جرمانہ وصول کرنے کا حکم

سوال: یہاں شہر رنگون میں بڑے تاجروں کا یہ دستور ہے کہ ولایت کے کارخانوں سے معاملہ کرکے، اپنے مال کے لئے کوئی خاص مارکہ مقرر کرتے ہیں۔ یہ مارکہ اکثر جاندار چیزوں کا ہوتا ہے پھر وہ مارکہ کوئی دوسرا تاجر اپنے مال میں نہیں بنا سکتا۔ اگر بنائے تو قانوناً مجرم ٹھہرے گا اور ہرجانہ بطور تاوان اس کو ادا کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لئے وہ مارکہ ڈلوا کر مال تیار کرانے سے بھی دوسرے تاجر کو روک دیا جائے گا ابتداءً اس خاص مارکہ والے مال کو تاجر لوگ بہت کم نفع پر یا بالکل بغیر نفع لئے ہوئے اصل لاگت پر فروخت کرتے ہیں پھر جب اس خاص مارکہ والا مال ملک میں پوری شہرت پالیتا ہے تو خاطر خواہ منافع پر بیچا جاتا ہے چونکہ قانوناً دوسرا تاجر اس خاص مارکہ کو اپنے مال پر نہیں ڈال سکتا اس لئے یہ دوسرا تاجر کوئی دوسرا مارکہ ڈال کر دیتا یا اس سے کسی قدر بڑھیا مال بھی تیار کرائے تو بھی خریداران اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ہمارے کارخانہ میں بھی مدت دراز سے اسی طور پر مختلف مارکوں کا مال تیار کرتا ہے اگر اب نئے مال کی ہم کو ضرورت پڑتی ہے تو بے جان چیزوں کا مارکہ ڈلواتے ہیں لیکن جاندار چیزوں کے کئی سابقہ مارکے بڑا عین بہت شہرت پاچکے ہیں۔ ان شہرت یافتہ مارکوں کی بدولت ہماری دوکان چل رہی ہے اب اگر ان مارکوں کو بند کر دیا جائے تو دوکان کا کام رک جائے گا اور لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جائے گا۔ اگر ہم مال موجودہ جاندار چیز کے مارکہ کو ترک کرکے بے جان چیز کا کوئی دوسرا مارکہ ڈلوا کر منگایا جائے تو اگرچہ پہلے سے عمدہ اور بڑھ کر مال تیار کرایا جائے تاہم اس قدر قیمت بھی جو سابقہ مارکہ والے سے ہرگز نہیں مل سکتی۔ پس ارشاد ہو کہ ایسی حالت میں جاندار مارکہ والے مال کا جاری رہنے دینا درست ہے یا نہیں؟ اور نیز اگر کوئی دوسرا تاجر ہمارا مارکہ ڈال کر مال تیار کرائے تو عدالت انگریزی سے رجوع کرکے اس کو بند کر دینا اور اس نے ایسا کرنے سے تخمیناً جس قدر نقصان پہنچایا ہے اس قدر اس سے وصول کر لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہود و نصاریٰ اور ہنود وہ دوسری قومیں اور نیز اپنی مسلمان قوم اگر یہ یقین کرلے کہ فلاں مسلمان تاجر اپنے مارکوں کا دعوی دائر نہیں کرے گا تو یقیناً وہ لوگ ان مارکوں

کا مال تیار کرانے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی تجارت بالکل ٹھپ ہو جائے گی
یا بالکل کمزور پڑ جائے گی۔ بینوا توجروا۔

داؤد ہاشم یوسف ، رنگون

الجواب

ایک شخص کے مارکہ کو دوسرا شخص شرعاً استعمال نہیں کرسکتا لالان حقہ
فان الحقوق المجردۃ لا تملک بل لما فیہ من الخداع۔ اگر کوئی
شخص دوسرے کا مارکہ استعمال کرے تو مارکہ والے کو اس پر جعل وفریب دہی کا مقدمہ
دائر کرنے کا حق ہے لیکن اس صورت میں اگر عدالت صاحب مارکہ کو کچھ رقم مدعیٰ علیہ
سے دلوائے تو مقدار ضرر وصرف مقدمہ سے زائد رقم اس مدعیٰ علیہ کی جانب واپس
کردینی چاہئے اور مارکہ بے جان چیز کا ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں یہ تو بالکل جائز
ہے البتہ جاندار کا مارکہ بظاہر حرام ہے لیکن اس میں بھی دو درجے ہیں ایک درجہ استعمال
کا ہے کہ جس مال پر تصویر مارکہ ہے اس کو دوکان میں رکھنا اور تصویر کے ساتھ فروخت
کرنا دوسرا درجہ بنوانے کا ہے۔ پس ایسی مارکہ دار چیزوں کے دوکان میں یا گھر میں
رکھنے کا حکم تو یہ ہے کہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو قدرے فاصلہ سے کھڑے ہونے والے کو
نظر نہ آئے تو اس کا گھر میں اور دوکان میں رکھنا ممنوع نہیں اور اگر اتنی بڑی ہو کہ تھوڑے
فاصلہ سے بھی اس کی تفصیل اعضاء نظر آسکتی ہے تو اس کا رکھنا ممنوع ہے۔

قال فی الدر: او کانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائہا
للناظر قائماً وہی علی الارض ذکرہ الحلبی اھ

وفی الشامیۃ: لکن فی الخزانۃ ان کانت الصورۃ مقدار طیر
ای بقدر جثۃ الطیر یکرہ وان کانت اصغر فلا اھ۔

رہا تصویر کا بنانا یہ مسلمان کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ چھوٹی بنائے یا بڑی بنائے
اسی طرح مسلمان سے بنوانا بھی مطلقاً ممنوع ہے۔

قال فی الشامیۃ: ھذا کلہ فی اقتناء الصورۃ اما فعل التصویر

فهو غير جائز مطلقاً لانه فصاباة لخلق الله تعالى كما اهـ.

ولو استاجر مصوراً فلا اجر له لان عمله معصية كذا عن محمد وفي آخر حظر المجتبى عن ابي يوسف يجوز بيع اللعبة وان يلعب بها الصبيان اهـ ملخصاً (ص ۴۷۹ و ۴۸۰ ج ۱)

رہا کافر سے تصویر بنوانا پس ہر چند کہ یہ بھی کراہت تحریمیت خالی نہیں مگر مسلمان کے بنانے کے برابر اس میں حرمت نہیں۔

قال في الدر: اذا امر المسلم بيع خمر او خنزير او شرائهما اى وكل المسلم ذميا او امر المحرم غيره ببيع صيده بعني صح ذالك عند الامام مع اشد كراهته اهـ (ص ۱۸۵ ج ۴)

یہ تفصیل تو تصویر بنوانے اور رکھنے میں ابتدائی حالت پر نظر کرتے ہوئے ہے اور صورت مسئولہ میں حکم یہ ہے کہ جب غلطی سے جو نمبر کا مارکہ ڈلوا دیا گیا اور اب اس کے ازالہ میں نقصان متعسر ہوتا ہے تو اب بظاہر یہ مارکہ تصویر سکہ کے حکم میں داخل ہے کہ جس طرح بضرورت وہ جائز ہے کیونکہ اس کی تخریب سے نقصان مال لازم آتا ہے اسی طرح اس مارکہ میں بھی گنجائش ہے جبکہ اس کا ازالہ موجب ضرر ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمت کر کے اس کا زائل کر دینا افضل و اولیٰ ہے بفرق بين التصوير سكة وبينهما فان في الاول مجرد الاقتناء ضرورة وههنا فعل التصوير امرا فافترقا۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ محرم [illegible]

جس کوچہ میں مستورات کی آمد و رفت ہو اس طرف والے دروازے سے مردوں کو گزرنے کا حق ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ کسی شہر میں ایک مسلمون کا محلہ ہے نیز اسی محلہ میں ایک

مکان زید کا ہے۔ زید مسلم ہے اس مکان کے دو دروازے ہیں ایک پیچھے دوسرا ایک روبرو ایک دروازہ تو زید کے مکان کے روبرو کا ہے ایک کوچہ (گلی) ہے جس سے زید کی آمد ورفت ہمیشہ سے ہے اور پیچھے کے دروازے سے متصل ہے۔ ایک گلی (کوچہ یا راستہ) جو تقریباً دو گز عرض کی ہے یہ گلی زید کی ملک میں نہیں ہے جس کے اردگرد تمام مسلموں کے مکانات واقع ہیں۔ اس چھوٹی سی گلی سے پنہ یا دلی بھی ہے۔ پانی وغیرہ کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت یہاں کی مستورات کی آمد ورفت رہتی ہے۔ اب زید اپنے مکان کے پیچھے کے دروازے کے ہوتے ہوئے اس تنگ راستہ (گلی) سے جہاں یہ مستورات چلتی پھرتی رہتی ہیں۔ آمد ورفت رکھتا ہے حالانکہ زید محرم نہیں ہے بلکہ نامحرم ہے۔ اس لئے زید کو کہا گیا کہ تمہارا مستورات کے آمدورفت کے مقام میں بے کھٹکے بغیر گوشہ کے آمد ورفت کرنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ اگر آمد ورفت کا خیال ہو تو گوشہ واطلاع کرکے آنا جانا چاہیئے تو زید ہرگز نہیں مانتا اور ہمارے محلہ والوں کے خلاف ہنوز آمد ورفت رکھتے ہیں۔ بس عرض ہے کہ ہمارے مذہب وآئین وشرع شریف کے موافق زید کی کیا سزا ہے

الجواب

اگر تعامل قدیم سے یہ بات ثابت ہے کہ زید کے مکان میں جو دروازہ پیچھے ہے اس سے مردوں کی آمد ورفت نہ تھی بلکہ یہ دروازہ مستورات کی آمد ورفت کے لئے مخصوص تھا۔ نیز وہ کوچہ بھی پیچھے دروازہ کی طرف سے مردوں کی آمد ورفت کے لئے نہیں بلکہ صرف عورتوں کی آمد ورفت کے لئے مخصوص ہے تو زید کو پچھلے دروازہ سے بدون اطلاع واستیذان کے گزرنا جائز نہیں اور اگر وہ ایسا کرے تو برادری اس کو اس فعل سے روکنے کا حق رکھتی ہے اور اگر قدیم سے نہ دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے نہ یہ کوچہ عورتوں کے واسطے خاص ہے تو زید کو اس دروازے سے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ عورتیں خود اپنی حفاظت اور پردے کا اہتمام کریں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ

مسائل جدیدہ متعلقہ بیوع

بابو بینک کا مخازوں کے ساتھ
بیع بثمن مؤجل اور بیع سلم
کی ایک صورت

سوال: اگر یہاں کا کوئی تاجر جاپان کے کارخانہ دار یا کسی تاجر سے تین مہینہ کی مدت سے کوئی مال جیسے بٹن وغیرہ اس طور سے خریدے کہ میں نے تین مہینہ کی مدت پر اتنا مال تجھ سے اتنے میں خریدا اور اس کارخانہ دار یا تاجر نے یہ بات منظور کرلی لیکن چونکہ دام پیشگی ہوتی رہتی ہے لہذا خریدار نے کسی جاپانی بینک سے ین کی قیمت روپیہ سے اس طرح مقرر کی کہ اتنے اتنے روپیہ تین مہینے بعد تجھ سے خریدے اور اسی نرخ معین کے موافق جب یہ مال اس تاجر کے وہاں سے آجائے تو تجھ سے روپیہ لے کر اتنے ین تاجر کو دے دیتا اور یہ معاملہ بینک سے اس لئے کیا کہ تین مہینے کے عرصہ میں اگر ین کے نرخ میں کچھ کمی بیشی ہو تو اس کا بار بینک کے ذمہ ہوگا اور تین مہینے کے بعد مال کی آمد پر اتنے اتنے روپیہ کے عوض اس بینک والے کو دینے پڑیں گے جو پہلے سے معین کرلئے تھے خواہ ین کی قیمت بڑھی ہو یا گھٹی ہو تو غرض یہ ہے کہ یہ معاملہ ایسا بینک سے کرنا اور اس طور پر مال خریدنا اور اس طرح اس کے دام دینا شرعاً درست ہے یا نہیں اور یہ تجارت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

سوال کا یہ جملہ واضح نہیں ہے کہ میں نے تین مہینہ کی مدت میں اتنا مال تجھ سے خریدا۔ یہ تین مہینہ کی مدت قیمت ادا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے یا مال آنے کے لئے ہے۔ اگر مال اسی وقت منگوایا جاتا ہے اور مدت قیمت ادا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے تو یہ بیع بثمن مؤجل ہے جو کہ جائز ہے اور ثمن چونکہ ین قرار دیا گیا ہے اس لئے خریدار کے ذمہ یہی سکہ ادا کرنا ہوگا اور اس کے لئے جو یہ ترکیب کی جاتی ہے کہ کسی بینک سے روپیہ کے معاوضہ میں سکہ ین خرید لیا جاتا ہے۔ اس میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سکہ ین اگر چاندی کا ہے تو روپوں کی چاندی اس کے برابر

ہونی چاہیئے کم زائد نہ ہو۔ اگر کمی بیشی کے بغیر چارہ نہ ہو تو روپوں کے ساتھ کچھ پیسے ملانے چاہیئے اور اگر سونے یا تانبا وغیرہ کا ہو تو مضائقہ نہیں مگر ہر صورت میں خواہ سکہ ین چاندی کا ہو یا سونے کا یا کسی اور چیز کا یہ ضروری ہے کہ بیع ہاتھوں ہاتھ ہو ین والے سے بیع ہی کے وقت سکہ ین لیا جائے اور روپیہ اس کو دے دیا جائے کیونکہ اختلاف جنس اور اتحاد قدر کی صورت میں نسیئہ حرام ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس سے سکہ ین لے کر پھر اس کے پاس رکھوا دیا جائے وقت مقررہ پر جاپان کے فلاں تاجر کو یہ سکہ دے دیا جائے یہ حکم اصلی ہے اور اس کے موافق عمل کرنا احتیاط کا مقتضی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو چونکہ دار الحرب میں کفار سے معاملات ربویہ کی حنفیہ کے نزدیک اجازت ہے اس لئے اگر سکہ ین ہاتھوں ہاتھ بھی بینک والے سے نہ لیا جائے تو اس قول کی بنا پر جواز کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ ین والے سب کافر ہوں شرکاء میں میں مسلمان کوئی نہ ہو۔ اور مناسب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں کفار کے ساتھ اس کا خیال رکھا جائے کہ حتی الامکان مسلمان کو حاصل ہو۔

وجعله اصحاب الشروح شرطا للجواز ولكن المتون على الاطلاق فيما الحكم عليه وهو مذكور في الدر والرد المحتار (ج ۴ ص ۲۹۱)

اور دوسری شق پر جبکہ تین ماہ کی مدت مال کی آمد کے لئے مقرر کی جائے یہ بیع سلم ہے جس میں شرائط بیع سلم کی رعایت ضروری ہے جن میں ایک شرط ثمن کا پیشگی دیا جانا و مقدار ثمن کا معلوم ہونا دوسری مبیع کی جنس و نوع معلوم و متعین ہونا ہے۔ باقی شرائط صفائی معاملات وغیرہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اگر بیع سلم کے شرائط نہ پائے گئے تو بیع درست نہ ہوگی لیکن جس قول میں دار الحرب کے اندر اہل حرب کے ساتھ معاملات ربویہ کی اجازت ہے اس میں شرائط بیع سلم مفقود ہونے کی صورت میں بھی اس معاملہ کی اجازت ہوگی۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

وقت بیع جو سکہ ثمن ٹھہرایا جائے اسی کی ادائیگی ضروری ہے اس کے بدلے دوسرا سکہ ادا کرنے کی ایک صورت

سوال:- ملک جاپان میں رائج سکہ ین ہے اور اس کا نرخ کچھ متعین نہیں ہے اس ین کے نرخ میں اکثر بہت زیادہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسے اس

ملک میں گنی اشرفی کبھی پندرہ روپیہ میں فروخت ہوتی ہے اور کبھی سولہ روپیہ میں، کبھی سترہ میں اور کبھی کم میں، اور یہاں رنگون کے تاجروں سے اکثر جاپان وغیرہ منگواتے ہیں اور اس مال کا دام ین کے حساب سے مقرر ہوتا ہے۔ پھر اگر مثلاً جاپان سے مال منگوایا اس وقت ین کا دام کچھ ہے اور جب اس مال کے پیسے دیئے تو اس وقت ین کی قیمت میں کچھ کمی بیشی ہوگئی تھی تو روپیہ اس حساب سے یہاں کے تاجروں کے زیادہ کم دینے پڑے لہٰذا گذارش یہ ہے کہ وہ مال جو ین کے دام سے منگوایا اور پھر اس میں نرخ کے اعتبار سے کمی بیشی ہونے کے سبب روپیہ بھی کم زیادہ دینے پڑے یہ تجارت اور یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قاعدہ یہ ہے کہ بیع میں جو سکہ بیان کیا جائے گا خریدار کو وہی دینا پڑے گا اگر وہی نہ دے تو اس کی قیمت دوسرے سکہ سے دینا پڑے گی پس اگر بیع نقد ہے تو بوقت بیع جو قیمت اس سکہ کی ہوگی وہی قیمت معتبر ہوگی اور اگر بیع مؤجل ہے تو اختتام اجل کے وقت کی قیمت معتبر ہوگی۔ چاہے وہ بیع کے وقت کی قیمت سے زیادہ ہو یا کم ہو یا برابر ہو پس اگر بیع کے وقت سکہ ین کی قیمت کم تھی اور ادائے ثمن کے وقت زیادہ ہوگئی یا پہلے زیادہ تھی اب کم ہوگئی تو اس کی بیشی سے بیع میں خرابی نہ آ جائے گی۔ فقط

قال في الكفاية: وعند اذا كسدت الدراهم او الفلوس فاما اذا غلت بأن ازدادت قيمتها فالبيع على حاله ولا يتخير المشتري واذا انتقصت الذي كان وقت البيع اھ (ص ٥٣٥ ج ٥) قلت وهذا عند الثاني وعند محمد يطالبه بالعيار الذي كان يوم القبض۔

واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

١٩ ربیع الثانی ١٣٤٣ھ

خریداری حصص کے مختلف احکام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل صورت میں۔ (۱) قانون کمپنی کے موافق دس یا دس سے زیادہ اشخاص اپنے پاس سے کچھ روپیہ فراہم کرکے کمپنی کا کوئی نام تجویز کرتے ہیں اور کمپنی کے مقاصد

واغراض تحریر کرکے اس نام سے ان اغراض کے لئے کمپنی کو رجسٹری کراتے ہیں۔ رجسٹری کے وقت ان کو اختیار ہے کہ جس قدر سرمایہ کے لئے چاہیں رجسٹری کرالیں اور جو سامان بھی ان کو بنانا ہے فروخت کرنا ہے وہ تحریر میں پیش کردیں اگر ایک لاکھ روپیہ بھی سرمایہ کے لئے اور بجلی فروخت کرنے اور دیگر اشیاء کے لئے رجسٹری کرائی گئی تو یہ ضروری نہیں کہ اس وقت ایک لاکھ روپیہ موجود ہو بلکہ اس وقت تھوڑا سا روپیہ فراہم ہونا بھی کافی ہے جس پر کام کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے۔ مثلاً ایک لاکھ روپیہ تک سے کام کرنے والوں کو دس ہزار روپیہ فراہم کرلینے پر کام کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا اور یہ لوگ جنہوں نے اول روپیہ فراہم کرکے کمپنی کو رجسٹری کرایا ہے کمپنی کو ترقی دینے والے کہلاتے ہیں اب یہ لوگ ایک لاکھ روپیہ کے ایک ہزار حصص فی حصہ سو روپیہ مثلاً قائم کرتے ہیں اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں۔ یہ آج کل کمپنیوں کی ہیئت ترکیبی اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ جو لوگ کمپنی کے شیئرز (حصص) خریدتے ہیں شرعاً ان کی اس خریداری کی حقیقت کیا ہے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کمپنی قائم ہوجانے کے بعد جو لوگ اس کے حصص خریدتے ہیں وہ اعیان و نقود دونوں میں شریک ہوتے ہیں یعنی کمپنی میں اس وقت جو سامان از قسم مال تجارت اور اس کے لئے جس قدر عمارت ہے ہر خریدار اس میں بھی شریک ہے اور جو نقد سرمایہ کمپنی کے پاس ہے اس میں بھی شریک ہے۔ غرض یہ شرکت اعیان میں بھی ہے اور نقود میں بھی یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ جب کمپنی کے مقررہ حصص فروخت ہوجاتے ہیں تو آئندہ کے لئے حصص کی فروخت بند کردی جاتی ہے۔ اس وقت اگر کوئی کمپنی میں داخل ہونا چاہے تو وہ پہلے خریداروں میں سے کسی کا حصہ خرید لیتا ہے یہ بیع و شراء صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس وقت سارا معاملہ زبانی اور خط و کتابت سے طے ہوتا ہے باہم تقابض طرفین سے نہیں ہوتا اور چونکہ یہ شرکت نقد میں بھی ہے اور اعیان میں بھی تو نقد میں کمی بیشی کا بھی احتمال ہے۔

۳۔ ایک کمپنی گورنمنٹ سے بجلی خرید کر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرتی ہے یہ بیع و شراء درست ہے یا نہیں؟ اور اس کمپنی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ کمپنی جس کے

اتنی بجلی فروخت کرتی ہے اس کے گھر ایک آلہ لگا ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ہر شخص نے کتنی بجلی خرچ کی۔

۴۔ عموماً سب کمپنیاں سود لیتی بھی ہیں اور دیتی بھی ہیں۔ اس صورت میں ہر شریک کے حصہ میں سودی روپیہ بھی آتا ہے تو شریک کو اس کمپنی کے حصہ کا منافع لینا جس میں سودی رقم بھی شاید مخلوط ہو جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ کمپنی ہر حصہ دار کو پورا منافع نہیں دیتی بلکہ ہر حصہ دار کی رقم منافع میں سے پس انداز بھی کرتی ہے۔ پس جو منافع حصہ دار کو ملا اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور جو رقم پس انداز ہوئی اس پر زکوٰۃ ہوئی یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق للحق والصواب

(۱) بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عنان ہے کیونکہ جو لوگ کمپنی قائم کرتے ہیں وہ دوسروں کو شریک کرنے کے وقت خود کو بھی کمپنی کا ایک حصہ دار قرار دیتے ہیں اور اپنی عمارات متعلقہ کمپنی اور جملہ سامان ومال وتجارت کو نقد کی طرف محول کر لیتے ہیں۔ مثلاً ان لوگوں نے دس ہزار روپیہ کمپنی قائم کرنے کے لئے عمارات وسامان وغیرہ لگایا تو وہ اپنے کو کمپنی کے سو حصوں کا حصہ دار ظاہر کریں گے۔ البتہ اس صورت میں کمپنی قائم کرنے والوں کی طرف سے شرکت بالنقد نہ ہوگی بلکہ بالعرض ہوگی۔ سو بعض ائمہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

فیجوز الشرکۃ والمضاربۃ بالعروض بجعل قیمتها العقد رأس المال عند احمد فی روایۃ وهو قول مالک وابن ابی یعلی کما ذکره الموفق فی المغنی (ص ۱۲۵ ج ۵)

پس ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے قول پر فتویٰ دے کر شرکت مذکورہ کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

(۲) قال فی الدر: بیع البراءات التی یکتبها الدیوان علی العمال لا یصح بخلاف بیع خطوط الأئمة لأن مال الوقف قائم ثمّ (رای فی خطوط الأئمة) ولا کذلک ما اشباه وقنیه ومعارۃ انه

يجوز للمستحق بيع خبزه قبل قبضه من المشرف لانه ملكه. اما شراء الذي يتولى قبض الخبز بخلاف الجندي (شامیه ص ۱۹ ج ۴)

فحاصله جواز بيع للموجودة قبل القبض دون المعدومة۔

بس یہ صورت بھی بیع خطوط کے مشابہ ہے کیونکہ جو خریدار اپنا حصہ بیع کرتا ہے وہ معدوم یا غیر مملوک کی بیع نہیں کرتا۔

وفی الأشباه: بيع البراءات التي يكتبها الديوان على العمال لايصح وسميت براءة لبراءة بيد فع مافيها (شامی)

ماورد الأئمة مخارا مويدة بالاثر فقد اخرج البيهقي في باب بيع الارزاق التي يخرجها السلطان قبل قبضها من طريق سفيان عن معمر عن الزهري عن ابن عمرو زيد بن ثابت انهما كانا لايريان ببيع الرزق بأسا اه ص ۱۲ ج ۵۔

اور ظاہر ہے کہ صورت مسئول میں ایک شریک جو اپنا حصہ دوسروں کے ہاتھ بیع کرتا ہے، یہ بیع خطوط ائمہ کے مشابہ ہے نہ کہ بیع برأت کے۔ واللہ اعلم۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ بائع جس قدر نقد روپیہ خریدار کے حصہ سے لے رہا ہے کمپنی میں اس کا نقد روپیہ اس مقدار سے کسی قدر کم ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا بھی ہے کیونکہ خریداروں کی رقم کا زیادہ حصہ مال تجارت میں لگ کر بصورت عروض منتقل ہو جاتا ہے۔ نقد کم ہوتا ہے۔

۳۔ بظاہر یہ بیع دلشراء محض روشنی کی نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی کی بوتل میں تیل بھر دیا جائے اور بجلی کا نظر نہ آنا اس کے جوہر نہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ بعض جواہر غیر مرئی بھی ہیں جیسے ہوا البتہ بیع کے لئے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے تو ہر شئی پر قبضہ اور قدرت تسلیم اس کے مناسب ہوا کرتی ہے بجلی کا کرنٹ اور میٹر وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور آلہ ہے اس بات کا اندازہ لگانا کہ اس شخص نے کتنی بجلی

ع لانه لايستحق الا الأجر وهو دين غير عين ولايجوز بيع الدين من غير من هو عليه ۱۲

خرچ کی ہے۔ اس کے جوہر موجود و مجسم ہونے کی دلیل ہے۔ پس یہ ایسا ہے جیسے کسی کے موٹر اور سائیکل کے پہیہ میں ہوا بھر کر اجرت لی جائے۔

والبیع مبادلة المال بمال. والمال ما هو مرغوب فيه ولا يخفى كون البرق والهواء مما يرغب فيه فكل منهما بعد القدرة عليه والقبض مال كالماء في القربة. والله أعلم

(۴) قال الموفق في المغني: إذا اشترى الوكيل لموكله شيئًا بإذنه انتقل الملك من البائع إلى الموكل ولم يدخل في ملك الوكيل وبهذا قال الشافعي، قال أبو حنيفة: يدخل في ملك الوكيل ثم ينتقل إلى الموكل لأن حقوق العقد تتعلق بالوكيل بدليل أنه لو اشتراه بأكثر من ثمنه دخل في ملكه ولم ينتقل إلى الموكل. ويتفرع عن هذا أن المسلم لو وكل ذميًا شراء خمر أو خنزير فاشتراه له لم يصح الشراء، وقال أبو حنيفة: يصح ويقع للذمي لأن الخمر مال لهم لأنهم يتمولونها ويتبايعونها فصح توكيلهم فيها كسائر أموالهم اھ (ص ۲۴۳ ج ۵) وفيه أيضًا وليس للمضارب أن يشتري خمرًا أو خنزيرًا سواء كانا مسلمين أو كان أحدهما مسلمًا والآخر ذميًا فإن فعل فعليه الضمان وبهذا قال الشافعي وقال أبو حنيفة: إن كان العامل ذميًا صح شراؤه للخمر وبيعه إياها لأن الملك عنده ينتقل إلى الوكيل اھ (ص ۱۶۲ ج ۵)

وفي المبسوط يكره للمسلم أن يدفع إلى النصراني مالًا مضاربة وهو جائز في القضاء (ص ۴۵ ج ۲۲) وفيه أيضًا أبو حنيفة يقول الذي ولي الصفقة هو الوكيل والخمر مال متقوم في حقه يملك أن يشتريها لنفسه فيملك أن يشتريها لغيره وهذا لأن الممتنع ههنا بسبب الإسلام هو العقد على الخمر لا يملك فالمسلم أهل أن يملك الخمر

الا ترى انه لو تخمر عصير المسلم يبقى ملكا له ثم اذا تخلل جاز له
بيعه واكله واذا مات قريبه عن خمر يملكها بالارث فاذا
اعتبرنا جانب العقد فلما قدمت انه وهو في حقوق العقد
كالعاقد لنفسه وان اعتبرنا جانب الملك فالمسلم من اهل
ملك الخمر فيهم التوكيل اهـ (ص ۲۱۰ ج ۳) فان قيل ذكر في الهندية
في باب المضاربة بين اهل الاسلام واهل الكفر اذا دفع المسلم
الى النصراني مالا مضاربة بالنصف فهو جائز إلا أنه مكروه فان
اتجر في الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة في قول
أبي حنيفة وينبغي للمسلم أن يتصدق بحصته من الربح
وعندهما لا يجوز على المضاربة وإن اربى فاشترى درهمين
بدرهم كان البيع فاسدا ولكن لا يصير ضامنا للمال المضاربة
والربح بينهما على الشرط اهـ (ص ۳۰۳ ج ۵) فقوله ينبغي للمسلم
ان يتصدق بحصته محمول على الورع كما هو الظاهر وان
حمل على الوجوب فهو إذا كان قد اتجر في الخمر والخنزير
فقط ولم يتجر في غيرهما والا فكمسئلة ما سبق في المخلوط وقوله
في صورة إرباء الوكيل كان البيع فاسدا لا يضرنا فان الوكيل
بالبيع كالعاقد لنفسه وفساد البيع في حق الذمي لا يستلزم حرمة الربح
على المسلم فان تبدل الملك يدفع خبث الفساد وهذا على
قول من جوز الربا بين المسلم والكافر في دار الحرب فانه
اوسع. پس صورت مذکورہ میں مال مستفاد میں حرمت نہ ہوگی جبکہ کمپنی قائم کرنے
والے کافر ہوں۔ البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت خود مکروہ ہے۔ جیسا مبسوط کے
قول سے معلوم ہوا اور اگر مسلمانوں کی کمپنیاں بھی سودی لین دین کرتی ہوں جیسا آج
کل غالب یہی ہے تو کفار کی کمپنیوں کی شرکت مسلم کمپنیوں کی شرکت سے اہون ہے
ولنذكر بعد ذلك حكم المال المختلط بالحرام والحلال قال
قاضيخان ان كان الغالب مال المهدي من الحلال لا بأس بأن

يقبل الهدية و يأكل مالم يتبين عنده أنه حرام لأن اموال الناس
لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب" و اذا مات عامل من عمال السلطان
واوصى أن يعطى الحنطة للفقراء قالوا إن كان ما اخذه من
اموال الناس مختلطا بماله لا بأس به وان كان غير مختلط لا يجوز
للفقراء أن يأخذوه إذا علموا انه مال الغير وان لم يعلموا الأخذ
أنه من ماله اومال غيره فهو حلال حتى يتبين انه حرام،
وفيه ايضا ان كان للسلطان مال ورثه عن آبائه يجوز أخذ
جائزته فقيل له لو أن فقيرا يأخذ جائزة السلطان مع علمه
ان السلطان يأخذها غصبا ايحل له ذلك قال ان كان السلطان
خلط الدراهم بعضها ببعض فانه لا بأس به وان دفع
عين الغصب من غير الخلط لم يجز أخذه قال الفقيه ابو الليث
هذا الجواب يستقيم على قول أبي حنيفة لأن عنده اذا
غصب الدراهم من قوم وخلط بعضها ببعض يملكها الغاصب
امّا على قولهما لا يملكها و يكون على ملك صاحبها اه ملخصا.
(ص ٣٠٢، ٣٠٣ ج ٣): فان اخلط الوكيل دراهم الربوا بعضها ببعض
الدراهم التي اخذها من حلال يجوز اخذ الربح منها يكون
الخلط مستهلكا عند الامام لاسيما اذا كان الوكيل كافرا لا سيما
والتقسيم مطهر عندنا كما اذا بال البقر في الحنطة وقت الدياسة
فاقتسمها الملاك يحل لكل واحد مع التيقن يكون الحنطة
مختلطة بالطاهر والنجس ولكن القسمة اورثت احتمالا في حصة
كل واحد من الشركاء فحكمنا بطهارة نصيب كل واحد منهم
فكذا ههنا اذا ادى الوكيل بالتجارة وخلط الدراهم بعضها
ببعض ثم قسمها على الشركاء يحكم بحل نصيب كل واحد
منهم والله تعالى اعلم. واخرج البيهقي في سننه في باب
كراهية مبايعة من اكثر ماله من الربا او ثمن

المحرم من طريق شعبة عن مزاحم عن ربيع بن عبد الله انه سمع رجلا سأل ابن عمران لي جارا يأكل الربا او قال خبيث المكسب وربما دعاني لطعامه أفأجيبه قال نعم ومن طريق معمر عن جواب التيمي عن الحارث بن سويد . قال جاء رجل إلى عبد الله يعني ابن مسعود فقال ان لي جارا ولا اعلم له شيئا الا خبيثا او حراما وانه يدعوني فاحرج ان آتيه واتحرج أن لا آتيه فقال ائته او أجبه فانما وزره عليه قال البيهقي جواب التيمي غير قوي وهذا اذا لم يعلم ان الذي قدم اليه حرام فاذا علم حراما لم يأكله اهـ

(ج ٥/ ٣٣٥) (سنن الكبرى للبيهقي)

قلت وجواب التيمي وثقه ابن حبان ويعقوب بن سفيان ضعفاه التهذيب . (ج ٢/ ١٢١/ ١٢٢)

کتاب الرّبوا والقمار

دارالحرب میں کفار سے سود لینے کا جواز | **سوال:** پوسٹ آفس میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس پر سود (بیاج) لینا جائز ہے یا نہیں؟ گورنمنٹ اس پیسے سے روزگار وغیرہ کرکے منافع حاصل کرتی ہے۔

الجواب

کفار سے سود لینا دارالحرب میں جائز ہے پس بنک والوں سے سود لے سکتے ہیں مگر اس میں حضرت مولانا کا خلاف ہے پس رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک ملاحظہ کرلیا جائے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

دارالحرب میں بنک سے سود لینے کا حکم | **سوال:** یہاں مسلم راجپوت کے نام پر ہائی اسکول قائم کرنا چاہتے ہیں اور ہر شخص سے اس کی ماہواری آمدنی وصول کرکے بنک میں روپیہ جمع کریں گے، جس کے سود سے مدرسہ ہائی اسکول چلے گا، کچھ گورنمنٹ سے امداد ملے گی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے موقع میں روپیہ دینا کیسا ہے؟ جبکہ بنک میں جمع ہوکر ہمیشہ سود لیا جاوے۔ اگر کوئی شخص اپنا چندہ ماہواری کسی ماسٹر کی تنخواہ دیدے اور بنک میں جمع نہ کرنے دے تو کچھ گناہ تو نہیں یا کوئی اور صورت جواز ہے؟ تو مطلع فرمائیے گا

الجواب

قال علماءنا رحمهم اللہ: لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب، اس قاعدہ کی بناء پر بنک سے سود لینا فتوی سے جائز ہے مگر تقوی کے خلاف ہے کیونکہ بعض لوگ جب بنک سے سود لینے کے عادی ہوجاتے ہیں تو وہ پھر مسلمانوں سے بھی سود لینے لگتے ہیں اور سود کی حرمت کا ان کے دل پر زیادہ اثر نہیں رہتا لہذا احتیاط اس میں ہے کہ بنک سے بھی سود نہ لیا جاوے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد

سودی حساب کی کتابت کا حکم

سوال: سود (بیاج) لینے کا کتابوں میں شرعی حرمت اور ممانعت پائی جاتی ہے لیکن ہمارے سندھ ملک میں بہت لوگ مفلس اور قرضدار ہیں اور وہ قرض اکثر ھندو (بنیہ) بیاج خور لوگوں کا ہے۔ قرض خواہ لوگ بیاج لیتے ہیں۔ اور قرضدار دیتے ہیں اگر نہیں دیتے تو قرضہ بغیر بیاج کے نہیں دیتے ہیں اور خاص تعداد میں کی حکومت میں یہ قاعدہ پاس ہوا ہے، بیاج دینے لینے کا جب کسی بے علم اور بے عقل لوگ اپنے قرضخواہ کے ساتھ حساب قرضہ کا کرتے ہیں تو کسی عالم اور عاقل آدمی کو ساتھ لیکر قرضہ اور بیاج کا شمار کرتے ہیں، ابھی سوال کی غرض یہ ہے کہ کتابوں میں دیکھا ہے اور علماء سے بھی سنا ہے کہ سود (بیاج) کا حساب کرنا اور سود والی رقم کے اوپر گواہ ہونا بھی حرام ہے۔ ابھی وہ عقلمند شخص جو اس بے عقل کے حساب سمجھنے کو گیا وہ بھی گنہگار ہوگا، اس نے تو بھلائی کی۔ پھر بھلائی سے اس پر گناہ لازم ہوا، اس کا طریقہ کس طرح کیا جائے؟ اگر قرضدار کے حساب سمجھنے اور بیاج شمار کرنے کیلئے عاقل حسابدان شخص نہیں جاتا تو وہ بہت ناراض اور رنجے ہوتے ہیں۔

الجواب

پھر ناراض ہوکر کیا کرے گا، خدا کی ناراضی اس سے زیادہ اشد ہے۔ لیکن سودی حساب کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ابتداء میں ہوتا ہے سود لینے کے وقت ایک بعد میں ہوتا ہے۔ قرضہ ادا کرنیکے وقت اگر اس نیت سے حساب کتاب کردے کہ مبادا ھندو بنیہ کہیں مسلمان بھائی کو دھوکہ دیکر زائد نہ لیلے تو اس میں ایک گونہ زائد سود سے مسلمان کو بچانا ہے۔ جس کے فی الجملہ جواز

کی گنجائش ہے۔

حررہ الاحقر ظفر احمد

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

سود سے حاصل شدہ مال کا حکم

سوال: ماقولہم رحمہم اللہ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص علیم الدین نامی یہ بیان کرتا ہے کہ میں سن ۱۲۹۰ھ بنگلہ میں اپنے بھائی سے جدا ہوا اور چند بیل خریدے، پھر سرسوں کا کھیت لیا اس سے اندازاً ستر روپیہ حاصل کرکے اس سے اور ایک قطعہ زمین خریدا۔ بعد اس کے ان سب زمین کے کھیتی سے اندازہ ڈھائی سو من دھان حاصل کیا اور یہ دھان سن ۱۳۰۰ھ بنگلہ میں حاصل ہوا اور اس سن ۱۳۰۰ھ تک وہ زمین اور خریدہ زمین مجموعاً اندازہ چار ایکڑ کی زمین میری ملک اور دخل میں آئی، پس اس دھان مذکورہ کو بالکل بیچ کر اس روپیہ سے سود کھانا شروع کیا اور ہر برس سود کی آمدنی سے اور اصل رقم روپیہ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اور زمین خرید کرتا رہا، اور کھانے پینے میں اور پہننے میں خرچ کرتا رہا اس طرح پندرہ سولہ برس میں اور کئی ایکڑ زمین خرید کی گئی اور پہلے کی چار ایکڑ زمین اور اب کی آٹھ ایکڑ زمین مجموعہ بارہ ایکڑ زمین میری ملک و تصرف میں آئی پس اسی سنہ سے سن ۱۳۱۶ھ بنگلہ میں سود کھانا چھوڑ دیا، اور اپنے مدیون لوگوں سے بلا سود کے اصل روپیہ وصول کرتا رہا، اور زمین مذکورہ کی کھیتی میں مشغول ہوا۔ اس پر بھی چودہ برس گزر گئے۔ اب اس سنہ حال یعنی سن ۱۳۳۰ھ بنگلہ میں بخوف خدا بر ترسیبا گناہوں سے توبہ کیا، اور عزم بالجزم کیا کہ آئندہ پھر مرتکب معاصی کے نہ ہوں گا۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ فی الحال میرے پاس جو نقد سود حاصل اور زمین مذکورہ کی کھیتی، آمدنی موجود ہے۔ اس کو کیا کروں؟ شرعاً اس پر کیا حکم ہے؟ وہ میرے لئے حلال ہے یا حرام؟ اس میں خود تصرف کرنا، خود کھانا اور مسلمان بھائیوں کو کھلانا اور فی سبیل اللہ خیرات کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور زمین مذکورہ کی کھیتی سے اب جو پیدا ہوتی ہے اور نقدی حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ اب اس صورت میں ان سوالات کے جوابات کیا ہیں؟

تنقیح: ۱۔ کیا اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ نقد مال میں حلال

کس قدر ہے اور سود کس قدر؟ ۳ؔ اسی طرح زمین میں حلال روپیہ کی کتنی خرید ہے اور حرام کی کتنی؟

جوابات تنقیح

جواب اول: موجودہ نقد مال میں اندازہ نہیں ہو سکا کہ حلال اس قدر اور سود کا اس قدر کیونکہ بہت دن گزر گئے۔ **جواب دوم:** زمین میں حلال روپیہ کے کتنی خریدی اور حرام کے کتنی خریدی اس کا اندازہ نہیں ہو سکا کیونکہ آمدنی کے وقت حلال وحرام مختلط تھے۔ تمیز کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا، ہو سکتا ہے کہ حرام روپیہ سے زمین خرید کی گئی ہے۔ یا اکثر حرام روپیہ خرید میں لگا ہو۔

الجواب

قال فی الدر: السلطان اذا خلط المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکوة فیه ویورث عنه لأن الخلط استهلاك اذا لم یمکن تمییزه عند أبی حنیفة رحمه الله، وقوله ارفق بالناس اذ قلما یخلو المال من غصب اه۔ وقال الشامی: ای بمنزلة الاستهلاك من حیث ان حق الغیر یتعلق بالذمة لا بالاعیان (ص ۲۹ ج ۲)۔ قال الشامی ناقلاً عن البزازیة: الغصب ان علمت اصحابه او ورثتهم وجب رده علیهم، والا وجب التصدق به۔ وقدمنا ان الامراء فقراء بما علیهم من التبعات ولا شك ان غرمائهم مجهولون اه (ص ۳۰ ج ۲) وقال ایضاً ناقلاً عنها: ما یأخذه من المال ظلماً ویخلطه بماله وبمال مظلوم آخر یصیر ملکاً له وینقطع حق الأول (ای عن عینه ویبقی فی الذمة) فلا یکون اخذه عندنا حراماً محضاً نعم لا یباح الانتفاع به قبل اداء البدل فی الصحیح من المذهب اه۔ وفی الاشباه: لو تخمر بعض العنب ثم قسم طهر لوقوع الشك فی کل جزء هل هو المتخمر أو لا؟ وفیها ایضاً ناقلاً عن السیر الکبیر: اذا فتحنا حصناً وفیهم ذمی لا یعرف لا یجوز قتلهم لقیام المانع بیقین، فلو قتل البعض

أو أخرج حق تدل الباقی للشرك فی قیام المحترم اھ (ص ۴ ۵ س ۵۵)

وفیہ ایضاً: لو لم یفتہ من الصلٰوۃ شیئ وأحب ان یقضی صلوۃ عمرہ منذ ادرك اذا کان اکبر ظنہ فسادھا بسبب الطھارۃ أو ترك شرط فحینئذ یقضی ما غلب علی ظنہ وماں ادعنیہ یکرہ (صث) وفی العالمگیریہ (ص ۲۳۳ ج ۲) لہ مال فیہ شبھۃ اذا تصدق بہ علی أبیہ یکفیہ ذلك ولا یشترط التصدق علی الأجنبی وکذا اذا کان ابنہ معہ حین کان یبیع ویشتری وفیہا بیوع فاسدۃ فوھب جمیع مالہ لابنہ ھذا خرج من العھدۃ کذا فی القنیۃ (ص ۲۴۹ ج ۵)

قلنا وقال علماء نا: لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) اگر شخص مذکور کو یہ معلوم ہو کہ میں نے کن کن لوگوں سے سود لیا اور جن لوگوں سے سود لیا وہ مسلمان لوگ ہیں تو اس صورت میں بمقدار سود رقم ان کو واپس کرے اور اگر رقم کی مقدار یاد نہ ہو تو غالب گمان سے جتنی رقم سود کی ہوتی ہو اتنی واپس کرے اور احتیاطاً باقی سے معافی چاہ لے۔ اگر وہ لوگ خود موجود نہ ہوں تو ان کے ورثاء کو ادا کرے اور معافی چاہئے (۲) اگر وہ مسلمان جن سے سود لیا ہے یاد نہیں ہے کہ کون کون ہے یا یاد ہوں مگر اب لاپتہ ہیں۔ اور یہ بھی اندازہ نہ ہو سکے کہ سود کی رقم کتنی تھی تو موجودہ مال میں سے اتنی رقم صدقہ کر دے جس کے صدقہ کر دینے کے بعد دل میں یہ گواہی دیدے کہ سود سب ادا ہو گیا۔ اور اس صورت میں صدقہ کرنا اجنبی ہی پر ضروری نہیں بلکہ اپنی غریب اولاد اور غریب والدین اور غریب بیوی پر صدقہ کر دینے سے بری الذمہ ہو جائیگا (۳) اگر سود کفار سے لیا ہے تو وہ بقول بعض علماء جائز ہے اس کے اختلاط سے مال میں شبہ نہیں آتا (۴) یہ شخص بحالت موجودہ بھی (بدون ادائے حق غرباء وبدون تصدق کے) کسی کو ھدیہ دیدے۔ یا کھانا کھلا دے تو دوسروں کو قبول ھدیہ وکھانا جائز ہے مگر اس شخص کو اپنے مال میں بدون طرق مذکورہ پہ عمل کئے تصرف جائز نہیں (۵) اور جو زمین اس نے مال مخلوط سے خریدی وہ سب اس کے ملک ہے مگر بدون ادائے حق مساکین یا بدون تصدق کے ملک خبیث

خبیث رہے گا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

بحالت مجبوری سود دینے کا حکم جبکہ بغیر سود کے کام نہ چل سکے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ آجکل تجارت کا طریقہ ایسا ہوگیا ہے کہ جس میں اگر سود نہ بھی لیں، تب بھی دینا ضرور ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر ہمیں مال کی ضرورت ہوئی اور کسی ایجنٹ کو آرڈر دیا جب وہ آرڈر یورپ پہنچتا ہے تو جس وقت سے وہ لوگ مال روانہ کرتے ہیں اسی وقت سے اس مال کی قیمت کے ساتھ سود بھی چڑھاتے جاتے ہیں اور ہم سے رقم کی وصولی کے وقت رقم مع سود وصول کرتے ہیں اور اس سے کسی طرح کا چھٹکارا ہونا مشکل ہے تو کیا ایسے وقت میں یہ سود دینا جائز ہوسکے گا؟ اور اگر ناجائز ہو تو کونسی صورت کی جائے؟ جس سے مال بھی آسکے اور گناہ سے بھی بچ جائیں۔

الجواب

مجبوری کی حالت میں سود دینا جائز ہے جبکہ بدون اس کے کام نہ چل سکے اور لینا کسی حال میں درست نہیں، الا عند البعض فی دار الحرب اذا اخذہ من الحربی فانہ لیس بربوا عندھم، قال فی الاشباہ: ما حرم اخذہ حرم اعطاءہ کالربو ومہر البغی والرشوۃ واجرۃ النائحۃ والزامر الا فی مسائل الرشوۃ لخوف علی نفسہ او مالہ او لیسوی امرہ عند سلطان او امیر اھ قال الحموی (قولہ الرشوۃ لخوف علی مالہ الخ) ھذا فی جانب الدافع اما فی جانب المدفوع لہ فحرام وینبغی ان یستثنی الاخذ بالربا للمحتاج فانہ لا یحرم کما صرح بہ المصنف فی البحر ویحرم علی الدافع الاعطاء بالربا اھ (ص ۱۱۶) واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۷ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ

بصورت مجبوری سود دینے کا حکم اور اس کا طریقہ جواز

سوال: اگر میرے والد صاحب امانت رکھ کر کچھ روپیہ سودی قرض لیں، بعد میں سود دیکر گیا وہ مال واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہ لوں تو مثلاً دو روپیہ کے بدلے دس روپیہ کی چیز چلی جاوے۔

الجواب

یہ مجبوری کی صورت ہے کہ سود نہ دینے میں اپنے پاس سے زیادہ قیمت کی چیز جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت چیز کے نہ چھڑانے سے گویہ زیادہ سود اس کے پاس جائیگا، اسلئے اس کو سود دینا اور چیز کو چھڑا لینا جائز ہے مگر صورت یہ ہونا چاہئے کہ جتنے روپے اصل قرض کے تھے اس سے ایک روپیہ کم تو چاندی کا سکہ دیا جاوے اور باقی رقم کو پیسوں سے یا گلٹ کے سکہ سے ادا کیا جائے چونکہ اختلاف جنس سے مساوات کا لزوم نہیں رہتا اس لئے یہ سب پیسے اور گلٹ کا سکہ اصل قرض کے اس ایک روپیہ کے عوض میں ہو جائے گا جو بصورت روپیہ نہیں دیا گیا اور قرضخواہ کو یہی کہکر دیا جائے کہ ہم تم کو یہ سارے پیسے یا گلٹ کے سکے صرف ایک روپیہ کے عوض میں دے رہے ہیں، اس طرح امید ہے کہ سود دینے کا گناہ نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

خانقاہ تھانہ بھون

دری فروشوں کے ایک مخصوص معاہدے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں کہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کو محلہ خلیفہ فضل گنج کانپور کے دری فروش مسلمانوں نے مجتمع ہو کر یہ طے کیا کہ بازار میں جو کچھ دری فروخت کی جائے اگر دکاندار تیسرے روز روپیہ دیدے تو چھ آنہ سیکڑہ اور فی جوڑہ ایک پیسہ کاٹ لے۔ یعنی ۶ سیکڑہ اور دو دری پر ایک پیسہ کٹوتی کاٹ لے، اور اگر بعد تیسرے روز کے پندرہ روز تک روپیہ دیوے تو چھ آنہ سیکڑہ نہیں کاٹ سکتا اور اگر بعد پندرہ روز کے دام دیگا تو فی سیکڑہ ایک روپیہ مہینہ خریدار کو منافع دینا ہوگا اور جن لوگوں کے اسماء مع دستخط ہیں اگر خلاف

کرے گا تو ایک آنہ فی روپیہ جرمانہ دینا ہوگا، چنانچہ ہم مقران اس تحریر کے پابند ہوجاویں گے اگر کوئی شخص خلاف اس تحریر کے کریگا تو مبلغ ایک آنہ فی روپیہ جرمانہ دے گا اقرار کرتے ہیں اور لکھکر دیتے ہیں کہ اگر ایک آنہ فی روپیہ جو شخص جرمانہ نہ دے گا بذریعہ نالش کے وصول کیا جاویگا ہم من مقران نے بخوشی یہ اقرارنامہ لکھدیا اور دستخط کر دیا کہ سند ہو اور بوقت ضرورت کام آوے۔

یہ اس رائے کی نقل ہے جو کثرت رائے سے منظور ہوا ہے۔ اس قسم کا معاہدہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت معاہدہ جو مسلمان درزی فروشوں میں قرار پائی ہے بالکل خلاف شرع ہے خصوصاً پندرہ روز کے بعد ہر سیکڑہ پر ایک روپیہ منافع خریدار سے لینے کا معاہدہ صریح ربوا اور سود ہے، جسکا حرام ہونا سب کو معلوم ہے اسی طرح جرمانہ کا معاہدہ بھی ناجائز ہے کسی مسلمان پر جرمانہ مالی کرنے کا کسی کو حق نہیں

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

خانقاہ تھانہ بھون ۸ رجب ۱۳۴۵ھ

مشتری کو بائع سے کٹوتی اور دلالی لینے کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسئلہ میں کہ بازار کا عام دستور ہے کہ ہندو اور مسلمان سوت فروش تیسرے روز مال کا روپیہ ادا کر دینے پر بٹہ دلالی کاٹ کر خریدار کو دیتے ہیں اگر ایک ہفتہ کے اندر روپیہ بیباق نہ کیا جاوے تو بٹہ دلالی کچھ کم کر دیتے ہیں مثلاً بمبئی کے سوت خریدنے والے کو تیسرے روز روپیہ ادا کرنے پر بائع فیصدی [illegible] بٹہ دلالی کا کاٹ دیتا ہے، اگر چار یا پانچ روز کے بعد مشتری روپیہ ادا کرے تو بائع تو ایک ہی روپیہ بٹہ دلالی کا دیتا ہے۔ اسی طرح دوسرے ملوں کے سوت خریدنے پر بھی بٹہ دلالی ملتا ہے۔ اور ہر قسم کے تجار اور مل کے ایجنٹ اپنے قاعدہ مقررہ کے موافق بٹہ دلالی خریدار کو دیتے ہیں چنانچہ مسلمان درزی فروشوں میں بھی کٹوتی و دلالی دینے کا رواج ہے

کوئی فیصدی دو کوڑی دو دمڑی یا ایک پیسہ خریدار کو کٹوتی دیتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ دلالی آتا ہے تو دلالی بھی دیتے ہیں۔ غرض کہ ہر قسم کے تاجر ہندو اور مسلمان بٹہ دلالی اور کٹوتی وغیرہ لیتے دیتے ہیں۔ اور کٹوتی کی آمدنی بعض دینی کاموں میں بھی صرف کرتے ہیں۔ مساجد اور مدارس میں دیتے ہیں۔ کٹوتی اور بٹہ دلالی لینا دینا اور کٹوتی کی آمدنی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواز اور عدم جواز کی جو شرعی صورتیں ہوں تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس میں تفصیل ہے اگر بائع ہندو ہے تو خریدار کو اس سے کٹوتی اور دلالی لینا ہر صورت جائز ہے۔ جبکہ وہ اپنے قاعدہ کے موافق خوشی سے دیتا ہے۔ فانه یباح لنا فی مال الحربی ما یرضاه۔ اور اگر بائع مسلمان ہے اور خریدار اس کو دست بدست ثمن ادا کرتا ہے اس صورت میں مسلمان بائع سے بھی کٹوتی اور دلالی کا روپیہ دستور کے موافق لینا جائز ہے اور اس وقت یوں کہیں گے کہ بائع نے قیمت سے کچھ مقدار کم کر دی۔ والزیادۃ فی الثمن والحط منه یلحق بالعقد ونحوہ۔ اور اگر خریدار دست بدست قیمت نہیں دیتا تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خریدار مجلس عقد میں بائع سے یوں کہہ دے کہ میں اس مال کی قیمت مثلاً تین روز کے بعد ادا کروں گا اور اسی قول کے موافق ادا بھی کرے۔ اس صورت میں بھی بائع مسلمان سے کٹوتی اور دلالی لینا جائز ہے اور یہی سمجھا جائیگا کہ بائع نے مجلس عقد ہی میں قیمت کم کر دی تھی۔ لان المعروف کالمشروط۔ اور اگر خریدار نے مجلس عقد میں اپنے ادا کا وقت بیان نہیں کیا بلکہ قیمت طے کرکے چیز لے گیا تو اب قیمت ادا کرنے کے وقت اس کو مسلمان بائع سے کٹوتی اور دلالی لینے کا حق نہیں اور وہ کٹوتی اور دلالی کا روپیہ لینا بھی جائز نہیں کیونکہ اب وہ بازار کے دستور کے موافق کٹوتی رکھیگا اور اس دستور میں کٹوتی وغیرہ کی رقم کو اجل کا معاوضہ بتایا گیا ہے کہ اگر تین دن میں نقد دیگا تو اتنا کاٹ دینگے۔ ہفتہ بھر میں دیگا تو اتنا کاٹ دینگے اس میں صراحۃً معاوضہ اجل ہے اور معاوضہ اجل حرام ہے۔ (صرح به فی الهدایۃ: ولو کانت له الف مؤجلة، فصالحه علی خمس مائة حالة لم یجز) الی آن قال) وذلک

اعتیاض عن الأجل وھو حرام (صفحہ ۲۳۹ ج ۲)۔

البتہ ایک صورت سے اس شق میں بھی کٹوتی وغیرہ لینا جائز ہے یعنی جبکہ مشتری نے بیں عقد میں وقت ادا بیان نہ کیا ہو یا بیان کیا ہو مگر اس وقت پہ نہ لایا ہو، وہ صورت یہ ہے کہ جب ثمن بائع کو ادا کرے تو اس وقت یوں کہدے کہ میں کٹوتی وغیرہ تو نہیں لیتا کیونکہ میرے واسطے اس کا لینا جائز نہیں ہاں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ قیمت میں سے اتنی مقدار مجھے کم کر دیجئے (اور وہی مقدار بیان کر دے جو کٹوتی کے قاعدہ سے کم ہوتی ہے) اس صورت میں یہ بلاشبہ حط من الثمن میں داخل ہوگا اور مشتری کو اس روپیہ کا لینا مسلمان بائع سے بھی جائز ہوگا، اور بہتر ہے کہ مسلمان بائع سے بہر صورت یوں ہی کہکر کٹوتی لیا کریں واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

حکم نالش مع سود برائے استیفائے اخراجات ضروریہ مقدمہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد قصبہ سکندرآباد کے چند دوکانیں کرایہ پہ ہیں کرایہ دار ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، ان میں سے کچھ عرصہ سے بعض کرایہ دار کرایہ ادا نہیں کرتے اور نہ دوکانیں خالی کرتے ہیں ہر چند کوشش کی کہ کرایہ وصول ہوجائے اور دوکانات خالی کردیں یہاں تک کہ حسب ضابطہ قانونی ان کو نوٹس بھی دیا گیا تو بھی نہ کرایہ دیا نہ دوکان خالی کی، اب بحالت مجبوری نالش کرنا ضروری ہے مگر نالش کرنے میں جامع مسجد کا بہت زیادہ نقصان ہے وہ یہ کہ نالش کرنے میں دو قسم کا خرچ ہوتا ہے ایک تو وہ جو ضابطہ کا ہے یعنی کورٹ وکلیانہ دخوراک گواھان و محنتانہ وکیل جو عدالت کا مقرر کردہ ہے، دوم وہ خرچ جو اس کے علاوہ ہوتا ہے یعنی کرایہ آمدورفت دخوراک وغیرہ بکار مقدمہ اور یہ خرچ دوم خرچ اول سے سہ چند سے بھی بہت زیادہ ہوجاتا ہے اور عدالت سے یہ خرچ ملتا نہیں تو کیا ایسی حالت میں مع سود نالش کرکے اپنا خرچ لیکر باقی سود جس قدر بچے وہ کرایہ دار کو واپس کردیا جاوے، یہ عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد عبدالرزاق جان امام جامع مسجد سکندرآباد ضلع بلند شہر

الجواب

اس صورت میں متولی مسجد کو مقدمہ کی ضروری اور لابدی مصارف کا کرایہ دار سے
وصول کرنا جائز ہے۔ وہ کرایہ آمد و رفت و صرف نوٹس کی بھی ضروری مصارف میں سے ہے۔
بشرطیکہ بقدر ضرورت پر اکتفا کیا جاوے۔ پس ان ضروری مصارف کے وصول کرنے کیلئے نالش
مع سود کرنی بھی جائز ہے۔ جب اور کوئی طریقہ حصول مصارف کا نہ ہو اور بعد وصول اس
رقم نام نہاد سود کے ضروری مصارف سے جو فاضل ہو وہ کرایہ دار کو واپس کر دینا
لازم ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر محمد احمد عفا عنہ

اشرف علی تھانوی

عدم وجوب سود بر مدیون

سوال: زید و عمر نے ایک کھیت تخمیناً ۱۰ بیگہ نصف نصف کے
شریک ہو کر ۸ ہزار روپیہ کو خریدا۔ جس کی صورت معاملہ ذیل میں درج ہے۔
کہ زید نے عمر سے کہا کہ کھیت مذکور ہم تم دونوں شرکت میں خریدتے ہیں ۴ ہزار
روپیہ نقد میں دیتا ہوں۔ اور باقی چار ہزار نقد تم دو۔ عمر نے کہا کہ میرے پاس نقد چار
ہزار روپیہ فی الحال نہیں ہے۔ ہزار روپیہ نقد فی الحال میں انتظام کر سکتا ہوں۔ اس پر
زید نے کہا کہ اچھا ہزار روپیہ نقد تم اس وقت دیدو اور باقی تین ہزار روپے تمہارے
ذمہ کے میں بائع کو دیئے دیتا ہوں۔ اور اس قرض کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی کہ کچھ
روپیہ تو تھوڑا تھوڑا تم مجھکو نقد ادا کرتے رہنا۔ اور کچھ روپیہ اس کھیت کی سالانہ پیداوار میں
سے میں لیتا رہوں گا۔ اس گفتگو پر دونوں راضی ہوگئے۔ چنانچہ عمر نے ایک ہزار روپیہ
تو اسی وقت زید کو دیدیا اور زید نے کل ثمن بائع کو ادا کر دیا۔ اب ڈیڑھ دو سال
کے بعد زید عمر سے کہتا ہے کہ میں نے جو تمہارے ذمہ کا روپیہ دیا تھا۔ وہ ایک
شخص کی امانت کا روپیہ تھا وہ شخص اپنا روپیہ طلب کرتا ہے۔ لہذا بقیہ روپیہ دو۔
اس پر عمر نے کہا کہ بوقت خریداری کھیت کے تم نے یہ بات ظاہر نہیں کی تھی۔ میرے پاس
اس وقت نقد روپیہ نہیں۔ جب روپیہ ہوگا دوں گا۔ اب زید کہتا ہے کیونکہ وہ روپیہ
امانت ہے۔ میں تو روپیہ کسی جگہ سے سودی لیکر اس کو دیتا ہوں۔ اور سود تم کو دینا
ہوگا۔ عمر کہتا ہے کہ تم نے پہلی مرتبہ سود کی بات کچھ بھی نہیں کہی تھی۔ اب سود کا جھگڑا

کیوں اٹھ گیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کے پانچ چھ ماہ بعد عمر نے باقی قرضہ زید کو دیدیا مگر زید کہتا ہے کہ سود کا بھی روپیہ دو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر عمر نے زید سے کہا ہو کہ تم سودی روپیہ لا کر دیدو میں تم کو سود دوں گا، تو کیا بروئے شریعت شریف کے عمر کو سود دینا ضروری ہوگا؟ اور اگر عمر نے سود کی بابت کچھ بھی نہ کہا ہو بلکہ زید نے بغیر کہے سودی روپیہ لا کر دیا ہو اور اب بوقت ادا عمر سے زید کہتا ہے میں نے تو سود سے روپیہ نکال کر دیا ہے، وہ سود رقم دو تو یہاں بروئے شرع عمر کو سود دینے پر مجبور کیا جاوے گا؟

فریقین نے یہ معاملہ حکم شرع پر موقوف رکھا ہے لہٰذا حسب حکم شرع براہ الطف الفضان فتوی تحریر فرما کر مرہون منت فرما دیں اور حوالہ کتب بھی فرمایا جاوے اگر زید عمر سودی روپیہ نہ دے تو کیا عمر کے ذمہ یہ قرضہ باقی رہے گا؟ چونکہ اشد ضرورت ہے لہٰذا براہ تلطف جلد جواب مرحمت فرمایا جاوے۔

السائل عبد القادر پیش امام جامع مسجد

الجواب

عمر کے ذمہ دونوں صورتوں میں سود دینا واجب نہیں لانہ فی الاول قال ما قال بطریق المشورۃ والوعد، ولا یجب ایفاء الوعد بالحرام، وفی الثانی لم یقل شیئا یوجب لزوم الربا اصلا۔ ہاں ایک صورت میں عمر کے ذمہ سود دینا آتا وہ یہ کہ عمر زید کو اپنا وکیل بالقرض بنا کر کسی کے پاس بھیجتا کہ زید کو میری طرف سے اتنا روپیہ سود پر دیدو، اس صورت میں زید محض سفیر ہوتا سود اس کے ذمہ نہ ہوتا بلکہ عرفاً عمر کے ذمہ ہوتا اور شرعاً تو کسی صورت میں بھی سود کسی کے ذمہ واجب نہیں ہوتا واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد التھانوی عفی عنہ ۱۰ رجب سنہ ۴۶ھ

تبادلہ سکہ حالی بہ سکہ کلدار

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ہمارے سرکار عالی کا سکہ حالی رائج ہے۔ بعض وقت کلدار کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا نرخ گھٹتا بڑھتا ہے۔ ایک روپیہ کلدار کے بجائے ایک روپیہ ۳ ر حالی دینے پڑتے ہیں، تو کیا یہ لین دین سودی ہوگا؟ مخفی مبادلہ

حالی سکہ کا رواج کا ہوتا ہے اور کلدار کا رواج کا۔

الجواب

سکہ حالی کا مبادلہ سکہ کلدار سے اس طرح جائز ہے کہ ایک طرف جدھر چاندی کم ہے چاندی کے سکہ کے ساتھ تانبے یا گلٹ وغیرہ کا سکہ بھی ملا لیا جاوے ورنہ ربوا کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۹ ربیع الثانی سنہ ۴۷ھ

دارالحرب میں کفار یا بینک سے سود لینے کا حکم

سوال ۵ فتاویٰ عزیزیہ جلد سوم ص۹۵ کے حوالے سے یہ مسئلہ ایک کتاب میں نظر سے گذرا۔ در عملداری نصاریٰ کہ اہل اسلام در بنک نصاریٰ رقم جمع می سازند و سود آں از نصاریٰ میگیرند۔ و آں را وثیقہ می نامند درست است یا نہ؟

جواب

در دار حرب میان کافر و مسلم حربی معاملہ ربوا درست است چنانچہ در ہدایہ می آرد۔ ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب انتہی۔ و عملداری نصاریٰ بنا بر مذہب صاحبین علیہما الرحمۃ بسبب آنکہ شعائر کفر وغیرہ باعلان رواج گرفتہ دار حرب است پس وثیقہ درست است، و بنا بر مذہب امام اعظم علیہ الرحمۃ دار اسلام کہ دار حرب می شود مشروط است بہ شروط ثلثہ بر تقدیر تحقق شروط ثلثہ عملداری نصاریٰ البتہ دار حرب خواہد گشت۔ و وثیقہ جائز خواہد شد۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین علیہما الرحمۃ کے نزدیک ہندوستان میں وثیقہ جائز ہے۔ میرے ذہن میں وثیقہ اور پرامیسری نوٹ ایک ہی چیز ہے جس کو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روپیہ گورنمنٹ واپس نہیں دیتی بلکہ اس کا سود ہی ملتا رہتا ہے البتہ اس پرامیسری نوٹ کو فروخت کیا جا سکتا ہے اور پرامیسری نوٹ کا نرخ کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے نرخ کی کمی بیشی سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی سو روپیہ کا پرامیسری نوٹ اٹھانوے روپیہ میں مل جاتا ہے۔ اور کبھی ایک سو ایک میں بھی لینا پڑتا ہے وہ خرید و

فروخت رعایا کے آپس میں ایک انگریزی کمپنی کے ذریعہ سے اکثر ہوتی ہے، جو کلکتہ میں ہے۔ اب دریافت طلب دو امر ہیں، ایک یہ کہ کمی بیشی پر خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ پرامیسری نوٹ خرید لینے کے بعد پرامیسری نوٹ کے روپیہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ معمولی کرنسی نوٹ پر زکوٰۃ کی وجہ تو ظاہر ہے کہ حوالہ ہے، اس وجہ سے کہ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے وعدہ لکھا ہوتا ہے کہ اس نوٹ کے لانیوالے کو اس قدر روپیہ گورنمنٹ کے ہر خزانہ سے دیا جاویگا، اور پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ واپس نہیں دیتی بلکہ صرف سود دیتی ہے، تو جب پرامیسری نوٹ والا روپیہ گورنمنٹ سے لینے کا حقدار نہ رہا تو روپیہ کا مالک بھی نہ رہا اور وہ صرف پرامیسری نوٹ کا مالک ہے، تو اب زکوٰۃ کس چیز پر آوے گی؟ مہربانی فرما کر ہر دو مسائل کا جواب ایسا عنایت فرمائیے کہ ان پر کسی اور بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر ان دونوں باتوں میں کسی صحیح تاویل سے کام چل سکے تو وہ بھی تحریر فرما دیجئے، اس وجہ سے کہ الدین یسر مسلّم امر ہے۔

مکرر یہ کہ ایک شبہ کا جواب عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس میں کفار کو اپنا مال سپرد کر دینا ہے جو ناجائز معلوم ہوتا ہے، مگر زمینداری جو سب کے نزدیک جائز ہے اس میں جو گورنمنٹ کو مالگذاری دینی پڑتی ہے، اس کی واپسی تو محال ہے، اور اس کے عوض میں گورنمنٹ کچھ نہیں دیتی، اور پرامیسری نوٹ کی خریداری میں گورنمنٹ ہمیشہ سود دیتی ہے، جس کی تعداد غالباً سولہ سترہ سال کے بعد اصل رقم کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے، پھر نفع ہی نفع ہے۔ فقط

محمد کامل سوداگر چشمہ امروہہ
دروازہ مراد آباد

الجواب

ہندوستان کو اگر دار حرب بھی مان لیا جاوے تب بھی جس روایت کی بنا پر مد فتاوی عزیزیہ، میں دارالحرب میں سود کو کافر و مسلم کے درمیان جائز کہا گیا ہے وہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو رسالہ ردا فع الضنک عن منافع البنک، مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون سے منگا کر مطالعہ کیا جائے۔

رہا یہ کہ پرامیسری نوٹ کا مالک ہونے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ سو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اصل رقم وصول نہ ہو اس وقت تک گورنمنٹ سے وہ رقم لینا جو سود کے نام سے وہ دیتی ہے جائز ہے اور اس رقم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ جب کہ بقدر چالیس درم[عـه] کے وصول ہو تو وصول شدہ رقم سے چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اور اگر ہر قسط چالیس درہم سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں لیکن دو یا چند قسطیں چالیس درم تک پہنچ جاویں تب اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر کسی وقت پرامیسری نوٹ کو فروخت کیا جائے تو فروخت کے بعد جو رقم وصول ہوگی اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، مجموعی رقم کا چالیسواں حصہ دیدیا جاوے۔ اور پرامیسری نوٹ کو زیادت وقلت کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ سکہ نہیں محض وثیقہ ہے جو بمنزلہ حوالہ کے ہے، اور جب گورنمنٹ سے سود لیتے لیتے اصل رقم وصول ہو جائے اس کے بعد جو رقم لی جاوے گی وہ سود خالص ہے، جو قول صحیح میں جائز نہیں ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ سو اگر آئندہ کیلئے اپنی جمع شدہ رقم چھوڑ دے تو زکوٰۃ نہیں ہے ورنہ مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہے، یہ نہیں کہ سود لینے کے لئے تو جواز کے قول کو اختیار کر لیا جاوے اور زکوٰۃ سے بچنے کیلئے حرمت کا قول لے لیا جاوے۔ اور سود کا حرام ہونا الدین یُسر کے خلاف نہیں، کیونکہ سود لینا ظلم ہے اور ظلم سے روکنا یُسر کے خلاف نہیں بلکہ عین یُسر ہے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون

گھوڑ دوڑ میں قمار جائز ہے یا ناجائز

سوال: عام طور پر یہ شہرت ہے کہ گھوڑ دوڑ میں جو قمار ہوتا ہے وہ جائز ہے، بظاہر ناجائز معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے صرف گھوڑ دوڑ کی اجازت معلوم ہوتی ہے نہ اسکے متعلق قمار کی۔

الجواب

قمار تو کسی طرح جائز نہیں جو صورت حدیث سے اور فقہاء کے کلام سے جائز معلوم ہوتی ہے وہ قمار نہیں بلکہ تجارت سے خارج ہے۔

عـه چالیس درم کی قیمت گیارہ روپیہ کے قریب ہوتی ہے۔ ایک درم ۴/ کا ہوتا ہے ۱۲ ظفر

قال فی الھدایۃ: ولا بأس بالمسابقۃ ان شرط المال من جانب واحد وحرم لو شرط فیھا من الجانبین الا اذا ادخلا ثالثاً بینھما بفرس کفوء لفرسیھما یتوھم أن یسبقھما والا لم یجز لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادخل فرسا بین فرسین وھو لا یأمن ان یسبق فلا بأس بہ وإن أمن ان یسبق فھو قمار رواہ احمد وابوداؤد وغیرھم زیلعی ۱۲ من الشامی۔

قال الشامی وصورتہ ان یقال ان سبقتما الثالث اخذ منھما المال وان سبق لم یعطھما شیئاً وان سبق کل منھما الآخر فلہ ماۃ من مال الآخر قال الزیلعی وانما جاز ھذا لان الثالث لا یغرم علی التقادیر قطعا ویقینا وانما یحتمل أن یأخذ او لا یأخذ فخرج بذلک من ان یکون قماراً اذا شرط من جانب واحد لان القمار ھو الذی یستوی فیہ الجانبان فی احتمال الغرامۃ کما بینا اھ من الشامی ص ۲۵۳ ج ۵ باب الحظر والاباحۃ۔

حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالی۔

سودی فارم کا لکھنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال: گذارش یہ ہے کہ یہ وہ فارم ہے جس کے واسطے آپ نے تحریر کیا تھا کہ فارم روانہ کرو۔ اس فارم کا لکھنا اور فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں سودی روپیہ کا قرض لکھا جاتا ہے۔

سائل۔ محمد عزیز خطوط نویس پوسٹ آفس

الجواب

گو اس کو فروخت کرنے میں اور لکھنے میں وہ گناہ تو نہیں جو سودی تحریر میں ہے کیونکہ اس کے کاتب و بائع کو کاتب الربا نہیں کہہ سکتے مگر پھر بھی یہ تحریر چونکہ سبب قریب کتابت ربا کا ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں پس اس کو بیع نہ کیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر ظفر احمد عفی عنہ

یکم رمضان المبارک ۴۳ھ

مسئلہ قمار | **سوال:** گذارش یہ ہے کہ اس ملک میں کانجی ہوس کے رواج یعنی بیل بکریوں کی بند خانہ جو لوگوں کی کھیتیاں نقصان کرتے ہیں۔ ان بند خانوں کے سبب سے کھیتیوں کی حفاظت ہوتی ہے اسکا ایک نائب مقرر ہوتا ہے اسپر گورنمنٹ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ اسمیں جتنے جانور مقید ہو دیں فی جانور چار آنے یا دو آنے کر کے مالک جانور سے لیوے اور جانور چھوڑ دیوے اور اس نائب کو گورنمنٹ کیساتھ یہ بندوبست ہوتا ہے کہ ایک سال میں چالیس یا پچاس روپے سرکار کو دیوے پس اس آمدنی سے آخر سال میں سرکار کو چالیس یا پچاس روپے دیکر اگر کچھ بچے تو اسکو یہ نفع حاصل ہوا ورنہ سرکار ہی کو مل گیا اگر پچاس یا چالیس سے کم حاصل ہو تو اپنی طرف سے اس قدر روپے پورا کر کے دینا ہوگا اب اس صورت میں شرعاً اسکے لئے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ آمدنی اسکے لئے حلال ہے یا حرام؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں فانہ مثل القمار وھو حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سود لینے، دینے والے اور گواہ وغیرہ کا حکم | **سوال:** گذارش یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود لینے والے کا گناہ کبیرہ ہوتا ہے اور دینے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے کا گناہ کبیرہ ہوتا ہے یا نہیں اور سود لینے والے کا اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر گناہ ہے، دینے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے کا اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب من بعض العلماء

واللہ اعلم بالصواب۔ الربوا حرام قطعی حرمتہ ثابتۃ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ منکر حرمتہ کافر منکر للکتاب والسنۃ والاجماع، مرتکب الربوا مرتکب لاکبر الکبائر، والاعانۃ علی المحرمۃ والمعصیۃ حرام ومعصیۃ ومن صور الاعانۃ الاعطاء والکتابۃ والشھادۃ فاعطاء الربوا حرام ومعصیۃ والمعطی مرتکب للکبیرۃ وکذا الکتابۃ للربا والشھادۃ علیہ حرام ومعصیۃ والکاتب

والشاهد مرتکب للکبیرۃ ولذا جاء فی الحدیث اللعنة علیهم جمیعا وشدة حرمة الربا تضاعف سبعین ضعفا علی حرمة نکاح الرجل امه فجزء من سبعین جزء من حرمة الربا یساوی حرمة نکاح الرجل امه فآکل الربا ناکح امه بتلك الکیفیة والکاتب والشاهد والموکل لیسوا ناکحی امها تهم بل هم معینون لناکح الام فعامل الربا عامل وآکل والکاتب والشاهد والموکل لیسوا بآکل کما ان معین السارق لیس بسارق فی الواقع لکن حرمة الاعانة ثابتة له فآکل الربوا والکاتب والشاهد والموکل شارکون فی اصل الحرمة والمعصیة الکبیرة وان کانوا مختلفین فی قدرها۔

ودلائل هذه الامور کثیرة شهیرة یذکر منها نبذة یکون فیه کفایة قال الله تعالٰی واحل الله البیع وحرم الربوا۔ وقال تعالٰی یمحق الله الربوا ویربی الصدقات وقال تعالٰی یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین الآیۃ۔ وقال تعالٰی یا ایها الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا الآیۃ وقال تعالٰی وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ وقال النبی صلی الله علیه وسلم اکل درهم واحد من الربا اشد من ثلاث وثلثین زنیة یزنیها الرجل ومن نبت لحمه من السحت فالنار اولی به کذا فی البحر وعن جابر رضی الله تعالٰی عنه قال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء رواه مسلم وفی المرقاۃ فی قوله علیه السلام هم سواء ای فی اصل الاثم وان کانوا مختلفین فی قدره وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الربوا سبعون جزءا ایسرها ان ینکح الرجل امه رواه ابن ماجه کذا فی المشکوۃ۔ وفی ما لا بد منه ربا حرام قطعی است

منکر حرمت آن کافر است . وقال فی الحاشیة : مسلم از جابر رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال : ھم سواء یعنی لعنت کردہ است آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خورندہ ربا را کہ رباستانندہ وخورانندہ ربا را کہ ربا دہد وبوسیلہ آن قرض میگیرد ونویسندہ را کہ خط آن ایں نویسد وگواہان را کہ بریں قضیہ گواہ می شوند از جہت اعانت وامداد ایشان امر نامشروع را و فرمود کہ آن برابر اند در وزر ولعنت وارتکاب معصیت انتہی ۔

وفی الہدایۃ : قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ : آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ اذا علموا بہ ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتہی ۔

پس ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ امر ظاہر ہوا کہ سود حرام قطعی ہے ، سود لینے والا ، دینے والا ، لکھنے والا ، گواہ ہونے والا سب مرتکب فعل حرام اور گناہ کبیرہ میں متحد اور فاسق ہیں ، اور حرمت و معصیت میں سب برابر ہیں چنانچہ قولہ علیہ السلام " ھم سواء " اس پر صریح دال ہے اگرچہ مقدار حرمت میں کچھ فرق ہے ، یعنی سود دینے والا اور گواہ ہونیوالا اور لکھنے والے کے گناہ کبیرہ اور حرمت ومعصیت شدید ہے باعتبار معین علی المعصیۃ الکبیرہ ہونیکے ، اور سود کھانے والے کے گناہ کبیرہ اور حرمت معصیت شدید تر ہے باعتبار ارتکاب نفس فعل حرام اور معصیت کبیرہ کے ۔

سود کے گناہ کے ستر اجزا ہیں ایک ادنیٰ جزو ان میں سے اپنی ماں سے زنا کرنیکے برابر ہے ۔ سود کھانے والا گویا اپنی ماں سے زنا کرنیوالا ہے ، سود دینے والا ، لکھنے والا اور گواہ ہونے والا اس زنا کرنیوالے کا معین و مددگار ہے ۔

وقد قال النبی علیہ الصلوۃ والسلام من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ، و ذالک اضعف الایمان رواہ مسلم ۔

پس واجب تھا کہ سود کھانے والے کو ہاتھ سے روکتا ، زبان سے منع کرتا

کم از کم اپنے دل سے برا سمجھتا۔ حالانکہ سود دینے والا گویا ہو نیوالا نکلنے والا سود کھانیوالے کی اعانت علی المعصیۃ کرکے خلاف وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور خلاف حدیث مذکور کے کرتے ہیں، اور سخت گنہگار ہوتے ہیں، انتہیٰ

هٰذا ما خطر بالبال والله اعلم بحقيقة الحال، والصلوٰة على سيد الانبياء وآله الى يوم توفى فيه كل نفس ما كسبت وتوزن فيه الاعمال۔

کتبه الاحقر محمد ادریس صحح الله اعماله
وحصل اماله متوطن مستدارے

الجواب صحیح
جامع امداد الاحکام

قلت: وقد قالت الفقهاء بجواز اعطاء الرشوة للمضطر لدفع مضرة لا تندفع الا باعطائها، واما اخذ الرشوة فلا يجوز بحال، والربا والرشوة من باب واحد، فمقتضاه ان يجوز اعطاء الربا للمضطر لدفع مضرة لا تندفع الا باعطائه، واما اخذ الربا فلا يجوز اصلاً، وهذا وجه اخر فارق بين اخذ الربوا واعطائه، فالاول حرام في كل حال والثاني حرام يسقط حرمته عند الاضطرار، واما جواز اخذ الربوا للمسلم من الحربي فتسميته بالربا بالمجاز، والا ففيه ليس من الربو عند القائل بجوازه.
والله سبحانه وتعالى اعلم

ظفر احمد عفی عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۵ محرم الحرام ۴۸ھ

مسائل جدیدہ متعلقہ ربوا وقمار

پراویڈنٹ فنڈ کا حکم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ سرکاری ملازمولت کیلئے یہ قاعدہ عام ہے کہ اگر وہ چاہیں تو برابر اپنی تنخواہ سے ایک رقم جو کہ کم از کم چار

روپیہ یا زیادہ سے زیادہ دس روپیہ کے برابر ہو، ہر ماہ سرکار کے یہاں جمع کر دیا کریں، یہ کچھ تنخواہ لیکر پھر اتنی رقم جمع کر دینا نہیں پڑتا ہے، بلکہ تنخواہ سے سرکار کیطرف سے وضع کی جاتی ہے۔ پنشن کے وقت جو کچھ جمع ہوتا ہے وہ اور سیکڑہ چار یا پانچ کے حساب سے سود ملا کر ان کو دیدیا جاتا ہے، اس کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں۔ اور اس کا منشا یہ ہے کہ عام طور پر یہ لوگ خود آل اولاد کیلئے یا بڑھاپے میں اپنے مصرف کیلئے جمع نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ہر ماہ دینے کی وجہ سے بڑھاپے میں ایک اچھی رقم اصل اور سود ملکر مل جاتی ہے۔۔۔۔ اس پر فتوی یہ طلب کرنا ہے کہ یہ سود شرعی ربوا میں شمار کیا جائیگا یا نہیں؟ اور اس کیلئے جائز ہوگا یا نہیں؟

اس کے متعلق اتنی بات کہدینا لازمی ہے کہ سرکار جو یہ سود دیتی ہے یہ اپنے گھر سے نہیں بلکہ اس روپیہ کو وہ مفید اور منفعت بخش کاموں میں لگاتی ہے مثلاً کھیتی کیلئے نہر وغیرہ جاری کرنا۔ ریل قائم کرنا وغیرہ ان کاموں سے گورنمنٹ کو نفع ہوتا ہے اور اس نفع کو روپیہ دینے والوں میں بجائے تجارتی اصول پر تقسیم کر دینے کے ان کو ایک مقدار معین پر سود کے نام سے دیا کرتی ہے، یہ مقدار معین ہر سال کیلئے برابر نہیں ہوتی ہے، تخمیناً دو سال قبل سیکڑہ چار روپیہ کے حساب سے دیا کرتی تھی اور اس وقت سیکڑہ ساڑھے پانچ کے حساب سے دیتی ہے۔ علی ھذا القیاس شرط یہ ہے کہ سرکار کو مقدار میں تغیر و تبدل کرنے کا حق ہوگا، اور اس میں کسی کو عذر نہیں ہو سکتا ہے، ایک پہلو سے اس لین دین کی حیثیت میں نے اوپر بیان کر دیا ہے، دوسرے پہلو سے روپیہ کا یہ لین دین بالکل سرکاری قرض کے لین دین کیطرح معلوم ہوتا ہے کیونکہ نہر وغیرہ کیلئے اس طرح سے جو کچھ روپیہ سرکار کو ملتا ہے وہ کافی نہیں ہوتا اس لئے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ عوام الناس سے قرض کے طور پر لینا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے پرامیسری نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، اگر اس یعنی پراویڈنٹ فنڈ سے سرکار کو روپیہ نہیں ملتا تو جس قدر قرض لیتے ہیں اس سے زیادہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اس مسئلہ پر فتوی دینے میں ان باتوں کا خیال رکھا جائے۔

(۱) پراویڈنٹ فنڈ میں روپیہ دینا مجبوری نہیں ہے، جس کی طبیعت چاہے وہ دے سکتا ہے، جسکی طبیعت دینے کو نہ چاہے نہ دے، مگر جو روپیہ دیدیا

جاتا ہے وہ ترک خدمت تک یا ملازمت میں رہتے ہوئے مرنے تک وہ روپیہ ان کو یا ان کے وارث کو نہیں دیا جاتا۔

(۲) سود کی مقدار ہر سال کیلئے مقرر نہیں ہے، بدلتی رہتی ہے مگر جلد جلد نہیں بدلتی۔

(۳) استقراض کے سود کی مقدار اور پراویڈنٹ فنڈ کے سود کی مقدار لازمی طور پر برابر نہیں ہوتی، چنانچہ زمانہ موجودہ میں بھی فرق ہے۔

میں محکمۂ حساب میں ایک سرکاری ملازم ہوں اور پراویڈنٹ فنڈ میں تقریباً چھ پیسے کے حساب سے جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے دیتا ہوں، روپیہ واپس لیتے وقت میرے لئے یا میرے وارث کیلئے جو رقم کہ بطور سود ملتی ہے۔ اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو اس روپیہ کو بجائے خود استعمال کرنے کے سرکاری کام میں جو رفاہ عام کیلئے ہو لگا دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ مثلاً برسات میں دیہاتوں میں سڑک وغیرہ نہ ہونے کیوجہ سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یا گرمیوں میں تالاب خشک ہو جانے کیوجہ سے اچھا پانی پینے کو نہیں ملتا تو اس سڑک ہونے یا تالاب وغیرہ کھدوانے کیلئے ڈسٹرکٹ بورڈ کو دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ملازمین سرکار اپنی تنخواہ سے جو رقم کٹوا کر سرکار میں جمع کرتے ہیں وہ قرض ہی ہے۔ اور واپسی کے وقت جو رقم اصل جمع سے زیادہ دیجاتی ہے وہ سود ہی ہے اب رہا یہ کہ اس سود کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟ سو اس کا مدار اس پر ہے کہ دارالحرب میں کفار سے رضا کے ساتھ جو کچھ مال لیا جائے سب مباح ہے خواہ وہ سود ہی کیوں نہ ہو یا مطلقاً مباح نہیں بلکہ جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو وہ جائز ہے اور جو خلاف شرع ہو جیسے سود وغیرہ وہ ناجائز ہے۔ سو علماء کی ایک جماعت قول اول کی طرف گئی ہے اور یہی روایت ہے امام ابوحنیفہؒ سے اور ایک جماعت قول ثانی کی طرف گئی ہے اور یہی قول ہے ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا۔ اور اسی میں احتیاط ہے مگر گنجائش دوسری جانب کی بھی ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۲ھ

مال تجارت اور مکان بیمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

۱۔ اپنی دکان کسی شخص کو کرایہ پر دیدی اور اس نے اس میں اپنی دکان نکالی اور جو اس نے مال اس میں بھرا، اسکا کمپنی سے بیمہ کرالیا، موافق قواعد بروبہ فی زماننا، کہ آگ وغیرہ سے مال جل جائے تو اسکا بیمہ کمپنی سے مل جائے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ بہت سے ایسے دکاندار بدمعاشی کرتے ہیں اور بیمہ حاصل کرنے کیلئے اپنی دکان کا مال خود جلا دیتے ہیں۔ اس میں صاحب مال کو بیمہ مل جاتا ہے، کچھ خسارہ نہیں ہوتا، مگر صاحب مکان کا خسارہ ہوتا ہے کہ مکان جل کر خاک بن جاتا ہے، اور مفت میں نقصان ہوتا ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں جبکہ یہ بیمہ کا طریقہ رائج ہو رہا ہے، اور نہ کوئی ایسا ملک ہے کہ جہاں یہ طریقہ نہ ہو، اور کوئی ایسا شخص بھی بہت کم مل سکتا ہے کہ اسکو کرایہ پر دیں تاکہ خسارہ سے بچ جائیں۔ ایسے وقت میں یا مالک مکان کو درست ہوگا کہ اپنے مکان کا بھی بیمہ کرالے۔ تاکہ جل جانے کی صورت میں وہ کل خسارہ سے بچ جائے۔ اگر درست نہیں ہے تو کیا صورت اختیار کرے؟

۲۔ جب کوئی تاجر اپنے مال کو دوسرے ملک روانہ کرتا ہے تو اگر وہ مال کا بیمہ کرا دیتا ہے تو مال زیادہ حفاظت سے مالک تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسٹیمر والے اسکی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ تو کیا جس طرح سے ڈاکخانہ کا بیمہ وغیرہ جو کہ لفافہ کا کراتے ہیں، وہ درست ہے تو یہ بھی درست ہوسکیگا یا نہیں؟ اور اگر مال کا بیمہ کوئی اور کمپنی کرے مگر چونکہ بیمہ کمپنی اور اسٹیمر والوں میں معاہدہ ہوتا ہے، اس بنا پر بیمہ کیا ہوا مال وہ زیادہ حفاظت سے پہنچاتے ہیں۔ تو اس صورت میں بیمہ درست ہوگا؟ جواب مفصل سے مستفید فرمائیے گا۔ فقط

ابراہیم موسیٰ سوجھہ
بکس ۱۲۳ رنگون برما

الجواب

بیمہ کمپنی سے مکان کا بیمہ کرانا جائز نہیں، کیونکہ بیمہ کمپنی سے مکان کی

حفاظت نہیں کرتی۔ نہ اس سے نگہبانی مکان پر عقد اجارہ ہوتا ہے۔ بلکہ وہ تو سالانہ یا ماہوار مالک مکان سے ایک خاص مقدار رقم کی لیتی رہتی ہے۔ اور اس رقم لینے کی وجہ سے اسکے معاوضہ میں بوقت سوختگی مکان کے مکان کی قیمت ادا کر دیتی ہے۔ جسمیں کبھی تو کمپنی کو نفع ہوتا ہے اگر مکان مدت دراز کے بعد جلا ہو اور اس مدت میں کمپنی کو قیمت مکان سے زیادہ رقم پہنچ گئی ہو۔ اور کبھی صاحب مکان کو نفع ہو جاتا ہے اگر مکان جلدی سوختہ ہو گیا۔ اور کمپنی میں رقم قلیل پہنچی اور یہ صورت قمار کی ہے۔ اور حقیقت اسکی ربوا ہے، اسلئے جائز نہیں۔

اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ دکان کو کرایہ پر لینے والا کبھی خود اسمیں آگ لگا دیگا تو اس اندیشہ سے بچنے کی یہ صورت ہے۔ جس شخص کو دکان کرایہ دی جائے اس سے ایک عقد تو دکان کے استعمال کا کیا جائے۔ اس صورت میں تو مالک دکان اس سے کرایہ لیگا۔ اور دوسرا عقد حفاظت دکان پر کیا جائے کہ ہم تمکو اپنی دکان کی حفاظت کیلئے اجیر بناتے ہیں۔ اور اس حفاظت کے معاوضہ میں ماہوار تمکو اتنا دیا کرینگے یا سالانہ (یعنی مالک دکان کرایہ دار کو حفاظت دکان کا معاوضہ دیگا) اور اگر دکان میں آگ لگی، یا اور کوئی نقصان آیا، تو تم قیمت دکان کے ضامن ہونگے۔ اور اگر بیمہ کمپنی سے بھی اسیطرح عقد کیا جائے کہ ہم تمکو اپنی دکان کی حفاظت کیلئے اجیر بناتے ہیں۔ اور حفاظت دکان کا معاوضہ سالانہ یا ماہوار اتنا دیا کرینگے، اور بوقت دکان یا مکان کے جل جانے یا گر جانے کے تم دکان یا مکان کے کل قیمت کے ضامن ہونگے۔ تو یہ صورت درست ہے۔

قال في الدر: واشتراط الضمان على الأمين كالحمامي و الخاني باطل، به يفتى، خلاصه. قال الشامي: واما من جرى لعرف بأنه يأخذ في مقابلة حفظه أجرةً يضمن، لانه وديع بأجرة: لكن الفتوى على عدمه. ساغماني. قال: وانظر حاشية لقتال. وقد يفرق بأنه هنا مستاجر على الحفظ قصداً: بخلاف الأجير المشترك، فانه مستاجر على العمل. تأمل

اھ رج ۴ ص ۱۵۹ ، باب الودیعۃ -
وفی الدر فی باب ضمان الأجیر ، ولا یضمن ما ھلک فی یدہ وإن شرط علیہ الضمان لأن شرط الضمان فی الأمانۃ باطل کالمودع خلافاً للأشباہ اھ قال الشامی : قولہ خلافاً للأشباہ - أی من أنہ لو شرط ضمانہ ضمن إجماعاً وھو منقول عن الخلاصۃ ، وعزاہ ابن ملک للجامع اھ (ج ۵ ص ۶۱ و ۶۲)

اور اس سے معلوم ہوگیا کہ سوال سوم میں جس بیمہ سے سوال ہے یعنی ڈاکخانہ کا بیمہ اور ڈاکخانہ سے ضمان لینا وہ جائز ہے کیونکہ اسکی حقیقت عقد اجارہ ہے ، اور اجیر پر ضمان کی شرط ہے ، اور ڈاکخانہ اس ذمہ داری کے معاوضہ میں اجرت زائد لیتا ہے تو یہ جائز ہے ۔ اور یہی صورت بیمہ کمپنی کے ساتھ معاملہ میں اختیار کیجائے کہ اس سے حفاظت مکان ودکان پر عقد اجارہ کیا جائے اور حفاظت کے معاوضہ میں کچھ اجرت کمپنی کو ماہوار یا سالانہ دی جائے ۔ اور مکان ودکان کے جل جانے پر اس سے ضمان لیا جائے تو درست ہے ۔ بدون اسکے جو صورت بیمہ دکان ومکان کی رائج ہے وہ درست نہیں ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۷ صفر ۱۳۴۵ھ

سوال :- بیمہ کمپنی سے جان یا مال کا بیمہ کرانا کیسا ہے ؟ میں لفافہ ہذا دو اشتہار ارسال کرتا ہوں ، ایک اکرامی کے متعلق ہے اس کی شرائط حسب ذیل ہیں :-

میری عمر آج ۲۵ سال ہے ۔ اگر آئندہ دس سال تک میں کمپنی کو ۵۰۰ - ۱ روپے سالانہ دیتا رہوں ، تو کمپنی دس سال کے بعد مجھکو مبلغ دس ہزار ۱۰۰۰۰ روپے نقد دینے کا وعدہ کرتی ہے ۔ اب دس سالوں میں میرا ۵۰۰۰ - ۱ روپے انکے پاس چلا جائیگا ۔ اس ۵۰۰ روپے کے عوض وہ مجھے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ میری موت قبل از دس سال واقع ہو جائے ، تو وہ انشاء اللہ فوراً دس ہزار روپے میرے ورثاء کو ادا کر دینگے ۔ اب سوال یہ ہے کہ کہاں سے یہ فالتو رقم دینگے ؟

مجھے بتلایا گیا ہے کہ پیشتر اس سے کہ وہ اقرارنامہ پر دستخط کریں مجھ سے میری عادات اور گذشتہ حالات صحت کے متعلق ایک بیان باقرار صالح حاصل کرینگے پھر کسی ڈاکٹر سے سرٹیفکٹ حاصل کرینگے کہ بوقت معاینہ میری صحت بالکل درست ہے (اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ ایک ساعت بعد کیا ہو)۔ پھر مجھ سے ۱۰۵۰۰ پہلے سال کی قسط لیکر اقرارنامہ مجھے دیدینگے۔ اسی طرح اگر ایک ہزار آدمی بیمہ کرائے تو وہ کمپنی کو (بشرط زندگی) ۵۰۰۰۰۰ پانچ لاکھ روپیہ زائد دیگا۔ لیکن کمپنی اپنے گذشتہ باون سال کے تجربہ پر مبنی اعداد سے بتلاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ مسبب الاسباب نے حیات و موت کے سلسلہ کو ایک خاص قانون کے ماتحت کارفرما کر رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر ۱۰۰۰ ہزار انسان جو آج کامل الصحت اور شراب نوشی کی نشوں سے بچے ہوں، ان میں سے آئندہ دس سالوں میں صرف اسّی آدمی مرتے ہیں اس طرح کمپنی کو اسی آدمی تقریباً نصف روپیہ بہ نصف میعاد تک روپیہ ادا کرکے فوت ہو جاتے ہیں، گویا کمپنی کو ۸۰ آدمیوں کو فی کس بحساب اوسط ۵۰ ہزار کل ۴۰۰۰۰ چالیس ہزار پلے سے دینا پڑتا ہے۔ اور ہزار آدمیوں میں سے ۹۲۰ سے ۵۰۰ فی کس منافع ہوتا ہے۔ کل منافع ۴۶۰۰۰۰ چار لاکھ ساٹھ ہزار گویا ان اسّی آدمیوں کو ادا کرکے بھی چار لاکھ بیس ہزار بچتا ہے۔ فیس سولہ ہزار اور دیگر اخراجات بیس ہزار نکال کر تقریباً ساڑھے تین لاکھ بچتا ہے، جو کہ حادثات اور دیگر غیر متوقع اسباب سے پیدا شدہ اموات کیلئے کافی سے بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کمپنی اپنے ان حصہ داروں کو جو بیمہ ہونے والے اشخاص کے اصل رقم کے ذمہ دار رہتے ہیں۔ تقریباً بیس روپے سالانہ منافع تقسیم کرتی ہیں۔ مجھے اس طرح یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بیوپار اور صریح بلکہ واضح ترین اور مفصل ترین اقرارنامہ ہے جو دو فریق آپس میں کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے:- کہ اگر میں کمپنی کو (۱۰۹۸-۲) ایک ہزار اٹھانوے روپے دو آنے سالانہ دینے کا اقرار کروں، تو کمپنی کے حصہ دار مجھے دس سال کیلئے اپنے نفع و نقصان میں شامل کر لینگے۔ اس صورت میں کمپنی کو جو منافع ہوا کریگا اسکا دسواں حصہ حصہ داروں کو دیا کرینگے۔ اور بقایا نو حصہ رسدی تمام ایسی بیمہ شدہ اشخاص میں تقسیم کر دیا کرینگے جو انکے حصہ دار (بصورت مذکورہ بالا) بن جائیں

یہ جو منافع پچھلے سال بیمہ کرانے والوں کو بحساب اٹھارہ روپے فی ہزار ملا۔ اس سے پندرہ۔ بارہ اور آٹھ بھی رہا۔ لیکن آئندہ اٹھارہ سے بھی بڑھ جانے کی توقع ظاہر کی جاتی ہے۔ لیکن ذمہ نہیں لیتے۔ نقصان بھی ممکن ہے گو اس وقت حالت ایسی اچھی ہے کہ نقصان کا احتمال غیر اغلب ہے۔

حضرت مولانا صاحب! میں اسمیں دو چیزیں مفید سمجھتا ہوں:۔

(۱) کہ انسان کو جمع کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اور وہ کچھ نہ کچھ جمع کرتا رہتا ہے اور پھر اسے فوراً خرچ نہیں کر سکتا۔ بلکہ دس سال کے بعد اس کے ہاتھ آتا ہے۔ جلد موت ہو جانے والے ارکان کو کافی امداد مل جاتی ہے۔ اور عمر طبعی تک پہنچنے والوں کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ انہوں نے ان یتامیٰ اور بیوگان کی امداد کیلئے کچھ زائد دیا ہے۔ پھر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ہزار آدمی میں سے کون سے جلد مریگے۔ اور کون وقت مقررہ بیمہ کے بعد۔ یہ صرف خداوند قادر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا ملتجی و مستدعی ہوں کہ اپنے ارشادات سے فیضیاب کریں کہ عمل کر کے دین و دنیا میں سرخرو ہوں۔ والسلام

نیاز مند خادم ازلی بشیر احمد

انسپکٹر اورنیشنل لائف آفس

برائے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب

الجواب

میں نے اس تمام تحریر میں اور کمپنی کے اشتہارات میں غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ کمپنی جو رقم سالانہ لیتی ہے، اور دس سال سے پہلے موت واقع ہو جانے پہ دس ہزار روپے ورثہ کو دیتی ہے یہ انعام و بخشش نہیں بلکہ دراصل یہ معاوضہ ہے اس رقم کا جو ماہانہ یا سالانہ وصول کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کو مقصود یہی ہے اور درحقیقت یہ سود ہے۔ کیونکہ دس سال پورے ہو جانے پہ کمپنی بحساب ۱۵۰۰ دس ہزار پانچسو کے صرف دس ہزار واپس کرتی ہے۔ اس صورت میں بیمہ کرنے والا کمپنی کو سود دیتا ہے اور دس سال سے پہلے موت ہو جانے پہ کمپنی اسکو سود دیتی ہے کہ پانچ ہزار یا سات ہزار کے معاوضہ میں دس ہزار روپے دیتی ہے، اور ظاہر ہے یہ ایک قمار ہے یعنی جوا جسمیں بیمہ کرنے والا دس سال سے پہلے مرجانے میں اپنی جیت سمجھتا ہے۔ اور کمپنی دس

سال پورے ہو جانے پر اپنی جیت سمجھتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل شرعاً جائز نہیں۔ نہ ان علماء کے نزدیک جو ہندوستان میں معاملہ سود کو کفار کے ساتھ بھی حرام سمجھتے ہیں، اور نہ ان کے نزدیک جو ہندوستان میں کفار کے ساتھ معاملات ربوا کو جائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک شرط جواز یہ ہے کہ نفع مسلمان کو ملے۔ اور اس صورت بیمہ میں مسلمان ہی کو نفع ملنا متیقن نہیں بلکہ غالب یہ ہے کہ کمپنی کو نفع زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ خود آپ کی تحریر سے ظاہر ہے کہ ہزار آدمیوں میں سے دس سال کے اندر ۸۰ آدمی مرتے ہیں، اور ۹۲۰ آدمیوں میں سے کمپنی کئی لاکھ کا سود حاصل کر لیتی ہے۔

قال الشامي تحت قول الدر، ولا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار شمله ما نصه: قال في الفتح القدير: لا يخفى أن هذا التعليل إنما يقتضي حل مباشرة العقد إذا كانت الزيادة ينالها المسلم، والربا أعم من ذلك، إذ يشمل ما إذا كان الدرهمان في بيع درهم بدرهمين من جهة المسلم أو من جهة الكافر، وجواب المسألة عام في الوجهين، وكذا القمار قد يفضي إلى أن يكون مال الخطر للكافر، بأن يكون الغلب له. فالظاهر أن الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة؛ وقد التزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه، والله سبحانه أعلم اهـ قلت: ويدل على ذلك ما في السير الكبير وشرحه، حيث قال: وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان، لأنه إنما أخذ المباح على وجه عري عن الغدر، فيكون ذلك طيبا له، والأسير المستأمن سواء، حتى لو باعهم درهما

---

[1] في رد المحتار زيادة ـ أي ..... راجع النسخة الجديدة ۵ : ۱۸۶ ،

[2] في رد المحتار زيادة ـ بالحل عاما الخ ـ المرجع نفسه ـ

بدرهمين، أو باعهم ميتة بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطريق القمار، فذلك كله طيب له اهـ ملخصاً.

فانظر كيف جعل موضوع المسألة الأخذ من أموالهم برضاهم. فعلم أن المراد من الربا والقمار في كلامهم ما كان على هذا الوجه، وإن كان اللفظ عاماً، لأن الحكم يدور مع علته غالباً اهـ ج ۴ ص ۲۵۱[1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دار الحرب میں کفار سے معاملات ربا کو جائز کہتے ہیں وہ اس شرط سے اسکو جائز کہتے ہیں کہ نفع اور زیادت مسلمان کو حاصل ہو، اور بیمہ کی صورت میں یہ شرط متحقق نہیں ہو سکتی۔ بلکہ غلبۂ ظن میں اسکے خلاف کا تحقق ہے کہ نفع زیادہ تر کمپنی ہی کو ہوتا ہے۔ پھر جب ایک دفعہ کمپنی کے قواعد میں ایسی بھی ہے کہ بیمہ کرنے والا اندر رقم دیگر کمپنی کا حصہ دار بھی بن سکتا ہے۔ تو قوی احتمال ہے کہ کمپنی کے اندر حصہ داروں کے حصے سے لینا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ پس بیمہ جان یا دکان وغیرہ کا کرانا کسی طرح جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ صفر ۱۳۴۵ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

پراویڈنٹ فنڈ اور اسپر وجوب زکوٰۃ کا حکم

سوال: جناب کا ایک فتویٰ میں نے دیکھا تھا کہ سود فنڈ لینا جائز ہے، اسوجہ سے کہ زر فنڈ ملک نہیں ہے، اور اس رقم پر جو کچھ مزید روپیہ جو ہے وہ سود نہیں گو وہ سود کے نام ہی سے موسوم کیوں نہ ہو۔

فنڈ دو قسم کے ہوتے ہیں:-

(۱) قسم اول: ریلوے کے دفتروں میں کچھ روپیہ تنخواہ میں سے وضع ہو جاتا ہے۔ اسپر مزید روپیہ سود کے نام سے ملتا ہے۔ یہ روپیہ ملازمت ترک کرنے پر ملتا ہے۔ یہ روپیہ جبریہ وضع ہوتا ہے خواہ اہلکار رضامند ہو یا نہ ہو۔

---

[1] النسخة الجديدة مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ج ۵ ص ۱۸۶

(۲) قسم دوم گورنمنٹ کے دفاتر میں ملازمان سرکار از خود فنڈ وضع کراتے ہیں یہ فنڈ خود اختیاری ہے، خواہ ملازم سرکار وضع کرائے یا نہ کرائے، تنخواہ ملنے سے پیشتر ہی فنڈ وضع ہوجاتا ہے، ملازم سرکار اس فنڈ کو ملازمت ترک کرنے سے پیشتر نہیں لے سکتا مگر جب چاہے فنڈ وضع کرانا بند کردے۔

(۳) کیا قسم دوم فنڈ پر بھی سود لینا جائز ہے؟

(۴) اگر جائز نہیں تو وہ زر فنڈ ملک میں داخل ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ دینا لازم ہوگا؟

(۵) ایک محتاج شخص کو عمر پانچ روپیہ ماہوار بلا کسی محنت واحسان کے دیا کرتا ہے، عمر پر دس روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ماہ شعبان ورمضان شریف میں پانچ روپیہ دیتے وقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کرلیتا ہے کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

جوابات

(۱) ان الفاظ سے حضرت مولانا کا کوئی فتویٰ نہیں ہے اگر آپ نے دیکھا ہے تو بعینہٖ عبارت مع حوالہ صفحہ وغیرہ لکھکر بھیجیں۔

اشرف علی کہتا ہے کہ اگر فتویٰ ہو بھی تو مبنی اسکا یہ مقدمہ ہے کہ زر فنڈ ملک نہیں، اور یہ مقدمہ صحیح نہیں، اسلئے وہ فتویٰ ہی صحیح نہیں مجھکو خیال پڑتا ہے کہ میں ترجیح الراجح میں اس سے رجوع کرچکا ہوں۔

(۲) — ہاں اس صورت میں جو روپیہ سود کے نام سے گورنمنٹ دیتی ہے وہ حقیقت میں سود نہیں ہے، اسکا لینا جائز ہے۔

لأن مالهم مباح برضا هم، وإنما يلحق في محض الصورة إشتراط العقد، ولا عقد بالجبر۔

(۳) — یہ صورت جائز نہیں کیونکہ جب یہ شخص ماہوار پوری تنخواہ کا مستحق ہے تو اس میں سے کسی جزو کو وضع کرانا اور اسپر زیادت لینا تاجیل دین کا عوض لینا ہے، اور اجل کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ لہٰذا قصداً ایسا معاملہ نہ کیا جائے۔ گورنمنٹ جبراً وضع کرے تو اور بات ہے، اپنے اختیار سے ایسا نہ کیا جائے۔ اور

اگر کسی نے ایسا کیا ہو تو وہ بعد میں اس رقم کو صدقہ کردے۔

(۲) ـــــ اس صورت میں جتنی تنخواہ وضع ہوتی ہے اسپر ابھی زکوٰۃ نہیں، بلکہ جب وصول ہوجائے، اور وصول کے بعد اسپر سال گذرے تب زکوٰۃ واجب ہوگی مگر یہ کہ وصول کے وقت اسکے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو۔ تو نصاب سابق کے ساتھ ملاکر سب کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

وهي مسئلة الدين، وهو عند الإمام على ثلاثة أنواع: قوي ومتوسط وضعيف، وهذا الدين من الضعيف، لأنه بدل غير مال، كمهر وبدل كتابة ونحوهما، ولا زكوة فيه قبل القبض كما في الدر والشامية (ج ۲ ص۵۴)

قلت: فسر في الدين القوي بما يملكه بدلاً عن مال الزكوٰة كقرض، وبدل مال تجارة، وثمن سائمة ونحوها. والدين المتوسط بما يملكه بدلاً عن مال غير مال الزكوٰة كثمن عبيد خدمة ونحوها مما هو مشغول بحاجته الأصلية كطعام وشراب وأملاك۔ والدين الضعيف بما يملكه بدلاً عما ليس بمال كالمهر وبدل الخلع والدية وبدل كتابة، ولا زكوة فيه عند الإمام حتى يقبض نصاباً، ويحول عليه الحول كما ذكره في الدر والشامية (ج ۲ ص۵۶-۵۰، والهندية ج ۱ ص۱۷).

واختلفت الروايات في أجرة دار التجارة وأجرة عبد التجارة في رواية لا زكوة فيها حتى يقبض ويحول عليه الحول، لأن المنفعة ليست بمال حقيقة، فصار كالمهر، وفي ظاهر الرواية تجب ويجب الأداء إذا قبض نصاباً اهـ من الشامية نقلاً عن المحيط (ج ۲ ص۵۸)

قلت: ووجه ظاهر الرواية أن منافع مال التجارة بمنزلة ثمنها، وعبيد التجارة متقومة، ولكن منافع الحر ليست بمال حقيقة، وإنما جوز الشارع أخذ عوضهما في الإجارة ضرورة

فالظاهر دخول اجرتها في الدين الضعيف حتماً. يشير اليه تقييده الأجرة بدار التجارة وعبيد التجارة. فإن أجرة دور السكنى وأجرة عبيد الخدمة لا زكوة فيهما مالم تقبض وتبلغ نصاباً ويحول عليها الحول. قال قاضيخان في فتاواه: إذا أجر داره أو عبيده بمائتي درهم. لا تجب الزكوة مالم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفةؒ. فإن كانت الدار أو العبد للتجارة، وقبض اربعين درهماً بعد الحول كان عليه درهم بحكم الحول الماضي قبل القبض، لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة في الصحيح من الرواية اهـ (ج ۱ ص ۱۲۱)

قلت: ولكن إذا لم يكن الدار والعبد للتجارة فقد صرح بأن لا زكوة في اجرتها مالم تقبض وتبلغ النصاب. ففي اجرة منافع الحر بالأولى. والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ شعبان ۱۳۴۵ھ

باب القرض والدین

بشرط تعجیل دائن کا مدیون سے دین میں کمی کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے بکر کو کچھ مال فروخت کیا، اور کہدیا کہ بیس روز کے عرصہ میں رقم ادا کردینا۔ لیکن عمرو پندرہ روز میں آیا اور بکر سے روپیہ کا تقاضا کیا۔ اور کہا کہ میں خوشی سے ایک روپیہ یا دو روپیہ چھوڑتا ہوں۔ اگر تم مجھکو اس وقت روپیہ دیدو، تو یہ رقم ایک روپیہ یا دو روپیہ یا زائد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں مدیون کو یہ رقم ایک روپیہ دو روپیہ جو قرضخواہ

سے چھوڑے ہیں حلال نہیں کیونکہ اس نے پیشگی لینے کے واسطے یہ رقم چھوڑی ہے، اور مدیون بھی اسی وجہ سے رقم چھوڑ رہا ہے کہ اس سے وقت سے پہلے مطالبہ کیا گیا ہے، تو یہ رقم اجل کا عوض ہوئی، اور اجل کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ صرح به فی الهداية (ج ۳ ص ۲۰۳) ولو كانت له ألف مؤجلة، فصالح على خمس مائة حالة لم يجز، لأن المعجل خير من المؤجل، وهو غير مستحق بالعقد، فيكون بإزاء ما حطه عنه، وذلك اعتياض عن الأجل وهو حرام. قال المحشي: والأصل فيه أن الإحسان متى وجد من الطرفين يكون محمولاً من المعاوضة كهذه المسئلة، فإن الدائن اسقط من حقه خمس مائة والمديون اسقط حقه من الأجل، فيكون معاوضة. بخلاف ما إذا صالح من ألف على خمس مائة، فإنه يكون محمولاً على إسقاط بعض الحق دون المعاوضة. لأن الإحسان لم يوجد إلا من طرف رب الدين ۱۲ ک.

قلت: وقد غفلت مرة عن هذا الأصل، وحملت المسئلة على مطلق الإحسان، واستغفر الله العظيم.

مدیون سے خرچۂ مقدمہ لینا جائز ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو بیس روپیہ قرض دیئے، عمرو نے اسکا قرضہ ادا نہ کیا عدالت نے اس کے اوپر بیس روپیہ کی ڈگری دی، اب زید کا اس معاملہ میں دس روپیہ صرف ہو گیا، زید کہتا ہے کہ دس روپیہ میرے صرف کے اور بیس روپیہ اصل دیجئے عدالت سے پانچ روپیہ صرفہ کے، اور پانچ روپیہ سود کے ملکر تیس روپیہ ملتے ہیں۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ دس روپیہ ضروری اخراجات میں صرف ہوئے، فضول خوشامدوں میں صرف نہیں ہوئے تو بیس کے علاوہ دس روپیہ کا لے لینا بھی زید کو جائز ہے، مگر تقویٰ کے خلاف ہے۔ اور اگر فضول خوشامدوں میں یہ صرف ہوا ہے تو انکا لینا جائز نہیں۔

حرام رقم سے قرض ادا کرنے کا حکم | سوال ۸۱۰ : (الف) زید نے بکر سے کچھ رقم قرض لی جسکو زید نے وجہ حرام کے روپیہ سے بذریعہ منی آرڈر بکر کو ادا کیا، تو آیا بکر کیلئے ایسی رقم کا بعوض اپنے حلال روپیہ کے لینا جائز ہوگا یا نہیں ؟

(ب) درصورت عدم جواز اگر بکر نے بوجہ عدم علم مسئلہ لے لیا، تو اب اس رقم کو کیا کرے۔

۸۱۱ : درصورت عدم جواز اگر بکر نے مذکورہ بالا رقم کو زید مدیون سے بوجہ عدم علم مسئلہ اپنے روپیہ کے عوض لے لیا، اور اس رقم کو ڈاکخانہ کے بینک میں داخل کر دیا، اور بعدہ اس رقم کو بینک سے لیکر عمرو کو ھبہ یا قرض دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اور عمر کو اس رقم کا قرض یا ھبہ لیکر اپنے استعمال میں لانا جائز ہوگا یا نہیں ؟

الجواب

بکر اسکے لینے سے انکار نہیں کرسکتا۔

قال فی السراجیۃ: المغنیۃ اذا قضت دینھا من کسبھا اجبر الطالب علی الاخذ، کذا فی فتاوی العلامۃ عبد الحی اللکھنوی۔

پس زید اس صورت میں دین سے سبکدوش ہوجائیگا۔ اور بکر کو اسکا لینا جائز ہوگا رہا یہ کہ بکر کیا کرے ؟ اسکو اپنے تصرف میں لاوے یا نہیں، اسکا جواب اس وقت دیا جائیگا جبکہ چند امور کی تنقیح ہوجاوے:۔

(۱) وہ وجہ حرام کیا ہے ؟

(۲) زید کی آمدنی وجہ حرام کے سوا کچھ حلال بھی ہے یا نہیں ؟

(۳) حلال آمدنی زیادہ ہے یا حرام ؟

(۴) اور حرام وحلال رقم مخلوط ہے یا غیر مخلوط ؟

فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ شعبان ۱۳۴۶ھ

غیر مسلم قرضدار لاوارث مرجائے تو اسکا قرضہ کیسے ادا کیا جائے ؟ | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے تخمیناً ساٹھ

ستر برس ہوئے ایک ہندو سے دست گرداں بلا تحریر قرض لیا، قرض دینے کے تخمیناً ایک سال کے اندر وہ ہندو قرض دینے والا کسی دوسرے مقام کو چلا گیا، اور وہیں مرگیا۔ اب اسکا کوئی وارث نہیں ہے۔ قرض لیتے وقت کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا کہ ہم کتنے دن میں ادا کرینگے۔ قرضدار مسلمان اپنا قرضہ جسکی تعداد اسّی روپیہ ہوتی ہے ادا کرنے کو تیار ہے، لیکن کس کو ادا کرے؟ قرض دینے والا لاوارث مرگیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمان قرضدار کیلئے کوئی چارہ کار یا تدبیر شرعی ایسی ہے کہ جس سے وہ مسلمان بار قرض سے سبکدوش ہوسکے؟

شیخ وہاج الدین احمد
مقام وڈا گنا نز امیٹھی
ضلع سلطان پور اودھ
۱۲ر اگست سنہ ۳۸ء

الجواب

اول تفتیش کامل ضروری ہے کہ یہ ہندو کس خاندان کا تھا۔ اور اس خاندان کے لوگ کہاں رہتے ہیں، اگر اسکے خاندان کا پتہ چل جائے، تو اس ہندو کے باپ، دادا، پردادا وغیرہ کی اولاد میں جو شخص اسکا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو اسکو یہ رقم ادا کردی جائے اگر اسکے خاندان کا پتہ معلوم نہ ہوسکے تو سوال دوبارہ کیا جائے، اور یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے۔

قال فی العالمگیریۃ: الکفار یتوارثون فیما بینهم بالأسباب التی یتوارث بها أهل الاسلام فیما بینهم من النسب والسبب الخ ج ۶ ص ۴۹

ولا شك أن المسلم لو مات کذلك لا یدری له وارث، یلزم التفتیش والتنقیب عن ورثته الا بعد، لما روی الطحاوی فی مشکله بسنده عن عبد الله بن بریدة عن أبیه قال: أتی النبی صلی الله علیه وسلم رجل، فقال: عندی میراث رجل من الأزد، ولا اجد أزدیا أدفعه إلیه، قال: تربص به حولاً، قال: ففعل، ثم أتاه، فقال: إذهب -

فاد فعه الى اكبر خزاعة. وذكر له طرقا عديدة. وصرح بوجوب التنقيب فى مثل هذه الصورة. والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۶ / صفر سنہ ۱۳۴۶ھ

معاملہ قرض کی ایک صورت کا حکم

سوال: اگر مسلمان بوقت ضرورت از ہنود روپیہ سودی قرض گیرد وبوفق دستور ہنود دلیل سودی بدہد، وبوقت ادائے آن قرض برائے احتراز از گناہ سود دادن قدرے کم از روپیہ اصل ہنود را دہد، وبعوض ما بقیہ روپیہ این قدر شالے وغیرہ کہ از جنس روپیہ نباشد بدہد کہ ہنود را بحساب سود گرفتن خسارت نیفتد پس آن مسلمان از گناہ سود دادن محفوظ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا عند اللہ

الجواب

اس صورت میں سود دینے کے گناہ سے تو یہ شخص محفوظ رہیگا صرف معاملہ سودی کرنے کا گناہ رہا، اگر بدون اضطرار کے یہ عقد ہوا تھا اس سے استغفار کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰ / شعبان سنہ ۱۳۴۶ھ

قرض میں بشرط تعجیل کمی کرنا جائز نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے سو بیگہ زمین موہری رام کو اس شرط پر ٹھیکہ پر دیدیا کہ زر ٹھیکہ بارہ سو روپیہ میں سے چھ سو ماہ دسمبر ۲۸ء میں بوقت فصل دیگا اور باقی چھ سو روپیہ کی دوسری قسط ماہ اپریل سنہ ۲۹ء میں دیگا، زید کو ماہ جنوری سنہ ۲۸ء میں یعنی پہلی قسط سے بھی سات ماہ قبل سخت ضرورت پیش آگئی، اور زید نے موہری رام ٹھیکیدار سے کہا کہ روپیہ کی ابھی سخت ضرورت ہے۔ جون سنہ ۲۸ء میں تم ابھی دیدو۔ موہری رام ٹھیکیدار نے کہا کہ تم بارہ سو روپیہ میں سے دو سو کے قریب زر سود علیحدہ کرکے باقی ہزار روپیہ لے لو تو کیا بوقت ضرورت شدیدہ اس طرح روپیہ لینا جائز ہے؟ اگر ناجائز اور حرام ہے تو کیا دوسری کوئی ایسی صورت ہے کہ جس سے اس میں جواز کی صورت نکل سکے۔

اور زید روپیہ بھی جس قدر سو بیری رام کہتا ہے حاصل کر سکے ، اور سود کے عذاب عظیم
سے نجات حاصل کر لے ، زید روپیہ حاصل کر کے اس سو بیگہ کی قیمت گورنمنٹ کو ادا
کریگا ، اگر اسوقت نہ دیا تو گورنمنٹ آئندہ سال بجائے ہزار روپیہ کے بارہ سو لیگی
اور دو سال بعد چودہ سو ، اور تین سال بعد سولہ سو . علی ھذا القیاس ہر سال دو سو کی
قیمت گورنمنٹ بڑھاتی جیگی یہ بھی سود ہوگا . بینوا توجروا .

الجواب

دین میں سے بشرط تعجیل کمی کرنا جائز نہیں کہ معاوضہ اجل ہے اور یہ ربوا ہے
البتہ ایک صورت سے جائز ہے کہ مدیون سے قرض کو غیر جنس سے وصول کرے . مثلاً
بارہ سو کے عوض ایک ہزار کی گنیاں یا کچھ روپیہ اور کچھ پیسے یا کچھ روپیہ اور کچھ نوٹ کی ریزگاری . اس صورت
میں یہ کہا جائیگا کہ اس نے بارہ سو روپیہ کے عوض یہ رقم لی ہے ولا ربوا حینئذ
لاختلاف الجنس . واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ [illegible] ھ

قرضخواہ کے انتقال کے بعد دو بالغ لڑکا اور لڑکی
اور ایک نابالغ لڑکی وارث ہوں تو قرض میں نابالغ کا
حصہ کس کے سپرد کیا جائے .

سوال :- والد صاحب پر کچھ قرضہ
تھا ، قرضخواہ کا انتقال ہو گیا ، اور
ایک لڑکا اور دو لڑکی ورثا چھوڑے
اسوقت چونکہ لڑکا ایک لڑکی بالغ تھی ، اسلئے ان کا حصہ قرض پہنچ دیا گیا ، لڑکی جو نابالغ
ہے اسکا حصہ شرعی کس طرح پہنچایا جائے ؟ جبکہ اسکے بھائی بہن جو بالغ ہیں قابل
اعتبار نہیں ، بھائی کے ہوتے ہوئے کیا اس بالغ بہن کا حصہ اس نابالغ کی سپرد کر سکتے
ہیں ؟ اور اس طرح اس قرض سے سبکدوش ہو جائیگا ؟ یا کیا تدبیر کی جائے کہ جلد سبکدوش
ہو جائے ؟

الجواب

اگر نابالغ لڑکی سمجھدار ہو مثل سات برس کی یا اس سے زائد کی ہو تو خود اسکو دیدینا کافی
ہے مگر یہ شرط ہے کہ جس مجلس میں یہ معاملہ ہو اسی مجلس میں پورا پورا قبضہ ہو جائے . ایسا نہ ہو کہ مثلاً کل
رقم کا عوض مجلس عقد میں ہو اور آدھی رقم کا ایک مجلس میں - اشرف علی

کافی ہے۔ آگے کوئی خیانت کرے تو وہ جانے۔

اور جب بھائی قابل اعتبار نہیں تو بہن کو دینا ہی کافی ہے، کیونکہ ولی وہی ہے جو مامون ہو۔ غیر مامون ولی نہیں، اگر نابالغ سمجھدار ہو تو بہتر یہ ہے کہ بڑی بہن کے سامنے خود نابالغ کو قبضہ کرا دیا جائے۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ

۲۲ جمادی الاولی ۱۳۴۸ھ

ادائے قرض کے وقت بلا معاہدہ و بدون مطالبہ قرض خواہ کو کچھ زائد دینا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ زید یکصد روپیہ کا غیر مسلم کا مقروض تھا جس پر عام فی صدی ماہوار کی ادائیگی کا اقرار تھا۔ وعدہ گذر گیا، قرضہ کی ادائیگی کا کچھ انتظام نہ ہوا، جسکی وجہ سے زید نہایت پریشان تھا، زید کی زوجہ کے پاس روپیہ موجود تھا، جسکا علم زید کو بھی تھا، لیکن زید نے اپنی زوجہ سے روپیہ نہیں مانگا۔ زید کی زوجہ کو قرضہ کا صحیح علم نہ تھا۔ جب اسکو علم ہوا کہ میرے شوہر پر قرض ہے۔ اور اصل روپیہ کے علاوہ للعہ ۱۲۴ روپیہ سالانہ سود کے دینے پڑینگے تو اس وقت اس نے زید سے کہا کہ جو روپیہ اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب تمہارا ہے۔ روپیہ لے کر قرض ادا کر دو۔ زید نے اپنی زوجہ سے مبلغ یکصد روپیہ لیکر قرضہ ادا کر دیا۔ اور کہدیا کہ انشاء اللہ ہم تم کو روپیہ دے دینگے۔ زید کے پاس خدا کے فضل سے ایک سال کے اندر یا بعد سال کے روپیہ تیار ہو گیا اور چاہا کہ اپنی زوجہ کو روپیہ دیدوں۔ روپیہ دیتے وقت دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر مہاجن کے یہاں روپیہ قرض رہتا تو تو بجائے یکصد روپیہ کے للعہ دینے پڑتے۔

ایسی صورت میں زید اگر بجائے یکصد روپیہ کے اپنی زوجہ کو عہ ۱۲۰ یا للعہ ۱۲۴ یا عہ دے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا زید دے سکتا ہے؟ اور اسکی زوجہ لے سکتی ہے یا نہیں؟ زید نے جس وقت اپنی زوجہ سے روپیہ لیا تھا دل میں عہد کیا تھا کہ کچھ روپیہ زائد دونگا۔ سائل۔

الجواب

ادائے قرض کے وقت بلا کسی معاہدہ کے اگر قرضدار بدون مطالبہ قرضخواہ

محض اپنی خوشی سے زائد دینے تو جائز ہے۔ مگر اسمیں مقدار سود وغیرہ کا حساب ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ ویسے ہی دو چار روپیہ تبرعاً دیدے تو جائز ہے۔ اور یہ زیادت مجلس عقد میں نہ ہو۔ اور اس زیادت کے ساتھ یہ بھی کہدیا جائے کہ ہم تم کو تبرعاً زیادہ دیتے ہیں۔

۱۵ رمضان ۱۳۴۳ھ

بقیہ سوال:۔ علاوہ اس کے اگر زید دو چار سال روپیہ اپنی زوجہ کو ادا نہ کریگا اور سال بسال کچھ روپیہ دیتا جائے اسکے بعد جب یکصد روپیہ دیدے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

سائل بالا

جواب:۔ یہ صورت نہ کی جائے، اول قرض کی ادائیگی مقدم، یہ کیا واہیات ہے کہ کچھ رقم زائد تو دی جائے، اور اصل روپیہ میں جسکا ادا کرنا ضروری ہے مجرا نہ کی جائے۔ اسی کی وجہ سے قرضخواہ قرض کا تقاضا نہ کریگی بلکہ تأخیر کو غنیمت جانیگا۔ اس واسطے یہ صورت سود ہی کے حکم میں ہے۔ لہٰذا پرہیز لازم ہے، قرض ادا کرنے سے پیشتر قرضخواہ کا ہدیہ لینا جائز نہیں الا آنکہ ان میں پہلے سے لینا دینا جاری ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رقم محض قرض کی وجہ سے دینا چاہتا ہے۔ لہٰذا عدم جواز میں کلام نہیں۔ واللہ اعلم

تاریخ بالا

قرض کی ایک صورت کا حکم | **سوال:۔** کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر میں لوگ اکثر ضرورت کے وقت اپنے بچوں اور چھوٹے بھائیوں اور عورتوں سے قرض لیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسوقت ہم کو دس روپیہ دیدو، ہم تم کو بارہ روپیہ دیدینگے۔ ایسا لینا اور دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل بالا

الجواب:۔ اگر یہ درحقیقت قرض ہوتا ہو تو جائز نہیں صریح سود ہے، اور اگر ویسے بطور ہبہ لینا مقصود ہو اور آئندہ دینے کا وعدہ ہو تو گنجائش ہے، اور اس کو ہر شخص اپنے واقعہ سے سمجھ سکتا ہے کہ قرض لینا مقصود ہے یا نہیں۔

———

الاجوبۃ صحیحۃ — تاریخ بالا

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ رمضان ۱۳۴۳ھ — احقر عبدالکریم عفی عنہ

معاملہ قرض کی ایک صورت سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہل ضرورت ہے اسکا کام نہیں چلتا۔ عیال دار بھی ہے ایک شخص اس سے کہتا ہے کہ میں تجھکو روپیہ دوں اسکے جوتا خرید کرکے مجھکو دیدے۔ اور ایک آنہ فی روپیہ منافع پر میں تجھکو دیدونگا، جو ایک روپیہ کا جوتا خریدے سترہ آنہ کو میں تجھکو دیدونگا تو اپنی خرید اسکو سترہ آنہ کی بتاکر اپنے منافع سے فروخت کرلینا وہ اہل ضرورت اپنے مہربان کو جواب دیتا ہے کہ یہاں پر یہ دستور ہے کہ دکان دار اپنے روپیہ سے خود مال خرید کرتے ہیں اور میں بھی اسی طرح کرتا ہوں، جو جوتا ایک روپیہ کو خرید کرتا ہوں اسکو روپیہ کا خرید بتاتا ہوں، اور وہ مال جو میں تم سے خرید کرونگا اس پر منافع جو تم کو دوگے اگر خریدار سے میں یہ کہونگا کہ ایک آنہ روپیہ منافع کا میں نے اور شخص کو دیکر مال خریدا ہے، وہ ہرگز مجھ سے مال خرید نہ کریگا، اور اگر اس کی خبر نہ کرونگا تو بازار اور میری عادت کے بھی خلاف ہے، اب یہ مجبور ہے۔ ایسی حالت میں اسکو کیا کرنا چاہئے اس کام سے درگذر کرے؟ یا اس کو جاری کرے؟ سخت پریشان ہے۔

مسئلہ:۔ اگر یہ امر ناجائز ہو تو اور کوئی شکل ایسی ہے کہ ایک آنہ روپیہ ان کا منافع لگ جائے، اور اس کو یہ شخص اپنا خرید اس شئی کو مع نفع بتادے۔ یعنی اس مال کو انہیں جوتوں کو۔؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ صاحب ضرورت مال خرید کر مال دار کے پاس جو لاتا ہے یہ منفعت بوجہ قرض کے ہے۔ اور کل قرض جر نفعا میں داخل ہوکر ممنوع اور سود ہے۔ البتہ اگر مال والا خود، یا اپنے کسی آدمی کے ذریعہ سے مال خرید کرنے کے بعد صاحب ضرورت کو نفع پر دیدے، تو جائز ہو سکتا ہے، اور جب یہ دکاندار اس روپیہ نفع دیکر خریدیگا تو اسکو یہ کہنا جائز ہے کہ میری ۱؍ کی خرید ہے کیونکہ اس نے درحقیقت ۱؍ میں ہی خریدی ہے، اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ البتہ اگر خریدار یہ تصریح کرے کہ تم نے کاریگر سے جتنے میں خریدا ہے، اسپر نفع لے لو تو یہ کہا جاوے کہ کاریگر سے ہم نے ۱؍ کو خریدا ہے کیونکہ یہ بلاشبہ جھوٹ ہے؛ بلکہ یوں کہہ دیا کرے کہ ہم نے سترہ آنے کو خریدا ہے خواہ کاریگر سے لیا ہو خواہ

دوسری دکان وغیرہ سے ہم اس کی تعیین نہیں کر سکتے، واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ قصبہ تھانہ بھون

سنہ ۱۳۵۰ھ

دائن کے ہر وارث کو دین میں اس کا حصہ دینا ضروری ہے یا مدیون کا کسی ایک کو دینا بھی درست ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ دائن کا انتقال ہو گیا تو مدیون کے ذمہ اسکے ہر ہر وارث کو بقدر حصہ دینا ایسے دینا ضروری ہے؟ یا ان میں سے کسی ایک کو دیکر کہہ دے کہ بقدر حصہ تم سب لوگ لیتے جاؤ، اور اگر دائن کافر ہے اس صورت میں مدیون کیا کرے؟ خاص کر ایسی صورت میں کہ اسکی قریبی رشتہ دار بھی نہ ہوں دوری ہوں۔ اور ان کا پتہ بھی دقت طلب ہو؟

الجواب

دائن کے ہر وارث کو بقدر اسکے حصے کے پہنچایا جائے، ایک کو دینا کافی نہیں جبکہ دیانت کا یقین نہ ہو۔ دائن اگر ہندو ہو، تو ہندوؤں کے قاعدۂ میراث کے مطابق ہر وارث کو دیا جائے، اور جس کے رشتہ دار دور کے ہوں۔ ان کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اور ہر مقدار دین کیلئے مدت تلاش جدا جدا ہے۔ مثلاً سو روپیہ ہوں تو سال بھر تک ورثہ کی تلاش کی کوشش کی جائے اگر اس پر بھی ورثہ نہ ملیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفی عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ

کتاب الرّھن

مرتھن کیلئے شئ مرھون سے نفع اٹھانا جائز نہیں

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ زمیندار یا کاشتکار اپنا کھیت کسی مہاجن کے یہاں رہن رکھدیتا ہے، اور شرط یہ کرتا ہے کہ روپیہ کے عوض مہاجن کھیت جوتے بوئے اور کھیت مالگزاری دیا کرے، اور کھیت کا کل پیداوار مہاجن لیا کرے۔ اور زمیندار یا کاشتکار سوائے مال گزاری کے کچھ نہ دیگا، اور نہ روپیہ کا سود مہاجن کو دینا ہوگا۔ آیا اس قسم کا لین دین شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسکو صاف صاف مع دلیل کے لکھ دیں۔

الجواب

قال في الدر (١): لا الانتفاع به مطلقاً... إلا بإذن كل للآخر وقيل: لا يحل للمرتهن، لأنه ربا۔ وقيل إن شرطه كان ربا وإلا لا۔ وفي الأشباه والجواهر: أباح الراهن للمرتهن أكل الثمار، أو سكنى الدار، أو لبن الشاة المرهونة، فأكلها، لم يضمن وله منعه، ثم أفاد في الأشباه أنه يكره للمرتهن الانتفاع بذلك اهـ

قال العلامة الشامي: قال في المنح: وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي۔ وكان من كبار علماء سمرقند۔ أنه لا يحل له أن ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن لأنه إذن له في الربا، لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا۔ وهذا أمر عظيم۔

قلت: وهذا مخالف لعامة المعتبرات من أنه يحل بالإذن۔

(١) الدر الجديدة المطبوعة في ايچ ايم سعيد كمپني ٦/٤٨٢، ورايضاً ٦/٢٢٠ - مجلد الثاني عشر

الا أن یحمل علی الدیانة، وما فی المعتبرات علی الحکم۔

ثم رأیت فی جواھر الفتاوی: إذا کان مشروطاً صار قرضاً فیه منفعة، وھو ربا، وإلا فلا بأس اھ ما فی المنح ملخصاً، وأقرہ ابنه الشیخ صالح، وتعقبه الحموی بأن ما کان ربا لا یظھر فیه فرق بین الدیانة والقضاء علی أنه لا حاجة إلی التوفیق بعد أن الفتوی علی ما تقدم، أی من أنه یباح۔

أقول: ما فی الجواھر یصلح للتوفیق، وھو وجیه، و ذکروا نظیرہ فیما لو أھدی المستقرض للمقرض، إن کانت بشرط کرہ وإلا فلا۔ وما نقله الشارح عن الجواھر أیضاً من قوله: لا یضمن، یفید أنه لیس بربا، لأن الربا مضمون، فیحمل علی غیر المشروط، وما فی الأشباہ من الکراھة علی المشروط، ویؤیدہ قول الشارح الآتی آخر الرھن أن التعلیل بأنه ربا یفید أن الکراھة تحریمیة۔ فتأمل۔ وإذا کان مشروطاً ضمن کما أفتی به فی الخیریة فیمن رھن شجر زیتون علی أن یأکل المرتھن ثمرته نظیر صبرہ بالدین۔

قال ط: قلت: والغالب من أحوال الناس أنھم إنما یریدون عند الدفع الانتفاع، ولولاہ لما أعطاہ الدراھم، وھذا بمنزلة الشرط، لأن المعروف کالمشروط، وھو مما یعین المنع، واللہ تعالی أعلم اھ۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ رھن کی جو صورت سوال میں درج ہے یہ معاملہ ربوا میں داخل ہے ولعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ۔

پس اس صورت میں رھن رکھنا کسی مسلمان کو جائز نہیں، البتہ اگر سخت مضطر ہو کر اسکے بدون چارہ نہ ہو، اور اسراف وتنعم کیلئے رھن رکھکر روپیہ نہ لیتا ہو، بلکہ ضرورت شرعیہ ومجبوری کی وجہ سے روپیہ قرض لینا چاہتا ہو تو

شاید رھن رکھنے والا گناہ سے بچ جائے۔ باقی مرتھن کو رھن سے نفع حاصل کرنا یہ تو کسی حال میں درست نہیں۔

ففی الأشباہ والنظائر۔ آخر القاعدۃ الخامسۃ من الفن الاول، مانصہ: وفی القنیۃ والبغیۃ یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح وفی الحموی نحو ذلک اھ۔

اور بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں بیع بالوفا کا طریقہ اختیار کر لیا جائے جسکے جواز پر متاخرین کا فتوی ہے۔ واللہ اعلم

۴ رجب ۱۳۴۲ھ

موروثی کاشتکار کا مالک زمین کے پاس رھن رکھوانا

سوال: زید کی اراضی دس بیگہ کا ایک شخص (عمرو) موروثی ہے۔ اور کسی ضرورت سے عمرو موروثی اپنے مالک زید کو وہی اراضی دس بیگہ زمین رھن رکھنا چاہتا ہے۔ تو زید کو اسکا رھن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ممتاز خان خلف ... خان
رسالدار ... قصبہ کلانور ضلع ...

الجواب

اگر موروثی کاشتکار موروثی زمین اسکے مالک کے پاس رھن رکھے تو مالک زمین کو رھن سے منتفع ہونا جائز ہے، کیونکہ وہ حقیقت میں اپنی زمین سے منتفع ہو رہا ہے۔ کاشتکار کا موروثی زمین میں شرعا کوئی حق نہیں۔ واللہ اعلم

۲۰ رجب ۱۳۴۲ھ

باغ مرہون کا حکم جبکہ راھن لاپتہ ہو جائے

سوال: ایک امر دریافت طلب وہ یہ کہ ایک ہندو نے اپنا باغ زید کے پاس رھن بالقبض کچھ روپیہ پر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہوا، اور اسکا بیٹا وارث ہوا، بیٹے نے راھن کو طلب کیا کہ اس کے معاملہ کو صاف کر دے۔ یعنی بعد حساب و کتاب یا تو بیع کرے یا واپس لے۔ راھن نے اسوقت عدم فرصت کا کوئی عذر بیان کر کے دوبارہ کسی دوسرے وقت آنے کا وعدہ کیا اور وعدہ تک نہ آیا۔ زید کے بیٹے نے اس شخص کی تفتیش کرائی تو

معلوم ہوا کہ کہیں پردیس چلا گیا ہے، بار بار دریافت کرانے سے آٹھ دس برس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص مرگیا، اور اسکا ایک نابالغ بیٹا تھا وہ بھی مرگیا، اور اسکا کوئی رشتہ دار نہیں ہیں ایسی حالت میں اس باغ کے متعلق کیا کیا جائے؟ آیا مرتہن (زید کا بیٹا) اپنے تصرف میں لائے یا نہیں؟ کیونکہ بیع کا معاملہ نہیں ہوا، صرف راھن نے زید کے بیٹے کے ساتھ بیع کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ یعنی زید کے بیٹے کے ساتھ بیع کرونگا۔

راقم: احقر العباد محمد معین الدین صدیقی
بر مکان مولوی حافظ محمد عثمان صاحب
محلہ پاندریبہ شہر الٰہ آباد۔

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کا بیٹا یہ دیکھے کہ اس باغ کی آمدنی سے اصل قرض وصول ہو چکا ہے یا نہیں، اگر وصول ہو چکا ہے تب تو اس کی آمدنی اسی وقت سے لقطہ ہے، اور اگر قرض پورا وصول نہیں ہوا تو اول اس کی آمدنی سے اپنا قرض وصول کرے، جب قرض وصول ہو جائے تو اس باغ کی پیداوار کا حکم لقطہ کا ہے جو فقراء کا حق ہے، لہذا اس کی پیداوار یا آمدنی کو فقراء پر تصدق کرتے رہنا چاہئے، ھذا ما فہمتہ و اللہ اعلم

مکرر آنکہ چونکہ موت وحیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اس لئے اندیشہ ہے کہ پسر زید کے وارث بعد میں اس زمین کی پیداوار کو اپنے تصرف میں لائیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اگر قانوناً پسر زید کو اس باغ کی بیع کا حق ہو تب تو اسکو بیع کر کے اسی وقت اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کر دے اور اگر اس کی بیع کا حق نہ ہو تو اس زمین کو وقف علی الفقراء کر دے تاکہ ہمیشہ اس کی آمدنی فقراء پر منقسم ہوتی رہے، ورثاء کے تصرف میں نہ آئے، اور اس کا متولی اپنے بعد مسلمانوں میں سے نیک آدمیوں کی ایک جماعت کو بنا دے۔ اگر وقف بھی قانوناً ممکن نہ ہو، تو اپنی اولاد کو وصیت کر دے۔ زبانی بھی اور تحریراً بھی کہ اس باغ کی آمدنی فقراء کو دیتے رہیں پسر زید اس صورت میں بری الذمہ ہو جائے گا، اگر ورثاء خلاف

کریگے تو وہ جانیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ محرم سنہ ۱۳۴۳ھ

استفاع بالمرہون جائز نہیں

سوال: قبلہ من! دیگر اینکہ اگر کسے یک بیگہ زمین را یکصد روپیہ گرفتہ بدیگرے دہد و گوید کہ تو آن خراج کہ برایں زمین را مقرر است ادا کنید و نفع گیرید من وقتیکہ روپیہ تو بازدہم آنگہ زمین را بمن تفویض کنید، بدین صورت اجارہ روا باشد یا نہ؟

الجواب

بدین صورت اجارہ جائز نیست۔

متعلق رہن زمین

سوال ۱: زمین رھن رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو زمین مرتھن کے قبضہ میں رہیگی۔ کہ راھن کے قبضہ میں رہیگی۔ اگر مرتھن کے قبضہ میں رہی تو مرتھن اس زمین کو کونسی صورت میں رکھیگا، آیا کہ زمین میں مرتھن خود تصرف کریگا یا کہ بیکار چھوڑ دیگا۔ اب دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ کونسی صورت پر رکھنے سے شرعاً حلال ہوسکتا ہے، بیان فرماکر بندہ کو اطمینان فرمائیں۔

۲: زید نے ایک زمین جسکا نفع ہرسال تقریباً سو روپیہ ہوسکتا ہے وہ زمین چالیس روپیہ سے ۴ سال یا ۵ سال یا دس سال کی میعاد مقرر کرکے رکھا، اور زمین کا جو مالک ہے اسکو یوں کہا کہ ہرسال ۵ روپیہ یا تو آٹھ روپیہ وضع ہوتا رہیگا، یہاں تک کہ چار سال یا تو پانچ سال میں کل روپیہ ادا ہوجائیگا، اور زمین چھوڑ دی جائیگی، اور اسکے قبل چھوڑانا چاہے اسی حساب سے جس قدر روپیہ باقی رہیگا وہ لیکر چھوڑ دیتے ہیں۔

آیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں، اسمیں کونسی صورت پر رکھنے سے شرعاً حلال ہوگا؟

الجواب

۱: زمین رھن رکھنا جائز ہے، اور دیگر اشیاء رھینہ کی طرح زمین بھی

مرتھن کے قبضہ میں رہیگی۔ اور مرتھن کو کسی تصرف کا حق نہیں ہے فقط امانت کے طور پر قبضہ میں رکھے، نہ خود زراعت کرے، نہ کسی کو کرایہ وغیرہ پر دے۔ اگر کرایہ پر زمین وغیرہ دیدی تو دیکھا جائے کہ مالک کی اجازت سے دی گئی ہے یا بدون اجازت دی ہے؟ اگر اجازت سے دی ہے تو کرایہ مالک کا حق ہے اور رھن باطل ہوگیا اور مرتھن کو یہ حق نہیں رہا کہ اسکو بطور رھن روک رکھے، اور اگر مرتھن نے بدون اذن مالک کرایہ پر دی ہے تو کرایہ لینے کا حق تو مرتھن کو ہے۔ لیکن یہ کرایہ اسکے لئے حلال نہیں ہے۔ بلکہ واجب التصدق ہے۔ اور رھن باقی ہے۔ اور اگر مرتھن نے خود زراعت کی ہے، تو اگر اجازت راھن سے کی ہے تو اسپر ضمان کچھ نہیں لیکن یہ انتفاع ناجائز ہے۔ اور اگر بدون اجازت ہے تو نقصان ارض کا ضمان لازم ہے۔

فی العالمگیریۃ (ج ۵ ص ۴۵۳) ما یجوز بیعہ یجوز رھنہ:

وایضاً فی ص ۴۵۳ اعلم بان عین الرھن امانۃ فی ید المرتھن بمنزلۃ الودیعۃ الخ

وایضاً فی الصفحۃ المذکورۃ: وإن أجر المرتھن من أجنبی بأمر الراھن یخرج من الرھن، وتکون الأجرۃ للراھن، وإن کانت الإجارۃ بغیر إذن الراھن یکون الأجر للمرتھن یتصدق بہ. و للمرتھن أن یعیدھا فی الرھن. وقال ایضاً بعد السطر: ولو حبسہ عن الراھن بعد ما انقضت مدۃ الإجارۃ صار غاصباً. ھکذا فی شرح الطحاوی وفی الدر المختار مع الشامی (ج ۵ ص ۳۴۵) ثم نقل عن التھذیب انہ یکرہ للمرتھن أن ینتفع بالرھن وإن أذن لہ الراھن۔ قال المصنف: وعلیہ یحمل ما عن محمد بن أسلم من أنہ لایحل للمرتھن ذلک ولو بالإذن. لانہ ربا۔ قلت: وتعلیلہ

عہ البتہ اگر زمین میں کچھ نقص آگیا ہو تو ضمان دینا پڑیگا۔ منہ

عہ اور اگر یہ کرایہ مالک زمین کو دیدیا جائے تو مالک کیلئے حلال ہے۔ منہ

يفيد أنها تحريمية، فتأمله۔

وفي الصفحة المذكورة أيضاً: وفيها رأى الجواهر: زرع المرتهن أرض الراهن، إن أبيح له الانتفاع لا يجب شيء، وإن لم يبح لزمه نقصان الأرض وضمان الماء لو من قناة مملوكة فليحفظ۔

وقال الشامي تحت (قوله: لو من قناة مملوكة): هذا خلاف المفتى به من أنه لا يضمن إلا ما ملكه بالإحراز كما مر في كتاب الشرب وماء القناة غير محرز۔

پس مرتھن کو چاہئے کہ زمین وغیرہ کو بیکار رکھے۔

اور ایک صورت انتفاع کی یہ ہے کہ مرتھن ہی زمین کو راھن سے کرایہ پر لیکر خود زراعت کرے۔ اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہی قبضہ جو رھن کے وقت ہوا تھا اجارہ کے وقت رہے، تو اجارہ صحیح نہیں ہوا۔ اور اگر واپس کرکے دوبارہ قبضہ کیا تو اجارہ صحیح ہوگیا۔ مگر رھن باطل ہوجائیگا۔

كما في العالمگيرية (ج ۵ ص ۴۶۹) وكذلك لو استأجره المرتهن صحت الإجارة وبطل الرهن إذا جدد القبض۔

وفي الشامي (ج ۵ ص ۳۴۶) ويشترط في الإجارة (أي لصحة الإجارة وبطلان الرهن حينئذ، وعلل في البدائع بأن قبض الرهن وقبض الإجارة متغائر، فلا بد من قبض جديد للإجارة) تجديد القبض كما علمت آنفاً انتهى۔

الجواب صحيح

ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ شوال ۱۳۴۳ھ

۲ —— اس سوال کا یہ مطلب سمجھ میں آیا ہے کہ مرھون کی آمدنی سو روپیہ ہے۔ اور مرتھن اس میں سے آٹھ روپیہ یا چار روپیہ تو قرض میں وضع کریگا باقی

عہ وقد صرح الشامي قبله بصفحة: أن الإجارة تصح بتجدد القبض۔ منہ

خود رکھیگا، تو یہ صورت ناجائز ہے۔ وفی روایتہ عدم حل انتفاع المرتھن بالمرھون تقدم فی الجواب عن السوال الاول۔

اگر سوال کا اور مطلب ہے تو دوبارہ صاف لکھا جائے۔

حکم انتفاع بالمرھون | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

۱۔ زمین یا زیور یا مکان وغیرہ رھن یعنی گروی اپنے پاس رکھکر اس سے فائدہ اٹھانا۔ اور زمین گروی وغیرہ کی پیداوار کھانا حرام ہے یا نہیں؟

۲۔ گروی چیز سے نفع حاصل کرنا سود ہے یا نہیں؟ اگر سود ہے تو اس سود کو حلال جاننے والے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

۳۔ اور سود کو حلال جاننے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ گروی چیز کے منافع کے حرام ہونے اور سود ہونے میں علمائے احناف میں اختلاف بھی ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کا؟ بینوا توجروا!

الجواب

۱۔ حرام ہے۔ اگر رھن اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مرتھن نفع حاصل کریگا، یا مشروط نہ ہو مگر معروف ہو، جیسا اس زمانہ میں ہے، یا بدون اجازت راھن کے نفع حاصل کرے۔

۲۔ ہاں مرھون سے نفع اٹھانا سود ہے اور اسکو حلال سمجھنے والا فاسق ہے جبکہ انتفاع مشروط ہو یا بلا اذن ہو۔

۳۔ اسکے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

۴۔ اگر انتفاع مشروط فی الرھن ہو تو اتفاقاً حرام ہے۔ اور معروف بھی بحکم مشروط ہے۔ اگر معروف و مشروط نہ ہو، اور بلا شرط و بلا عرف کے راھن اجازت دیدے تو جواز میں اختلاف ہے۔ اور اگر بلا اذن انتفاع ہو تو وہ بھی اتفاقاً حرام ہے۔

عہ مثلاً رھن سے اگر مراد ہو جو در حقیقت اجارہ ہے تو یہ جائز ہے ۱۲ منہ

والمسئلة فی رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۷ وصلاح)[1] واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۱۰ صفر ۱۳۴۷ھ

رھن کی ایک خاص صورت کا حکم سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کے پاس ایک حصہ معینہ زمین کے مثلاً دو سو روپیہ کے مقابل میں رھن رکھا، اس شرط پر کہ مرتھن عمرو اس زمین مرھونہ سے نفع اٹھائے، اور فی سال روپیہ مذکورہ سے پانچ روپیہ گھٹ جائے جس وقت راھن چاہے کہ زمین مذکورہ کو خلاص کرے زمین تو باقیہ روپیہ دیکر خلاص کر سکتا ہے۔ مثلاً دو سال کے بعد اگر راھن زمین مذکورہ کو خلاص کرنا چاہے، تو ایک سو نوے روپے دیکر خلاص کرے۔

خلاصہ: راھن اور مرتھن نے زمین مرھونہ کے خلاص کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں کی تو یہ صورت رھن شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی سود ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: علی احمد چاٹگامی

۱۶ رمضان ۱۳۴۶ھ

الجواب

یہ صورت جائز نہیں، ولا تاویل انہ خص الربا فی قیمۃ منافع السنۃ کلھا لکونہ بیع ما لم یوجد۔

اور اگر کسی نے سود کا حیلہ بنانے کی نیت سے یہ صورت اختیار کی تو اسکی اس نیت کا بھی گناہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۳ رمضان ۱۳۴۶ھ

راھن اور مرتھن میں عقد اجارہ شئی مرھون میں موجب فسخ رھن ہے سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ارض مرھونہ کا خراج اگر

[1] شامی (رد المحتار) ج ۵ ص ۳۴۲ ۔

مرتھن راھن کو ادا کردے۔ یعنی خراج کی مقدار اصل روپیہ سے منہا کرتا رہے، تو ایسے مرتھن کو انتفاع جائز ہے یا نہیں۔ اور خراج بھی سرکاری خراج دینا ہوگا یا بغیر رھن زمین کا جو خراج یہاں پر رائج ہے وہ دینا چاہئے۔

نوٹ :- مخفی نہ رہے کہ سرکاری خراج کم ہے اور بلا رھن دوسرے کی زمین بطور اجارہ پر لینے کا خراج اس سے زیادہ ہے۔ اگر راھن مرتھن سے روپیہ نہ لیتا تو سرکاری خراج لینے پر کبھی رضامند نہ ہوتا۔ اور بصورت رھن راضی ہے اور یہی رواج ہے۔

الجواب

عقد اجارہ بین الراھن والمرتھن در شیئ مرھون موجب فسخ رھن ہے بشرطیکہ عقد اجارہ منعقد ہوا ہو۔ اور اگر عقد اجارہ منعقد نہ ہوا ہو بلکہ مرتھن نے راھن کو ویسے ہی بلا عقد کے اجرت و لگان ادا کی تو اس سے کچھ نہیں ہوتا یعنی انتفاع رھن کے ساتھ حلال نہ ہوگا۔

اور عقد اجارہ کرنے میں اگر یہ معلوم ہو کہ راھن نے اجرت متعارف سے کم لگان اسلئے منظور کرلیا ہے کہ وہ قرض کا دباؤ ہے، تو متعارف سے کم لگان مقرر کرنا جائز نہیں۔ لکونہ داخلا فی منفعۃ جرھا القرض وھی ربا۔ فقط

فقیر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ نے از روئے شفقت مادری بحالت صحت و درستی حواس جبکہ زید بالغ تھا بغیر زید کے کہے اور بدون درخواست اپنی جائیداد کے ایک جزء غیر منقسم کو زید کی زوجہ کے مہر میں مکفول کردیا۔ باین الفاظ کہ روپیہ دین مہر کا اپنے ذمہ عائد اور قبول کر کے اسکے معاوضہ میں فلاں جائیداد مکفول اور مستغرق کرتی ہوں کہ تا ادائے دین مہر مکفولہ کو کسی جگہ منتقل نہ کرونگی۔
بہو کو مہر کے عوض غیر منقسم جائیداد کا ایک حصہ مکفول کردیا مگر قبضہ نہیں دیا۔ پھر یہ حصہ دیگر جائیداد کے ساتھ بیٹے کو ہبہ کردیا تو بہو اس مکفولہ جائیداد کو روک سکتی ہے یا نہیں۔

لیکن یہ جائیداد مکفولہ زید کی والدہ کے قبضہ میں رہی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد زید کی والدہ نے زید کو مع بقیہ جائیداد کے ہبہ کر دی۔ بحالت تندرستی و درستی حواس۔ درآنحالیکہ زید کی زوجہ کا دین مہر ابھی تک کچھ ادا نہیں ہوا۔ تو اگر یہ ہبہ بشرائطہ ہوگیا ہے اور زید اس کا مالک ہوگیا ہے۔ اور نیز اس کے ذمہ واجب نہیں کہ اپنی ہمشیرگان کو بھی دے تاہم اگر اسے وراثۃً تقسیم کیا جائے تو کیا اس حصہ مکفولہ کی بھی تقسیم ہوگی یا نہیں؟

اگر تقسیم ہوگی تو کیا بقدر اپنے اپنے حصہ کے ہمشیرگان پر بھی بارِ کفالت ہوگا؟ یعنی اگر جائیداد بارہ ہزار کی ہے مثلاً۔ اور زید کی ہمشیرگان ہیں۔ اور اس جائیداد میں ایک حصہ چار ہزار کا زید کی زوجہ کے دین مہر میں مکفول ہے تقسیم کی صورت میں نصف زید کا حصہ ہے اور چوتھائی ہمشیرگان کا۔ تو کیا بقدر حصہ مکفولہ کے جو تقسیم کی صورت میں ان کے حصہ میں آئیگا بارِ کفالت کی بھی وہ ذمہ دار ہونگی؟ بینوا توجروا

حکیم سید نور الحسن رضوی

تنقیح

۱۔ جب زید کی والدہ نے جائیداد زید کو بصیغۂ عطا کی تھی۔ اسوقت وہ جائیداد مکفولہ اسی میں شامل تھی؟ یا وہ تقسیم کرکے الگ رکھی تھی؟

۲۔ اگر تقسیم کرکے الگ کر لی گئی تھی تو کیا زید کی بیوی نے اس ہبہ کی اجازت دیدی تھی یا نہیں؟

۳۔ اور زید نے ہبہ کے وقت اس جائیداد پر کامل قبضہ بھی کر لیا تھا یا نہیں؟

ان سب امور کا مفصل و مصرح جواب آنے پر انشاء اللہ مسئلہ لکھا جائیگا۔ فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون

مورخہ یکم صفر ۱۳۵۱ھ

جواب تنقیح

۱۔ جب زید کی والدہ نے جائیداد زید کو ہبہ کی تھی تو اسوقت وہ جائیداد مکفولہ اس میں شامل تھی۔ اور تقسیم نہیں کی گئی تھی۔

۶۔ زید کی زوجہ نے اس ھبہ کی نہ اجازت دی اور نہ مخالفت کی، بلکہ سکوت اختیار کیا
۷۔ زید نے اس جائیداد پر ھبہ کے وقت قبضہ کر لیا تھا۔
حکیم سید نورالحسن رضوی

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ حصہ مکفول رھن نہیں ہوا۔

لما فی العالمگیریۃ (ج ۱ ص۱۸۵۶) قال محمدؒ: فی کتاب الرھن: لایجوز الرھن إلا مقبوضاً۔ فقد أشار إلی أن القبض شرط جواز الرھن اھ

اس لیئے اس حصہ مکفول کو روکنے کا مسماۃ کو حق نہیں ہے۔ البتہ مسماۃ کو یہ حق ہے کہ ترکہ میں سے اپنا مہر وصول کرے۔ اور مہر ادا ہونے کے بعد جو ترکہ بچے وہ سب ورثہ میں حسب فرائض تقسیم کیا جائیگا۔ یعنی مہر سب ورثاء کے حصہ میں دیا جائیگا۔

لما فی العالمگیریۃ (ج ۲ ص...) ولو کان الابن کبیراً وضمن الاب عنہ بغیر أمرہ فی صحتہ، ثم مات الأب و أخذت المرأۃ من ترکتہ، لم یرجع ورثتہ بالاجماع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الأحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۲۴ صفر ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۴ صفر ۱۳۵۱ھ

مسئلہ رھن | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ زید نے کچھ زمین مزروعہ عمر کے ہاتھ بیع کرنا چاہا عمر نے بخوف حق شفع میعادی پچاس سال رھن یا منافع لکھوایا زید کا ارادہ بعد پچاس سال گذرنے کے بھی فک رھن کرانے کا نہ تھا۔ آیا وہ زمین بیع سمجھی جائیگی یا رھن؟

الجواب

اگر زبان سے بیع و شراء کا ایجاب و قبول نہیں ہوا تو موافق رھن نامہ کے یہ زمین رھن سمجھی جائیگی۔ اور اگر زبانی ایجاب و قبول بیع و شراء کا ہوا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

سوال: اب باوجودیکہ ابھی میعاد پچاس سال ختم نہیں ہوئی۔ اگر عمر فک رھن

پھر اضی ہو تو زید کو فک رھن کرا لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- رضامندی سے تو فک رھن کرانا ہر وقت جائز ہے۔

سوال :- بعد پچاس سال گذرنے کے جبکہ عمر فک رھن کرنے پر مجبور ہوگا اس وقت زید کو فک رھن کرا لینا جائز ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- ہاں جائز ہوگا اگر زبان سے رھن کے وقت بیع و شراء کا ایجاب وقبول نہ ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۔ از تھانہ بھون

۲۹ ر شوال ۱۳۳۸ھ

کتاب الاجارۃ

سقہ اور خاکروب کے ساتھ معاملہ کی صورت | **سوال :-** ذیل کے سوال کے جواب سے ممنون فرمائیں کہ اگر دو چار مہمان کسی گھر پر آویں ، اور تین چار روز قیام رکھیں ، تو کیا بہشتی (سقہ) اور مہتر (بھنگی) کی اجرت جو پیشتر سے ماہواری مقرر ہے اس سے کچھ زائد دینی چاہئے ؟ اور بہشتی کے متعلق یہ ہے کہ وہ اگر مقررہ روزانہ مشک سے زیادہ پانی اس دن لائے تو کیا حکم ہے ؟ اور اگر نہ لائے ، یعنی مقررہ روزانہ پانی لادے ، تو کیا حکم ہے ؟

الجواب

اگر سقہ سے اسطرح معاملہ کیا گیا ہے کہ ہم کو جس قدر پانی کی ضرورت ہوگی تم کو دینا ہوگا ، تب تو مہمانوں کے آنے سے اجرت زیادہ کرنا لازم نہیں ۔ اور اگر مشکیں معین مقدار میں مقرر کی گئی ہیں ، تو جتنی مشکیں مہمانداری کے زمانہ میں وہ زیادہ دیگا ، ان کی اجرت علیحدہ دینی ہوگی۔

یہی حکم مہتر کے بارے میں ہے ۔ اگر اس سے یہ معاملہ کیا گیا ہے کہ ہمارے گھر

میں اتنے آدمی ہیں۔ اسنے تم کو یہ تنخواہ ملے گی۔ اس صورت میں مہمان داری کے زمانہ میں اجرت زیادہ دینی ہوگی۔ اور اگر یہ معاملہ کیا گیا کہ تم کو روزانہ پاخانہ صاف کرنا ہوگا، چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ، اس صورت میں زیادہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اور اگر معاملہ مجمل ہے تو اسکو صاف کر لینا چاہیے۔

ظفر احمد

کتاب کی تصنیف کی اجرت جبکہ مسودہ گم ہو جائے | سوال :- جناب سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ جناب مفصل جواب مع سند عبارت کتاب دیجئے ممنون ہونگا وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند کتابیں تیار کرا دو، جو اجرت ہوگی دونگا۔ میں نے ایک شخص سے ایک کتاب تیار کرا کے بھیجدیا اور لکھدیا کہ اس مسودہ کی اجرت سو روپیہ ہے۔ تیار کرنے والے سے یہ اقرار ہے کہ اگر کوئی بات اضافہ کرنے کو کہینگے تو میں کر دونگا۔ وہ مسودہ مجھے واپس نہیں ملا۔ شخص اول سے گم ہو گیا۔ ایسی صورت میں جس شخص نے مسودہ تیار کیا ہے وہ مجھ سے اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور میں اس شخص سے جسکے لئے تیار کرایا تھا اور جسکے پاس سے مسودہ تلف ہوا (اجرت) لے سکتا ہوں یا نہیں۔

فقط ۲۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ
جلال الدین احمد جعفری
از مطبع انوار احمدی الہ آباد

الجواب

سائل نے جس شخص کے واسطے مسودہ تیار کرایا تھا، اور اس کے پاس مسودہ گم ہو گیا ہے، تو سائل اس شخص سے مسودہ کی اجرت لے سکتا ہے، اور جس شخص نے سائل کے کہنے سے مسودہ تیار کیا ہے وہ سائل سے مسودہ کی اجرت لینے کا مستحق ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد
۳۰ محرم ۱۳۴۰ھ

نکاح خوانی کی اجرت کا حکم | سوال :- عہدہ میرج رجسٹری اور قضائی کا خلاصہ یہ ہے

حسب تعداد مسلمانان ایک یا نصف تھانہ کے علاقہ میں بمطابق حکم گورنمنٹ ایک شخص مسلمان کو میرج رجسٹری اور قضائی دو بہرہ کیلئے مقرر کرتا ہے۔ اور ان کو دو بہرے کے دو مہر اور دو سند بھی دیا جاتا ہے۔ اور اسکے متعلق جتنے بھی حوالہ جات اور کاغذات ضروری ہے۔ گورنمنٹ وہ سب سرکاری مطبع میں چھپوا کر ان عہدہ داروں سے گراں نرخ پیشگی قیمت لیکر بیچتا ہے۔

میرج رجسٹرار کے فرض منصبی یہ ہے کہ کوئی نکاح یا طلاق عمل میں آنے کے بعد میرج رجسٹرار کے پاس رجسٹری کی درخواست کرے۔ تو وہ حسب ضابطہ عاقدین، یا ولی، یا وکیل مع شاہدین یہ سب کے نام اور باپ کے نام، اور جائے سکونت، اور تعداد مہر و زیورات و شرائط کابین تمام حسب مقتضائے ولی منکوحہ بالتفصیل لکھ کر ان کے دستخط اور انگلی کے چھاپ میں بھی ثبت کر لینا، اور اسکی ایک تصدیقی نقل ولی منکوحہ کو دینا، اور ایک ڈسٹرکٹ رجسٹرار کے پاس بھیجنا۔

اور طلاق میں بھی علاوہ ہریں اسکے متعلق اور چار پانچ (شرائط) منتخب عہد پہ تحریر ہوتی ہیں۔

قاضی کا فرض منصبی یہ ہے کہ فتویٰ فرائض دینا، اور نکاح پڑھانا اور نکاح یا طلاق کے بارے میں کوئی فساد ہوا سکو فیصلہ کر دینا وغیرہ۔

اب سرکاری قانون یہ کہتا ہے کہ نکاح یا طلاق رجسٹری کرنے کیلئے ایک روپیہ رسوم ادا کرے۔ اور فریقین خوشی سے جو نذرانہ دیں اسکو لینا ممانعت نہیں، اور فتویٰ فرائض، نکاح، طلاق، پڑھانے کی کوئی اُجرت معین نہیں۔ یہاں کا یہ رواج ہے کہ جتنے نکاح یا طلاق رجسٹری ہوتے ہیں، بالکل میرج رجسٹرار یا ان کے ماتحت جو ایک دو محرر رہتے ہیں پڑھا دیتے ہیں۔ بہت کم نکاح جو مکان میں پڑھا چکا ہو رجسٹری کو آتا ہے۔ اب میرج رجسٹرار فریقین سے عقد خوانی کی بابت، یا نذرانہ یا رجسٹری کیلئے کچھ فیصلہ نہیں کرتا ہے۔ علی العموم دو روپیہ سے لیکر تین روپیہ تک اکثر لوگ۔ اور جو لوگ غریب ہوتے ہیں روپیہ آٹھ آنہ کم، اور مالدار ہونے سے روپیہ آٹھ آنہ زیادہ بھی کوئی دیتا ہے۔ اور جو نکاح مکان سے شاذ و نادر پڑھا کے آتا ہے ان سے بھی اسی طرح لیا جاتا ہے۔ اور میرج رجسٹرار و قاضی کو سرکاری کوئی

شامل نہیں۔ اور محرر کی تنخواہ اور فیس کے متعلق کل اخراجات میرج رجسٹرار کے ذمہ پہنچے۔

عارض آثم: بدیع الرحمن

الجواب

قیاس کا مقتضا یہ ہے کہ گورنمنٹ نے نکاح یا طلاق رجسٹری کرنے کی جو اجرت ایک روپیہ مقرر کی ہے یہ جائز نہ ہو۔ لما فیہ من التسعیر المنھی عنہ۔ لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود زیادہ لینے سے روکنا ہے کم کرنے سے ممانعت مقصود نہیں۔ اسلئے یہ مقدار مقرر کرنا صحیح ہوگئی۔ اور اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ لأنہ تحکم بالزیادۃ بغیر رضاء العاقد۔ وھو حرام بخلاف المعروف۔ لأنہ المشروط۔ وقد رضی بہ حیث دعا۔ فافہم

البتہ میرج رجسٹرار کے ذمہ اگر قانوناً نکاح پڑھانا نہیں ہے، تو اسکی اجرت علیحدہ لے سکتا ہے۔ جسمیں شرط یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو۔ اور جو شخص بلانے اس سے اجرت لی جائے۔ اور جو شخص نکاح پڑھائے اُسی کو اجرت دی جائے اگر لڑکے والے نے بلایا ہو تو لڑکی والے سے اجرت لینا جائز نہیں۔ اسیطرح اگر نائب نے نکاح پڑھایا ہو تو اس اجرت میں سے قاضی کو لینا جائز نہیں۔

واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد

۱۰ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ

سرکاری مدارس میں ملازمت کا حکم سوال ۔ سرکاری یعنی گورنمنٹ کے مدرسہ یا اسکول میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نا جائز ہے بیان کریئے۔

شاہ محمد سالم

جونپور۔ محلہ ملاٹولہ

الجواب

سرکاری مدرسہ و اسکول میں ملازمت کرنا جائز ہے۔ بڑے بڑے علماء لوگ بڑے بڑے کالج و مدرسہ میں ملازم بھی ہیں پڑھاتے ہیں۔ کسی کتاب سے حرمت

ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

رقمہ عبدالباقی جونپوری
ملا ٹولہ

من أجاب فقد أصاب
عبدالغنی عفی عنہ
۲۸ر دسمبر ۱۹۲۱ء

اگر کوئی مضمون خلاف شرع نہ پڑھانا پڑے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ رجمادی الاول ۱۳۴۰ھ

بڑھئی کا اپنی اجرت کے علاوہ لکڑی کی چھیلن لینا جائز نہیں

سوال: ہم لوگ جو لکڑی کا کام کرتے ہیں رواج مدت سے چلا آتا ہے کہ جو لکڑی سے کوئی چیز بناتے ہیں کنواڑ وغیرہ اسکے اوپر سے جو لکڑی اترتی ہے۔ وہ اپنے گھر جلانے کے واسطے لاتے ہیں۔ جسکی لکڑی ہو اسکی اجازت ہوتی ہے لے جانیکی لکڑی۔ چونکہ ہندوستان میں یہی رواج ہے، اور کوئی منع نہیں کرتا۔ اور جو ناواقف ہیں ان سے پہلے معاملہ طے کر لیتے ہیں کہ یا تو آدھے دن کی بڑھئی لیتا ہے۔ اور آدھے دن کی جسکا کام کرتے ہیں یا شام کو آدھی آدھی تقسیم کر لیتے ہیں۔ یا جسطرح معاملہ طے ہوتا ہے۔ اور لینے والا یا دینے والا کوئی عیب نہیں سمجھتے۔

غرض یہ ہے کہ بعض لوگ اسکو ناجائز کہتے ہیں کہ جس کام میں مزدوری کرے اسمیں سے اجرت لینی جائز نہیں ہے۔ کسی کو کہتے ہیں تو وہ لوگ تعجب کرنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہزاروں آدمی بڑھئی بھی پڑھے لکھے ہوتے ہیں مگر یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ برائے مہربانی جیسے یہاں کام کیا ہے دستور کے موافق

الجواب

لکڑی کے ادتارن[1] لینے کا دستور جو بڑھئیوں[2] میں ہے یہ جائز نہیں۔ لانہ نظیر قفیز الطحان۔ و ایضاً یلزم منہ جہالۃ الاجرۃ لکونہا معدو

---

[1] یہ لکڑی کی چھیلن جو رندہ کرنے سے نکلتی ہے۔ محمد عبداللہ جعفر عفی عنہ

[2] یہ لفظ بڑھئی ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ محمد عبداللہ جعفر عفی عنہ

اور مطلق سے اسطرح معاملہ طے ہو کہ جو لکڑی تمہاری چیز بن کر بچے گی وہ لینگے اس چیز کی بنوائی کی اجرت میں اسپر دونوں رضامند ہوگئے۔ اسطرح جائز ہے۔

جواب:

یہ بھی ناجائز ہے۔

غیر حاضری کے دنوں میں مدرس کی تنخواہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کو گاؤں کے لوگوں نے اپنے لڑکوں کے پڑھانے کیلئے مقرر کیا ہے۔ اور یہ خبر اسکے کہ ماہواری تنخواہ دیا کرینگے، اور کوئی شرط وغیرہ یا کسی قسم کا معاہدہ بالکل نہیں کیا گیا۔ ایسی حالت میں جو عربی چھٹی جیسے ہفتہ میں ہمارے ادھر یا اُدھر بھی ڈیڑھ روز ہوا کرتی ہے۔ یہ یا مدرس مہینہ میں دو چار روز کہیں چلا جائے۔ یا دس پانچ روز اتفاقیہ بیمار ہوجائے، یا خود کوئی لڑکا اپنی شرارت سے دو چار روز پڑھنے میں اپنے سبقوں کا ناغہ کیا کرے، اور مدرسہ میں حاضری دیں اور مدرس بقیہ لڑکوں کو درس دیتا رہے، یا لڑکوں کے ماں باپ بلا اجازت یا با اجازت اپنے لڑکوں کو دو چار روز کیلئے مہمانی یا کسی کام کیلئے بھیجدیں یا مدرس خود کسی عید یا بقرعید وغیرہ کی دو چار روز کی چھٹی دیدے تو آیا ان سب حالات مذکورہ میں تنخواہ پورے مہینے کی ہر لڑکوں سے لینے کا حق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان ایام میں بیکارہ کا مجرا دیکر، یا بے مجرا دیئے ہوئے تنخواہ کے لینے کا مستحق ہوگا؟

بحوالہ کتب معتبرہ مرقوم ہو؟

الجواب

جن ایام کی تعلیم لڑکوں کے حاضر نہ ہونے کی وجہ ناغہ ہو، ان ایام کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے۔ اور جو ناغہ مدرس کی طرف سے ہو اسکا حکم یہ ہے کہ اگر ملازم رکھنے والوں نے غیر حاضری اور ناغہ اور رخصت کے متعلق کوئی قاعدہ مقرر کرکے اسکو اطلاع دیدی تھی، تب تو اس قاعدہ کے بموجب عمل ہوگا۔ اور اگر کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا تو عرفاً ایسے ملازمین کے لئے اسلامی مدارس میں جو قاعدہ ہے اسپر عمل کیا جائے گا۔ لأن المعروف کالمشروط۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
ع شوال سنہ ۱۳۴۰ھ

نکاح خوانی کی اجرت لینا

سوال: نکاح پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور نکاح کے بارے میں دولہا کی طرف سے معہ کچھ روپیہ سلام بھیج کر مع جواب سلام دلہن کی طرف مرتبوں سے روپیہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور اگر عاموں میں ایسا مروج ہے تو ان پر شرعاً کیا حکم ہے۔

سائل: محمد مجیب الرحمن۔ ساکن چرجائی
ڈاکخانہ: حسین پور۔ ضلع: میمن سنگھ

الجواب

نکاح پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے اجرت لی جائے جس نے بلایا ہے۔ اور وہی شخص اجرت لے جس نے نکاح پڑھایا ہے۔ اور یہ جو رواج ہے کہ بلانے والا لڑکی والا ہوتا ہے۔ اور اجرت بیٹے والا دیتا ہے یہ ناجائز ہے۔ نیز یہ رواج بھی ناجائز ہے کہ نکاح پڑھانے والے کو تھوڑی سی اجرت دیکر باقی روپیہ قاضی شہر کو بطور ان کے حق کے دیا جاتا ہے۔ قاضی شہر نے جب کام نہیں کیا تو اس کا کچھ حق نہیں۔ اور سلام کے جواب میں بھی روپیہ لینا درست نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ
۱۹، جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۱ھ

مہتمم مدرسہ اگر کچھ شرائط مقرر کردے تو مدرسین پر اُن کی پابندی کرنا لازم ہے

سوال: بعض مہتممین مدرسہ بوجہ ضرورت و حفاظت مدرسہ مدرسین سے بعض شرائط مثلاً اطراف مدرسہ کے پانچ میل کے اندر بدون اجازت مہتمم صاحب خارج وقت مدرسہ میں کسی مجلس وعظ یا ضیافت میں نہ جانا۔ یا بعد رخصت اتنے فاصلے کے اندر قبل مضی ایک سال کے کوئی نیا مدرسہ بنا کر پڑھانا۔ یا مدرسہ کے طالبعلموں کو بد مشورہ دیکر مدرسہ سے ہٹانا۔ یا کسی خارج کے یا کسی دوسرے مدرسہ کے یا اس مدرسہ کے مجرم طالبعلموں کو خارج وقت مدرسہ میں نہ پڑھانا۔ یا کوئی نیا قانون بدون اجازت مہتمم صاحب نہ نکالنا۔ یا رخصت لینے کے (ایک مہینہ قبل درخواست کرنا وغیرہ ذالک) پر دستخط کراتے ہیں۔ اور عہد لیتے ہیں کہ ان شرائط کی بجا آوری میں اگر اپنے کو قاصر پائیں تو رخصت لیکر چلے

جائیں اور بوقت مخالفت شرائط ہیں روپیہ مدرسہ میں داخل کریں۔
اب سوال یہ ہے کہ اسطرح کی شروط کرنا۔ اور مدرسین کا اسپر دستخط کرنا جائز ہے یا نہیں، اور قاعدہ و میعاد شروط و عہد صحیح و فاسد کیلئے بیان فرما کر ممنون فرماویں۔
جزاکم اللہ فی الدارین جزاءً

السائل: محمد عبد اللطیف چاٹگامی
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

الجواب

قال فقہائنا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ نص الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ (۱) اس قاعدہ کے مطابق جو شرائط اصل مدارس ملازمین و مدرسین مدرسہ پر عائد کرتے ہیں ان کی پابندی مدرسین پر لازم ہے۔ اور مہتمم مدرسہ کو ان سے ایسے شرائط کرنا جائز ہے جو مدرسہ کے لئے مفید ہوں۔ مگر در صورت مخالفت شرائط جو بطیق روپیہ مدرسہ میں داخل کرنے کی شرط ہے، یہ حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ جرمانہ مالی کو حنفیہ منع کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

۸ رجب ۱۳۹۱ھ

کپڑے کی سلائی میں دھاگہ اگر درزی کے ذمہ ہو سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ درزی کا قاعدہ یہ ہے کہ کپڑے کی سلائی میں دھاگہ کی قیمت رکھ لیتا ہے دھاگہ کی قیمت اوپر سے نہیں لیتا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال الشامی: ھٰذا ظاہر علی القول بان الخیط علی رب الثوب فی عرف صاحب الظھیریۃ، وأما علی عرف من قبلہ وھو عرفنا الآن من أنہ علی الخیاط اھ (ج ۵ ص ۔۔)

زمین کے اجارہ میں نقد کے ساتھ جنس ٹھہرانا سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بجائے اپنا کھیت مزروعہ کسی کاشتکار کو

---

(۱) ومثلہ فی الشامی ج ۳ ص ۔۔، ولفظہ شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفہوم والدلالۃ ووجوب العمل، بہ الفتاوی الخیریۃ ج ۱ ص ۔۔ والأشباہ

واسطے کاشت نیشکر کے دیا۔ اور کاشت کار سے یہ طے کر لیا کہ اس قدر روپیہ لگان کا لونگا، اور اُسی کھیت کی پیداوار کا اس قدر قند سیاہ لونگا۔ تو وہ قند سیاہ کاشتکار سے وصول کرنا اور اسکا کھانا اور کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زمین کے اجارہ میں نقد اور جنس کا ٹھہرانا جائز ہے بشرطیکہ جنس کی مقدار معلوم ہو۔ پس صورت مسئولہ میں اگر کاشتکار سے یہ کہا جائے کہ میں یہ زمین تم کو کاشت نیشکر کیلئے اتنے مہینہ یا سال کے واسطے اجارہ پر دیتا ہوں، اور اس اجرت میں اتنے روپئے سالانہ اور اتنی مقدار قند سیاہ سالانہ لوں گا تو یہ جائز ہے۔ مگر اسی کھیت کی پیداوار کا قند سیاہ مشروط کرنا درست نہیں۔ کرایہ میں تو مطلقًا یہ کہنا چاہئے کہ میں تجھ سے اتنا گڑ لوں گا، پھر رضامندی سے چاہے اُسی کھیت کی پیداوار سے لیلے، یا اور کھیت کی پیداوار سے لے لے۔ واللہ اعلم

۴ رجب ۱۳۳۰ھ

مکان کے کرایہ میں گڑ کی بھیلی مقرر کرنا | سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ خالد نے کچھ اراضی چند کاشتکاروں کو واسطے بنانے مکان کو اور نیشکر کے دیدی، اور ان سے یہ طے کر لیا کہ ہر کاشتکار سے ایک ایک بھیلی قند سیاہ کے لوں گا، تو وہ بھیلی قند سیاہ کی کاشتکاروں سے وصول کرنا، اور اس قند سیاہ کا کھانا، اور کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

محمد انعام اللہ خان
از موضع شیر پور ضلع میرٹھ
تحصیل باپوڑ ڈاکخانہ ــــــــ

ذ الاشباہ والنظائر ص۲۰۳، واحکام الاوقاف للزرقا فی ج ۱ رقم الفقرۃ: ۱۵۱، و القرائد البہیۃ فی القواعد الفقہیۃ ص۳۸ رقم القاعدۃ: ۱۸۹، والمدخل الفقہی العام للشیخ مصطفی الزرقاء ج۲ ص۱۰۲۵ رقم القاعدۃ ۱۰۲-۱۲، محمد عبد اللہ مجعفص غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولمن علیہ حق، المتخصص فی جامعۃ دار العلوم کراتشی ۱۴-۰۲-رجب ۱۴۱۵ھ

الجواب

مکان کے کرایہ میں گڑ کی بھیلی مقرر کرنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ مدت کرایہ معلوم ہو کہ یہ مکان اتنے ماہ کیلئے کرایہ پر دیتا ہوں اور بھیلی کی مقدار معین ہو کہ بھیلی اتنے سیر کی ہوگی۔ واللہ اعلم

۳۰ رجب ۱۳۴۱ھ

چونگی اور تہ بازاری کے محکمہ میں ملازمت کرنا

سوال:- حسب ذیل کام کرنے ہوتے ہیں ہر ایک کام سے متعلق جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

۱- مذبوح خانہ سے فیس جانور مذبوح پر وصول کرنی۔

۲- چوکی پر محصول فی راس یا فی گاڑی یا فی سر بوجھ وصول کرنا۔

۳- پھاٹک پر رہ کر جانوروں گائے بھینس وغیرہ کا محصول وصول کرنا۔

۴- دفتر میں رہ کر کاغذات جو چوکیات چونگی سے آتے ہیں ان کا حساب مکمل رکھنا۔

۵- دفتر دیگر میں رہ کر کام صرف تہ چونگی کرنا، احکامات جاری کرنا یا جو کام متعلق دفتر ہوں۔ ان کو ترتیب دینا۔

۶- بازار میں تہ بازاری فی ٹوکرہ یا فی خوانچہ شیرینی فروش یا میوہ فروش سے وصول کرنا۔

بندہ عبدالرحیم عفی عنہ
قصبہ جوالاپور۔ ضلع سہارنپور
متصل اوڑکی چوکی، چونگی

الجواب

ملازمت چونگی کے اکثر افعال خلاف شرع اور ناجائز ہیں لہٰذا فی نفسہ یہ ملازمت حرام ہے لیکن اگر اس نیت سے اسکو اختیار کیا جائے کہ مسلمان اس سے الگ ہو جائیں گے تو ان کی جگہ ہندو ملازم ہو کر مسلمانوں کو بہت تنگ کردیں گے، تو اس نیت سے یہ ملازمت کرنا امید ہے کہ باعث مواخذہ نہ ہوگی بشرطیکہ مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی، اور ضرر سے بچانے کی کوشش بھی کی جائے، محض اپنا ہی نفع مقصود نہ ہو۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد
۲ شوال ۱۳۴۱ھ

کارخانہ کے ایگریمنٹ اور مال جرمانہ کا حکم | **سوال :** جب کہ کارخانہ کے کاریگر جن کو پیشگی روپیہ دیا جاتا ہے اور ایک ایگریمنٹ (اقرار نامہ) لکھا جاتا ہے کہ اتنا روپیہ پیشگی لیا ہے اتنی تنخواہ پر کام کرینگے۔ یا اتنی قیمت پر اشیاء بنا کر دینگے، اور ایک سال یا چند سال میں ماہ بماہ اپنی تنخواہ یا مال کی قیمت یا اجرت میں سے رقم پیشگی ادا کرتے رہینگے۔

بعض اوقات چوری کرتے ہیں۔ مگر یہ یقینی نہیں معلوم ہوتا کہ کون چور ہے بعض ظنی و توی قرائن سے کسی شخص کا پتہ چل جاتا ہے تو اس کیلئے میں یہ کرتا ہوں کہ اپنا نقصان پورا ہونے کے وقت تک تنخواہ میں تنزل کر دیتا ہوں۔

جواب

جب یقین نہیں تو جس متہم کی تنخواہ میں تنزل کیا گیا ہے وہ اس تنزل کی حالت پر محض ایگریمنٹ لکھ دینے کی وجہ سے مجبور ہے تو وہی صورت جبری جرمانہ والی ہو گیا۔ اگر تنزل اسطرح ہوتا کہ اگر وہ چاہتا تو اس حالت تنزل پر راضی نہ ہوکر جہاں چاہے چلا جاتا۔ آپ کی طرف سے مجبور کرنے والی کوئی بات نہ ہوتی تو البتہ یہ جرمانہ کی حد سے نکل جاتا۔

بقیہ سوال۔ ان پر بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ تم پر جرمانہ ہے، اور جب میرا نقصان پورا ہو جاتا ہے تو کسی اور سے کہتا ہوں کہ تم اضافہ تنخواہ و عفو تقصیر کی سفارش کرو۔ چنانچہ اسکی سفارش پر پھر بحال کر دیتا ہوں۔ آیا یہ صورت شرعاً صحیح ہے ؟

الجواب : اوپر کی تقریر سے جواب ظاہر ہے۔

سوال : بعض وقت کسی ٹھیکہ پر کام کرنے والے کیلئے یہ کرتا ہوں کہ کرایہ کارخانہ کے نام سے کچھ تاوان لے لیتا ہوں اور یہ کہہ بھی دیتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے کارخانہ کو نقصان ہوا لہذا تمہیں اس کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔

الجواب : جو ٹھیکیدار آپکے کارخانہ میں کام کرتے ہیں کارخانہ میں کام کرنے سے ان کو نفع ہے یا آپکو نفع ہے، غالباً ان کو تو اپنے گھر میں کام کرنے میں زیادہ راحت ہوگی کارخانہ میں کام کرنے سے آپکا نفع ہے کہ سارا کام سامنے تیار ہوتا ہے۔ تو پھر اس حالت میں ٹھیکہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کا کیا مطلب ؟ اجارہ تراضی طرفین سے ہوتا ہے۔ یہاں فریق ثانی محض معاہدے سے مجبور ہوکر کرایہ دیتا ہے کہ خوشی سے

بقیہ سوال :- تنخواہوں میں حسب شرح اقرار نامہ کی آگے اضافہ و ترقی بھی

ہو چکی ہے، اور میں احتیاطاً تنزلاً بھی، تنا کرتا ہوں جتنا اضافہ کیا ہے کیونکہ پیشگی اجرت لینے کے بعد اجیر شرعاً اُسی اجرت کا مستحق ہے جو اس سے بوقت معاہدہ طے ہو چکی ہے، اب اسپر اضافہ یہ محض میرے کرم پر ہے، اسکا کوئی حق اضافہ کا نہیں ہے۔ اس صورت میں میں ابتک جرمانہ کو جائز سمجھتا ہوں۔

الجواب

اگر شرح اقرار نامہ میں یہ معاہدہ طے ہو، مثلاً کہ ہر سال پانچ روپیہ کی ترقی ہوگی، اور کاریگر آپکے یہاں آتے ہی چار سال کی تنخواہ پیشگی لے لے۔ اس صورت میں صرف پہلے ہی تنخواہ کا مستحق کیوں ہے، ہر سال کے اضافہ کا مستحق کیوں نہیں؟ پس اس قول کی کچھ دلیل نہیں کہ (پیشگی اجرت لینے کے بعد) اجیر شرعاً اُسی اجرت کا مستحق ہوتا ہے جو اس سے بوقت معاہدہ طے ہو چکی ہے اھ

بقیہ سوال:۔ مگر جو صورت مشتبہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر معاہدہ کی شرائط پر اضافہ کیا گیا ہو تو جرمانہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے اگرچہ آج تک مجھے ایسا اتفاق پیش نہیں آیا۔

الجواب

اضافہ ہو یا نہ ہو، جرمانہ بہر صورت درست نہیں۔

امامت نماز کی تنخواہ کا حکم | **سوال:۔** امامت نماز کی تنخواہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

امامت کی تنخواہ حسب فتویٰ متأخرین جائز ہے جبکہ شرائط اجارہ سب متحقق ہوں، مثلاً کام کا متعین ہونا، مدت کا معلوم ہونا، تنخواہ کا معلوم ہونا وغیرہ وغیرہ

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۲ر شعبان ۱۳۴۲ھ

تراویح سنانے پر اجرت لینے کا حکم | **سوال:۔** جواز چندہ کے تمام شرائط کی رعایت کرنے پر تراویح کے روپے لینا ان مصارف کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو شخص مسجد کا امام معین نہیں اسکو محض تراویح سنانے پر کچھ روپیہ لینا ناجائز ہے۔ اور اگر امام مسجد ہے تو اسکو محض تنخواہ معینہ کا لینا جائز ہے۔ تراویح سنا کر اس سے زیادہ لینا ناجائز ہے خواہ کسی غرض کیلئے لیا جائے۔ رہا یہ عذر کہ لوگ محض خوشی سے ہدیۃً دیتے ہیں، تراویح کا عوض نہیں دیتے، سراسر غلط تاویل ہے۔ اگر یہ بطیب نفس ہے عوض تراویح نہیں تو اور ایام میں کیوں نہیں دیتے؟ اور بدون تراویح سنے کیوں نہیں دیتے؟ ۔ (تاریخ بالا)

شراب کی بھٹی کے واسطے اپنا مکان کرایہ پر دینے کا حکم | **سوال**:- ایک مسئلہ زیر بحث ہے، اور تسکین نہیں ہوتی، حالانکہ بحر الرائق وغیرہ میں دیکھا گیا مگر جواب شافی نہ ملا۔ صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے جو مسلمان ہے اپنا مکان شراب کی بھٹی کیلئے کرایہ کو دیا اور مکان کے کرایہ کی حیثیت تخمیناً دو روپیہ، مگر شراب کی بھٹی کے واسطے جو دیا ہے تو مبلغ تیس روپیہ کرایہ وصول ہوتا ہے۔ اور پڑوس کے مسلمانوں کو بہت سخت تکلیف واقع ہوتی ہے۔ مولوی حامد رضا خان سے اس مسئلہ کیلئے بعض اشخاص نے رجوع کیا تو انہوں نے جائز کہدیا ہے، حالانکہ اس سے بہت شر پھیلنے کا احتمال ہے۔ چنانچہ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مسئلہ کی اگر صورت جزئیہ حضور کی نظر سے گذری ہو تو تحریر فرمائیے ورنہ قیاس اور جواز وعدم جواز پر دلیل بیان فرما دیجئے۔ وہ شخص دلیل پکڑتا ہے: صح إجارة الدور و الحوانيت بلا بيان ما يعمل فيها، إلا أنه لا يسكن حداداً او قصاراً او طحاناً الخ۔

محمد سرور خان
شہر بریلی۔ محلہ کوہاڑا
برنائی پریس

الجواب واللّٰه الموفق للصواب

(و) جاز إجارة بيت بسواد الكوفة أي قراها لا بغيرها على الأصح و أما الأمصار وقرى غير الكوفة فلا يمكنون لظهور

شعار الاسلام فيها، وبخمس سواد الكوفة، لأن غالب أهلها أهل الذمة فتحدث ثمة بيعة أو يباع فيه الخمر. وقالا: لا ينبغي ذلك، لأنه إعانة على المعصية، وبه قالت الثلاثة. زيلعي. درمختار مع الشامي ج۵

یہ مکان جس محلہ میں ہے اگر اسمیں غالب آبادی مسلمانوں کی ہے تو اسمیں مکان کو شراب کی بھٹی کیلئے کرایہ پر دینا اتفاقاً حرام ہے اور اگر اس محلہ میں غالب آبادی کفار کی ہے، تو امام صاحبؒ کے قول پر یہ اجارہ درست ہے۔ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اسوقت بھی حرام ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۲ھ
از تھانہ بھون

تعمیر مسجد کے واسطے کافر کو مزدوری پر لینے کا حکم

سوال: مسجدوں کی عمارت کے کام پر غیر مذہب آدمی ہندو وغیرہ مزدوری کے ساتھ لگایا جائے یا نہ؟

الجواب

جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۲ھ

گورنمنٹ کی جانب سے قاضی کیلئے کابین وغیرہ کے مقرر کردہ رجسٹری فیس لینے کا حکم

سوال: حضرت مخدومنا المطاع السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گذشتہ محرم الحرام کو میں نے حضور کی خدمت میں ایک عرض لکھی تھی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ میں گورنمنٹ کی طرف سے منصب قضاء پر متعین ہوا ہوں امید ہے اس کمینہ کو اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے، پھر حالات عہدہ متعلق فیس مقررہ از گورنمنٹ آئندہ تفصیلاً عرض کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ جسپر حضور نے فرمایا تھا کہ لیکن بدون تفصیل چہ حکم شرعی دادہ شود۔ بناءً علیہ تفصیل درج کرتا ہوں۔

تفصیل: آج کل گورنمنٹ نے ایسا قانون کیا ہے کہ جس ضلع کا محکمہ اور

علاقہ میں سب رجسٹری آفس (واسطے رجسٹری ہونے تبایارا ور قبولیت وغیرہ ہر قسم دیا ل کے) کھولتا ہے، وہاں ساتھ ساتھ ایک قاضی آفس (واسطے رجسٹری کابین اور طلاق اور خلع کے) کھولتا ہے۔ سب رجسٹرار کی تنخواہ مقرر ہوتی ہے جو گورنمنٹ اپنی طرف سے ادا کرتی ہے۔ اور سب رجسٹرار آفس کا کل خرچہ بھی گورنمنٹ کے ذمہ ہوتا ہے اور قاضیوں کی تنخواہ مقرر نہیں، کابین وغیرہ رجسٹری کرکے جو فیس ملتی ہے بس وہی ان کی تنخواہ ہے اور قاضی آفس کا کل خرچہ یہاں قاضیوں کے ذمہ ہے۔ لیکن ہر چند کہ کابین اور طلاق اور خلع رجسٹری کرنے کو قاضی مقرر کیا ہے تاہم سب رجسٹراروں کا بھی کابین وطلاق و خلع رجسٹری کرنے کا اختیار باقی رکھا ہے۔ پس سب رجسٹرار کابین یا طلاق یا خلع رجسٹری کرنے کی فیس موافق تعداد مہر کے دو یا تین یا چار روپیہ وصول کرتا ہے، اور وہ گورنمنٹ کو ملتے ہیں۔ مگر قاضیوں کے واسطے فی کابین وغیرہ ایک روپیہ رجسٹری فیس مقرر کردیا ہے اور وہ فیس خود قاضیوں کو ملتی ہے وہی ان کی تنخواہ ہے، لیکن پھر بھی تحریری حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص قاضیوں کو فیس مقررہ ایک روپیہ سے زائد بطور سلامی ونذرانہ کے کچھ دے۔ تو قاضی اس کو لے سکتے ہیں جاہے جتنا دے، ایک روپیہ یا دو روپیہ یا زیادہ۔

اور حال یہ ہے کہ عوام الناس اور لاعلم لوگ کابین یا طلاق یا خلع رجسٹری کرانے کو جب آتے ہیں تو پہلے سب رجسٹرار سے دریافت کرلیتے ہیں کہ اس کی کتنی فیس ہے؟ پس سب رجسٹرار اپنے قواعد کے موافق جتنا کہہ دیتا ہے بس قاضی صاحب کے پاس آکر اتنا ہی ادا کر دیتے ہیں، اور رجسٹری کرا لیتے ہیں لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ قاضی آفس میں ایک روپیہ فیس مقرر ہے تو ایک روپیہ سے زائد دینے پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ حجت اور تکرار کرتے ہیں مگر جب ان کو اچھی طرح یہ سمجھا دیا جاتا ہے کہ بھائیو! تم سب رجسٹرار آفس میں بخوشی اتنا اور دیتے ہو حالانکہ وہ گورنمنٹ کو ملتے ہیں اور حالانکہ محنت اور کام دونوں جگہ برابر ہے۔ دیکھو یہاں قاضی صاحبوں کا ذمہ کس قدر خرچہ ہے کہ بیچاروں کو آفس بنانا، کرسی، میز وغیرہ وغیرہ، غرض رجسٹری کے متعلق جتنی چیزوں کی ضرورت ہے سب کچھ اپنی طرف سے مول لینا ہوتا ہے پھر رجسٹری بھی ہر موسم میں نہیں ہوتی ہے، بلکہ کبھی تین چار مہینے یا اور زیادہ ویسا ہی بالکل

بھاری جماعت میں بسر ہو جاتی ہے کہ ان اوقات میں شادی بیاہ نہ ہونے کی وجہ سے رجسٹری بالکل نہیں ہوتی۔ لیکن قاضیوں کو ہر وقت تعینہ رہنا پڑتا ہے۔ اور کاتبوں کی تنخواہ برابر چلتی ہے۔ پس تم اگر ہم لوگوں (قاضیوں) کو ایک روپیہ سے زائد دو گے تو ہمارا کام ایسے چلے گا۔ پس آدمی بخوشی زائد دیتے ہیں۔

میں تو چند روز سے ہوں۔ آفس بھی گیا ہے۔ بعض قاضی صاحبوں کی زبانی یہ بھی معلوم کیا ہے کہ اگر ایک روپیہ سے زائد لے کر سلامی یا نذرانہ کے خانہ خالی چھوڑ دیا جائے۔ تو گورنمنٹ کے صاحبوں کے آفس تدارک کرتے وقت اس خانہ کو خالی دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں کہ خانہ خالی کیوں چھوڑا۔ پس اس سے گورنمنٹ کی رضا زائد از ایک روپیہ لینے کی ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ آج آٹھ دس برس سے قاضیوں سے فی کابین وغیرہ تین چار روپیہ تک لے رہے ہیں۔ اور گورنمنٹ اسکو دیکھ رہی ہے پھر آج تک کوئی اعتراض یا ممانعت نہیں کی گئی۔ پھر قاضیوں کو برس کے اخیر میں حساب دینا ہوتا ہے کہ اس برس میں کتنی دلیلیں رجسٹری ہوئی ہیں؟ اور فیس کتنی؟ اور نذرانے کتنے وصول ہوئے ہیں؟ تو وہ لوگ حساب اس طرح دیتے ہیں۔ تعداد دلیل ۲۰۰ مثلاً۔ تعداد فیس ۲۰۰ روپیہ۔ تعداد سلامی و نذرانات ۵۰۰ روپیہ مثلاً یا ۶۰۰ روپیہ۔ مجموعہ کذا کذا۔ جب گورنمنٹ تمہیں کچھ اعتراض نہیں کرتی۔ تو یہ ان کی رضا کی صاف اور بین دلیل ہے۔ گویا گورنمنٹ بعبارت دیگر یوں حکم دیتی ہے کہ ایک روپیہ سے کم نہ لیا جائے اور زائد جتنے کا مضائقہ نہیں چاہے جتنا ہو۔ لیکن زائد کو فیس کے خانہ میں نہ رکھا جائے بلکہ سلامی و نذرانہ کے خانہ میں ثبت کیا جائے۔

اب عرض یہ ہے کہ جب گورنمنٹ اپنے واسطے نسب رجسٹری کے ذریعہ فی کابین و طلاق و خلع تین چار روپیہ تک وصول کرواتی ہے مگر قاضیوں کو لفظاً ہر ایک روپیہ لینے کا حکم دیتی ہے حالانکہ کام اور محنت برابر ہے دونوں میں۔ اور رقم سلامی و نذرانہ لینے کی بھی اجازت ہے۔ نہ لینے پر اعتراض بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ پس قاضی اگر اس اجازت و رضا کی رو سے اور اپنے خرچ اور محنت کی طرف نظر کرکے لوگوں کو سمجھا بجھا کر زیادہ یوں ہی فیس مقررہ ایک روپیہ سے زائد لے تو

اسکا کیا حکم ہے؟ جائز ہو گا یا نہیں؟

اکثر لوگ قاضی آفس میں باوجود کم خرچی کے رجسٹری نہ کروا کر سب رجسٹری آفس میں زیادہ خرچ دیکر بھی رجسٹری کروانا چاہتے ہیں، لیکن سب رجسٹرار کے انکار کرنے یا ترغیب سے، یا قاضیوں کے سمجھانے پر یا کسی وجہ سے قاضی کے پاس آتے ہیں، مگر یہاں زائد دینے میں حجت اور تکرار کرتے ہیں اور وہاں بطیب خاطر ادا کرنے کو مستعد ہوتے ہیں۔ پس جب وہاں اپنی خواہش سے زیادہ دینے کو تیار رہتے ہیں اگر یہاں ان سے سمجھا بوجھا کر یا یوں ہی اسی قدر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ حالانکہ کام اور محنت دونوں جگہ برابر ہے۔ اگر کوئی شخص قاضی آفس میں جا کر رجسٹری نہ کروا کے اپنے گھر میں قاضی صاحب کو بلائے تو اسکی کمیشن فیس قاضی صاحب کو جس قدر چاہے لینے کا حکم گورنمنٹ نے دیا ہے اور حالانکہ اسمیں دو چار قدم چلنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر اسمیں اختیار دیا ہے کہ زیادہ میں، لیکن رجسٹری فیس ایک روپیہ معین کر دیا ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ: سکے حکم پر جواز و عدم جواز کا مدار ہے یا کیا ہے؟ اور اسکا حکم (یعنی رجسٹری فیس ایک روپیہ مقرر کر دینا بمنزلہ تسعیر ہے یا نہیں؟ قاضیوں کو اس عمل میں جائز ہے یا نہیں کہ لوگوں کو سمجھا بوجھا کر، یا یوں ہی اپنی محنت اور خرچ کے اندازے سے زائد لے لیں۔ بنگال کے سب قاضی صاحبوں کو دیکھا یا سنا گیا کہ سب کے سب زائد لیتے ہیں۔ میں نے چند قاضی صاحبان سے زائد لینے کی وجہ پوچھی، تو انھوں نے جواب دیا کہ جب گورنمنٹ سب رجسٹراروں کے ذریعہ کابین وغیرہ میں وصول کرواتا ہے اور لوگ بخوشی ادا کرتے ہیں، اس لئے ہم بھی اپنے واسطے اسی قدر لیتے ہیں کیونکہ کام اور محنت برابر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ تو زیادہ لیں اور ہم کم؟ اور کیوں لوگ وہاں زیادہ دیں اور یہاں کم۔ والناس علی دین ملوکہم۔ گورنمنٹ بھی تو کوئی کچھ زیادہ لینے سے ممانعت نہیں کرتی اور زیادہ لینے بغیر ہمارا گزارا بھی نہیں ہے۔

حضرت سے درخواست کہ اس جواب کی حقیقت سے مطلع فرمائیں۔

مولانا عبدالودود اسلام آبادی "واقعات ودود" میں لکھتے ہیں

"در هر امر یکہ عامہ مردمان دریاں مبتلی باشند ودر منع آں مراوشاں را ضیق د

دو شوار نیست و آن امر حرام یا منصوصاً مجمعاً علیہ نیست پس باید کہ فتویٰ با باحت و حلت آن امر بدہد انتہیٰ درج احسن اسلطبع برکتی۔

قاضیوں کو اس دلیل سے کچھ نفع پہنچتا ہے یا نہیں۔ حضور! چونکہ میں بھی عہدۂ قضا پر متعین ہوں۔ اور اس مسئلہ کے حکم شرعی میں مجھکو تردد ہے لہٰذا حضور کو تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں۔ تاکہ حضور سے جواب پاکر مطمئن ہو جاؤں۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم۔ و أرنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعاً و أرنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتناباً۔ آمین۔

کمترین عقیدت مند سید عبدالرؤف عفاعنہ حنفی مسنہٹی

الجواب

صورت موجودہ میں جو سوال میں مذکور ہے جب قاضیوں کی تنخواہ مقرر نہیں بلکہ فی رجسٹر ایک روپیہ ان کی اجرت مقرر کی گئی ہے تو قاضیوں کا رجسٹری کرنا ایک عمل ہے جسکی اجرت برضاء متعاقدین جو کچھ مقرر ہو جائے جائز ہے۔ گورنمنٹ کا ایک روپیہ اسکی اجرت مقرر کرنا داخل تسعیر ہے جو شرعاً واجب العمل نہیں خصوصاً جب گورنمنٹ اس سے زیادہ لینے کی اجازت دیتی ہے تو اس میں اب تو کچھ حرج بھی نہ رہا۔ لہٰذا رجسٹری کرنے والے قاضیوں کو اپنے عمل رجسٹری کے معاوضہ میں ایک روپیہ سے زائد معاوضہ لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ صاحب حاجت کو یہ دھوکہ دینا کہ فیس رجسٹری ایک روپیہ سے زیادہ ہے اسکو بتلائی جائے یا اسطرح گفتگو کی جائے جس سے وہ یہی سمجھے جائز نہیں۔ بلکہ اس سے صاف کہدیا جائے کہ قانوناً تو فیس ایک روپیہ ہے مگر میں اسپر راضی نہیں ہوں بلکہ اس سے زیادہ لوں گا۔ تمہارا جی چاہے کرا لو یا نہ کراؤ! اسکے بعد اگر وہ ایک روپیہ سے زائد دینے پر راضی ہو جائے تو زائد درست ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع ۹ صفر ۱۳۴۳ھ

اسیطرح صاحب معاملہ کو ایسا دھوکا دینا کہ وہ رجسٹری کو لازم سمجھے یہ بھی جائز نہیں۔ اشرف علی

مسئلہ اجرت علی الطاعات **سوال:** علماء و فقہاء مدقق اندرین مسئلہ چہ می فرمایند کہ فقہاء در بسیار کتب فقہ اجرت علی الطاعات والقربات جائز نوشتہ، چنانکہ در کتب ذیل اجرت علی الطاعات والعبادات بقول مفتی بہ جائز و لازم برنگاشتہ، و در بعض کتب عدم جواز اجرت بر مذہب عامۃ المتاخرین نیز مذکور است، آیا این قول مفتی بہ صحیح است یا نہ، و در صحت و عدم صحت چہ دلیل است، و متقدمین بفتوی وظیفہ عدم صحت بقول الفقہاء و اتفاقہم دون التمسک بالکتاب والسنۃ، چنانکہ و فتوی حاضر است برآن فتوی فقہاء علما تواند کرد یا نہ، بینوا بالدلائل الواضحۃ والبراہین الساطعۃ و تفضلوا فی الجواب توجروا یوم الحساب

(۱) شرح الملتقی: و تبطل الاجارۃ عند المتقدمین علی الطاعات کالاذان والحج والامامۃ و تعلیم القرآن والفقہ و قراءتہما و یفتی الیوم ای المتاخرون بجواز الاجارۃ علی ہذہ الطاعات للفتوی لتغیرات و منع العطیات۔ انتہی

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: و جواز الاستیجار علی قراءۃ القرآن علی القبور مدۃ معلومۃ۔ انتہی (صفحہ ۳۴۵)

(۳) بحر الرائق: ان المفتی بہ جواز اخذ الاجارۃ علی القراءۃ۔ انتہی

(۴) جامع الرموز: تبطل الاجارۃ عند المتقدمین للعبادات کالاذان والامامۃ والتذکیر والتدریس والحج والغزو و تعلیم القرآن والفقہ و قراءتہما و یفتی الیوم ای المتاخرون بصحتہا ای الاجارۃ لہذہ العبادات۔ انتہی

(۵) مولانا شاہ عبد العزیز مرحوم در فتاوی عزیزی فرمودہ: تعلیم قرآن اگر بوجہ طاعت باشد بنا بر قصد مباحی کہ خواندن قرآن اجر کہ گیرد مثل رقیہ و تعویذ و ختم بعض سور قرآنی برائے حصول مطالب دنیوی یا برائے مستخلص شدن از عذاب گور پیش از زندہ باشد بصوت خوش، و این قسم نیز جائز است بلا کراہت۔ و ہمین است مراد این حدیث: ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ۔

(۶) در مختار: ينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية لمن يقرأ عند قبره بناءً على القول بكراهة القراءة على القبور أو لعدم جواز الإجارة على الطاعات، أما على المفتى به من جوازها فينبغي جوازها مطلقاً. انتهى.

(۷) عالمگيرية: اختلفوا في الاستئجار على قراءة القرآن على القبر مدة معلومة. قال بعضهم: لا يجوز. وقال بعضهم يجوز. وهو المختار.

(۸) قنيه: الأصح أنه يجوز الاستئجار على الطاعات.

یہ کتاب فتاوٰی حنفیہ میں ہے۔ اسکا مصنف ابراہیم بن عبدالرحمٰن کرکی۔ مصنف نے کہا کہ اس کتاب میں میں نے انہیں مسائل کو بیان کیا ہے جو راجح اور معتمد تھا۔ کذا فی رد المحتار والکشف۔

(۹) استاد عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں: ولو أن حكوم من أخذ شيئاً من الدنيا لجعل شيئاً من عبادته للمعطي، و ينبغي أن لا يصح. قال الوالد رحمه الله تعالى: وفيه نظر، بل إطلاق ما سبق يقتضي الصحة. انتهى.

عبدالغنی نابلسی علامہ شامی کے استاد ہیں۔ اور دمشق شام کے مفتی تھے۔ کذا فی العقود الدرایہ۔

(۱۰) حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ: من تلا القرآن أو ذكر الله تعالى لوجه الله، وأخذ شيئاً من الدنيا وجعل عبادته لله للمعطي جاز، ووجهه: أن أخذ الدراهم صدقة من المعطي، وأخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطي. انتهى ملخصاً۔

(۱۱) ابن شحنہ شرح وهبانیہ: المسألة في التجنيس والمزيد وهي فرع لقول عدم جواز أخذ الأجرة على القربات. الفتوى على الجواز، وهو اختيار المتأخرين واختيار مشائخ بلخ. والمتقدمون على المنع وقد صرح بأن الفتوى على جواز أخذ الأجرة على القربات۔

---

(۱۲) ربع افادات: ومن أخذ شيئاً من الدنيا بجعل شيئاً من عبادته للمعطي، ينبغي أن يصح. ولا فرق بين الفرض والنفل. فإذا صلى فريضة، وجعل ثوابها لغيره، صح. لكن لا يعود الفرض إلى ذمته. انتهى. فقد جوز أخذ الأجرة على جميع الطاعات: مصنف شيخ عبد الغني نابلسي۔

(۱۳) حموی علی الأشباه: الوصية بالقرأة إنما بطلت لعدم جواز الإجارة على القرأة، وينبغي أن تكون صحيحة على المفتى به من جواز الإجارة على الطاعات، كما هو مذهب عامة المتأخرين.

(۱۴) فتاوی کازرونی: في البزازية: أوصى لقارئ القرآن ليقرأ عند قبره. فالوصية باطلة اهـ وهو محمول عند المتقدمين على جواز أخذ الأجرة على القرأة. أما على المفتى به فينبغي الجواز.

(۱۵) مجموعہ علی آفندی عمادی: القول ببطلان الوصية مبني على القول بكراهة القرأة على القبور، أو لعدم جواز الإجارة على الطاعات. أما على المفتى به من جوازهما فينبغي جواز ذلك. أقواله معتبرة مذكورة في العقود الدراية، ورد المحتار شامی۔

(۱۶) مولانا عبد الحق مرحوم محدث دھلوی در مدارج النبوۃ نوشتہ فتوی دادہ است قاضی حسین کہ استیجار برائے قرأۃ بر سر قبر جائز است چنانکہ استیجار برائے اذان و تعلیم قرآن۔ انتہی۔

(۱۷) الجوهرة النيرة: اختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن، قال بعضهم لا يجوز، وقال بعضهم يجوز، وهو المختار۔

(۱۸) فتاوی هندیه: اختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن عند القبر مدة معلومة، قال بعضهم لا يجوز، وقال بعضهم يجوز، وهو المختار۔

(۱۹) فتاوی حامد آفندی: في المبسوط: رجل قال للقارئ: اختم القرآن لي، أو لأبي، أو لأمي، ولم يسم شيئاً من الأجر، وختمه، يجب على

الآمر أجر المثل للقاري. و هو ما نطق به النص: أعني أربعين درهماً. ورد به الحديث. وليس له أن يأخذ أكثر من أربعين درهماً شرعياً.

بجز کتب مذکورہ مذیورہ در کتب ذیل نیز اجرت علی الطاعات جائز ست.

(۲۰) فتاوی ابوسعود عمادی (۲۱) مجمع الفتاوی (۲۲) فتاوی عبد الرحیم آفندی (۲۳) فوائد طوریہ (۲۴) محقق ابن کمال پاشا کے فتاوی میں نقلاً عن الظہیریۃ (۲۵) مہمات الفتوی مولفہ ابن کمال پاشا میں تفسیر کو اسحٰق سے منقول ہے کہ قرآن کی اجرت عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی چار دینار تھے، ایک دینار دس درہم کا۔

(۲۶) - تکملہ البحر (۲۷) خزینۃ الاسرار میں بھی "درر" سے "مہمات الفتاوی" کو یہی مضمون منقول ہے۔ یہ مضمون کتاب ملا خسرو کی تصنیف ہے اور معتبر کتاب ہے۔ کذا فی رد المحتار و عمدۃ الرعایۃ (۲۸) در تحت زیر حاشیہ طحطاوی نقلاً عن المبسوط وغیرہا۔

و دیگر گذارش این ست کہ در ہدایہ و در المختار و حامدیہ و فتح القدیر وغیرہا اجرت علی الطاعات حرام یافتہ شود. مگر بر خلاف نص "من أخذ قوساً على تعليم القرآن قلده الله قوساً من نار" برائے معلم قرآن و فقہ، و مؤذن و امام ضرورۃً بقول مفتی بہ اجرت جائز نوشتند. اذان و جماعت سنت مؤکدہ است برائے ادائے سنت اجرت جائز نوشتند حالانکہ نماز جنازہ فرض کفایہ است، در آن اجرت ناجائز. ما السبب فيه؟

المسئول: در بسیار کتب فقہ فتوی جواز و عدم جواز یافتہ شود. پس کدام فتوی صحیح و واجب العمل است. فقط.

الجواب

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب یہ ہے: ان كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها. لقوله صلى الله عليه وسلم "اقرأوا القرآن ولا تأكلوا به". رواه أحمد وأبو يعلى والطبراني والبيهقي في الشعب عن عبد الرحمن بن شبل الأنصاري، ورجاله ثقات.

کذا فی العزیزی (ج ۱ صلہ)

وفی آخر ما عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی عمرو بن العاص: وإن اتخذت مؤذنا فلا تأخذ علی الأذان أجرا اھ ولأن القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل، فلا یجوز لہ اخذ الأجر من غیرہ کما فی الصوم والصلوٰۃ۔ ھدایۃ اھ من رد المحتار (ج ۵ ص ۳۳)

قلت: حدیث عمرو بن العاص أخرجہ أبو داؤد، والنسائی، والترمذی، وحسنہ، ولفظہ: اتخذ مؤذنا لا یأخذ علی الأذان أجرا اھ کذا فی الزیلعی (ج ۵ ص ۱۲۴)

اسی لئے اصل مذہب عدم جواز اخذ اجرت علی الطاعات ہے کما صرح بہ فی المتون۔ پھر متأخرین نے یعنی مشائخ بلخ نے امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے خلاف بعض طاعات پر اجارہ کو جائز کیا، کما فی الھدایۃ: واستحسن بعض مشائخنا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ، ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن۔ وعلیہ الفتویٰ اھ ھدایہ میں صرف تعلیم قرآن کے استثنا پر اکتفا کیا ہے، اور متن کنز اور متن مواہب الرحمٰن اور بہت سے متون میں بھی اسی پر اکتفا کیا ہے۔ اور مختصر وقایہ اور متن اصلاح میں تعلیم فقہ کو بھی بڑھایا۔ اور متن مجمع میں امامت کو زیادہ کیا۔ اسی طرح متن ملتقی و درر بحار۔ میں بھی امامت کو ذکر کیا ہے، اور باقی متون میں اذان و امامت کو بھی ذکر کیا ہے۔ ذکر کل ذلک فی الشامیۃ (ج ۵ ص ۳۵)

یہ وہ امور ہیں جن پر اجارہ کو متأخرین نے جائز کہا ہے اور علت جواز میں ضرورت کو ذکر کیا ہے کہ ان کے بغیر دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اسلئے بضرورت اسمیں جواز اجرت کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ متون معتبرہ اور شروح فقہ میں ضرورت ہی کے ساتھ جواز کو ان امور میں معلق کیا ہے اسی سے صاف ظاہر ہوا کہ متأخرین کے نزدیک ہر طاعت پر اجرت متفق پر نہیں۔ بلکہ صرف انہیں امور میں جواز مفتی بہ ہے جن میں حفظ دین کیلئے اجازت اجرت کی ضرورت ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ متون و شروح کے مقابلہ میں کتب فتاویٰ کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ پس جن روایات سے سوال میں جواز اجرت علی جمیع

الطاعات پر استدلال کیا گیا ہے وہ متون مذاہب اور شروح کے مقابلہ میں ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ورنہ پھر نماز اور روزہ پر بھی اجرت کو جائز کہہ دیا جاوے کہ کسی شخص کو نماز پڑھنے کیلئے نوکر رکھ لیا۔ یا روزہ کے واسطے نوکر رکھ لیا کہ وہ نماز اور روزہ نفل پڑھ پڑھ کر موجر کو بخشا کرے۔ وھذا لا یقول بہ أحد من مشایخنا لا المتقدمین ولا المتأخرین۔ پس اخذ اجرت علی قرأۃ القرآن حنفیہ متقدمین ومتاخرین دونوں کے نزدیک حرام وناجائز ہے۔ موجر واجیر دونوں گنہگار ہیں۔ اور میت کو اس قرأت سے کچھ بھی ثواب نہیں ہوتا۔ کیونکہ نیت دنیا سے قاری ہی کو ثواب نہیں ملا تو مہدی لہ کو کہاں سے ملیگا۔

رہا حدیث لدیغ سے جسکو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے جواز اجرت علی الطاعات پر استدلال محض غلط ہے کیونکہ اس سے صرف رقیہ اور جھاڑ پھونک پر جواز اجرت مستفاد ہوتا ہے۔ اور رقیہ طاعات نہیں ہے گو قرآن ہی سے ہو۔ بلکہ وہ مثل طب کے ایک طریق علاج ہے۔ یہ خلاصہ ہے اس تحقیق کا جسکو علامہ شامی نے باب الاجارۃ ج ۵ صفحہ ۳۲-۳۳-۳۴ میں ذکر کیا ہے اور علامہ موصوف نے اس مبحث پر ایک مبسوط رسالہ[ع] تقریباً پانچ جز میں تالیف فرمایا ہے۔ جس میں پچاس سے زیادہ متون مذہب وشروح فقہ وفتاوی معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ متاخرین نے مطلقاً جواز اجرت علی الطاعات کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ محض امور ضروریہ میں جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اخذ اجرت علی قرأۃ القرآن متقدمین ومتاخرین دونوں کے فتوی سے حرام وناجائز ہے۔ کیونکہ اسمیں جواز اجرت کی طرف کوئی ضرورت داعی نہیں۔ اسلئے وصیت بالذکر والتہلیل وقرأۃ القرآن بھی باطل ہے۔ اسی رسالہ میں ان تمام روایات کا کافی جواب اور رد نقل کیا ہے جو سوال میں مذکور ہیں۔ اسکو مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ھذا واللہ اعلم

حررہ العبد الفقیر الی اللہ تعالیٰ الصمد عبدہ المذنب ظفر احمد وفقہ اللہ للتزود لغد
یوم الخمیس [illegible] بالرباط المبارک المعروف بالخانقاہ الامدادیہ۔ تھانہ بھون۔

ع اس رسالہ کا نام شفاء العلیل وبل الغلیل ہے جو مجموعہ رسائل ابن عابدین میں شامل ہے۔ اس رسالہ پر علامہ طحطاوی محشی درمختار کی تقریظ وتصویب ہے۔ منہ

ایجنسی کے بارے میں چند سوالوں کے جوابات | **سوال :-**

..... ایک صابون کے کارخانہ والے کو ایجنٹوں کی ضرورت ہے، کارخانہ والے نے ایجنٹوں کے واسطے شرائط ذیل تجویز کئے ہیں، ان میں کوئی شرط خلاف شرع شریف تو نہیں ہے؟ اور اگر کوئی شرط ایسی ہے تو بتلائے۔ سکے کوئی اور شرط ایسی ہو سکتی ہے یا نہیں جس سے وہ ضرورت پوری ہو سکے جسکے لئے وہ شرط مقرر کی گئی ہے؟ اس واسطے ان ضروریات کا بیان بھی شرائط کے ساتھ کیا جائیگا۔

دفعہ ۱ - ایجنٹ دو قسم کے ہو سکتے ہیں تنخواہ دار یا کمیشن پر کام کرنے والے۔

دفعہ ۲ - قسم اول یعنی تنخواہ دار ایجنٹ کی تنخواہ ۱۵؎ ماہوار سے ۵۰؎ ماہوار تک حسب لیاقت یا کارگزاری ہوگی۔ اور علاوہ تنخواہ کے سفر خرچ ملیگا، اور ایک روپیہ یا دو روپیہ کمیشن فیصدی دیا جائیگا یعنی اگر ان کی کوشش سے مہینہ میں پانچ سو روپیہ کی درخواستیں آئیں تو پانچ روپیہ یا دس روپیہ حسب قرارداد ایجنٹ کو علاوہ تنخواہ اور سفر خرچ کے ملیگا۔ اس کمیشن فیصدی کے مقرر کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ ایجنٹ کام شوق سے کرے۔ اسپر ایک صاحب کو یہ اشکال ہے کہ یہ کمیشن اجرت میں داخل ہے۔ اور اسکی مقدار مجہول ہے۔ نہ معلوم ایجنٹ کتنی درخواستیں بھیج سکے اور کتنی اجرت کا مستحق ہو؟

الجواب

اجرت کا مجہول ہونا اس صورت میں اصل قاعدہ سے موجب فساد عقد ہونا چاہئے مگر فقہاء نے اجرت دلال کو حاجت کے واسطے جائز کہا ہے۔ اور یہ بھی اسکے مشابہ ہے لہٰذا جائز ہے۔

قال في الشامية عن الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه

دفعہ ۳ - تنخواہ دار ایجنٹ کے متعلق کارخانہ دار کو اختیار ہوگا کہ اگر مناسب سمجھے تو اسکو کارخانہ میں کسی کام پر رکھے یا سفر پر جہاں چاہے بھیجے۔

الجواب :- تراضی طرفین کے بعد یہ شرط جائز ہے۔

دفعہ ۲ ۔ قسم دوم کے ایجنٹ وہ ہیں جو کمیشن پہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ کارخانہ کا نمونہ اپنے پاس رکھیں اور لوگوں کو دکھلا کر خریدار بنائیں، اور ان سے فرمائش لیکر کارخانہ کو بھیجیں۔ کارخانہ سے مال صاحب فرمائش کے پاس براہ راست بھیجدیا جائے۔ اور اس کوشش سے ایجنٹ اس کمیشن کا مستحق ہو جائے جو اسکے لئے مقرر ہے مثلاً ایک مہینہ میں پانچسو روپیہ یا اس سے کم کا مال فروخت کرادے تو کمیشن فیصدی چھ روپیہ چار آنہ پانے کا مستحق ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ کا مال فروخت کرادے، تو بحساب سات روپیہ فیصدی کا مستحق ہوگا۔ اسپر ایک صاحب کو اشکال ہے کہ یہ کمیشن بمقابلہ سعی کے ہے، اور سعی متقوم چیز نہیں۔ اسکی ضرورت کارخانہ دار کو جو کچھ ہے ظاہر ہے، یہ صورت طرفین کیلئے سہل اور قابل اطمینان ہے۔

الجواب

جائز ہے۔ اور اشکال فضول ہے، مزدور جو مزدوری کرتا ہے وہاں بھی تو محنت کا معاوضہ ہے یہاں بھی محنت کا معاوضہ ہے، شبہ اگر ہو سکتا ہے تو جہالت اجر و عمل کا ہو سکتا ہے کہ وقت عقد کے وہ معلوم نہیں مگر یہ صورت اجرت دلال میں ہوتی ہے اور اسکو فقہاء نے بضرورت جائز کیا ہے، پس یہ صورت بھی جائز ہے۔

دفعہ ۳ ۔ دونوں قسم کے ایجنٹوں کو ایک مدت متعینہ تک کام کرنے کا ایک عہد نامہ کارخانہ میں داخل ہوگا کہ اگر اس مدت کے اندر کام چھوڑیں تو قانونی چارہ جوئی کرکے بجبر ان سے کام لیا جائیگا۔ اس دفعہ کی ضرورت یہ ہے کہ لوگ ایجنسی کا کام سیکھ کر اور تجربہ حاصل کرکے بیٹھ رہیں اسمیں کارخانہ کا نقصان ہے، کیونکہ وہ اس صورت میں کارخانہ کے مخفی تجربوں کے رازدار ہو جائینگے، اب کارخانہ کو نئے آدمی سے کام لینا پڑیگا، اور اسکے سکھانے میں مال و وقت صرف کرنا ہوگا۔ اور وہ سابق ایجنٹ خود ان تجربوں سے کام کا فائدہ اٹھائینگے، یا دوسرے کسی کارخانہ کو فائدہ پہنچائینگے۔

الجواب

اسکی صورت جواز یہ ہے کہ اجارہ اس مدت کے ساتھ مقید کر دیا جائے، مثلاً ایک شخص کو ماہوار ۱۵ روپیہ پر ملازم رکھنا ہے، تو اس سے اسطرح عقد کیا جائے کہ میں تم کو سال بھر کے واسطے بمعاوضہ ایک سو اسی ۱۸۰ روپیہ کے ملازم رکھتا ہوں پھر چاہے وہ

یہ اجرت سال بھر کے بدلے، یا ہر مہینے کے کام کا معاوضہ ماہوار لینا بہت اختیار ہے۔ لیکن اجارہ ماہوار تنخواہ پر نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں ہر مہینے کے ختم پر اسے فسخ عقد کا حق ہوگا، بلکہ جتنی مدت تک اسکا رکھنا ضروری ہو عقد بھی اسی مدت پر کیا جائے پھر اسکو بدون قضاء یا رضاء یا عذر صحیح کے حق فسخ اجارہ نہ ہوگا، اور موجر اسکو اسی مدت میں عمل کرنے پر مجبور کر سکیگا جبکہ وہ بلا وجہ طمع زیادت تنخواہ وغیرہ کی وجہ سے الگ ہوا ہو، اور بیماری عذر معتبر ہے، یا وہ اس کام کو بالکل ہی ترک کرنا اور کسی دوسرے کام میں لگنا چاہتا ہے یہ بھی عذر ہے لیکن بلا عذر علیحدگی کی صورت میں اسکو کام پر تو مجبور کیا جا سکتا ہے، کوئی جرمانہ اور تاوان لینا اس سے جائز نہیں۔

قال بالیدر: تفسخ بالقضاء او الرضاء وبخیار عیب ورؤیة الی أن قال ــــ وبعذر، وقال: إن العذر ظاهراً ینفرد الی بالفسخ وإن مشتبها لا ینفرد، قال الشامی: وهٰذا قال تفسخ لأنه اختار قول عامة المشائخ۔ وهو عدم انفساخ العقد بالعذر وهو الصحیح نص علیه فی الذخیرة (هدایہ ج ۵ ص ۴۳)

دفعہ ۱۔ دونوں قسم کے ایجنٹوں کو خواہ وہ تنخواہ پر کام کرنے والے ہوں یا کمیشن پر۔ ایجنٹوں کو پچاس روپیہ نقد کی یا کسی بینک کی یا کسی معتبر شخص کی۔

دفعہ ۲۔ دونوں قسم کے ایجنٹ کمیشن پانے کے مستحق اسوقت ہونگے جبکہ مال کا روپیہ کارخانہ میں وصول ہو جائے۔ اور اگر کوئی مال بلا عذر معقول کے واپس آیا تو اس رقم پر کمیشن نہ دیا جائیگا، بلکہ صرف آمد و رفت نصف ذمہ ایجنٹ ہوگا۔ اسکی ضرورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایجنٹ اپنی ماہواری تعداد پوری کرنے اور کمیشن کے مستحق بننے کیلئے غیر معتبر اشخاص سے فرضی فرمائشیں بھجوادے اور اس وجہ سے کارخانہ کو تاوان دینا پڑے، اس دفعہ کو خیال کرنے سے کام احتیاط سے کریگا۔

دفعہ ۳۔ دونوں قسم کے ایجنٹوں کو کارخانہ ہذا کے جملہ قواعد کی جو اس وقت تک منضبط ہو چکے ہیں، یا آئندہ ترمیم یا اختراع ہونگے، پابندی کرنی ہوگی۔

المستفتی محمد معصوم علی
از میرٹھ خیر نگر

جواب ۳: ضمانت کا تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر ایجنٹ نے کارخانہ کا کوئی نقصان چوری وغیرہ سے نہ کیا ہو، صرف بلا وجہ میعاد مقررہ سے پہلے الگ ہو گیا تو اس صورت میں رقم ضمانت کا ضبط کرنا جائز نہیں، اور اگر اس نے کارخانہ کا کوئی نقصان مالی کیا ہو، جیسے چوری وغیرہ اور اسکا ثبوت شرعی مل گیا ہو اس صورت میں بقدر نقصان کے رقم ضمانت سے لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۴: یہ قاعدہ تو ٹھیک ہے کہ جبتک مال کا روپیہ کارخانہ میں نہ آجائے اسوقت تک ایجنٹ کمیشن لینے کا مستحق نہ ہو کیونکہ اسکا عمل اسی وقت ثابت ہوگا، لیکن اگر بلا عذر معقول مال واپس آئے صرف آمد و رفت نصف ایجنٹ کے ذمہ ہو۔ یہ قاعدہ مطلقاً درست نہیں، کیونکہ جب یہ احتمال ہے کہ ایجنٹ نے فرضی فرمائش بھیجدی ہو یہ بھی احتمال ہے کہ واقعی فرمائش بھیجی ہو، اور وی۔ پی۔ پہنچنے پر فرمائش کنندہ نے بلا وجہ واپس کر دیا ہو، چنانچہ ایسے ہی ہوتا ہے، بجائے اسکے یہ قاعدہ ہونا چاہئے کہ واپسی مال کی صورت میں کارخانہ مرسل الیہ سے بذریعہ جوابی خط کے دریافت کریگا کہ اس نے فرمائش کی ہے یا نہیں؟ اگر وہ جواب دے کہ فرمائش کی تھی تو ایجنٹ پر کوئی تاوان نہیں، اگر جواب دے کہ فرمائش نہیں کی تھی ——— یا کچھ جواب نہ دے ———

اس صورت میں ایجنٹ سے قسم لی جائیگی۔ اگر وہ قسم کھالے کہ میں نے فرمائش کے بعد کارخانہ کو مال کیلئے لکھا تھا تب بھی اسپر تاوان نہیں۔ اگر قسم سے انکار کرے تو وہ نصف محصول آمد و رفت کا ذمہ دار ہوگا۔

ووجه التنصيف في هذه الصورة أن الدلال يدعي طلبه وهو ينكره فلو كان الدلال صادقاً لم يضمن شيئاً، ولو كان المرسل اليه صادقاً ضمن الدلال كل الغرم، وإذا لم يدر صدق الدلال من كذبه ينصف الغرم فيغرم نصفه عن اليمين ليس باقرار عند الإمام، وهذا لم أره صريحاً، و القواعد تقتضيه عندي. والله اعلم۔

جواب ۵: دفعہ ۵ محتاج جواب نہیں۔

هذا وقد كتبه مولانا المولوي استاذي الصوفي ظفر احمد صاحب عفا الله عنه

۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ

ایسی دکان پر ملازمت کا حکم جہاں ناجائز اشیاء کی فروخت اور سودی معاملہ و دغا فریب ہوتا ہو۔

سوال ۹۔ ایک بڑی دکان پر مختلف قسم کی اشیاء جائز و ناجائز کے فروخت ہوتے ہیں، مگر بمقابلہ اشیاء ناجائز کے کثرت اشیاء جائزہ کی ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ معاملات بیع و شراء میں سودی معاملہ بھی کبھی کبھی برتا جاتا ہے، اگرچہ تاجر دکان مشتری سے سود لینا تو کم ہے مگر بعض اوقات خود دوسرے کو دیتے ہے چارہ نہیں ہوتا۔ اس دوکان پر متعدد ملازم ہوتے ہیں جن میں بعض جاہل محض ہوتے ہیں۔ اور بعض کچھ شدبد والے۔ یہ ملازم دغا کذب وغیرہ بے کھٹکے اعلیٰ درجہ کا برتتے ہیں اور مالک دوکان باوجود وقوف و آگہی کے ان افعال پر ملازمین سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔

حاصل یہ کہ اس دکان پر ایک روپیہ میں آٹھ آنہ سے زائد کی نسبت سے لین دین کذب و دغا برتی جاتی ہے، اور بعض معاملات بیع فاسد کے بھی ہوتے ہیں، مگر یہ معاملات بیع فاسد کی بوجہ ناعلمی مسئلہ فقہی کے ہوتے ہیں، پس ایسی دوکان پر ملازمت از قسم منشی گری، یا تعلیم اطفال، یا خرید و فروخت اشیاء دوکان درست ہے یا نہیں؟ اور یقین کامل ہے کہ تنخواہ اسی رقم دوکان سے ملے گی۔ اور ایسی دوکان پر بطور مہمان دعوت کھانا، یا پان وچائے معمولی دیگر اشیاء دوستانہ دیگر خورد و نوش درست ہے یا نہیں؟

الجواب

سود دینے سے دکان کے مال میں حرمت نہیں آتی۔ دینے والوں کو گناہ ہوتا ہے اگر بدون سخت مجبوری کے دیں۔ اور سود لینا مسلمان سے تو مطلقاً حرام ہے، اور کفار سے لینا بھی بعض علماء کے نزدیک حرام ہے، مگر جب وہ قلیل ہے اور زیادہ آمدنی بے سودی ہے تو ملازم دکان کو تنخواہ لینا جائز ہے جبکہ تنخواہ مال مخلوط سے دی جائے۔ اسی طرح جب اشیاء حلال زیادہ ہیں تو غلبہ حلال کو ہے۔ اور ملازموں کی دغا فریب سے انکو گناہ عظیم ہوتا ہے۔ اسیطرح دکاندار کو بھی اگر وہ اس سے واقف ہے لیکن جو قیمت حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے گو کراہت سے خالی نہیں۔ لیکن دکاندار کی ملک ہو جاتی ہے۔ اسیطرح بیع فاسد میں قبضہ سے دکاندار کی ملک ہو جاتی ہے، البتہ کراہت و خبث

عہ بیع کے متعلق ایک مفصل تحریر آئندہ بھی آتی ہے اسکو دیکھکر عمل کیا جائے ۱۲ منہ

ضرور ہے اب اگر ملازم دکاندار کو یہ معلوم ہو کہ یہ تنخواہ جو مجھے دی گئی ہے یہ بیع فاسد کے ثمن سے دی گئی ہے یا سود کی آمدنی سے، جب تو اسکا لینا درست نہیں۔ اور اگر سب مخلوط ہوں اور اسکو معلوم نہ ہو کہ یہ تنخواہ بیع صحیح کی قیمت سے ہے یا فاسد کی تو تنخواہ حلال ہے۔

قال في الأشباه: غلب على ظنه أن أكثر بياعات أهل السوق لا تخلو من الفساد، فإن كان الغالب هو الحرام تنزه عن شرائه، لكن مع هذا لو اشتراه يطيب له اهـ. قال الحموي: ووجهه أن كون الغالب هو الحرام لا يستلزم كون المشترى حراماً، لجواز كونه من الحلال المغلوب والأصل الحل اهـ (ص ۹۲)

اور ایسے دکاندار کی دعوت ضیافت وھدیہ وغیرہ قبول کرنا درست نہیں، لعدم تبدل الملك فيه بيعاً وشراءً، ولعدم الحاجة إلى ذلك.

وقال الشيخ دام ظله: إذا أعطى الموجر الأجرة من المال المخلوط والأجير عالم بالخلط، فكيف يجوز له أخذها والخبث قد تمكن بها بالخلط. قلت: هذا على قولهما وهو الأحوط. ولكن على قول أبي حنيفة فالخلط مستهلك. فإن قيل هذا يفيد ملكه لا حل استمتاعه به. قلت: عبارات الفتاوى تدل على جواز الاستمتاع أيضاً على قوله. قال في فتاوى قاضيخان: إن كان غالب مال المهدي من الحلال، لا بأس بأن يقبل الهدية ويأكل ما لم يتبين عنده أنه حرام، لأن أموال الناس لا تخلو من قليل حرام فيعتبر الغالب. وإذا مات عامل من عمال السلطان وأوصى أن يعطى الحنطة للفقراء، قالوا: إن كان ما أخذه من الناس مختلطا بماله لا بأس به. وإن كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذه إذا علم أنه مال الغير، فإن كان ذلك الغير معلوما رده إليه. وإن لم يعلم الآخذ أنه من ماله أو مال غيره، فهو حلال حتى يتبين أنه حرام اهـ.

قال الفقيه أبو الليث: إن كان مختلطاً بماله على قول أبي يوسف ومحمد هو على ملك صاحبه، لا يجوز أخذه إلا ليرده على صاحبه. وعلى قول أبي حنيفة يملك المال بالخلط ويكون للآخذ أن يأخذ إذا كان

فی بقیۃ مال المیت وفاءً بمقدار ما یؤدی به حق الخصم الخ ......

....

......................(ج ۲ صفحہ ۳۲۵ ط)......................

.... واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ

۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۵ھ

سرکاری ناجائز ملازمتوں کو مسلمانوں کی راحت رسانی کیلئے اختیار کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ خاص میں کہ ملازمت سب رجسٹرار جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید نے سنا ہے کہ سود کا لینے والا اور اسکا دینے والا، اور اسپر گواہی کرنے والا اور اسکا دستاویز لکھنے والا، اور اسکا دستاویز کرنے والا۔ یعنی سب رجسٹرار سب کا یکساں حکم ہے اور سب فعل حرام کے مرتکب ہونگے۔ یعنی عرائض نویس اور سب رجسٹرار بھی اتنا ہی گنہگار ہے جتنا کہ سود کا لینے والا اور دینے والا۔ اگر گناہ ہے تو کس درجہ کا؟ اور کن کن اشخاص کی گرفت ہوگی؟ جواب تحریر فرمائیں عنداللہ ماجور ہونگے۔

المرسل: حمایت اللہ
تاجر کتب سندریچی ۹۹ کلکتہ

الجواب

اگر سب رجسٹراری میں سودی دستاویز کی رجسٹری کرنا لازم ہو تو یہ ملازمت حرام ہے۔ البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ مسلمان اس ملازمت کو ترک کریگا تو اس عہدہ پر ہندو آجائیگا جو مسلمانوں سے تعصب کا برتاؤ کریگا۔ تو اس صورت میں عام اہل اسلام کی نفع رسانی کی غرض سے اس ملازمت کو اختیار کرنا بعض کے نزدیک جائز ہے۔ اور ہر شخص اپنی نیت کو دیکھ لے کہ واقعی یہی قصد ہے؟ یا قصد تو مال و جاہ ہے اور یہ محض حیلہ ہے۔ فان اللہ علیم بذات الصدور۔ وھذا داخل تحت اصل کلی، وھو ان ضرر الخاص یتحمل لدفع ضرر عام۔ وفرعوا علیه جواز الرمی الی کفار تترسوا بصبیان المسلمین وأساراهم۔ (اشباہ صکے)۔ فالرمی الی صبیان المسلمین واساراھم حرام، ولکن جاز لانه لدفع الضرر عن

عامة المسلمین. فافهم واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

یتیم کی جائداد کا ٹھیکہ اسکی ماں سے لیا بعد میں وہ مرتد ہوگئی، تو ارتداد کے بعد کرایہ کس کو دیا جائے گا؟

سوال: خاکسار نے ایک نابالغ کافر کی والدہ سے کچھ اراضی زرعی سال تمام ٹھیکہ پر میعاد مقررہ تک لی پھر وہ عورت بدچلن ہوکر بظاہر ایک فاسق مسلمان کیساتھ نکل گئی، اور مسلمان بظاہر ہوگئی، لیکن اسلام و ایمان سے کوئی تعلق و واسطہ نہ تھا۔ اور خاکسار سے وہ زر ٹھیکہ طلب کرنے لگی: خاکسار نے یہ خیال کرکے کہ یہ اس کا نابالغ کافر کی ولی سرپرست اور خیرخواہ نہیں رہی۔ چونکہ اس نابالغ کی دیگر جائداد کو بھی وہ بدچلنی میں خورد برد کرچکی تھی، احقر نے اسکو زر ٹھیکہ ادا نہ کیا، چنانچہ وہ عورت تو پھر کافر بدستور اول ہوگئی، اور کسی کافر کے قبضہ میں ہے۔ لیکن اسکا وہ نابالغ لڑکا اب جوان اور بالغ ہے، مگر قانوناً اسکی میعاد مجھ سے وصول کرنیکی نہیں رہی نہ اسکو خیال ہے قبضہ اراضی کا بھی سال سے خاکسار کا نہیں رہا، اور روپیہ ٹھیکہ قریب دو سو کے ہے، پس سوال یہ ہے کہ یہ دو سو روپیہ اس نابالغ کافر کو جو اب جوان بالغ ہے۔ اسکا حق ہے یا اسکی والدہ کا یا خدمت کار خیر میں خرچ کیا جائے، یا احقر کے پاس رہے۔ شرعی فتویٰ صادر فرمادیں

الجواب

صورت مسئولہ میں جو عقد اجارہ عورت سے واقع ہوا ہے وہ باطل ہوگیا، اس لئے اسکے مطالبہ کا حق اسکو حاصل نہیں۔ لہٰذا وہ روپیہ یتیم کو دینا چاہئے جو اب جوان ہے، اور جسکی وہ زمین اصل میں ہے۔ اور بطلان اجارہ کے بعد اجر مثل واجب ہوگا۔

قال فی الشامیة بعد نقل الخلاف بین الامام و صاحبیه فی توقف تصرفاته حال الردة عنده ونفاذها عندهما مانصه وکذا لاتوقف فی بطلان ایجاره واستئجاره ووصیته وایصائه و توکیله ووکالته،

(ای تفاقاً) وتمامہ فی البحر اھ (صلالہ ج ۳)

ظفر احمد از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

زمین کو بعوض غلہ معلوم المقدار اجارہ پر دینے کا حکم

سوال:۔ میں اپنی زمین دوسرے کو ایک دو سال کیلئے اس طرح دیتا ہوں، کہ ہر سال فی بیگہ بارہ من دھان مثلاً مجھکو دیگے، (بعوض خزانہ کے) تخم و عمل سب دوسرے کا ہے مجھکو کچھ کرنا نہیں پڑتا، وہ دوسرا بھی اگر اپنی رضا خوشی اقرار کرے تو یہ صورت یعنی دھان لینا جائز ہے یا نہیں، اور یہ صورت مزارعہ ہے یا اجارہ، یا اور کچھ جواب ارشاد فرما کر ممنون فرماویں۔

محمد عبدالعزیز، ڈاکخانہ شیر پور ٹاؤن باغ وجت
توضی پاڑی، ضلع مین سنگی، بنگلہ دیش۔

الجواب

یہ صورت اجارہ ہے، اور چند شرائط سے جائز ہے۔ ۱۔ یہ کہ بارہ من دھان فی بیگہ جو مقرر کیا گیا ہے، اسمیں یہ شرط نہ ہو کہ اس زمین کی پیداوار سے دیا جاویگا یا اس زمین کے کسی خاص حصہ کی پیداوار سے دیا جائے بلکہ مطلق ہو۔ ۲۔ یہ کہ ان بارہ من دھانوں کی صفت بیان کر دی جائے، کہ اعلیٰ ہونگے یا ادنیٰ یا متوسط اور کس نوع سے ہونگے۔ ۳۔ یہ کہ اجارہ پر دیتے وقت بائع و مشتری سب کو ذکر کر دیں کہ اس زمین میں اس قسم کی زراعت کی جائیگی، اور کیا چیز بوئی جائے گی۔ اور اسکے علاوہ جو شرائط اجارہ ہیں مثل تعین مدت وغیرہ وہ بھی مرعی ہوں۔

قال فی الھدایہ، ومایصلح ثمناً یصلح اجرۃ ایضاً، وفیہا ایضا ویجوز استیجار الارض للزراعۃ لانھا منفعۃ مقصودۃ و للمستاجر الشرب والطریق وفیہ ایضاً ومن استأجر ارضا ولم یذکر انہ یزرعھا او ای شئی یزرعھا فالاجارۃ فاسدۃ، اھ کتاب الاجارات ج ۳۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ، مورخہ ۹/۲/۱۳۴۵ھ

نوکری بصورت مضاربت کی ایک صورت

سوال:- ایک آدمی کو کس شرط پر دوکان میں نوکر رکھنا چاہتا ہوں۔ کہ اگر میرے دوکان میں دو سو روپیہ کا کاروبار کرو تو جو کچھ نفع ہوگا تم کو روپیہ میں چار آنہ نفع دونگا۔ اگر پانچ سو روپیہ کا کاروبار کرو تب روپیہ میں دو آنہ نفع دونگا اگر اس شرط پر وہ راضی ہو تو اس شرط پر رکھنا کوئی حرج تو نہیں؟ اگر حرج ہے تو کس صورت پر رکھنا بہتر ہے یہ دوکان دیگر جو کچھ نفع ملے اس سے ایک مدرسہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ اس صورت میں دوکان دیگر کا روبار کرنا بہتر ہوگا یا پیسہ کے کاروبار سے دور رہونگا۔ خرچ کے واسطے زمین کی آمدنی ہے۔ فقط

الراقم: بندہ عزیز احمد حاجیگنجی۔ بنگلہ دیش

جواب

اگر یہ اجارہ ہے تو اجرت کا معلوم ہونا وقت عقد کے لازم ہے، اور صورت مذکورہ میں اجرت مجہول ہے۔ لہذا اجارہ فاسد ہے، اور اگر شرکت مضاربت ہے تو اسمیں بھی ربح کی جہالت مفسد عقد ہے، لہذا دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ رہا یہ کہ پھر کس طرح کرنا چاہیے، تو اس کے لئے پہلے سائل یہ بتلائے کہ وہ اس کو نوکر رکھنا چاہتا یا مضارب ____ بنانا چاہتا ہے، اور مضاربت کی صورت میں عمل فقط مضارب کریگا یا مالک دوکان بھی عمل کریگا۔ اسکے بعد جواب دیا جائیگا۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر محمد ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۱ / ۹ / ۱۳۴۳ھ

جہالت مدت مفسد اجارہ ہے

سوال:- زمین کو اجارہ پر لینا دس یا بیس سال کے واسطے فی بیگہ دو روپیہ سال کے حساب سے مثلاً دس بیگہ زمین لی۔ اور یہ شرط طے ہوگئی کہ دس سال کے واسطے میں یہ زمین تمہاری اجارہ پر لیتا ہوں اور مبلغ دو سو روپیہ پیشگی تم کو دیتا ہوں ہر سال دس بیگہ کا فی بیگہ دو روپیہ کے حساب سے مبلغ بیس روپیہ منہا ہوتے رہینگے۔ جب دس سال پورے ہوگئے تو میرا روپیہ دو سو ختم اور آپکی زمین آپکے قبضہ میں۔ اور اگر تم کو روپیہ دوسرے یا تیسرے یا پانچویں

سال مل جائے اور تم کو زمین کی ضرورت ہو جائے تو جتنے سال میرے قبضہ میں زمین رہی ہو اتنے
سال کے حساب سے فی سال بیس روپیہ کاٹ دیئے جائیں گے، باقی روپیہ دیکر اپنی زمین چھڑا لینا
اس اجارہ کو عرف میں مستاجری کہتے ہیں۔ آیا ایسا اجارہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟
آپ کا تابعدار: مسکین غلام رسول
۱۲ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

الجواب

یہ صورتِ مستاجری ناجائز ہے، کیونکہ مدتِ اجارہ مجہول ہے نامعلوم کس وقت مالک
کو زمین کی ضرورت پڑجائے اور وہ رقم واپس کر کے زمین کو واپس لے لے۔
وکون المدۃ معلومۃ شرط لصحۃ الاجارۃ، صرح بہ الفقہاء اھ۔
صورتِ جواز یہ ہے کہ اجارہ مدتِ معینہ پر کیا جائے کہ اتنے سال کے واسطے یہ زمین کرایہ پر دی
جاتی ہے اور سالانہ یہ کرایہ ہے، اس کے حساب سے چاہے اجرت پیشگی طے کر لی جائے یا
سالانہ لی جائے اختیار ہے معاملہ کو تو اس پر ختم کر دیا جائے اس کے بعد جب مالک کو ضرورت
ہو تو تراضی طرفین سے اس وقت عقد فسخ کر دیا جائے مگر کسی کو کسی پر جبر کا حق نہ ہوگا اور اس
کا بھی مضائقہ نہیں کہ عقد کو اسی صورتِ مذکورۂ جواب پر کر کے اس کے پہلے یا بعد کو مجلس آخر
میں یہ بات باہمی رضامندی سے کر لی جائے کہ اگر مالک کو بیچ میں ضرورت ہوگی تو وہ اجارہ کو
فسخ کر کے زمین مدت معلومہ سے پہلے بھی واپس لے سکتا ہے۔ اور حسب مذکور سے کرایہ کی
واپسی ہو جائے گی مگر یہ صرف وعدہ ہوگا جس میں جبر نہ ہوگا، واللہ اعلم۔

حررہ: الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۵/۹/۴۳ھ

حکم ملازمت رجسٹری

سوال: ملازمت رجسٹری جس میں بیع نامہ و رہن نامہ و سودی تمسک وغیرہ کی رجسٹری کرنا ہوتی ہے جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

رجسٹری کی حقیقت توثیقِ عقد ہے تو اس کا جواز و عدم جواز عقد کے تابع ہے اگر عقد
جائز ہے تو اس کی رجسٹری بھی جائز ہے اگر عقد ناجائز ہے تو اس کی رجسٹری بھی ناجائز ہے۔

پس صورت مذکورہ سوال میں سودی تمسک کی رجسٹری کرنا حرام ہے اور اگر ملازمت میں ایسا کرنا ناگزیر ہو تو ملازمت بھی ناجائز ہے اور اگر اس سے بچنا ممکن ہو مثلاً دوسرے رجسٹرار یا سب رجسٹرار کا حوالہ دے سکے کہ سودی تمسک کی رجسٹری وہاں لیجاؤ ہم نہ کریں گے تو ملازمت جائز ہے

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۱۷ شوال ۱۳۶۲ھ

دھوبی سے کپڑے دھلوانے کی خاص صورت کا حکم

سوال: پرسوں فدوی نے دھوبی کے متعلق کچھ مسائل دریافت کئے تھے تو ارشاد ہوا تھا کہ تحریراً پیش کیا جائے تاکہ بعد غور جواب دیا جائے۔ امور مفسرہ درج ذیل ہیں:

(۱) زید دھوبی کو کچھ ماہوار اس شرط پر مقرر کرتا ہے کہ ماہانہ اتنے شوب دھونے ہوں گے اور ہر شوب میں کپڑوں کی ایک مقررہ تعداد ہوگی، اگر کسی وقت تعداد میں زیادتی ہو جائے تو فی کپڑا اتنی اجرت ادا کر دی جائے گی بعض اوقات مہمانوں کے کپڑے بھی تعداد مقررہ کے اندر دھلوائے جاتے ہیں، ان کے لئے کوئی مقررہ اجرت نہیں دی جاتی۔

(۲) بعض اوقات دھوبی بعوض پندرہ یوم میں ایک شوب دھونے کے زیادہ دن لگا دیتا ہے تو تعداد مقررہ پارچہ جات میں بھی زیادتی ہو جاتی ہے مثلاً دھوبی سے یہ ٹھہراؤ ہوا تھا کہ اگر ہر ماہ دو شوب لائیگا تو ہر شوب میں تیس سے زائد کپڑا نہ ڈالے جائیں گے اگر دھوبی بجائے پندرہ دن میں ایک شوب دھونے میں بیس یا بائیس دن میں دھوئے تو تیس کپڑوں سے بھی زیادہ ڈال دیئے جائیں گے، مگر اتنا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ فی یوم دو کپڑے سے زائد تعداد نہ ہو جائے مگر اس حالت میں تعداد زائد کے لیے علاوہ اجرت نہیں دی جاتی اور نہ دھوبی کو اس کے متعلق کوئی اعتراض ہوتا ہے۔

خادم محمد عبد الرحیم حیدرآبادی

۱۰ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

الجواب

قال فی العالمگیریۃ، وما یتصل بہذا الفصل اذا جمع فی عقد الاجارۃ بین الوقت والعمل اذا استأجر رجلاً لیعمل لہ عملاً الی اللیل بدرہم مثلاً

او خبزاً او غیر ذلک فالاجارة فاسدة فی قول ابی حنیفة وفی قولهما یجوز استحساناً ویکون العقد علی العمل دون الیوم حتی اذا فرغ منه نصف النهار فله الاجر کاملاً وان لم یفرغ فی الیوم فعلیه ان یعمله فی الغد اھ (ص ۲۵۸ ج ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورۂ سوال امام صاحبؒ کے نزدیک تو درست نہیں کیونکہ عمل اور وقت دونوں کو جمع کیا گیا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے اور اجارہ وقت پر منعقد ہوگا بلکہ عمل پر منعقد ہوگا۔ پس جب ماہواری اجرت دھوبی کی معین ہو اور مہینہ بھر کے کپڑے متعین ہوں کہ ایک مہینہ میں اس اجرت پر اتنے کپڑے دئیے جائیں گے (جن کو دھوبی دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر کے دھوئے گا) تو مہینہ میں تعداد مقررہ کا پورا کر لینا جائز ہے۔ چاہے ہر ثوب میں برابر کپڑے ہوں یا کسی ثوب میں کم اور کسی میں زائد ہوں اور چاہے یہ تعداد انہی کپڑوں سے پوری ہو یا مہمانوں کے کپڑوں سے ملا کر پوری کی جائے اور اس تعداد سے زیادہ کے لئے فی کپڑا کچھ اجرت مقرر کر دیا تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ وہ تو اجارہ صرف عمل پر ہے، وقت پر نہیں، بالاتفاق۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۔ ۶ صفر ۱۳۴۶ھ

جانوروں میں حصہ دینے کے عوض دوسرے کو جانور پالنے کے لئے دینا

سوال: زید کے پاس چار بیل تھے قحط سالی کی وجہ سے بیلوں کا چرانا پلانا زید کو بار آیا لہٰذا نصفاً نصفاً بیلوں کو عمرو کے سپرد کئے بشرطیکہ سال دو سال تک بیلوں کے چارہ وغیرہ کا تمام خرچ عمرو کے ذمہ ٹھہرا بعد گذشتن مدت مقررہ کے دو بیل عمرو نے زید کو واپس دیئے اور دو بیل چرانے پلانے کی اجرت میں رکھ لئے یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ زید نے عمرو کو کہا کہ ان دو بیلوں کو چرانا پلانا ایک سال تک تیرے ذمہ ہے اس کی اجرت میں پیشگی یہ دو بیل دیتا ہوں۔ ۳۔ زید نے عمرو کو کہا کہ ان دو بیلوں کو چرانا تیرے ذمہ ہے اور سالانہ اجرت کے اسی روپیہ ٹھہرائے گئے پھر زید کو دل میں خیال پیدا ہوا کہ بوجہ مفلسی کے سال گذرنے پر روپے وصول کرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا سالانہ اجرت کے اسی روپیوں میں پیشگی یہ دو بیل دیتا ہوں ان تینوں صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے۔

سائل

امیر الدین عفا اللہ عنہ

از مدرسہ اسلامیہ گوٹ ۔ ۲۵/۲/۱۳۴۶ھ

الجواب

صورت اول ناجائز ہے اور صورت دوم بھی جائز نہیں قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، سئل فیما اذا دفع زید حصانا له لعمرو لیعلفه ویربیه بنصفه فربّاه وعلفه مدة ثم باعه عمرو جمیعه من رجل بدون وکالة عن صاحبه ویرید رفع ید المشتری عن الحصان واخذه منه فهل له ذلک ولیس لعمرو سوی اجر المثل لتربیته ومثل علفه، الجواب نعم وعلله بجهالة الاجر الی ان قال واذا سمی له نصف الدابة مثلاً فی مقابلة تربیتها وعلفها یکون المسمی معلوماً وقد یقال ان المسمی مجهول لانه قد جعل نصف الدابة اجرة للتربیة والعلف ولا یدری مقدار العلف فیلزم جهل ما یقابله من الدابة وجهل ما یبقی بل اجرة التربیة ثم رأیت فی الخلاصة وفی فتاوی الفضلی لو دفع الی نساف قب لیندف علیه کذا من قطن نفسه بکذا من الدراهم ولم یبق الاجر من الثمن جاز اھ وفی المنتقی عن محمد دفع الی خیاط ظهارة وقال بطنها من عندک فهو جائز قیاسه علی مسئلة الخف فصار فی المسئلة روایتان ولو قال ظهارتها من عندک فهو فاسد باتفاق الروایات لانه لا تعامل فیه، اھ ومفاد هذا ان المدار علی التعارف فلو جری التعامل جاز کما یشهد به التعلیل فتأمل، ومن ذلک ما ذکره فی استئجار الکاتب لو شرط علیه الحبر جاز لا لو شرط علیه الورق ایضاً اھ (ص ۱۱۹ ج ۲) ملخصاً۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تیسری صورت بھی ناجائز ہے

قلت و تعامل ما بعد القرون الثلثة لیس بحجة۔ البتہ تیسری صورت کے جائز ہونے کا ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ معاملہ اس طرح کیا جائے کہ دو بیلوں کی خدمت اور تربیت سال بھر تک کرنے کی اجرت مثلاً بیس روپے طے کیا جائے اور چارہ ساٹھ روپے کا طے کیا جائے کہ ہم تم کو سال بھر کے بعد اسی روپیہ اس طرح دینگے کہ ان میں سے بیس روپے خدمت کی اجرت ہوگی اور ساٹھ روپے چارہ کی قیمت ہوگی اس طرح زبانی معاملہ طے کرکے پھر چاہے اسی روپے پیشگی دے دیئے جائیں یا ان کے عوض میں بیل پیشگی دے دیئے جائیں یہ جائز ہے اور اسی طرح صورت دوم بھی جائز ہے۔ فیکون قیمة العلف ودینه عنده بملکه

شیئاً فشیئاً کما اذا اعطی الخباز عشرۃ دراھم و قال اعطنی بھا عشرۃ ارطال کل یوم رطل عشرۃ ایام فانہ جائز استحساناً بجعل الدراھم ودیعۃ عندہ یملکہ شیئاً فشیئاً۔ واللہ اعلم

حررہٗ ظفر
از تھانہ بھون ۱۷ جمادی الاولیٰ
سنہ ۱۳۴۴ھ

اجارہ زمین کاشتکار اول را بدیگر بازیادہ از اجارۂ اول

سوال : اگر کوئی شخص ایک قطعہ زمین کو ایک برس کے لئے مبلغ پندرہ روپیہ سے نقد دیکر اجارہ پر لے پھر اسی وقت یا دو چار روز بعد وہ شخص دوسرے کے پاس اسی زمین کو مبلغ بیس روپے نقد لیکر اجارہ پر دے یا باقی مبلغ پچیس روپیہ میں وہی ایک برس کے لئے اجارہ پر دے تو یہ اجارہ درست ہوا یا نہیں اور یہ زائد روپیہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں۔

السائل : احقر محمد عبدالرحمٰن فتحپوری عفا اللہ عنہ
مقام بہلا نگر مسجد ڈاکخانہ سیف اللہ گنج
بنگال

الجواب

اس نفع کو صدقہ کردے البتہ اگر یہ شخص دوسرے کو عقد اول کے غیر جنس پر دے مثلاً صورت مسئولہ میں روپیہ پر نہ دے بلکہ غلہ وغیرہ پر دے تو نفع بھی حلال طیب ہے مگر مستاجر کو اجارہ پر زمین کا دینا اس شرط سے جائز ہے کہ جن چیزوں کی زراعت کی مالک زمین کی طرف اول شخص کو اجازت ہے دوسرے کو انہی شرائط پر دیجائے۔ (شامی ص ۲۶ ج ۵) واللہ اعلم۔

حررہٗ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون ۔ جمادی الثانی ۲۲ سنہ ۱۳۴۴ھ بروز جمعہ

حکم استحقاق مدرس تنخواہ ایام بطالت و تعطیل

سوال : در مدرسہ از مدارس اسلامیہ مدرس قدیم یکسال از مہتمم صاحب اجازت گرفت، بجا شخص دیگر معلم را جانشینی بجہت تعلیم کردہ چون مورخہ ۲۰ شعبان امتحان سالانہ شد مہتمم بجانب مدرس جدید کرسی روپیہ اجرت ماہ شعبان مرسول دوم اینکہ آئندہ سال را توقیتاً امیدوار نباشی چراکہ تو یک سال را مدرس بودی بجائے مدرس قدیم، چون سال تدریس از شوال شروع و بر رمضان ختم

می شود لہٰذا ماہ رمضان داخل سال موعود و معقود باشد چرا کہ سال دوازدہ ماہ را گویند، ماہ رمضان ماہ تعطیل او ہست یا نہ، تو تعطیل در حکم تعلیم اند۔ پس چنانچہ دہ روز شعبان ایام تعطیل بودند و بر وقت مہتمم اجرت دہ ایام مذکور مدرس را داد، ہمچنین ماہ رمضان شریف ماہ تعطیل است مدرس مستحق اجرت آن باشد یا نہ، در کتاب بہشتی زیور مسئلہ مذکور ہست خلاصہ آن اینکہ مہتمم صاحب معلم را در شعبان معزول کرد آیا مستحق اجرت رمضان باشد یا نہ، وجواب بنفی اجرت است۔ و در مسئلہ مسئولہ ظاہر ہست کہ عزل حالی نیست بلکہ معلق است بتمام سال بل بہ حول معلم قدیم، و رمضان در عقد اجرت بر سال ہم داخل ہست چنانچہ از پرچہ مہتمم ظاہر ہست پس جواب سوال مسئولہ مثل جواب سوال بہشتی زیور بنفی بود یا نہ۔ و در پرچہ مہتمم صاحب غور فرمایند تا حق ناحق نہ گردد

الجواب

قال فی الدر، وهل یاخذ ایام البطالة کعید ورمضان لم اره وینبغی الحاقه ببطالة القاضی واختلفوا فیها والاصح انه یأخذ لانها للاستراحة اشباه من قاعدة العادة محکمة اه (ص ۸۷ ج ۳ مع الشامی)

اس سے معلوم ہوا کہ تعطیل کے زمانہ میں استحقاق تنخواہ کا سبب یہ ہے کہ استراحت کیلئے یہ تعطیل ہوتی ہے اور یہ علت اس شخص میں موجود ہو سکتی ہے جو تعطیل سے پہلے معزول نہ ہوا ہو دوسرے شامی نے اس کا مبنیٰ عرف پر کیا ہے جیسا کہ درمختار میں بھی اس کو قاعدہ عادت سے نقل کیا ہے اور ہمارے یہاں عرف یہ ہے کہ ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق وہی مدرس ہوتا ہے جو بعد تعطیل کے اپنے کام پر برقرار رہے اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ صورت مسئولہ میں یہ مدرس تنخواہ رمضان کا مستحق نہیں، اور مہتمم کے قول میں سال سے اکثر حصہ سال کا مراد ہو سکتا ہے جس سے دخول رمضان لازم نہیں آتا، اگر مقام سوال کا عرف اس بارہ میں ہمارے عرف کے خلاف ہو تو سوال پھر کیا جائے۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون
۱۰ صفر ۱۳۴۳ھ

سرکاری نوکری کے متعلق ایک استفتاء کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکاری نوکری ہر قسم کی حرام ہے یا خاص کوئی قسم کی، اور حرام

لعینہٖ ہے یا حرام لغیرہ۔ اور جب لغیرہ ہوئی تو نوکری کا روپیہ کھانا اور کوئی نیک کام کرنا مدرسہ یا
مدرسہ کا چندہ یا مسجد کا خرچ لینا کیسا ہے اور کونسی کتاب میں۔ اور نہیں یہ مسئلہ ملے گا تحریر کیجئے۔

راقم تقی الدین عفی عنہ

مقام اسی آباد۔ ۱۷ صفر سنہ ۴۳ھ

الجواب

سرکاری نوکری حرام لعینہٖ کوئی نہیں۔ صرح فی الدر بجواز قبول القضاء من السلطان الکافر (باب القضاء)

سیدھا قاعدہ یہ ہے کہ جس نوکری میں حرام کام کرنا پڑے وہ حرام ہے اور جس میں حرام کام نہ ہو وہ جائز ہے، اور جو نوکریاں جائز ہیں ان کی آمدنی سے نیک کام کرنا اور مسجدوں میں لگانا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی اللہ عنہ

۲۵ ربیع الثانی سنہ ۴۳ھ

یتیم کی زمین کا اجارہ طویلہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: زید نابالغ کی ولی جائز نے زمین اراضی ۲۸ بیگہ چار سو روپیہ میں ۱۷ سال کے واسطے بکر کو دے دی جس کی آمدنی نفع و نقصان مدت مذکورہ کا ذمہ دار بکر ہے روپیہ زید کے قبضہ میں آ چکا اب کسی سال میں خسارہ ہوتا ہے، کسی میں منافع بھی ہوتا ہے اس سب کا ذمہ دار بکر ہے زید بلا ادائے روپیہ مدت پوری ہونے پر زمین لے لے گا طریقہ تو مستاجری کا ہے مگر قانونی اصطلاح میں اس کو رہن بجرانی بولتے ہیں آیا صورت مذکورہ بشکل اجارہ ہے اور یہ فعل جائز ہے؟ فقط

لیاقت حسین عفی عنہ

ضلع جالندھر پنجاب

الجواب

فی العالمگیریہ (ص ۲۵۳ ج ۳) یصح العقد علی مدۃ معلومۃ ای مدۃ کانت قصرت المدۃ کالیوم ونحوہ او طالت کالسنین کذا فی المضمرات والدر (وجاز) ولو تحرجہ مال الیتیم (للیتیم) (ص ۲۹۹ ج ۵) پس اجارہ مذکورہ جائز ہے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

ربیع ثانی سنہ ۱۳۴۴ھ

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الثانی سنہ ۴۴ھ

اجارہ زمین باموجر

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کسی قدر زمین سات سال کے لئے اجارہ پر لی اور سات سال کا کرایہ پیشگی دیدیا بعدازاں زید نے بکر کو وہ زمین بٹائی پر دے دی تھی اب تین سال کے بعد عمرو سے کہتا ہے کہ میں خود اس زمین پر کھیتی کر کے تم کو مابقی چار سال تک بٹائی کی حساب غلہ دیتا رہوں گا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

المستفتی:
بندہ نذیر احمد سلہٹی عفی عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون حجرہ ۳۴

الجواب

زید عمرو کو صورت مسئولہ میں زمین نہیں دے سکتا کما فی الدر المختار (وللمستاجر ان یوجر المؤجر) بعد قبضہ قیل وقبلہ (من غیر مؤجرہ واما من مؤجرہ فلا) یجوز وان تخلل ثالث بہ یفتی لزوم تملیک المالک وقال الشامی (قولہ وبہ یفتی) وھو الصحیح وبہ قال عامۃ المشائخ ابن الشحنۃ (ص ۲۲ ج ۵)

قلت والمزارعۃ مثل الاجارۃ فی لزوم تملیک المالک کما لا یخفی، پس صورت مسئولہ میں ذمہ موجر کے ذمہ بٹائی ہے نہ مستاجر کے ذمہ کرایہ ہے کما ھو مصرح والشامی (ص ۳۰ ج ۵)

الجواب صحیح۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ — کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

۲۹ رجادی الاولیٰ ۳۴ھ — ۲۹ رجادی الاولیٰ ۳۴ھ

حکم منہائی اجرت بکرایہ مکان موقوفہ

سوال: اگر بکر نے بوجہ اس کے کہ رقم اس کی ذمہ وقت باقی ہے کرایہ بجرا کرنا چاہے یا طلب کرے تو ایسا کرنے سے بکر گنہگار ہوگا؟

(۱) کیا مالک مکان پر یہ فرض نہیں ہے کہ مرمت مکان کی کرایہ دے (۲) اور حسب معاہدہ تعمیر ڈلوا دے (۳) اور اگر بوجہ مذکور نصف کرایہ کم کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں (۴) اور کیا کل کرایہ کا بحالت موجودہ مالک مکان مستحق ہے؟

طالب جواب
محمد اسیر علی عفی عنہ
سہارنپور محلہ تیلی پورہ۔ یکم مئی ۱۹۱۶ء

الجواب

بکر کو حق طلب تو ہر حال میں ہے اور مجرا کرنے کا حق بھی ہے جب تک زید متولی ہے اور اگر متولی بدل جائے تو کرایہ سابق میں تو مجرا کر سکتا ہے کرایہ آئندہ میں مجرا کرنے کا حق نہ ہوگا البتہ اگر دوسرے متولی کو بھی وقف کے ذمہ بکر کا حق شرعی قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو پھر کرایہ آئندہ میں بھی مجرا کرنے کا حق ہوگا، والعلم عند اللہ۔ لیکن اگر متولی ثانی کو یہ حق بذمہ وقف شرعی قاعدہ سے ثابت نہ ہو تو وہ بکر سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم متولی اول سے اپنا حق وصول کرو، اور متولی ثانی یہ جواب کرایہ سابق اور کرایہ آئندہ دونوں میں دے سکتا ہے جبکہ اس کے پاس حق بکر کا ثبوت نہ ہو۔ بہرحال جن صورتوں میں بکر کو کرایہ میں مجرا کرنے کا حق ہے اس میں یہ لازم نہیں کہ متولی ثانی کو بھی اس کا مجرا کر دینا جائز ہو بلکہ اس کے لئے جواز و عدم جواز کا مدار ثبوت و عدم ثبوت حق پر ہے۔

کرایہ کا مکان جس حیثیت پر عقد اجارہ کے وقت تھا بعد میں اگر حیثیت کا نہ رہے اور اس کا کوئی حصہ گر پڑے اور بقیہ حصہ میں سکونت ممکن ہو مگر تکلیف ہو تو اس صورت میں کرایہ دار کو فسخ اجارہ کا حق ہے، لیکن اگر اس نے اجارہ کو فسخ نہیں کیا تو پورا کرایہ دینا پڑیگا۔

قال الشامی قال ابن الشحنۃ انہ لا یسقط فی ظاہر الروایۃ من الاجر شیء بہدم بیت منہا او حائط، بخلاف ما اذا شغل المؤجر بیتا منہا فانہ یسقط بحسابہ اھ ملخصا۔ (ص ۳۹ ج ۵)

اور اگر انہدام سے تکلیف زائد نہ ہو تو پھر تو فسخ کا بھی اختیار نہیں کما ھو مصرح فی عبارۃ البزازیۃ

اور چھپر کے متعلق یہ لکھا جائے کہ اجارہ میں اس کے بنوانے کی شرط لگائی گئی تھی یا زبانی ہی وعدہ کیا گیا تھا۔؟ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ از تھانہ بھون۔ ۵ رشوال ۱۳۴۶ھ

نسخہ کی تیاری میں طبیب کا ایک حصہ اپنے لئے مقرر کرنے کی شرط اور بیچنے کی دواؤں پر وجوب زکوٰۃ

سوال: ایک طبیب کے پاس اکثر مرکب ادویہ میں از قسم اکثر قیمتی مرکبات کی تیاری کی یہ صورت ہے کہ کسی مریض کے لئے کوئی خاص نسخہ تجویز کر کے تیار کروایا اس شرط پر کہ تیار شدہ

دوا کا ایک ربع طبیب کو ملے اور تین ربع مریض کو ملے، گویا اجرت نسخہ نویسی و نگرانی تیاری کے عوض ایک ربع اس کو ملے اور مفردات کم ہیں جو گاہ گاہ کام آتے ہیں، روزانہ دوا کی قیمت ۳ر پڑتے اور چار سال تک کے بچہ سے ۲ر ربیع رکھے ہیں، بجز کشتہ طلاء کے اس کی قیمت روزانہ ۸ر ہیں) خواہ ۳ر کی دوا ہو یا نہ ہو، کیونکہ تشخیص و تجویز نسخہ اور ترکیب ادویہ کی محنت ہی اسی کو کرنی پڑتی ہے۔ ادویہ آگے پیچھے تیار ہو کر دواخانہ میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ بعض پر حولان الحول ہو جاتا ہے اور بعض اس سے پہلے ختم ہو جاتی ہیں۔ کل ادویہ مفردہ و مرکبہ کی اصلی قیمت (قطع ترکیب) تخمیناً سو روپیہ ہوگی۔ ادویۂ مذکورہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اور (۱) اصلی قیمت پر زکوٰۃ کا حساب کیا جائے یا (۲) مرکبات کی قیمت بعد از ترکیب لگائی جائے............ مثلاً کشتہ طلاء یا نقرہ یا ابرک یا خبث الحدید یا قلعی یا سنگ جراحت یا سنکھ یا شاخ گوزن یا مرجان یا قرن السیعن کہ کوئی قیمتی چیز ہے کوئی نہیں پھر ایک ماشہ دو آنچ ہی تیار ہوتی ہے، اور کوئی زائد میں۔ مثلاً خولاد یا ابرک پانچ سو یا ہزار آنچ والا، یا (۳) روزانہ ۳ر کے حساب سے۔

صورتین اخیرین میں تشخیص مرض، تجویز نسخہ ترکیب ادویہ کی کوئی اجرت مقرر کر کے ان میں سے وضع کر لی جائے یا نہیں؟ مفصل جواب سے مشرف فرمائیں۔ والسلام۔

الجواب

اول یہ بات بتلا دینا ضروری ہے کہ طبیب کا تیاری نسخہ کے وقت مریض سے اس طرح معاملہ کرنا کہ بعد تیاری کے تین ربع مریض کو ملیگا اور ایک ربع طبیب کو، یہ صورت درست نہیں لانہ من قفیز الطحان، وقد نهى الشرع عنہ۔ پس یہ ادویہ بعد قبض کے ملک طبیب میں داخل ہو گئیں، مگر ملک خبیث ہوئی اس سے احتراز لازم ہے۔

جائز صورت یہ ہے کہ مریض سے تیاری نسخہ و تشخیص وغیرہ کی اجرت طے کی جائے پھر چاہے اس نقد کے عوض بعد تیاری کے ربع دوا برضامندی طبیب خاطر مریض سے خرید کی جائے۔ فافہم۔

اب اس سوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ تجارت میں ہر سال پر حولان الحول شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ ابتدائے حول و انتہاء حول میں مالِ تجارت قیمتاً نصاب کو پہنچا ہوا ہو، پس جس وقت ادویۂ مرکبہ کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے اس وقت سے شروع

کیا جائے گا اگر ختم سال پر بھی مال بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمیان سال میں کمی آگئی ہوگی۔ اور اگر ختم سال پر ادویہ کی قیمت تو نصاب سے کم ہو لیکن دواؤں کی فروخت کرنے سے جو روپیہ حاصل ہوا ہے اس میں سے کچھ رقم دین سے زائد جمع ہو، تو اس کو بھی قیمت ادویہ کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اگر نصاب پورا ہوگیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ اس رقم پر حولان الحول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ نیز قیمت ادویہ کے علاوہ بھی اگر کچھ رقم نقد اس کے پاس دین سے زائد جمع ہو، تو اس کو بھی دویہ کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور نصاب پورا ہوگیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور یہی حکم ابتداء سال کا بھی ہے کہ اس وقت بھی اگر قیمت نصاب سے کم ہو لیکن کچھ رقم دین سے زائد جمع ہو، جس سے مل کر نصاب کامل ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر اس طرح بھی نصاب کامل نہ ہوا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور قیمت ہر دوا کی بازاری قیمت لگائی جائے گی۔ اور مرکب ادویہ کی وہ قیمت بازاری معتبر ہوگی، جو بعد ترکیب کے اس کی قیمت ہے۔ ابتداء سال میں اس وقت کی قیمت لگائی جائیگی اور انتہاء سال میں وقت انتہاء کی۔

قال فی الدر، وشرط کمال النصاب فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتہاء للوجوب فلا یضر نقصانہ بینہما۔ وقیمۃ العرض للتجارۃ تضم الی الثمنین لأن الکل للتجارۃ وضعا وجعلا اھ (ج ۲ ص ۵۳)

وقال فی حاشیۃ الدر، فتعتبر القیمۃ وقت الاداء فی زکوٰۃ المال عندہما وھو الاظہر، وعندہ یوم الوجوب اھ (ج ۲ ص ۱۸)

وفی رد المحتار: والفرق بین الثمن والقیمۃ ان الثمن ما تراضی علیہ المتعاقدان، سواء زاد علی القیمۃ او نقص، والقیمۃ ما قوم بہ الشیٔ بمنزلۃ المعیار اھ (ج ۴ ص ۹)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۰ محرم سنہ ۴۴ھ

مملوکہ پہاڑی زمین کی خودرو گھاس کے اجارہ کا حکم

سوال: حضرت والا! میں نے دربار بھوپال سے دو ہزار روپیہ سالانہ میں چرائی کا ٹھیکہ لیا تھا (چرائی کا ٹھیکہ یہ ہے کہ کوئی

اور جنگلی دیہات کا رقبہ جنگل میں جو خود رو گھاس پیدا ہوتی ہے اس کو مویشی چرتے ہیں، مالکان مویشی سے اس چری کے عوض میں محصول وصول کیا جاتا ہے) میں نے ۲۱ مواضعات کا ٹھیکہ چری دو سال کا دو ہزار روپیہ سالانہ میں لیا تھا، پہلے سال تو مجھے سو ڈیڑھ سو روپیہ کا نقصان ہوا، دوسرے سال نفع محصول فی مویشی بجائے ۵/ کے ۸/ فی مویشی کے حساب سے وصول کیں تو سال اول کی کمی پوری ہو کر کچھ بچت بھی ہو گئی۔ اس دو سال کے ٹھیکہ میں کبھی تو میں نے اپنے پاس کا روپیہ ٹھیکہ میں لگایا۔ اور اکثر اس چری کے ٹھیکہ کی آمدنی کا روپیہ اپنی کھیتی کے کام میں لگایا۔ وہ اس طرح کہ اس روپیہ سے غلہ خرید کرکے تخم ریزی کی اور مزدوری یعنی دغیرہ مزدوری کھیت کی اسی میں سے دی۔ ہلواروں کو بھی تنخواہ اسی میں سے دی۔ اسی طرح سے میری ذاتی آمدنی میں یہ ٹھیکہ کی آمدنی مشترک ہو گئی۔ اب مجھ پر خیال پیدا ہوا ہے کہ میں نے جو یہ ٹھیکہ لیا ہے وہ شرعاً ناجائز تھا، اس لئے سخت پریشانی ہو رہی ہے کہ میرے کھیتی کی جائز آمدنی میں ناجائز آمدنی شامل ہو گئی، لہٰذا اب مجھے کیا کرنا چاہئے، امسال جو غلہ پیدا ہوا ہے یا بپابندی احکام بہشتی زیور ایسی آمدنی سے بیع سلم کے ذریعے جو چیزیں ہیں اور بحالت موجودہ وہی میرا سارا سرمایہ ہے اس کو کیا کروں اور کس طرح اپنی گزر بسر کروں۔

ادنیٰ خادم

غلام مرتضیٰ مستاجر

موضع مرسی تحصیل دلوری ریاست بھوپال

تنقیحات منجانب مفتی صاحب

(۱) یہ اجارہ کا عقد زمین کی بابت ہوتا ہے یا گھاس کے متعلق؟

(۲) یہ زمین ملک کس کی ہے والیہ کی یا ریاست کی یا اور کسی کی؟

(۳) یہ گھاس خود رو ہے یا اس زمین میں پانی نہر وغیرہ سے دیا جاتا ہے؟

(۴) اپنے پاس سے ٹھیکہ میں روپیہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

(۵) غلہ وغیرہ میں یہ روپیہ کس طرح صرف کیا یعنی معاملہ بیع کا خاص ان روپیوں سے ہوا تھا یا ویسے ہی بلا تعیین روپیہ بیع ہونے کے بعد ان روپیوں میں سے ثمن ادا کیا تھا؟

جواب تنقیحات

حضور والا جواب تنقیحات حسب ذیل پیش ہے

جواب تنقیح (۱) اجارہ کا عقد زمین کی بابت ہوتا ہے اور ہر جگہ کچھ نہ کچھ گھاس کی حاجی ہے۔ (۲) یہ زمین ایک ہندو جاگیردار کی ہے جن کو ریاست سے جاگیر ملی ہے اور ان کو راجہ کا خطاب ہے لیکن بالفعل چند مواضعات کا رقبہ جنگل ترقی ہے، اور زیر اہتمام ریاست ہے اور بعد تحقیقات کے جاگیردار کا حق ثابت ہوگا تو اس کی آمدنی جاگیردار کو ملے گی ورنہ رقبہ جنگل ضبط ہو کر شامل ریاست ہو جائے گا۔

(۳) گھاس خودرو ہوتا ہے قدرتی پانی سے، نہر وغیرہ سے پانی نہیں دیا جاتا لیکن جس رقبہ میں گھاس ہوتا ہے اس کی حفاظت منجانب ریاست ملازمان جنگل کرتے ہیں۔

(۴) اپنے پاس سے روپیہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ٹھیکہ لینے کے بعد چار، چھ، آٹھ اور حسب ضرورت کم و بیش سپاہی بغرض انتظام و حفاظت رقبہ جنگل ملازم رکھنا پڑتے ہیں ان کو تنخواہ دینی پڑتی ہے کیونکہ ٹھیکہ لیتے ہی وصولی شروع نہیں ہوتی، چار مہینے کے بعد ہوتی ہے۔ یا اگر رقم وصولی (زر چری) کم ہوتی، تو جس قدر رقم پر ٹھیکہ لیا گیا ہے بقدر کمی اور سپاہیوں کی تنخواہ یہ سب اپنے پاس سے دینا پڑتی ہے۔

(۵) غلہ اول خرید لیا گیا خاص ان روپوں سے نہیں خریدا گیا لیکن غلہ کی قیمت میں یہی روپیہ ادا کیا گیا۔

اگر حضور والا اجازت دیں تو میں اپنی تمام حالت ابتداء سے آج تک کی مختصر اً عرض کروں۔ فقط

حضور والا کا ادنیٰ غلام مرتضیٰ مستاجر

الجواب

قال فی الشامیة: الاجارة اذا وقعت علی العین لا تصح فلا تجوز علی استئجار الآجام والحیاض للسمک، أو رفع القصب وقطع الحطب، أو لسقی ارضها أو لغنمه منها۔ وكذا اجارة المرعی۔ والحیلة فی کل أن یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیة ویبیح الماء والمرعی۔ استأجر حمارا یابسا أو ارضا او سطحا مدة معلومة ولم یقل شیئا صح، وله أن یجری فیه الماء۔ اھ (ج ۵ ص ۵۹)

صورتِ مسئولہ میں سائل نے جو ٹھیکہ ریاست سے لیا ہے اور نیز مالکانِ مویشی سے جو محصول وصول کیا گیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ٹھیکہ گھاس کا لیا گیا ہو اور یہ محصول گھاس چرانے کے معاوضہ میں لیا گیا ہو، یعنی مالکانِ مویشی سے گھاس چرانے پر عقدِ اجارہ کیا گیا ہو تو یہ صورت اجارۂ فاسدہ کی ہے۔ ریاست کو جو رقم دی گئی وہ ریاست کو حلال نہیں اور جو کچھ محصول مالکانِ مویشی سے لیا گیا ہے وہ سائل کی ملک میں بسبب خبیث داخل ہوا ہے جس کو مالکانِ مویشی کی طرف واپس کرے، یا ان سے برأت و معافی کرے۔ اور اگر یہ محصول کے استھان پر لیا گیا ہے اور عقد اس طرح ہوا ہے کہ ہم تم کو یہ زمین سال بھر کے لئے کرایہ پر دیتے ہیں کہ تم اس میں اپنے مویشی کو بٹھاؤ اور چراؤ! یا صرف اتنا کہا جائے کہ یہ زمین تم کو سال بھر کے لئے کرایہ پر دیتے ہیں، اور عمل کچھ بیان نہ کیا جائے، تو یہ اجارہ صحیح ہے، اور اس صورت میں محصول مالکانِ مویشی سے لینا بھی درست ہے اور اس طرح ریاست سے ٹھیکہ لینا بھی درست ہے۔ اور چونکہ سائل نے محصول کی رقم سے اپنے گھر کا غلہ وغیرہ تعیین رقم کے ساتھ نہیں خریدا، اس لئے یہ غلہ وغیرہ اس کے لئے حلال ہے۔ البتہ یہ محصول بصورتِ اولیٰ لیا گیا ہے تو اس کی واپسی یا معافی ضروری ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ار ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۲ھ

اس دلال اور کمیشن ایجنٹ کا حکم جس کی اجرت عقد کے وقت متعین نہ کی گئی ہو

زید نے اپنا ایک باغ معرفت عمرو کے مبلغ ۔۔۔ اسے صاحب میں فروخت کیا جس کو ایک عیسائی نے خریدا کیا عیسائی کی طرف سے ایک شخص رستم جی وکیل تھا، وکیل خریدار نے سو روپیہ بطور بیعانہ کے عمرو کو دیئے تھے، بعد میں جب بیعنامہ کی رجسٹری ہوئی، وہ سو روپیہ بیعنامہ کے وکیل مشتری کو واپس کر دیئے گئے، رجسٹری بیعنامہ کے وقت وکیل خریدار نے عمرو سے کہا کہ میرا کمیشن دلواؤ! مگر مقدار کمیشن کچھ طے نہیں ہوئی تھی۔ اس اثنا میں زید علیل ہو گیا اور اس نے بھی وکیل خریدار سے کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا کہ ہاں دیدیں گے۔ اسی اثناء میں زید نے عمرو سے مبلغ دو سو روپیہ قرض مانگے، عمرو نے اپنی امانت میں سے اپنے ماموں تقو سے اس کو دو سو روپیہ قرض دلوا دیئے۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال زید کے بعد وکیل خریدار نے عمرو پر کمیشن کا تقاضا کیا۔ عمرو کہتا ہے کہ میں نے مبلغ سو روپیہ زید کی جانب سے کمیشن میں وکیل

کو دیتے ہیں۔

اب ورثاء زید تو عمرو سے مبلغ دوسو روپیہ کا تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روپیہ تم نے قرض لیا تھا سب ادا کرو! عمرو کہتا ہے کہ میں نے سو روپیہ زید کی طرف سے کمیشن میں دیا ہے اب میرے ذمہ صرف سو روپیہ ہے۔ شرعی حکم سے اس صورت میں مطلع فرمایا جائے کہ عمرو کو یہ سو روپیہ کمیشن کے دینے کا حق تھا یا نہیں؟ اور اس کے ذمہ مبلغ دوسو روپیہ وارثان زید کو ادا کرنا واجب ہیں یا صرف سو روپیہ؟

الجواب

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (سئل) فیما اذا دفع الحر زید جاریتہ لعمرو، واذن لہ ان یصرف علیہا لنفقتہا کل یوم کذا ویرجع بنظیر ذلک علیہ، وصار ینفق القدر المذکور علی الجاریۃ مدۃ معلومۃ، وزید غائب ۔ ثم مات زید عن ورثۃ وترکۃ ویرید عمرو المأذون لہ الرجوع فی ترکۃ الآذن، بنظیر ما صرفہ باذنہ بعد ثبوت الاذن والصرف، وقدر المبلغ المعروف بالوجہ الشرعی فہل لعمرو ذلک؟ (الجواب) نعم! سئل ابو حامد عمن وکل رجلاً وکالۃً مطلقۃً علی ان لا یقوم بأمرہ وینفق علی اہلہ من مال الموکل، ولم یعین علیہ شرطاً فی الانفاق، ولکن اطلق لہ ثم مات الموکل وجاء ورثتہ فطالبوا الوکیل ببیان ما انفق وبصرفہ ہل یجب علیہ ان یبین؟ فقال: ان کان ثقۃ یصدق فیما قال وان اتہموہ حلفوہ الخ (ج ۱ ص ۳۲۲)

قلت: ثبت بہ ان الوکیل لہ الرجوع فی مال الموکل بعد موتہ بقدر ما انفق فی حیاتہ باذنہ۔

والحاصل ان الوکالۃ تنقطع بالموت، ولما کان حقوق العقد راجعۃ الی الوکیل فکل ما عقدہ فی حیاۃ الموکل باذنہ یرجع بحقوقہ فی مال

الموكل بعد موته .

قال فى التنقيح ايضا ولو دفعه الوكيل الى رجل ليعرضه على من احب فهرب به الرجل ولم يقدر عليه او تلف عنده المبيع ، فالوكيل ضامن ، وبه أفتى المرغينانى أيضا ، وأفتى الشيخ النسفى وشيخ الاسلام عطاء بن حمزة السغدى بأنه لا يضمن ، لأن البيع غالبا لا يتأتى إلا على هذا الوجه ، فيطلق له فيه ، والاول أصح ، لما ذكره المرغينانى أيضا لأن ليس له التسليم إلى أحد قبل البيع ۔ اقول : لقائل أن يقول : ان كونه لا يملك التسليم قبل البيع مسلم ، ولكن اذا كان بلا إذن من الموكل ۔ أما لو كان بالاذن الصريح ، فلا شبهة فى أن الوكيل يملك ذلك ۔ وكذلك إذا كان معروفا عادة بأن كان ذلك الشئ إنما يباع مع الدلال ولم يكن الوكيل دلالا فاذا وكله ببيعه مع علمه بذلك كان اذنا منه بذلك عادة والمعروف كالمشروط كما مر نظيره اهـ (ج ۱ ص ۳۵۲)

وفيه أيضا : فى وكالة البحر ، وكيل البيع لو دفع المبيع إلى دلال ليعرضه على من يرغب فيه ، فغاب أو ضاع فى يده لم يضمن ، لكن المختار الضمان ۔ كما فى البزازية ۔ لكونه دفع ملك الغير بغير اذنه وان كان أصيلا فى الحقوق الخ

وكتبت فيما علقته عليه انه ينبغى تقييد الضمان بما اذا لم تكن العادة جارية لذلك فلو جرت العادة بدفعه إلى دلال ليعرضه على البيع لا يضمن لأنه بمقتضى العادة يكون مأذونا بذلك اهـ (ج ۱ ص ۳۴۵) .

قلت : فكذا فى الصورة المسئولة لما وكل زيد عمروا ببيع عقاره وباعه الوكيل بواسطة الدلال والعادة أن مثل هذا البيع لا يكون الا بالدلال وكذا المعروف ان الدلال لا يبيع لاحد إلا بأجر فكان عمرو مأذونا فى ذلك عادة ۔ فاذا باعه الدلال ولم يسم له اجر كان له اجر مثل عمله عرفا ، ولان عمرو مأذونا عادة فى دفع اجر المثل إلى الدلال كما لا يخفى ۔

فما قاله فى التنقيح فى موضع آخر ما نصه : " حيث كان وكيلا ولم يشترط له اجرة ، فليس له ذلك ، والحالة هذه ۔ العامل لغيره أمانة لا اجر له ، إلا الوصى

والناظر فیستحقان بقدر اجرۃ المثل اذا عملا۔ الی ان قال۔ ولا اجر للوکیل الا بالشرط الخ ج ۱۔ ص ۳۲۴

لانا فی ما قلنا الان فی الصورۃ المسؤلۃ لم نوجب الاجر للوکیل الذی ھو عمرو بل انما اوجبناہ للدلال الذی باع عمرو عقارہ موکلہ بواسطۃ وثانیا ان ھذا الکلام محمول علی ما اذا لم یکن الاجر معروفا فی مثل ھذہ الوکالۃ واما لو کان معروفا فلا لان المعروف کالمشروط۔ فان کان الاجر مسمی یستحق بلا شبھۃ وان کان غیر مسمی یؤدی الیہ اجر مثلہ۔ واللہ اعلم۔

صورت مسئولہ میں چند امور قابل غور ہیں:

(۱) یہ شخص جس کا نام رستم جی ہے کیا اس کا پیشہ دلالی ہے یا وہ کیا یہ بات لوگوں کو عام طور پر معلوم ہے کہ یہ شخص کمیشن لیکر لوگوں کا مال بکوا دیتا ہے اور بدون کمیشن کے عام طور پر نہیں بکوا دیتا یا ایسا نہیں

(۲) اگر یہ دلال ہے اور کمیشن لیکر اس کا کام کرنا عام طور پر معلوم ہے تو یہ دیکھا جائے کہ دو ہزار کی جائیداد بکوانے کا کمیشن عرفاً کس قدر ہوتا ہے یا سو روپیہ سے کم ہوتا ہے یا اسی مقدار میں ان دونوں باتوں پر غور کرنے کے بعد جواب مسئلہ حسب ذیل ہے:

اگر زید و رستم جی کا دلال ہونا اور اس کا کمیشن لیکر عام طور پر کام کرنا معلوم تھا (جیسا کہ زید کے وعدہ اور وفائے کمیشن سے بھی مفہوم ہوتا ہے) تو اس صورت میں یہ شخص رستم جی بعد عمل کے اپنے کمیشن کا مستحق ہو گیا اور چونکہ عمرو جانب زید سے وکیل تھا اور حقوق عقد وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور صورت موکل سے وہ عقود بیع سے نہیں ہوتے جو وکیل نے موکل کی حیات میں کئے تھے لہذا رستم جی کو عمرو سے اپنے کمیشن کے مطالبہ کا حق تھا اور عمرو کو کمیشن ادا کرنا لازم تھا جس کو عمرو ترکۂ زید سے وصول کرنے کا مستحق ہے۔ اگر کمیشن اول طے ہو گیا ہوتا تو جس قدر طے ہوتا وہی دیا جاتا اور جب اول طے نہیں ہوا تو اب کمیشن عرف کے موافق دیا جائے گا۔ اگر عرفاً اس بیع و شراء کا کمیشن سو روپیہ ہوتا ہے تو عمرو کا سو روپیہ کمیشن میں دینا درست ہوا۔ اور ورثہ زید کو ان سو روپیوں کے مطالبہ کا عمرو سے حق نہیں۔ اور اگر کمیشن عرفاً اس صورت میں سو روپیہ سے کم ہو تو جتنا حق کمیشن کا ہو وہ چھوڑ کر باقی روپیہ کا مطالبہ ورثہ کر سکتے ہیں۔

اور اگر رستم جی کا عام طور پر کام کرنا معروف نہیں نہ اسکا دلال ہونا معروف ہے تو اس صورت میں جبکہ کمیشن پہلے کچھ طے نہیں ہوا تھا رستم جی کمیشن کا مستحق نہیں، نہ عمرو کو اسے کمیشن دینے کا کچھ اختیار تھا اس حالت میں البتہ ورثۂ زید پورے دو سو روپے عمرو سے وصول کرنیکے مستحق ہیں کیونکہ اس نے اس حالت میں جو کچھ رستم جی کو دیا محض تبرعاً دیا، اور اس رقم کو ترکۂ زید میں سے وصول کرنیکا اسے حق نہ تھا۔

دونوں صورتوں کا حکم لکھنے کے بعد فیصلہ یہ ہے کہ صورت سوال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پہلی صورت کا تحقق ہو رہا ہے نہ کہ دوسری صورت کا کیونکہ سوال میں مذکور ہے کہ زید نے ہی اس معاملہ کے انجام پانیکے بعد رستم جی کو کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا گو طے کچھ نہ ہوا تھا۔ مگر بظاہر اسکو یہ معلوم تھا کہ یہ شخص اپنے عمل کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہے جب اسکا استحقاق معلوم تھا تو وکیل یعنی عمرو کو حقوق عقد ادا کرنیکا عرف کے موافق اختیار ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۹ ر شوال ۱۳۴۱ھ

سوال :- زید اس شرط سے مزدوروں کو ملازم رکھتا ہے کہ روپیہ ماہوار تیری مزدوری یعنی اجرت سے وضع کر لیا کرونگا پھر میں کسی فعل خیر میں یہ روپیہ صرف کرونگا یہ تعامل مشروع ہے یا غیر مشروع۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

نوکری میں یہ شرط کہ تنخواہ سے اتنی رقم ہر ماہ لیکر کار خیر میں لگاؤنگا

دو شانکی ابراہیم پان فروش دوکان پہ

انا رالدین کو ملے۔ شہر بمبئی۔

الجواب

یہ جبر فی التصدق ہے اس لئے ناجائز ہے اور چونکہ اس شرط کی دنیوی منفعت احد العاقدین یا معقود علیہ کو نہیں پہونچتی اس لئے اجارہ فاسدہ ہوگا۔ واللہ اعلم

کتبہ

احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ

۲۱ ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے | **سوال:-** نکاح کے وقت اپنی اجرت یعنی ہم قاضی درست ہے یا نہیں

الجواب

نکاح کی اجرت لینا جائز ہے نکاح پڑھنے والے کو، اور بدون نکاح پڑھے لینا جیسا کہ دستور ہے کہ کسی آدمی سے نکاح پڑھواتے ہیں اور اسکی اجرت میں قاضی کا بھی حق سمجھا جاتا ہے یہ ناجائز ہے اور یہ بھی ناجائز ہے کہ کوئی قاضی وغیرہ اپنے سے نکاح پڑھوانے پر مجبور کرے۔ اور یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو شخص نکاح پڑھانے کیلئے بلاوے اجرت اس کے ذمہ واجب ہے (والتفصیل فی امداد الفتاوی ج ۳)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴ صفر ۱۳۴۲ھ

کتبہ
عبد الکریم عفی عنہ
۱۴ صفر ۱۳۴۲ھ

ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے | **سوال:-** ختمات مروجہ لایصال ثواب جائز ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی مجوزین عالمگیری کی سند پیش کرتے ہیں کہ کتاب الاجارہ میں جائز لکھا ہے، گو مولانا عبد الحئی صاحب اپنے فتاوی میں عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں، لیکن عمدۃ الرعایۃ میں حاشیہ متعلقہ باب المہر نقل کرتے ہیں: واشبہ ذالک ما لو استاجر شخص لقرائۃ القرآن ونحوہ فاتی بہ علی قصد کونہ للمستاجر وقد صرحوا منہ بان ثوابہ للمستاجر۔ براہ عنایت میرے تردد کو رفع فرمایئے، نیز صورت مسئول ولا تشتروا الآیۃ کی تحت داخل ہے یا نہیں

الجواب

قراۃ قرآن عند القبر اور اس پر اجرت کو عالمگیریہ وجوہرہ میں اگرچہ جائز لکھا ہے جبکہ مدت متعین کرکے معاملہ کیا جائے لیکن عالمگیریہ وغیرہ کے اس فتوی کی علامہ شامی نے تردید و تغلیط کی ہے اس لئے صحیح یہ ہے کہ قراۃ قرآن پر اجرت لینا حرام ہے۔ لکونہ إستیجاراً للطاعۃ وھو لا یجوز واستثناء التعلیم والاذان والامامۃ للضرورۃ ولا ضرورۃ فیہ اصرح

کذا فی رد المحتار ج ۵ ص ۵۲/۵۳

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

کتبہ
اصغر عبد الکریم عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

مہتمم کے نائب نے بعض ممبران مدرسہ کے حکم سے مہتمم کو ترک ملازمت مدرسہ کے بعد تنخواہ دیدی تو اسکو لینا جائز ہے یا نہیں اور نائب کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں

سوال:- زید ایک مدرسہ کا مہتمم ہے جسکی تنخواہ ۵۰ روپیہ ماہوار ہے چند اسباق بھی پڑھاتا ہے اور بعض مواقع میں حسب ضرورت مدرسہ، مدرسہ سے باہر جاکر فراہمی سرمایہ بھی کرتا ہے، و نیز دیگر مدرسین مدرسہ و مبلغین بھی حسب مواقع فراہمی سرمایہ کا کام دیتے ہیں، ترک موالات کے سلسلہ میں خلافت کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا جسمیں زید نے حسب خواہش اپنی شرکت کی اور اس میں جو تقریر کی اس کو گورنمنٹ نے باغیانہ تصور کرکے جیل کی سزا دی جس وقت وہ جیل جانے لگا تو مجمع عام میں اپنے بچوں کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ آج سے ہمارے تنخواہ مدرسہ سے بند ہوگئی آج سے ہم مدرسہ کے ملازم نہیں، آخر زید جیل گیا مگر جیل سے بہت سے خطوط واسطے امداد مدرسہ لوگوں کو لکھے جس میں بعض خطوط کی بنا پر مدرسہ کو کچھ فائدہ بھی ہوا، زید کے نائب نے بحکم بعض ممبران کی تنخواہ خاص مدرسہ کی فنڈ سے دے دی باوجود اس کے کہ جلسہ انتظامیہ موجود ہے، باقاعدہ جلسہ سے کوئی اجازت نہ لی، یہ تنخواہ جو نائب نے دیا، اسکو دینا اور زید کو لینا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے، تو نائب اور اس کے بعض حکم دہندہ ممبروں پر ضمان واجب ہے یا نہیں،

(۲) مدرسین مدرسہ یا مہتمم جو عہدہ دار مدرسہ میں ہوتے ہیں، اجیر عام ہیں یا اجیر خاص یا شرعی اصطلاح میں اس معاملہ کا دوسرا کوئی نام ہے،

الجواب

جب زید نے ملازمت ترک کردی تو تنخواہ کا مستحق کیسے بن سکتا ہے، اور خطوط لکھنا تبرعاً ہوگا کیونکہ کوئی عقد ملازمت طے نہیں ہوا، پس نہ زید کو تنخواہ لینا جائز ہے اور نہ نائب یا ممبران مدرسہ کو دینا، خواہ باقاعدہ جلسہ بھی منظور کرلے، لہذا جو رقم دی گئی وہ مدرسہ میں واپس دینا لازم ہے اور اگر زید نہ دے تو ضمان کے متعلق دریافت کرلیا جاوے

(۲) کیا اجیر خاص قرار دینے سے ضمان ... سبکدوشی مقصود ہے اجیر خاص کی سبکدوشی تو وہاں ہوسکتی ہے جہاں بلا قصد کوئی نقصان ہوجائے، اور جب قصداً کیا ہو تو ضمان ہوتا ہے اور ترک ملازمت یا حبس کی صورت میں تو نہ اجیر خاص ہے نہ اجیر عام بلکہ غیر ہے یا اسیر۔

فقط

الجواب صحیح
ظفر احمد عفی اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

کتبہ
الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا حرام ہے

سوال: زید و عمر ایک ہی محلہ کے رہنے والے ہیں، اور اس محلہ میں ایک ہی مسجد ہے، جس میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے۔ زید نے اس مسجد میں ختم تراویح کیلئے اُجرت پر ایک حافظ مقرر کیا ہے، عمرو اس فعل کو حرام جانتا ہے، اور حافظ کی اجرت کا شرعاً سے منکر ہے۔ اس حالت میں عمرو ختم تراویح میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں۔

سائل: احقر محی الدین محمد

الجواب

جو حافظ اجرت پر ختم قرآن شریف کیلئے بلایا گیا ہے، اگر وہ اس تنخواہ میں بیس پچیس یا پانچوں نمازوں کی امامت بھی کریگا، تو اسکو واضح کر کے سوال کیا جائے، اور اگر ایسا نہیں تو اس کے پیچھے قرآن سننے سے ثواب نہ ملے گا۔ اور ایسا حافظ چونکہ فاسق بھی ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، پس عمرو اس حالت میں نماز الگ پڑھ لے، اس حافظ کے پیچھے نہ پڑھے۔

قال فی مراقی الفلاح ولذا کرہ امامۃ الفاسق لعدم اعتناءہ بالدین فتجب اہانتہ شرعا، فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیرہ للجمعۃ وغیرھا وان لم یقم الجمعۃ الا ھو یصلی معہ اھ (۱۲۱)

اور اگر اپنے گھر میں تراویح کی جماعت کرلے تو اور بھی اچھا ہے، باقی فرضوں کی جماعت ترک نہ کرے، اگر اس امام مذکور کے سوا اور کسی کے پیچھے فرض کی جماعت نہ ملے تو اس کے ہی پیچھے پڑھے۔

والاصل فیہ ما حققہ ابن عابدین فی رسالتہ ، شفاء العلیل وبل الغلیل ، من حرمۃ الاجارۃ والاستیجار علی مجرد تلاوۃ القرآن ، ولا یخفی ان الحافظ الذی لا یؤم فی الصلوات الخمس وانما للتراویح و یختم فیہا و یاخذ الاجر علی ذالک انما ہو یاخذ الاجر علی الامامۃ بامامۃ التراویح بمجردہا لایجوز اخذ الأجر علیہا لعدم الضرورۃ التی بہا ابیح الاجرۃ فی تعلیم القرآن وامامۃ المکتوبۃ والأذان و غیرہا فانہا فرائض او سنن مؤکدۃ من شعائر الاسلام وامامۃ التراویح سنۃ کفایۃ وتتأتی بقرأۃ سورۃ قصیرۃ من آخر القرآن ولاتتوقف علی الختم . قال فی مراقی الفلاح : وسن ختم القرآن فیہا مرۃ فی الشہر علی الصحیح ، وان مل بہ القوم قرأ بقدر مالا یؤدی الی تنفیرہم فی المختار لان تکثیر القوم افضل من تطویل القرأۃ وبہ یفتی . قال الزاہدی : یقرأ کما فی المغرب ای بقصار المفصل بعد الفاتحۃ اھ (ص : ۲۲۱)

قال الصدر الشہید : الجماعۃ سنۃ علی الکفایۃ فیہا حتی لو اقامہا البعض فی المسجد بجماعۃ وباقی اہل المحلۃ اقامہا منفرداً فی بیتہ لایکون تارکا للسنۃ لأنہ یروی عن افراد الصحابۃ التخلف اھ ۔ من مراقی الفلاح (ص : ۲۲۰)

بخلاف جماعۃ المکتوبات فانہا واجبۃ علی العین او سنۃ مؤکدۃ وایضاً فانہ من الشعائر فتحققت الضرورۃ فیہا دون جماعۃ التراویح فلا یجوز أخذ الأجرۃ علی امامتہا مجردۃ ولا علی الختم فیہا والتخلف من مثل ہذا الامام اولیٰ ۔ واللہ اعلم ۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ رمضان ۱۳۴۵ھ

موجرکی زمین میں مستاجر کے کنواں بنوانیکا حکم	سوال :۔ حامد و ماجد باپ بیٹے ایک جائداد میں شریک ہیں حامد اپنا حصہ بیع کرتاہے اور شرط اداکیگی زر ثمن بارہ

سال یعنی اگر حامد نے بارہ سال میں روپیہ ادا کر دیا تو مشتری پر واپسی جائداد لازم ہوگی۔ کذا فی بیع الاقالۃ۔

ماجد ابن حامد بائع مشتری سے اسی جائداد کو ٹھیکہ پر لیتا ہے اور یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس زمین میں اپنے روپیہ سے چاہ پختہ بناؤں گا۔ اور چاہ بنانے سے اس زمین کی آمدنی زیادہ ہو جائے گی جو زر معاہدہ جو اس نے مشتری کو دینا تسلیم کیا ہے اس سے زیادہ ہوگی اس ازدیاد کا میں مالک ہوں گا اور سات سال تک میں اس ازدیاد کو حاصل کرتا رہوں گا۔ بعد سات سال اگر حامد بائع نے روپیہ ادا کر دیا تو زمین کے حسب عہد مالک ہوگا ورنہ مشتری ازدیاد کا بھی مالک ہوگا جو اس زمین میں چاہ پختہ کے بعد ہوگیا ہے اور جب تک مدت بیع سے بارہ سال پورے ہوں مالک رہے گا اگر بارہ سال میں حامد نے بائع کا روپیہ ادا کر دیا تو وہ جائداد مبیعہ کے مع حصہ چاہ مالک ہوگا۔ اور اگر روپیہ ادا نہ کیا تو مشتری اس حصہ چاہ کا جو اس کی زمین میں ہے مالک ہوگا۔ اور جو نفع ماجد بعد چاہ نے سات سال تک حاصل کیا ہے اس کو وہ قیمت چاہ قرار دیتا ہے یعنی یہ معاہدہ کرتا ہے کہ سات سال میں بعد بنانے چاہ کا زر معاہدہ کے سوا جو نفع میں حاصل کروں گا وہ اس چاہ کے اس حصہ کی قیمت ہے جو مشتری کے حق میں ہوگا اور اس کی زمین میں ہوگا۔ گویا مشتری حقیقت حامد کا ماجد ابن حامد کو زمین کا ٹھیکہ پر دے دینا اور اس میں ماجد کا تصرف کرنا جس سے قیمت زمین بڑھ جائے اور اس سے نفع حاصل کر کے نفع کو قیمت چاہ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں اور حصہ چاہ جو بعد مدت بارہ سال قبضہ مشتری میں آئے گا یہ مشتری کے لئے رکھوا تو نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ مشتری نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، بلکہ ماجد معاہد نے نفع حاصل شدہ کو اس کی قیمت قرار دیا ہے۔ بینوا انلنا اس توجروا من اللہ

محمد یعقوب تمنائی ابن یوسف حکیم قدوسی

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ چاہ جو ماجد بن حامد نے مشتری کی زمین میں بنایا ہے اصل میں اسکی ملک ہوتا، پھر اگر وہ بلا اذن مشتری بناتا تو ٹھیکہ ختم ہونے پر مشتری کو یہ حق تھا کہ ماجد سے کہتا کہ اپنے کنویں کا ملبہ لے جاؤ اور میری زمین چھوڑ دو۔ اور اگر کنویں

اکھاڑنے میں زمین کو ضرر پہنچتا ہوتا تو وہ کنوئیں کی قیمت دیکر اس پر قابض ہو جاتا۔

اور اجازت سے بنانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اجازت حاصل کرتے ہوئے یہ تصریح ہو جاتی کہ جو اس میں خرچ ہوگا وہ مشتری سے لیا جائیگا۔ اس صورت میں ماجد کو مشتری قیمت اور لاگت چاہ کی وصول کرنے کا حق ہوتا۔ دوسری صورت یہ کہ اجازت سے کنواں بنایا گیا اور تصریح کر دی گئی کہ کنواں بنانے والا مشتری زمین سے اس کا کوئی معاوضہ نہ لے گا۔ اس صورت میں کنواں مالک زمین یعنی مشتری کا ہوگا اور بنانے والے کو اس کے معاوضہ کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

صورت سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں ماجد بن حامد نے یہ کنواں مشتری کی زمین میں اسکی اجازت سے بنایا ہے، اور وہ مشتری سے اپنی لاگت کا معاوضہ لینا نہیں چاہتا بلکہ کنواں بنانے سے جو زمین کی آمدنی میں اضافہ ہوگا اسی اضافے کو سات برس تک وصول کرتے رہنے ہی کو وہ اپنی لاگت کا عوض سمجھتا ہے جسکا مطلب یہی ہے کہ وہ مشتری کی زمین میں کنواں بنا کر اس سے معاوضہ کا طالب نہیں، بلکہ خود نفع ونقصان کا ذمہ دار ہے۔ گویا ماجد کنواں مشتری کو ایک شرط فاسد کے ساتھ ہبہ کر رہا ہے، اور شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شرط لغو ہو جاتی ہے اور بعد انقضاء مدت اجارہ وہ اقرار کرتا ہے کہ کنواں اسکا نہ ہوگا، بلکہ مالک زمین کا ہو جائیگا خواہ وہ حامد ہو یا مشتری۔ پس یہ کنواں بعد انقضاء مدت اجارہ مع اپنے منافع کے مشتری کی ملک ہو جائیگا، اور اس میں ربوا کا کوئی احتمال نہیں، اور جب کنواں مشتری کی ملک ہو گیا، اور حامد سے بارہ سال کے بعد صرف زمین کی واپسی کا وعدہ ہے نہ کنوئیں کا، تو مشتری کو حق ہے کہ وہ بارہ سال کے بعد حامد کو صرف زمین واپس کرے، اور کنواں کو اپنی ملک میں رکھے، یا کنواں کی قیمت حامد سے لیکر کنواں بھی اسی کو دیدے، اور ماجد کا یہ کہنا کہ اگر سات سال کے بعد حامد (بائع) مشتری کا روپیہ ادا کردے تو حامد زمین کا مع چاہ اور منافع چاہ کے مالک ہوگا لغو ہے، کنواں بنانے کے وقت زمین مشتری کی ملک میں ہے، اسکی زمین میں اسکی اجازت سے جو زیادت ہوگی وہ اسی کی ملک ہوگی، حامد کو اس سے اسوقت کوئی تعلق نہیں۔

قال فی الحامدیۃ (ج ۲ ص ۱۳۵): طحان رکب فی الطاحونۃ حجراً

من ماله، وجدد يدا وشيئا آخر وغرم لذلك، قالوا: إن فعل ذلك بأمر صاحب الطاحونة ليرجع عليه، كان له أن يرجع بذلك على صاحب الطاحونة. وإن فعل بغير أمره، فإن أمكن رفعه من غير ضرر يرفعه. وإن كان مركبا لا يمكن رفعه إلا بضرر، كان لصاحب الطاحونة أن يدفع إليه قيمته ويمنعه من الرفع. فإن أحدث المستأجر في المستأجر بناء أو غراسا ثم انقضت مدة الإجارة، كان للآجر أن يأمره بالرفع قلت قيمته أو كثرت، وإن شاء منعه من الرفع، وأعطاه القيمة، إذا لم يكن أمره أن يفعل ذلك ليرجع عليه - خانية ا هـ

قلت: وفي ما نحن فيه إنما بنى المستأجر في أرض المؤجر بإذنه مع التصريح بأنه لا يأخذ من المؤجر في عوضه شيئا، بل عوض عمله ما يحصل من المنافع الزائدة في مدة سبع سنين. فلا يكون له حق الرجوع على المؤجر، ولا حق رفع عمارته بعد انتفاعه بالأرض سبع سنين. نعم، إن نقض المؤجر الإجارة قبل المدة يسئل عن حكم ذلك ثانيا. والله تعالى أعلم

حرره الأحقر ظفر احمد عفا الله عنه

۲۲ صفر ۱۳۴۶ھ - از تھانہ بھون

متولی اجیر وقف کو معزول کرنے کی صورت میں ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ وقف سے دینے کا مجاز ہے یا نہیں؟

سوال:- آج کل یہ صورت رائج ہے کہ ملازم اگر ملازمت سے علیحدہ ہونا چاہے تو اس کو ایک مہینہ قبل اطلاع دینی ہوتی ہے، اس طرح اگر دکاندار ملازم کو علیحدہ کرتا ہے تو اسکی آئندہ ماہ کی تنخواہ بھی مجرا دے دیتا ہے، اگرچہ اس سے کام نہ لے، یہ اصول جس طرح دکانداروں میں رائج ہے اسی طرح مدارس میں بھی، اور وقف کے آفسوں میں بھی تو اگر متولی مسجد کسی ملازم کو برطرف کردے، اور متولی مسجد اس کو جس ماہ میں برطرف کیا ہے اس کی تنخواہ اور ماہ آئندہ دونوں کی تنخواہ اس اصول رائج کے مطابق دے دے تو کیا ملازم کو یہ لینا صحیح و درست ہے یا نہیں، نیز متولی مسجد کو

دینے کا اختیار ہے یا نہیں جبکہ یہ اصول اس میں رائج ہو۔

الجواب

یہ اصول عام طور پر اوقاف میں جاری نہیں، پس کسی وقف میں اس اصول کا جاری کرنا اس وقت جائز ہو سکتا ہے جبکہ وقف نامہ میں یہ اصول درج ہو، یا قدیم سے اس وقف کے سب متولی ایسا ہی کرتے رہے ہوں، اگر قدیم سے ایسا طرز عمل نہیں نہ وقف نامہ میں اسکی تصریح ہے، تو متولی کو ایسا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر ہر ملازم کو ملازم رکھتے ہوئے یہ عہد کر لیا جاتا ہو تو پھر مطلقاً جائز ہے۔

وحاصله أن أجرة الشهر الذي يعطل فيه تكون مضاعفة ولا بأس بهذا كما جاز ان يشترط زيادة قدر معلوم على مضي سنة أو سنتين أو نصاعدا۔ والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

بسبب قرض مدیون سے اجارہ قلیلہ پر کاشت کیلئے زمین لینا

سوال ۱۰: اگر کسی نے سو روپیہ لیکر تین بیگہ زمین اجارہ پر دی، اس طرح کہ ہر سال اصل روپیہ سے تین روپیہ کر کے وضع کیا جائے گا، حالانکہ یہ تین بیگہ زمین کم از کم سال کے لئے بیس روپیہ پر لگ سکتا ہے، بوجہ اٹھارہ روپیہ لینے کے سالانہ تین روپیہ مقرر ہوا، یہ صورت جائز ہے یا نہیں،

سائل: عبدالکریم

الجواب

یہ صورت فی نفسہ تو جائز ہے لیکن اگر اس کو سود لینے کا حیلہ بنایا جائے تو مکروہ ہے۔ لكراهة الاحتيال للربوا۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، ۷ شعبان ۱۳۴۳ھ

ایام تعطیل اور خارج اوقات میں ایام غیر حاضری کی تلافی کرنے سے سبکدوشی ہوگی یا نہیں۔

سوال ۱۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید مدرسہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا صدر مدرس ہے، اس نے نیابت کی حالت میں اور اب نائب

ہوتے ہوئے بھی گاہ گاہ بلا حصول رخصت غیر حاضری کی، کیا یہ حق العباد ہے؟ اگر ہے تو
ایام تعطیل میں ایام غیر حاضری کی تعداد کے موافق کام کرنے سے ادائیگی ہو جائیگی یا نہیں
اگر ہو جائے تو بہتر ہے، اور اگر نہ ہو تو ایام غیر حاضری کی تنخواہ بورڈ میں جمع کرنے سے
ادائیگی ہو جائیگی یا نہیں، دونوں صورتوں میں جواب کی ضرورت ہے، زید ایام غیر حاضری
کی ادائیگی کی نیت سے ایام تعطیل میں کام کر چکا ہے، یہ ادائیگی ہوئی یا نہیں مطابق
قواعد ڈسٹرکٹ ایک سال میں چودہ یوم کی رعایتی رخصت ملتی ہے۔ اگر ان ایام رخصت
میں کام غیر حاضری کی ادائیگی کی نیت سے کیا جائے تو ادائیگی ہوگی یا نہیں (بورڈ سے رخصت
حاصل کر کے ایام رخصت میں کام کیا جائے) فقط والسلام۔

مرتضی علی

مدرس مدرسہ اسلامیہ ڈسٹرکٹ بورڈ سہنپور

الجواب

ہاں یہ حق العباد ہے، کافر کے ملازم کو بھی ملازمت کے حقوق کا ادا کرنا لازم ہے۔
رہا یہ کہ ایام تعطیل یا خارج اوقات میں تلافی مافات کرنے سے سبکدوشی ہوگی یا نہیں
یہ امر قواعد بورڈ معلوم ہونے پر موقوف ہے کہ بورڈ کے نزدیک خارج اوقات میں تلافی
معتبر ہے یا نہیں، اس کو ظاہر کر کے سوال کیا جائے ورنہ یہی صورت ہے کہ ان ایام کی
تنخواہ بورڈ میں داخل کر دی جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ
۱۸ شوال ۱۳۶۲ھ

طلبہ اسکول سے فیس لینے کے احکام: سوال:۔ گذارش یہ ہے کہ ہمارے مدرسہ میں
جو قوانین ہیں، ان میں سے کسی قانون کے متعلق احقر کو شبہ ہو گیا ہے اس لئے حضرت والا
سے دریافت کرنا چاہتا ہے، کہ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، مہربانی فرما کر جواب سے مشرف
فرمادیں۔
(۱) جب کوئی نئے لڑکے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں تو علاوہ ماہواری فیس کے ان سے
داخلہ فیس ماہواری فیس کے مقدار میں لی جاتی ہے۔ اسکا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی لڑکا مدرسہ سے چلا جائے تو دو ماہ تک حاضرہ کاپی میں اس کا نام رکھا جاتا ہے پھر اگر وہ یہاں داخل ہو تو اس سے ان دونوں مہینوں کی فیس لی جاتی ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں اس نے ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا، اور پھر داخلہ فیس بھی لی جاتی ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی لڑکا کسی مہینے میں کلاً یا بعضاً غیر حاضر ہے، تو دوسرے مہینے میں اس سے پوری فیس لی جاتی ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) نئے لڑکے سے فیس داخلہ کے علاوہ اس مہینے کی پوری فیس لی جاتی ہے، خواہ مہینے کی شروع میں داخل ہو یا درمیان میں یا اوائل عشرہ آخر میں۔ یہ جائز ہے یا ایام کے اعتبار سے کمی بیشی کر کے لینا چاہئے؟

احقر اطہر غفرلہ

مدرسہ جامعہ ملیہ شہر کملا ضلع پٹنہ

الجواب

(۱) — اس تاویل سے جائز ہے کہ یوم داخلہ کی اجرت تعلیم سب ایام سے زیادہ ہے اور اس کی تعجیل مشروط ہے اور تعجیل اجر جائز ہے۔

(۲) — یہ بھی اس تاویل سے جائز ہے کہ جو لڑکا ایسا ہوگا اس سے یوم داخلہ کی اجرت تعلیم دوسروں سے زائد لی جائے گی اور وہ زیادت پیشگی لی جائے گی، اور اس زیادت کے تعین کا معیار یہ قرار دیا گیا کہ جتنی فیس ایام غیر حاضری کی ہو وہ مع فیس داخلہ کی مقدار کے بمجموعہ دوسرے لڑکوں کی فیس سے زائد ایسے لڑکے سے لی جائے گی۔ اور یہ مقدار گو بصورت قانون مجہول ہے، مگر وقت وصول وادا کے مجہول نہ ہوگی۔ للعلم بایام عدم حضورہ حینئذٍ فی العلم باجرۃ الدخول۔

(۳) — اس صورت میں جواز کی گنجائش اصلاً نہیں۔

تنبیہ: — اس صورت کے متعلق جو یہ لکھا گیا ہے کہ اس میں جواز کی گنجائش اصلاً نہیں، یہ اس صورت میں ہے جبکہ طالب علم پورے مہینے میں غیر حاضر رہا ہو، اور اگر بعض حصہ میں غیر حاضر اور بعض میں حاضر رہا ہو، تو اس میں اس طرح گنجائش ہے کہ قانون میں تصریح کر دی جائے کہ جس مہینے کے کسی حصہ میں طالب علم مدرسہ سے نفع حاصل

کریگا۔ اس سے پورے ماہ کی فیس لی جائیگی، گویا اجرت تعلیم کل ماہ اور بعض ماہ کی مساوی ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد ۲۳ محرم ۱۳۴۰ھ

(۳) — اس کا بھی وہی حسن وہی ہے، جو صورت ثالثہ کا حاصل ہے، کہ جس طرح ایام داخلہ کی فیس واجرت دیگر ایام سے زائد ہے اسی طرح ماہ داخلہ کی اجرت دوسرے مہینوں سے زائد ہے، اس لئے یہ بھی جائز ہے۔ لازم یہ ہے کہ جس تاویل سے ان قواعد کو جائز کیا گیا ہے قواعد میں ان وجوہ کی تصریح ہوجائے تاکہ شبہ فساد باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۱ محرم ۱۳۴۰ھ

(نوٹ) یہ تو آئندہ کے لئے ہے، لیکن جو زائد ماضی میں لی جاچکی ہے، چونکہ وہ اس تاویل سے نہیں لی گئی، اس لئے اس کی واپسی لازم ہے۔

اشرف علی

ایام تعطیل کی تنخواہ حلال ہے

سوال (۷۰۰) ما قولکم رحمکم اللہ فی ہذہ المسئلہ: تنخواہ ایام تعطیل چوں جمعہ و عیدین و رمضان بحسب دستور و آنچہ در عیدین و ختم بعض سورہا قرآن مجید و غیرہ چوں نیاز چہ در مدرسہ و شیرینی وغیرہ مدرسین صاحبان را داون است معروف مشہور اگر گرفتن مباح است یا محظور۔

الجواب

مباح ست، کما فی رد المحتار: وینبغی الحاقہ ببطالۃ القاضی واختلفوا فیہا والاصح انہ یأخذ لانہا للاستراحۃ۔ اشباہ من قاعدۃ والعادۃ محکمۃ۔ و در گرفتن اشیاء مرسومہ شکے نیست و اگر کسے مانع آید جبراً گرفتہ شود کما فی جامع الرموز وغیرہ: فلو امتنع الاب من المرسوم مثل بنج شنبئی وعیدی وغیرہما حبس علی ذالک وفی الدر المختار: ویجبر علی دفع الحلوۃ المرسومۃ الخ۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

مشین سے آٹا پسوانے کے متعلق چند سوالات

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(الف) کہ زید کے پاس آٹا پیسنے کی ایک مشین ہے، اور ایک من گیہوں کی پسوائی یعنی اجرت میں (چار آنہ نقد اور ایک سیر آٹا) لیتا ہے تو آیا ایسے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اور اسی زید کے پاس جو غلہ آتا ہے اس کے پسوانے کے بعد اسی آٹے کو تول لیا، جتنا غلہ جل جانے میں ضائع ہوا تھا اس کو کاٹ لیا، اب ہر روز اتنا غلہ کاٹ لیتا ہے ہر ایک سے جتنا کہ اس سے پہلے شخص سے کاٹ لیا تھا تو آیا ایسی صورت میں ہر ایک سے ظن پر غلہ کاٹنا جائز ہے یا نہیں۔

(ج) زید کے پاس جو غلہ آتا ہے مثلاً گیہوں کہ کسی کا اعلیٰ اور کسی کا ادنیٰ، اور زید مذکور اس کا اصلاً لحاظ نہیں کرتا بلکہ سب غلوں کو ایک بار مشین میں داخل کرتا ہے اور پس جانے کے بعد جتنا غلہ جس کا ہوتا ہے اسی مقدار کے موافق ظنی کٹوتی کے علاوہ ہر ایک کو حوالہ کرتا ہے اور یہ احتمال بلکہ متیقن ہے کہ کسی کا غلہ کسی کے پاس پہونچ جاتا ہے کیونکہ اعلیٰ گیہوں والے کے پاس ادنیٰ، اور ادنیٰ والے کے پاس اعلیٰ چلے جانے کا یقین ہے تو آیا یہ صورت بھی جائز ہے یا نہ۔

(د) زید مذکور مشین بند کرتے وقت کچھ غلہ مشین کے اندر روکتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مشین کے بگڑ جانے کا احتمال ہے اور ظاہر ہے کہ وہ غلہ جس کا ہوتا ہے اس کو واپس بھی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اپنے خرچ میں لایا جاتا ہے تو آیا یہ غلہ روکنا اور مالک کو واپس نہ کرنا اور اپنے صرف میں لانا درست ہے یا نہ؟

(ہ) یہاں پر ایک عالم صاحب عرصہ چھ ماہ سے تشریف فرما تھے جب مندرجہ بالا سوالات ان کے سامنے پیش ہوئے، تو جواب میں فرمایا کہ یہ سب صورتیں ناجائز اور حرام ہیں، جب زید مذکور کو یہ اطلاع ملی کہ عالم صاحب نے سب صورتیں ناجائز قرار دی ہیں، تو غصے میں آکر عالم صاحب کو سخت سست کہا، اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ لکڑی اٹھا کر اس پر حملہ آور ہوئے، عالم صاحب نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیا اور فرمایا کہ بھائی اگر تمہیں تسکین نہ ہو تو میں فتوی لکھے دیتا ہوں، آپ اور عالم صاحب سے تحقیق فرمالیں، مگر اس پر اس کو سکون نہ ہوا، خانہ خدا سے دھکے دیکر نکال دیا۔ عالم صاحب راضی برضا ہو کر یہاں سے

قریب دوسری بستی میں قیام پذیر ہوسکے۔ آنحضرت والا کی خدمت میں عرض ہے کہ زید مذکور کے لئے شرع سے کیا حکم ہے اور اگر زید مذکور نادم ہوں تو توبہ کی کیا صورت ہے۔ بینوا توجروا

مستفتی جواب

خادم العلماء محمد احمد تاڑوالا

منگرول، سورت، گجرات

الجواب

(ا) پسوائی میں ایک سیر آٹا فی من لینا جائز نہیں۔ نکو نہ من قفیز الطحان وقد نھی عنہ۔ بلکہ جس قدر اجرت لینا ہو نقد لیجائے۔

(نوٹ) عدہ لیکن اگر یہ امر یقینی ہو کہ آٹا پسوانے والا۔ گر اس آٹے میں سے نہ دے بلکہ اپنے پاس سے دینے لگے تو آٹا پیسے والا لینے سے انکار نہ کرے تو اس صورت میں خود اس پسے ہوئے سے بھی دینا لینا جائز ہے ۱۲ اشرف۔

(ب) یہ صورت بھی جائز نہیں بلکہ ہر شخص کا غلہ الگ پیسا جانا چاہئے پھر اسکو تول کر دیدیا جائے جس قدر کم ہوگا وہ چلا ہوگا۔ اس سے زیادہ کا ٹنے کے کیا معنی ہے۔

(ج) یہ فعل بھی ناجائز ہے بلکہ ہر شخص کا غلہ الگ پیسنا چاہئے اور اگر بدون خلط کے چارہ نہ ہو تو مالکان غلہ کی اجازت سے خلط کرنا جائز ہے۔ بدون اجازت کے جائز نہیں۔ اور اگر ہر شخص سے روزانہ اجازت لینا دشوار ہو تو اس کو چاہئے کہ اس قاعدہ کو تحریراً اور تقریراً اچھی طرح مشتہر کردے۔ کہ ہم ایک دوسرے کے غلہ کو خلط کیا کرینگے۔ جس کو یہ منظور نہ ہو وہ یہاں غلہ نہ پسوائے۔ جب اسکی کافی شہرت ہو جائے اس کے بعد خلط کا مضائقہ نہیں۔ فان: المعروف کالمشروط۔ اور کٹوتی کا حکم اوپر گزر چکا۔

(د) زید کا یہ فعل بھی جائز نہیں۔ اور جو صورت اس نے بیان کی ہے وہ اس طرح پر رکھ ہوسکتی ہے کہ آخری غلہ کے ساتھ مالک غلہ کی اجازت سے اپنے پاس سے ایک یا دو سیر غلہ اضافہ کردے۔ اور پھر آٹا مشین میں چھوڑ کر مشین کو بند کردے۔ اس صورت میں دوسرے شخص کا آٹا مشین میں بند نہ ہوگا۔ بلکہ مشین والے کا بند ہوگا۔ اور اگر دوسرے ہی شخص کا آٹا بند کرے تو لازم ہے کہ اس کو اس کمی کا معاوضہ ادا کرے۔

(ہ) زید پر لازم ہے کہ تمام مذکورہ سے مجمع عام کے سامنے معافی چاہے جس طرح مجمع عام

میں اسکی توہین کی تھی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کے لئے صدق دل سے مغفرت کی درخواست کرے۔ سچے دل سے توبہ کرے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۱۶ر جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

حکم تنخواہ مدرسین ایام تعطیل **سوال:-** آج کل مدارس عربیہ میں یہ دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی تعطیل ہوتی ہے۔ اور اہل چندہ سے اسکے متعلق نہیں کہا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ میں ماہ رمضان المبارک میں مدرس کو رعایتی تنخواہ اور تعطیل دی جاتی ہے، اور مہتمم مدرسہ اور ممبران مدرسہ کی طرف سے روئداد مدرسہ میں اعلان ہے کہ ان ایام میں تنخواہ رعایتی دی جائے گی، اور تعطیل دی جائے گی۔ اور اہل چندہ دریافت نہیں کرتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ اہل مدرسہ کو اس کا اختیار ہے۔ اور مہتمم مدرسہ سب کی طرف سے وکیل ہے اور وہی مدرسوں کو تعطیل دیتا ہے۔ اور وہی حالت مرض وغیرہ میں رخصت دیتا ہے جب مہتمم وکیل ہے تو اسکے ذمہ میں کس طرح مواخذہ ہوگا۔ اور معاہدہ مدرس سے یا مہتمم سے بلکسی قسم کا اہل چندہ سے نہیں ہے۔ اور اختیارات کل جو کچھ ہوتے ہیں وہ سب مہتمم کو ہوتے ہیں۔ اور آج کل ہندوستان میں ہر مدرسہ میں یہی دستور ہے کہ کلی و جزئی اختیارات جو کچھ ہوتے ہیں وہ مہتمم کو اور اہل شوریٰ کو۔ اسکا اعلان عوام الناس میں بذریعہ روئداد اور قانون مدرسہ کے جو ایک سال میں شائع ہوتا ہے کرتے ہیں۔ اگر اہل چندہ سے فرداً فرداً اجازت لی جائے گی، تو اس صورت میں کوئی مدرسہ نہیں چل سکتا ہے، اور صورت اولیٰ میں دشواری ہے۔ تو اس کے لئے جملہ واقعات اور مافعات اور تمام باتوں کو دیکھ کر جواب تحریر فرمایئے گا۔ اور عوام الناس کا اعتماد بھی مہتمم مدرسہ اور اہل شوریٰ پر ہے وہ ان قانون کو جو مدرسہ کا ہے نہیں دیکھتی ہیں بلکہ یہ کہتی ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے ہیں مہتمم کو اختیار ہے اور وہی تغیر و تبدل کا مالک ہے اسی کو اختیار ہے۔ فقط

الجواب

جب مدرسہ کی روئداد میں رخصت و تعطیل کا قانون شائع کر دیا گیا اور چندہ دھندوں کے پاس روئداد بھیج دی جاتی ہے۔ تو اب مدرسین کو تنخواہ رمضان و دیگر تعطیلات

لینا جائز ہے، اور اتنی بات سب جانتے ہیں کہ مدرسوں میں چھٹی اور رخصت و تعطیل ضرور ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر کام چلنا دشوار ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۱۰ر شعبان ۱۳۴۷ھ

اس شرط پر مدرس کو رکھنا کہ جو ھدایا مدرس کو لوگوں کی طرف سے ملیں گے تنخواہ میں محسوب ہوں گے، اور مدرس کا ان کو مخفی رکھ کر پوری تنخواہ کا مطالبہ کرنا

سوال:- ایک شخص نے ایک مدرس قرآن کو رکھا اور کہدیا کہ اگر کچھ ہدیہ ملیگا تو وہ تنخواہ میں محسوب ہوگا یعنی ہدیہ کی مقدار تنخواہ میں سے وضع ہوگی لیکن جب اسکو لوگوں نے ھدیہ دیا تو اس نے مخفی رکھا اور کامل تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ تنخواہ وضع کرنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ ھدایا ان لوگوں کی طرف سے ہیں جن کے بچے پڑھتے ہیں، بلکہ بعض نے تو صراحۃً کہا کہ ہم کو اتنا دیا کرینگے تاکہ خیال کرنا انہوں نے اوقات مدرسہ ہی میں خاص توجہ کی اور تنخواہ کی طرح مطالبہ کرکے وہ رقم لی، گو ہدیہ کے نام سے تھی۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اس مدرس کو لازم تھا کہ مقدار ہدیہ وضع کرکے بقیہ تنخواہ کا مطالبہ کرتا، پوری تنخواہ لینا جائز نہ تھا۔

ولا یتوھم فساد الإجارۃ بھذا الشرط، فان معنی قول المستأجر ھذا ان اجرلک کذا وان اتتک ان لوستھم من الصبیان الذین استأجرتک لتعلیمھم ھو مثل ھذا الشرط جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، ۱۰ر شعبان ۱۳۴۷ھ

عقد اجارہ کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ مکان جس میں احقر کی بود وباش ہے مجھے معتبر اور متواتر روایتوں سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مکان میرے بزرگوں کا زر خرید نہیں ہے، بلکہ یہ کسی سوداگر کا مکان تھا، اس نے جب زمانہ غدر سے تین چار سال پیشتر کہیں تلاش روزگار کے لئے جانا

چاہا، تو بغرض محافظت مکان و اثاث البیت میرے دادا صاحب کو اس میں آباد کر دیا، اور پیسے ماہوار ان کی تنخواہ محافظت مقرر کی، اور اس معاہدہ کی ایک تحریر بھی لکھ دی دادا صاحب ایک عرصہ اس مکان میں رہتے رہے، لیکن مالک مکان نے نہ کبھی تنخواہ محافظت روانہ کی اور نہ اپنے مکان کی اور اثاث البیت کی خبر لی، حتیٰ کہ دادا صاحب کا تقریباً پندرہ سال بعد انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اسی طرح والد صاحب محافظت فرماتے رہے، والد صاحب کی محافظت کے زمانہ میں والد صاحب کی عدم موجودگی میں ان سوداگر کا سالا یا بہنوئی غرض انکا کوئی رشتہ دار آیا۔ اور مکان میں سے اثاث البیت نکال کر لے گیا ایک عرصہ بعد والد صاحب کا بھی انتقال ہو گیا۔ لیکن چونکہ میرا زمانہ طفولیت تھا، اس لئے پورے حالات مکان اور صاحب مکان اور ان کے جائے قیام کے مجھے مطلقاً معلوم نہ ہو سکے البتہ قاری ناظر حسن صاحب سے کئی مرتبہ معلوم ہوا کہ یہ مکان تمہارے پاس اس طریقہ سے آیا ہے تمہارے پاس صاحب مکان کی ایک تحریر بھی ہے، جس کی رو سے اب تمہارا ایک ہزار کچھ روپے یا دو ہزار کچھ روپئے حسب روئے تحریر صاحب مکان کے ذمہ واجب ہو گئے، اور یہ بھی فرمایا کہ اس تحریر کو تلاش کر کے حفاظت سے رکھنا، لیکن چونکہ ہماری والدہ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے دوسری شادی کر لی تھی، اور دوسری والدہ مجھے کاوش رکھتی تھی اور تمام کاغذات انہیں کے قبضہ میں تھے، اس لئے جب میں نے ان سے اس تحریر کو طلب کیا تو انہوں نے تحریر کے ہونے کا تو اقرار کیا، لیکن دینے سے انکار کیا پھر اسی ناراضی کی حالت میں وہ اپنے میکہ چلی گئیں، اور ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے وہ تحریر بھی تلف ہو گئی۔ اب چونکہ یہ واقعہ مدت دراز کا ہو چکا ہے، اس لئے یہ معلوم ہونا نہایت دشوار ہے بلکہ غیر ممکن کہ معاہدہ مذکورہ کی رو سے ان کے ذمہ کس قدر روپیہ واجب ہوا، نیز با وجودیکہ بہت سے لوگوں سے دریافت کیا گیا، لیکن کسی کے ذریعہ سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سوداگر صاحب کا کیا نام تھا، اور کس مقام پر وہ یا ان کے اولاد مقیم ہے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے، آیا مکان مذکور میں مجھے بحالت موجود رہنا اور استعمال کرنا درست ہے یا نہیں۔

السائل

رونق علی تھانوی

سوداگر مذکور سے عقد اجارہ دادا کے انتقال پر ختم ہو گیا پس ان کی اولاد سوداگر مذکور سے صرف اسی رقم کے لینے کی مستحق ہے جو دادا کے انتقال تک واجب ہوا ہے، اس کے بعد جو سکونت ہوئی نہ اس کے عوض کا مطالبہ سوداگر کے ورثاء کر سکتے ہیں کیونکہ یہ سکونت خود مکان کی حفاظت کا سبب تھی۔ اور نہ محافظ کے ورثاء کر سکتے ہیں کیونکہ ان سے کسی نے عقد اجارہ منعقد نہیں کیا، اور موت مستاجر سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، اب سائل اس رقم کو جو محافظ اوّل کی حفاظت کا معاوضہ ہے دیکھ لے کہ وہ کس قدر ہے۔ اور کتنا مکان اسکا عوض ہو سکتا ہے اس کا مستحق تو وہ بطور معاوضہ کے ہے۔ اور باقی مکان بیت المال کا حق ہے۔ چونکہ سائل بھی بیت المال کا مصرف ہے اور دوسروں سے احق ہے اس لئے بقیہ پر بھی وہ بدستور قابض رہے، البتہ اگر کسی وقت سوداگر مذکور کے وارث کا پتہ چل جائے، تو بقیہ مکان کو وہ لے سکتا ہے اور سائل کو اسے دینا ہوگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اسی مضمون کی ایک یادداشت لکھ کر اپنے ورثاء کے پاس رکھ دے اور ان کو زبانی بھی کہہ دے۔ اور جس صورت میں کل مکان اس کی ملک ہو جائے اس صورت میں ایسے یادداشت کی ضرورت نہیں۔ اور اگر رقم مذکور سے کچھ نہ بچے تو سب مکان اسی کی ملک ہے، اور قیمت اسی وقت کی یعنی وقت اقرار کی معتبر ہے۔

وانما کونہ احق من غیرہ فلکونہ المالک لکن جعلہ فیہ وایضاً لکونہ السائل مستحقاً لتقیمہ عوضاً فکان شریکاً۔

الدلیل: قال فی الهدایة فی باب الغصب فان لم یقدر علی مثله فعلیه قیمته یوم یختصمون. هذا عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف یوم الغصب وقال محمد یوم الانقطاع اهـ ج ۳ ص ۳۵۔

والراجح قول الامام کما هو ظاهر صنیع صاحب الهدایة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۳ شوال ۱۳۴۶ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ ایک مدرسہ اسلامیہ کے قواعد و ... مدرس کو شعبان میں ملازمت سے برطرف کر دیا تو وہ ماہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہو گیا یا نہیں جبکہ مدرسے کے قواعد کے رو سے وہ اس کا مستحق نہیں ہے اور اس نے ماہ شوال میں آکر کام بھی نہ کیا

ضوابط کی ایک دفعہ یہ ہے کہ مدرسین و ملازمین مدرسہ کو تنخواہ ماہ رمضان المبارک کا استحقاق اس وقت ہوگا، جبکہ وہ ماہ شوال المکرم میں آکر مدرسہ میں کام کریں۔ پیشگی دینا ممکن نہ ہوگا اراکین مدرسہ یہ سمجھے ہوتے ہیں اور اسی پر عمل درآمد کی ہے، کہ اس دفعہ کی رو سے اگر کسی مدرس کو (عام اس سے کہ وہ مدرسہ میں دو تین سال ملازم ہو یا اسکو آٹھ نو ماہ کی مدت گذری ہو) مدرسہ کیلئے اگر وہ غیر مفید ثابت ہوا، اور کمیٹی مدرسہ اس کو علیحدہ کرنا چاہے تو اگر شعبان میں علیحدہ کرکے اس کو رمضان سے پہلے یا رمضان کے اوائل میں اطلاع دے دے تو وہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق نہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا شرعاً یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، نیز بموجب قانون مذکور کمیٹی کو اس تنخواہ کا روک لینا جائز ہے یا نہیں۔

المستفتی

چودھری اشتیاق احمد

میونسپل کمشنر

تنقیح:۔ کیا کوئی مدرس یا ملازم اس بارے میں کچھ عذر کرتا ہے؟ اور کیا عذر کرتا ہے؟ سوال میں اسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

جواب تنقیح:۔ مدرس کہتا ہے کہ میں بذات خود مدرسہ سے علیحدہ نہیں ہوا، بلکہ کمیٹی نے علیحدہ کیا ہے، میں تو شوال میں آنے کے لئے تیار ہوں۔ نیز گیارہ مہینہ کام کرنے کے بعد رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوں اس لئے مجھے رمضان کی تنخواہ ملنی چاہئے۔

الجواب

جب اس مدرس نے ماہ شوال میں آکر کام نہیں کیا (خواہ کام نہ کرنے کا سبب اس کی طرف سے ہو یا کمیٹی کی طرف سے مگر بہرحال کام نہ کرنا متحقق ہوگیا) تو وہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔

لان شرط الاستحقاق هو العمل في شوال ولو يوجد فاذا فات الشرط فات المشروط بخلاف ما اذا لم يعمل بحصول الرخصة والاذن من المتولي فانه في حكم العمل كما لا يخفى۔ واللہ اعلم۔

(نوٹ) کمیٹی کو چاہئے کہ اس قانون کو واضح کردے تاکہ آئندہ نزاع نہ ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ

کھجور وغیرہ درختوں کو ٹھیکہ پر دینا | سوال :- ....

ایک شخص کی زمین میں کھجور اور تاڑ کے درخت بکثرت ہیں، جن سے رس نکال کر بہت قیمت میں فروخت ہوتا ہے، تاڑ کا رس منشی ہے، ان درختوں کو ٹھیکہ پر دینا اور ٹھیکہ کی رقم کو اپنے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر زمین کو اجارہ پر دیا جائے اور اس وجہ سے کہ مستاجر درختوں کے رس سے بھی انتفاع کریگا، اضافہ لگان کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

مولوی خیرات احمد

از گیا موضع سنڈجا

الجواب

صورت اولیٰ جائز نہیں، لکون الاجارۃ فیہا علی استہلاک العین، فکان کاجارۃ البقرۃ لشرب اللبن، وہی فاسدۃ۔

اور صورت ثانیہ جائز ہے، بشرطیکہ زمین قابل زراعت فی الجملہ ہو، اور درختوں کا وجود زراعت سے بالکلیہ مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ

مسئلہ اجرت علی الطاعات | سوال[1] :- علاقہ مدراس کے ایک مولوی صاحب نے فن فقہ میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، اس میں فتاوی ہندیہ سے ایک مسئلہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ فتاوی ہندیہ جلد سابع صفحہ ۱۵ میں ہے کہ آجکل لوگ نیک کاموں میں سستی رکھنے کی باعث ضرورت کے واسطے علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ اذان وغیرہ طاعتوں کے واسطے اجرت لینا جائز ہے، پس قرآن پڑھنے کے واسطے اجرت لینا جائز ہے، ردالمحتار کے مصنف زین العابدین نے متاخرین کے اس فتویٰ کو تعلیم قرآن اور امامت جیسی بعض طاعتوں پر حصر کر کے کہا ہے کہ فقط ان ہی طاعتوں پر اجرت لینا جائز ہے، اور ختم قرآن میں ضرورت نہیں ہے، اگر اس کے واسطے اجرت دیا تو دونوں گنہگار ہوں گے، اور ثواب بھی نہیں ملیگا اور اس کے واسطے وصیت کرنا باطل ہے، یہ سب اکثر علماء اور قاضیوں اور تمام مسلمانوں کے معمول کو نیک عملوں میں آجکل سستی ان کا اہل ہے۔ اور ایسے عملوں کے واسطے آخر مسلمانوں نے وقف کئے ہیں، ہر ہر زمانہ میں بہت عالموں کے سامنے شریعت کے حاکموں نے

ان دفعوں کی صحت کا کیا حکم ہے ۱۲

اسکو دیکھکر علماء مدارس نے رد المحتار کے مضمون کو بالکل غیر معتبر سمجھکر اور فتاوی مہدویہ کو معتبر سمجھکر اجرت لینے پر لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں۔ اس فتاوی مہدویہ کے متعلق حضور کا ارشاد کیا ہے؟

منتظر ہوں، فتاوی مہدویہ کی عبارت کو بعینہ عربی بوجہ کتاب نہ ہونے کی نقل نہیں کرسکا۔

الجواب

رد المحتار مصنفہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے معتبر ہونے پر ہمارے اکابر علماء کا اتفاق ہے الا نادرا من اقوالہ۔ اور فتاوی مہدویہ کے معتبر ہونے پر اتفاق نہیں، لہذا علامہ ابن عابدین کا قول علامہ مہدی سے مقدم ہے۔ دوسرے یہ کہ علامہ ابن عابدین نے اس مسئلہ میں نصوص و روایات مذہب کو پیش کیا، اور علامہ مہدی نے صرف اپنے زمانہ کے علماء و حکام کا عمل بیان کیا ہے۔ اور اس زمانہ کے علماء و حکام کا عمل نصوص مذہب کے مقابلہ میں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

ظفر احمد عفی عنہ۔ از تھانہ بھون

کھیت کا کرایہ بصورت دھان لینا جبکہ دھان میں اسی کھیت کا ہونا مشروط نہ ہو۔	سوال .... ہمارے ملک میں عام

رواج ہے کہ دھان کھیت کا کرایہ دھان ہی لیا جاتا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے کرایہ جلد وصول ہوجاتا ہے، اور مالکان زمین کو مزید دردسری سے نجات ملتی ہے، لیکن فی بیگہ دس بیس آڑی مقرر کرلیتے ہیں، لیکن یہ قید نہیں کہ دھان اسی زمین کی پیداوار میں سے دیا جاوے، مگر عام طور پر وہی دھان کرایہ میں دیا جاتا ہے جو اسی کھیت سے پیدا ہوتا ہے، یعنی کاشتکار کرایہ میں مقررہ دھان دینے کے اقرار سے زمین کرایہ کرتا ہے چاہے جس قسم کی پیداوار اس زمین سے حاصل کرے یا کچھ نہ کرسکے، مگر مقررہ دھان دینا اسکے ذمہ واجب الاداء ہے، یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز کیا وجہ ہے کہ اسکے عوض اب لے سکتے ہیں اور غلہ کے عوض نہیں؟ سائل: عبد الرشید۔ ساکانہ پاڑا اسکول

الجواب!

یہ صورت جائز ہے، جبکہ اجارہ میں اسی کھیت کے دھان کی قید نہیں۔ اور درجہ
بہ حیثیت کا حق طالب علم کو ہے نہ کہ مستحق کو۔ فقط

۲۹؍ ربیع الثانی سنہ ۳۴ھ

منی آرڈر کے جواز پر ایک اشکال کا جواب

سوال: منی آرڈر کے بارہ میں یہ شبہ ہے کہ جو رقم ڈاکخانہ کو دی جاتی ہے، وہ امانت تو ہے نہیں، کیونکہ بوقت ضیاع ڈاکخانہ سے ضمان لیا جاتا ہے۔ تو ظاہر یہ ہے کہ قرض ہے اور قرض کے ساتھ زائد رقم دینا جسکو فیس کہتے ہیں۔ کل قرض جر نفعا میں داخل ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ نفع تو ڈاکخانہ لیتا ہے تو اسمیں یہ اشکال ہے کہ نفع دینے کا گناہ تو مرسل کو بھی ہوا۔ پھر مرسل بھی قرض سے ایک نفع قصداً حاصل کرتا ہے یعنی امن خطر طریق وغیرہ۔ جو سفتجہ کی کراہت کی علت ہے۔ پس منی آرڈر کے جواز کی صورت کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: مولوی شبیر علی تھانوی

الجواب

اس میں کچھ شک نہیں کہ عام لوگ تو اسکو عقد اجارہ ہی سمجھتے ہیں اور فیس کو اجرت سمجھتے ہیں، اور اجیر گورنمنٹ ہے جس کے وکلاء ڈاکخانہ والے ہیں اسلئے حق یہ ہے کہ اسکو عقد اجارہ قرار دیا جائے جیسا کہ اذہان عامہ میں مقرر ہے۔

اسپر یہ اشکال ہوگا کہ اجیر امین ہے۔ اس سے ضمان لینا کب جائز ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ امین پر ضمان اسوقت نہیں جبکہ وہ امانت کو مخلوط بالغیر نہ کرے۔ چونکہ یہ معلوم ہے کہ ڈاکخانہ میں مرسل کی رقم مخلوط ہو جاتی ہے۔ اسلئے وہ اسی تعدی کی وجہ سے ضمان لیتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اجیر مشترک سے صاحبینؒ کے نزدیک ضمان لینا جائز ہے۔

الا اذا لم یکن الضیاع بفعلہ، وکان بأمر لا یمکن الاحتراز عنہ۔ وذلک نادر فیما نحن فیہ، وبقولھما یفتی، لتغیر أحوال الناس۔ (شامی ج ۵ ص[illegible])

اور جس صورت میں صاحبینؒ کے نزدیک بھی ضمان نہیں، اس صورت میں گورنمنٹ سے اس بنا پر ضمان لے سکتے ہیں کہ وہ اپنے قانون کے موافق بخوشی ضمان دیتی ہے۔

فيجوز عنده بيع أخذ أموال الحربيين من غير غدر وسرقة۔

دوسرے یہ کہ امین سے ضمان نہ لینا مطلقاً نہیں ہے، بلکہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ امین بلا اجر ہے، اور امین بالأجر سے ضمان لینا درست ہے۔

قال في الدر في باب الوديعة: وهي أمانة فلا تضمن بالهلاك إلا إذا كانت الوديعة بأجر، أشباه معزيا للزيلعي۔ (قال الشامي: و مثله في النهاية والكفاية وكثير من الكتب، رملي على المنح اهـ

قلت: وقد نبه الشامي هنالك على الفرق بين الأجير المشترك و المودع بأجر، بأن الأول مستاجر على العمل، والثاني مستأجر على الحفظ (ج ۴ ص ۵۰۳)

والظاهر أن في الصورة المسئولة ليست الحكومة مستاجرة على الحفظ، بل مستاجرة على العمل، فالأولى بناء الجواز على ما ذكره، ولا من جواز أخذ الضمان عند الأجير المشترك عندهما. أو لأنه تخلط الأجير بدراهم الناس بعضها ببعض. والله تعالى اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲۰ جمادی الاولی ۱۳۴۹ھ

حکیم اور ڈاکٹر کو اجرت معالجہ اور **سوال** (۹۰) بنہایت ادب سے گذارش ہے کہ اس **فیس دینے کے متعلق چند سوالات** امر؛ حقیر کو بعض دفعہ طبیب یا ڈاکٹر صاحب کو اجرت معالجہ یا فیس دیتے وقت شبہات ہوتے ہیں کہ آیا یہ فیس درست ہے، یا بصورت ہدیہ ہے، یا بطور رشوت؟ حسب ذیل صورتوں میں غور فرما کر مسئلہ سے آگاہ فرمائیں انشاء اللہ عند اللہ ماجور ہونگے۔

سوال ۱: کس معالجہ پر اجرت واجب ہے، اور اصطلاحاً معالجہ کے کیا معنی ہیں؟ یعنی ذیل میں کونسی صورت ایسی ہے جس میں اجرت دی جائے تو درست ہے؟

۱۔ مریض کو زبانی تکلیف سن کر نسخہ بتا دیا جاتا ہے، یہی معالجہ ہے یا بعد تشخیص نبض وتشخیص مزاج کے بعد جو علاج شروع کیا جائے وہ معالجہ ہوگا؟

جواب :۔ معالجہ کی دونوں صورتیں ہیں، اور طبیب کو دونوں پر اجرت لینا جائز ہے
مگر پہلی صورت میں اجرت کا حق اس وقت ہے جبکہ طبیب نسخہ لکھے، اگر زبانی بتلائے تو
حق نہیں۔

بقیہ سوال :۔ حکیم یا ڈاکٹر کو علاج شروع کرنے سے پیشتر اجرت یا فیس لینا درست
ہے یا بعد معالجہ یا صحت کے طلب کرنا درست ہے ؟ اور یہ اجرت یا فیس مقرر ہونا چاہئے
یا جو کچھ مریض پیش کرے اسی کو قبول کر لینا چاہئے ؟

جواب :۔ طبیب کو دونوں کا حق حاصل ہے، خواہ فیس معین کر دے کہ تم سے
یہ لونگا، یا عام قاعدہ مقرر کر دے، یا کچھ مقرر نہ کرے بلکہ جو جس نے دیدیا قبول کر لیا، مگر
مقرر نہ کرنے کی صورت میں طبیب کو مریض سے منازعت کا حق نہیں کیونکہ اس صورت میں
جو کچھ دیا گیا وہ ھدیہ ہے باقاعدہ اجرت نہیں۔

بقیہ سوال :۔ اس شبہ کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب حکیم یا ڈاکٹر سے روپیہ
دیکر علاج کرایا تو امید ہوتی ہے کہ خوش ہو کر علاج شروع کریگا، اور جب پہلے روپیہ
نہ دیا جائے، تو اندیشہ رہتا ہے کہ مریض پر کافی توجہ نہ کریگا، مگر بغیر طلب رقم پیش کرنے
میں ایک یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ شاید تھوڑی رقم پیش کی گئی ہو، اسلئے ڈاکٹر خوش نہ ہو،
اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاید وہ تھوڑی رقم پر خوش ہوجاتا، تاحق زیادہ رقم دی، ایسی صورت
میں ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خود رقم مقرر کرکے طلب کرے ؟

جواب :۔ ہاں تعیین ہی اولیٰ ہے۔

بقیہ سوال :۔ بعض دفعہ حکیم صاحب کو کچھ روپیہ بطور ھدیہ مگر اسمیں غرض
مخفی ہوتا ہے جسکا ذکر آئندہ آتا ہے، اسلئے شبہ ہوتا ہے کہ یہ رقم لینا دینا کس کے
حق میں ناجائز ہے ؟ دینے والے کا قصور ہے یا حکیم کو قبول کرنا ناجائز ہے ؟
وہ صورت یہ ہے کہ اول تو حکیم صاحب کے سابقہ احسانات ہوتے ہیں کہ حکیم صاحب
نے عرصہ دراز تک مفت علاج کیا تھا، اسلئے خیال پیدا ہوا کہ کچھ رقم معاوضہ احسان
سمجھکر بطور ھدیہ یا نذرانہ دیا جائے ؟

جواب :۔ یہ صورت جائز ہے، کچھ شبہ نہیں۔

بقیہ سوال :۔ دوسری یہ ہے کہ اگرچہ ابھی تک حکیم صاحب سے کوئی خدمت

نہیں ملی ہے، مگر ھدیہ دیتے وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ آئندہ حکیم صاحب مفت علاج کرینگے یا تھوڑے معاوضہ پر بھی زیادہ توجہ سے علاج کرینگے، تو فرمائیے کہ ایسی صورت میں تعداد دراصل ھدیہ ہے یا رشوت، یا اجرت پیشگی وغیرہ؟

جواب :۔ یہ رشوت یا اجرت تو نہیں، بلکہ ھدیہ ہی ہے، اور جائز ہے۔ أما عدم کونہ رشوۃ، فلأن الرشوۃ أخذ العوض عن عمل واجب علیہ من قبل، وعدم کونہ أجرۃ لخلوہ من أرکان الإجارۃ وشرائطھا۔

بقیہ سوال :۔ اور یہ صورت تو بعض کبھی اور بزرگوں کے ساتھ بھی پیش آتی ہے کہ ھدیہ اگرچہ فی الفور کوئی غرض ظاہر نہ کی، بلکہ نیت میں اسکو یا تو سابقہ احسانات کا معاوضہ سمجھا، یا آئندہ احسانات کی توقع رکھی، اور توقع احسانات سے میری مراد محبت زیادہ ہونا ہے، تو ایسی صورت کا ہدیہ ناجائز ہے یا درست ہونے کی کوئی تاویل ہے؟

جواب :۔ جائز ہے۔ فان الغرض من الھدیۃ ھو ھذا۔ أي زیادۃ الارتباط والتعلق، تھادوا وتحابوا۔

فقط۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۲ رجمادی الاولی ۱۳۴۸ھ

مقدمات وغیرہ میں مشورہ دینے پر معاوضہ لینا

سوال :۔ ایک شخص ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ دیگر وقت میں مکان پر یا کچہری پر آتا ہے اور اپنے مقدمہ کے حالات بیان کرتا ہے اور مشورہ طلب کرتا ہے، کہ کس طرح کارروائی کرے کہ کامیاب ہوجائے اس پر اسکو بتلادیا جاتا ہے، کہ اس طرح بیان دو یہ قانونی بات ہے، ایسا ثبوت دینا چاہئے تو کامیاب ہوگے اور اگر ضرورت ہوتی ہے تو درخواست یا بیانات کا مضمون اس کو لکھوا دیا جاتا ہے، ان کاموں کے کراتے ہیں اگر وہ کسی وکیل یا سوال نویس کے پاس جاتا ہے، تو اس کو زیادہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اور اگر اس مشورہ دینے والے ان کاموں کا محنتانہ اس سے لے تو کوئی حرج شرعی واقع ہوگا، لہٰذا بالتفصیل بیان فرمائیے، کیونکہ یہ کام ہمارے ڈیوٹی میں تو ہے نہیں اور ایسا کرنے میں ہم کو اپنا وقت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

مدرسہ کو دینا شروع کر دیا۔ اب خرچ فقط کھانے کا مدرسہ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بیچ کوئی مہمان آئے اسے کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ اور نیز مسافر کو کھانا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر صاحب نصاب ہو جائے تب بھی کھانا کھا سکتا ہے؟۔

احمد علی از ہوشیار پور۔ منہری
مدرسہ سبیل الرحمۃ۔

الجواب

مدرسہ سے باقاعدہ تنخواہ مقرر کر لی جائے تو جائز ہے۔ نیت کر لینے کی وجہ سے عمر بھر کے واسطے بلا تنخواہ پڑھانا ضروری نہیں ہو جاتا۔ اور اگر چندہ دینے والے سب اسپر خوش ہوں کہ تم جس طرح چاہو پیئے اور دوسرے طلبہ کے خرچ میں لاؤ، تو پھر بلا تعیین تنخواہ بھی خرچ کرنا جائز ہے۔ اور اگر ایسا شخص جو کہ سلسلۂ معاش دوسرا ہونے کی حالت میں بدون تنخواہ تعلیم پر آمادہ ہو، اگر تنخواہ لیکر تعلیم دے تب بھی اسکو ثواب ملتا ہے۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
ضلع مظفر نگر۔ از تھانہ بھون۔ ۱۵ صفر ۱۳۴۵ھ

مدرسہ کی وقف زمین ہندو کے انگریزی اسکول کیلئے کرایہ پر دینا

سوال: ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین مدرسہ انجمن اسلام کے نام سے دینی تعلیم کیلئے وقف کر دی۔ اور چند متولی مقرر کئے۔ جماعت نے چندہ کر کے مدرسہ قائم کیا۔ اور ایک عرصہ سے کلام مجید اور ابتدائی دینی تعلیم جاری ہے۔ سرکار نے پڑوس کی زمین میں ایک اسکول برائے تعلیم انگریزی ہندوؤں کیلئے کھول دیا مکان اسکول کی قلت گنجائش کی وجہ سے مشرک ٹیچر نے متولیوں سے چھ ماہ کیلئے مدرسہ عاریۃً مانگا۔ تاکہ ۹ بجے سے ۱۲ بجے یا ۲ بجے تک کفار کے لڑکے بشمول مسلم بچوں کے انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ متولیین نے آپس میں مشورہ کیا۔ نصف دینے پر راضی ہوئے اور نصف ناراض آخر کار جماعت نے تقاضہ کیا کہ عام جلسہ کیا جائے اور جو جماعت کی رائے ہو اسپر عمل کیا جائے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے مذکورہ تین متولیان کے جماعت ناراض رہی جسکی وجوہات جماعت نے حسب ذیل بیان کیا۔

(۱) واقف نے برائے اہل اسلام، دینی تعلیم کیلئے وقف کیا چنانچہ مدرسہ بنایا گیا۔

اب جماعت کو اختیار ہے کہ ہر وہ عمل جو خلاف مذہب اور مقصود ہو اس سے متولیین اور خود واقف کو بھی منع کرے۔

(۳) چونکہ مدرسہ مسلم بچوں کیلئے ہے، اسلئے کفار کو اس مدرسہ کا عاریۃً دینا تاکہ وہ دنیوی فائدہ حاصل کرے ناجائز ہے اسلئے کہ یہ اسکا مصرف نہیں ہے۔

(۴) غضب یہ ہے کہ مسلمان بچے قرآن پڑھنے والوں کیلئے کہا گیا کہ وہ کفار کے بچوں کے آنے سے پہلے کلام پاک کو لیکر مدرسہ خالی کرکے مدرسہ کے مکان کے برآمدہ میں بیٹھکر دینی تعلیم پائیں۔ اور یہ استخفاف دین اور استخفاف کلام اللہ وعلم دین ہے۔

(۵) اور ہم نے کئی دفعہ متبرک ایام میں اور رمضان میں تراویح وغیرہ پڑھی ہے گو کہ ابھی کرنے سے اسکا حکم مسجد کا سا نہیں ہوتا تاہم ہماری غیرت اسلامی اور ہمارا ایمان اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ جس جگہ ہم نے خدائے بزرگ وبرتر کے سجدہ کیا ہو، اس جگہ کو کفار اپنے دنیوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے اپنے مصرف میں لائیں۔

(۶) اگرچہ بعض متولیین شریعت کی اجازت کی دلیل بھی لائیں تاہم عامۃ جماعت کے خلاف مرضی جواز پر عمل نہیں کر سکتے۔ نصف مذکور متولیین مع واقف وکلاء فریقین کے ایک مولوی صاحب کے پاس گئے، اور وہاں جاکر فتویٰ چاہا کہ آیا ہم اسلامی مدرسہ کو سرکاری اسکول کے بچوں کی تعلیم کیلئے (جو کثرت کفار اور قلت مسلمین پر مشتمل ہے) کچھ مدت کیلئے دے سکتے ہیں یا نہیں، تو اعلیٰ حضرت نے فتویٰ دیدیا کہ جائز ہے کوئی حرج نہیں، انگریزی پڑھا سکتے ہیں چھ مہینے تو کیا چار برس کیلئے بھی دیدو۔ سرکاری مدد کرنا اسمیں فائدہ ہے، کفار کے بچوں کا دینی مدرسہ کو اپنے مصرف میں لانا، اور انگریزی کے پڑھنے پڑھانے کی دلیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو مسجد میں مہمان رکھا، اور ایک کافر نے پائخانہ بھی کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ چہ جائیکہ یہ مدرسہ ہے نہ کہ مسجد؟

اب علماء کرام سے دست بستہ عرض ہے کہ مع دلائل شریعت غرا جواب سے سرفراز فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

السائل

شیخ احمد مسلم

الجواب

اگر مدرسہ میں جگہ زائد ہو، اور کرایہ پر دیدیا جائے تو جائز ہے، ورنہ طلبۂ دین کو پریشان کر کے کسی اور کو وہ مکان کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں، اور بلا کرایہ دینا تو کسی حال میں جائز نہیں، جگہ زائد ہو یا نہ ہو، بچے کفار کے ہوں یا مسلمانوں کے، اور یہ مسئلہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ واقف نے جس شرط پر وقف کیا ہو، اسکی رعایت کرنا واجب ہے، جیسا کہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور جو دلیل جواز کی سوال میں لکھی ہے، اسکو اس مقام سے کوئی تعلق نہیں۔ مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں کفار کا آنا اسلام کی باتیں سننے کے واسطے تھا نہ کہ اپنا کوئی دنیوی کام کرنے کو، سو اب بھی اگر کوئی کافر اسلام کی خوبیاں دریافت کرنے مدرسہ میں یا مسجد میں آئے تو کوئی منع نہ کریگا بلکہ جملہ اہل اسلام بہت خوش ہونگے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

اگر کرایہ پر دینے سے بھی یہ خطرہ ہو کہ آئندہ مدرسہ کو یہ زمین واپس نہ ملیگی، یا طلبۂ دین پر ان کے اخلاق و اعمال کا برا اثر پڑیگا۔ تو کرایہ سے دینا بھی جائز نہیں۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

اجارۂ فاسدہ کی دو صورتوں کا حکم | **سوال ۸۵۰**۔ دھان کوٹنا بعوض چاولوں کے اور سپاری اور ناریل درخت سے توڑنا بعوض اسی سپاری اور ناریل کے، اور مچھلی پکڑنا بعوض بعض اسی مچھلی کے درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز میں کام کرے اسی چیز سے اجرت لینا دینا درست ہے یا نہیں؟

(مسئلہ) — اگر کوئی شخص گائے یا مرغی یا بیل وغیرہ کا معاملہ اسطرح پر کرے کہ یہ گائے یا مرغی میری پرورش سے جتنے بچے دیوے اسکا ربع یا نصف یا ثلث تمہارا اور باقی ہمارا۔ یا اسطرح پر کرے کہ گائے یا بکری کو پرورش کرنے سے اگر بچے دیوے تو دودھ اور بچے پرورش کرنے والے کے، اور گائے مالک کی۔ یا اسطرح پر کہ اس گائے یا مرغی یا بکری کو پالنے کے بعد جس قدر قیمت ٹھیرے اسکا آدھا یا ثلث پالنے

والے کا۔ اور باقی مالک کا، اسطرح کا معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

سائل: قاری محمد ریحان الدین

مدرسہ اسلامیہ کامرانگر بازار ضلع تیرہ

جوابات

(۱) اگر یہ بات طے کی جائے کہ انہیں چاولوں میں سے اجرت لی جائے گی، تب تو یہ معاملہ ناجائز ہے۔ اور اگر معاملہ یہ معین نہیں ہوا۔ بلکہ معاملہ مطلق چاولوں پر کیا گیا کہ اتنے چاول اجرت میں لئے جائینگے۔ اور بعد میں مالک اپنی خوشی سے انہیں چاولوں میں سے دیدے۔ تو جائز ہے۔ کما هو مصرح فی الدر (ج ۵ ص ۴۳)

(۲) یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔ بلکہ اجارہ فاسد ہے۔ کما هو مصرح فی العالمگیریۃ (ج ۵ ص ۴۴) واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
یکم شعبان ۱۳۴۶ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۵ رشعبان ۱۳۴۶ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں زید مدت چھتیس ۳۶ سال سے ایک مدرسہ میں مدرس ہے اور تعلیم کے علاوہ دیگر خدمات متعلق مدرسہ کو بھی تبرعاً انجام دیتا رہا ہے اور مدرسہ کا مخصوص خیر خواہ معاون ہے۔ اب چند ماہ سے منتظمین مدرسہ کی بے توجہی سے مدرسہ میں بہت بدنظمی ہو رہی ہے۔ حتی کہ تنخواہ بھی کئی ماہ کی ملازمین کو نہیں ملی، اسپر زید نے ملازمین مدرسہ کو چند مرتبہ متوجہ کیا، لیکن بجائے نظم معنقاً توجہ نہیں کی بالآخر مجبور ہو کر مجلس نظامیہ کو متوجہ کرنے کیلئے زید نے یہ تدبیر کی مضمون ذیل کی ایک تحریر دیکر مدرسہ کا جانا ترک کر دیا جس میں تحریر تھا کہ متعدد مرتبہ نہیں بلکہ اکثر مرتبہ تنبیہ و توجہ دلا چکا ہوں مدرسہ کی بدنظمی اور بے عنوانیوں کی طرف، مگر کوئی صاحب مطلقاً توجہ نہیں فرماتے لہٰذا ایسی حالت میں رہنا بے سود ہے۔ اسلئے اب تک جو کچھ مجھ سے مدت مذکورہ چھتیس سال میں ہو سکا اللہ کے واسطے سمجھکر خدمت مدرسہ ادا کی، اور اب اللہ ہی کے واسطے برطرف ہوں۔ اور اس

مدرس مدرسہ سے استعفیٰ دیدے مگر منتظمین اسے نامنظور کر دیں تو استعفیٰ دینے اور نامنظوری کے درمیانی مدت کی اجرت کا وہ مستحق ہے یا نہیں؟

یوم پیشتر اطلاعاً لکھتا ہوں کہ آپ یکم تاریخ سے اپنے مدرسہ کا انتظام فرما لیں۔

چنانچہ دس یوم گذر جانے کے بعد بھی چند روز بعد مجلس انتظامیہ نے نظم وغیرہ کی طرف توجہ دی، اور زید کو بلا کر دریافت کیا، چنانچہ جو کچھ شکایات تھیں زید نے قلمبند کر کے روبرو پیش کر دیں۔ اسپر کہا کہ بس کل سے کام شروع کر دینا۔ بے ابتری جو رہی ہے، اور یہ جو کچھ شکایات ہیں سب رفع ہو جائینگی...... اور زید کی تحریر کو بصورت استعفاء خیال کر کے نامنظور واپس کر دی، اور خدمت مدرسہ بدستور سپرد کر دی، زید نے حسب خواہش و وعدہ ممبران دوسرے روز سے کام شروع کر دیا، اس دوران میں صرف پچیس ۲۵ روز زید نے مدرسہ کا کام نہیں کیا، اب سوال یہ ہے کہ زید کو ان ایام کی تنخواہ لینا جن میں اس نے کام نہیں کیا، جبکہ مقصد اسکا اس تحریر سے محض اصلاح مدرسہ تھی، نہ کہ استعفاء، جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حسب قانون مدرسہ زید کو ایک ماہ دس یوم رعایتی رخصت کا بھی استحقاق ہے۔ اور وہ ایام جن میں اس نے کام نہیں کیا صرف پچیس ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب

اس تنخواہ کے استحقاق وعدم استحقاق کا مدار استعفاء کی صحت وعدم صحت پر ہے لہٰذا اولاً صحت استعفاء کی صورتیں لکھی جاتی ہیں۔ فی العالمگیریۃ (ج ۴ ص ۴۴۲) ولو آجر دارا کل شہر بدرہم صح العقد فی شہر واحد، وفسد فی بقیۃ الشہور، وإذا تم الشہر الأول، فلکل واحد منہما أن ینقض الإجارۃ لانتہاء العقد الصحیح، ولو سمی جملۃ الشہور جاز (ر و بعد سطر) ولو قدم أجرۃ شہرین أو ثلاثۃ وقبض الأجرۃ فلا یکون لواحد منہما الفسخ فی قدر المعجل أجرتہ کذا فی تبیین - (و بعد سطر) ولو قال أجرتک ہذہ الدار سنۃ، کل شہر بدرہم جاز بالإجماع لأن المدۃ معلومۃ والأجرۃ معلومۃ فتعین، فلا یملک أحدہما الفسخ قبل تمام السنۃ من غیر عذر کذا فی البدائع وفیہ أیضاً (ج ۴ ص ۴۶۰) وکل عذر لا یمنع المضی فی موجب العقد شرعا ولکن یلحقہ نوع ضرر یحتاج فیہ إلی الفسخ، کذا فی الذخیرۃ۔

وإذا تحقق العذر ومست الحاجة إلى النقض ينفرد صاحب العذر بالنقض، أو يحتاج إلى القضاء أو الرضاء، اختلفت الروايات فيه. والصحيح أن العذر إذا كان ظاهرا ينفرد. وإن كان مشتبها لا ينفرد كذا في فتاوى قاضيخان ـــ وفيه أيضا: (ج۵ ص۴۵۳) وفي ظاهر الرواية لكل منهما الخيار في الليلة الأولى من الشهر الداخل ويومها. هكذا في الكافي. والفتوى على ظاهر الرواية، هكذا في فتاوى قاضيخان. لو فسخ في أثناء الشهر لم ينفسخ، وقيل ينفسخ به إذا خرج الشهر وبه كان يقول محمد ابن نصر، ولو قال في أثناء الشهر فسخت رأس الشهر ينفسخ إذا أهل الشهر بلا شبهة إلى أن قال: ولو فسخ أحدهما الإجارة بغير محضر صاحبه قيل لا يصح عند أبي حنيفة ومحمد. وقيل لا يصح في قولهم جميعا، كذا في محيط السرخسي.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جب مدرس وغیرہ کو ماہوار تنخواہ پر رکھا جائے (کما ھو المتعارف فی دیارنا) تو ہر ماہ کے ختم پر مدرس کو، نیز اہل مدرسہ کو استعفا دینے اور علیحدہ کرنے کا اختیار ہے، دوسرے کی منظوری کی شرط نہیں۔ پس مدرس وغیرہ فقط استعفا دینے پر مدرسہ سے علیحدہ ہوجاتے ہیں (روایات ۱) البتہ اگر کسی نے پیشگی تنخواہ لے رکھی ہو تو جب تک پیشگی تنخواہ کے مطابق کام نہ کرچکے اسوقت تک بلا کسی عذر کے محض استعفا دینا کافی نہیں علیٰ ھذا اہل مدرسہ اسکو بلا عذر الگ نہیں کرسکتے (عذر کا حکم آگے آئیگا) بلکہ ہر دو کی رضامندی سے علیحدگی ہوسکتی ہے (روایات ۲) اسیطرح اگر کسی مدرس وغیرہ نے کوئی مدت ملازمت کی مثلاً ایک سال وغیرہ معین کرلی ہو تب اس مدت سے پیشتر علیحدگی میں طرفین کی منظوری شرط ہے (روایات ۳)۔ یہ حکم تو اس صورت کا تھا جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اور اگر طرفین میں سے کسی کو کوئی عذر پیش آجائے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ عذر اگر ظاہر ہے یعنی اسکے عذر ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تب تو ہر ایک بدون دوسرے کی منظوری کے عقد ملازمت کو فسخ کرسکتا ہے، اور اس عذر میں کوئی شبہ ہو تو پھر فسخ کیلئے رضائے فریقین لازم ہے (روایات ۴)۔ جن صورتوں میں رضائے فریقین ضروری لکھا ہے ان میں قضائے قاضی سے بھی فسخ ہوسکتا ہے جیسا کہ روایات

نمبر۱۲ ہی میں موجود ہے)۔ پس اب صاحب واقعہ خود منطبق کرلیں کہ ان کی ملازمت کس قسم کی تھی۔ اور استعفاء ان کا بدون منظوری مجلس انتظامیہ کے صحیح ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ان کے استعفاء دینے سے عقد ملازمت فسخ ہوچکا ہو تو پھر دوبارہ کام کرنا از سر نو ملازم ہونا ہے۔ اور ان ایام کی تنخواہ کا حق نہیں رہا۔ اور دوبارہ ملازمت سے حق نہ لوٹیگا لأن الساقط لا یعود۔ اور اگر واقعہ برعکس ہو تو حکم بھی برعکس ہوگا کما لا یخفیٰ۔

لیکن بقائے عقد کی صورت میں ایک بات اور دیکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان ایام میں کام نہ کرنا قواعد مدرسہ کی رو سے رخصت میں داخل ہے یا غیر حاضری میں اور وضع تنخواہ کا کیا قاعدہ ہے؟ سب میں غور کرکے تنخواہ کا فیصلہ کیا جائے۔ باقی رہا یہ کہ فسخ کے واسطے دو شرط اور بھی روایت ۳ سے معلوم ہوتی ہے: اول یہ کہ فسخ اجارہ شروع ماہ میں ہونا چاہئے۔ درمیان میں اختیار نہیں۔ دوسری یہ کہ فریق ثانی کے سامنے ہونا چاہئے سو یہ ہر دو شرط صورت سوال میں موجود ہیں، کیونکہ فسخ شروع ماہ ہی سے کیا ہے۔ گو اسکی اطلاع اثنا ماہ میں دی ہے۔ اور یہ بلا شبہ صحیح ہے، جیسا کہ روایت ۳ میں مصرح ہے۔ اور دوسری شرط یعنی حضور صاحب کا وجود بھی ظاہر ہے کیونکہ خط وغیرہ کے ذریعے سے اطلاع دیدینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بالمواجہ کہا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

فائدہ: —— روایت اول سے شبہ ہوتا ہے کہ جو طریقہ ہمارے مدارس وغیرہ میں مروج ہے یہ اجارہ فاسدہ ہے۔ اسواسطے اسکی وضاحت کرنا مناسب خیال کرتا ہوں، لهٰذا عرض ہے کہ عموماً فقہاء کی عبارات میں فساد کا لفظ پایا جاتا ہے، مگر شامی نے اسمیں اختلاف نقل کیا ہے، اور جواز کو صحیح قرار دیا ہے، اور فساد کے قول کی توجیہ کی ہے۔ وهو هذا. فهو فاسد لكن ينقلب صحيحاً بالسكنىٰ. هكذا استفاد من كلامه ثم رأيت الطوري قال: وظاهر قوله جمع في شهر واحد

عہ ای فی اول کل شہر، وهو الليلة الأولى ومع يومها، كما مر في الرواية الخامسة ۱۲ منه۔

الفساد فی (ای الدور) الباقی، قال فی المحیط: وهذا قول بعضهم، والصحیح أن
اجارة كل شهر جائزة، واطلاق محمد یدل علیه، فیجوز العقد فی الشهر
الأول، والثانی والثالث وإنما یثبت خیار الفسخ فی أول الثانی، لانه صفقة
إلی المستقبل، ولكل منهما فسخ المضافة الخ وهو مخالف لقول المصنف
كالهدایة والتبیین، وفسد فی الباقی، إلا أن یقال: المراد بالفساد عدم
اللزوم، أطلق علیه ذلك، لأنه مقابل للإفساد (ای الفسخ) تأمل. (شامی ج ۵ ص ۳۳)

كتبہ الأحقر عبد الكریم عفی عنہ

از تھانہ بھون، مؤرخہ ۲۲ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

حکم اجرت دلال سوال ۵ - (الف) ایک شخص زید ہے، دوسرا بکر ہے، تو زید نے بکر
سے کہا کہ ہمارے پاس سودا ہے، اور اگر سودا کو تم اپنی معرفت کسی کے ہاتھ فروخت
کروا دوگے تو تم کو اتنا روپیہ کمیشن دینگے، تو اس طرح کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟
(ب) اور اگر بکر نے زید سے یہ نہیں کہا، اور بکر نے زید کا سودا فروخت کروا دیا تو یہ
لینا شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

السائل: جمال میاں مانپوری
محلہ چھاؤنی، ڈاکخانہ ذیلا گنج، ضلع گیا۔

الجواب

(الف) اس صورت کو عالمگیریہ نے ذخیرہ سے حرام لکھا ہے، اور شامی نے بھی تاتارخانیہ
سے حرمت نقل کی ہے، ولیکن محمد بن سلمہ سے اس میں گنجائش نقل کی ہے۔ ونصہ تتمہ
قال فی التاتارخانیة: وفی الدلال والسمسار أجر المثل، وما تواضعوا علیه
أن فی كل عشرة دنانیر كذا فذلك حرام علیهم، وفی الحاوی: سئل محمد بن سلمة
عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان فی الأصل فاسدًا
لكثرة التعامل، وكثیر من هذا غیر جائز، فجوزوه لحاجة الناس الیه
كدخول الحمام، وعنه قال: رأیت ابن شجاع یقاطع نساجًا ینسج له ثیابًا فی

كل سنة (۱)۔ (ج ۵ ص ۳۳)۔

---

(۱) نسخہ جدیدہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ۶۳/۶ - عبداللہ جعفر عفی عنہ

اور حضرت مولانا تھانوی مدظلہم اس صورت میں جواز ہی کو اختیار کرتے ہیں
والجواب من الفساد للجهالة، ان هذه الجهالة لا يفضي إلى النزاع، فكانت يسيرة، وهي لا يفسد الإجارة والبيع۔ اور اس زمانہ میں اسکی ضرورت بھی بہت زیادہ ہے، پس اسکو جائز کہنا ہی بہتر ہے واللہ اعلم

(ب) اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بکر ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کا کام کمیشن لیکر کرتے ہیں تب تو بکر کے مطالبہ پر زید کو دستور کے موافق کمیشن دینا ضروری ہے، ورنہ زید کے ذمہ کچھ واجب نہیں اور یوں اپنی خوشی سے وہ کچھ دیدے تو اسمیں کوئی شبہ ہی نہیں۔

في الدر المختار، استعان برجل في السوق يبيع متاعه فطلب منه أجراً، فالعبرة لعادتهم. وقال الشامي تحت قوله (لعادتهم) اى لعادة أهل السوق، فان كانوا يعملون بأجر يجب أجر المثل و الا فلا. (ج ۵ ص ۲۷)۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون۔
۲۳ جمادی الاخری ۱۳۵۵ھ

سوال

مدرسین و ملازمین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کا مسئلہ

یہ سوال مندرجہ ذیل مع دو جوابوں کے آیا تھا۔ اسپر تنقیح کی گئی تھی اسکا جواب آنے پر یہاں سے جواب لکھا گیا ہے اسواسطے اولاً سوال مع ہر دو جواب کے لکھا جاتا ہے، بعدازاں تنقیح، بعدازاں جواب تنقیح جس میں فتوی عت بھی شامل ہے، اسکے بعد جواب درج ہوگا۔

مدرسۃ الشرع، سنبھل کے متعلق جائیداد وقف ہے، اور ایک مجلس شوریٰ ہے۔ امسال کمی پیداوار غلہ اور عدم وصول لگان کی وجہ سے مجلس مشاورت نے تمام متعلقین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کی، تین مدرسین عربی ہیں ایک فارسی ایک حافظ قرآن شریف، ایک مہتمم دفتر، ایک دربان مدرسہ، تین مدرسین عربی میں ایک مدرس اول صاحب بہ عرصہ تخمیناً دس سال سے متعلق ہیں، اور دو مدرسین صاحبان

میں شوال میں متعین ہوتے ہیں۔ اور وقت تقرر مہتمم مدرسہ نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اگرچہ
اس جگہ کی تنخواہ زیادہ ہے مگر بوجہ کمی سرمایہ اور دیگر ضروریات آپ سے مقررہ تنخواہ
سے کم پر معاہدہ کیا جاتا ہے۔ باوجود اس معاہدہ کے دوران سال تعلیم یعنی ماہ محرم میں
کمیٹی نے ان دونوں مدرسین کی تنخواہ کم کر دی۔ سوالات حسب ذیل ہیں:—

(الف) مدرسین عربی کی تنخواہوں میں دوران سال میں کمی جائز ہے یا نہیں؟
(ب) مدرسین جدید العہد کی تنخواہوں میں معاہدۂ مذکورہ کی بناء پر تخفیف جائز ہے یا نہیں؟
(ج) دوسرے متعلقین کی تنخواہوں میں تخفیف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب.... اس مسئلہ کا جواب پہلے بھی یہاں سے دیا جا چکا ہے اب دوبارہ تحقیق
کی گئی تو وہی جواب ہے کہ اصل مسئلہ کا مدار اجارہ اور ملازمت کی نوعیت پر ہے۔ اگر یہ تحقیق
ہو جائے یا بوقت ملازمت آپس میں طے ہو گیا ہو کہ یہ ملازمت کم از کم سال بھر کے لئے ہے
اور یہ معاملہ سالانہ کا ہے، ماہوار کا نہیں۔ تب تو جواب مذکورہ بالا صحیح ہے کہ دوران
سال میں تخفیف تنخواہ کا اہل شوریٰ اور مہتمم کو حق نہیں لیکن اگر مدرسین کا معاملہ ماہوار
کا ہو اور ہر ماہ اجارۂ جدید بطور تعامل ہو جاتا ہے، تو پھر ختم ماہ پر تخفیف و عزل ہر قسم کا
اختیار ارباب انتظام کو ہوگا۔ تنخواہ کا ماہوار مقرر ہونا اور سال بھر کی مدت کا بوقت ملازمت
عموماً تذکرہ نہ ہونا تو قرینہ اجارۂ شہریہ کا ہے سالانہ کا نہیں، البتہ زیر بحث حضرات کا
معاملہ اگر بوقت ملازمت ایک سال یا زائد کیلئے طے ہو چکا ہے، جیسا کہ واقعہ مجیب کی
عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، تو بہر حال وسط سال میں تخفیف کا ارباب انتظام کو حق
نہ ہوگا۔ لیکن عام طور پر یہ فتویٰ نہیں دیا جاتا، کیونکہ قرائن مذکورہ اجارۂ شہریہ پر
دلالت کرتے ہیں اور اسکی علامہ شامی کی بعض تصریحات سے بھی ثابت ہوتا ہے، صاحب
درمختار نے ملازمت مدرسین کی بحث کو کتاب الوقف میں بعنوان "جامکیہ" تحریر فرمایا
ہے اور یہی اس مسئلہ کا اصطلاحی عنوان ہے۔

تنبیہ الجامکیۃ فی الأوقاف لہا شبہۃ الأجرۃ فی زمن المباشرۃ وإعطاء
للأغنیاء، وشبہۃ الصلۃ، فلو مات أو عزل لا تسترد المعجلۃ وشبہۃ
الصدقۃ، لتصحیح أصل الوقف، فإنہ لا یصح علی الأغنیاء ابتداء. قال
الشامی: الجامکیۃ: ہی ما یرتب فی الأوقاف لأصحاب الوظائف کما یفیدہ

کلام البحر من ابن الصائغ، وفی الفتح: الجواب کالعطاء، وھو ما یثبت فی الدیوان باسم المقاتلة أو غیرھم، إلا أن العطاء سنوی، والجامکیة شھریة، إلی قول ومن حیث أن المدرس لو مات، أو عزل فی اثناء السنة قبل مجئ الغلة وظھورھا من الأرض، یعطی بقدر ما باشر، ویصیر میراثا عنہ کالأجیر. شامی کتاب الوقف.

عبارت مذکورہ میں اسکی بھی تصریح ہے کہ یہ معاملہ عادۃً شہریہ ہوتا ہے، اور اسکی بھی کہ عزل وسط سال میں جائز ہے تو تخفیف بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح خادم دار الافتاء دیوبند

حسین احمد غفرلہ محمد شفیع غفرلہ

الجواب ۔۔۔۔ حد شبہ بالاجارہ کو اجارہ پر قیاس کرنا اور اختتام ماہ پر عزل و تخفیف کو متفرع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ ضروری نہیں کہ دونوں میں باہم کل احکام میں اشتراک ہو۔ اور اس اسلئے کہ مدرس کا عزل بلا وجہ جائز نہیں ہے۔

(در مختار) لا یصح عزل صاحب وظیفة بلا جنحة او عدم أھلیة.

(شامی) وقد منا عن البحر عزل القاضی للمدرس ونحوہ، وھو أنہ لا یجوز إلا بجنحة أو عدم أھلیة. وایضاً قال فی البحر: واستفید من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمھا لصاحب الوظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم أھلیة۔ (شامی) وقولہ: (وإن کانوا أصلح) الذی رأیتہ فی فتاوی مؤید زادہ، إذا لم یکونوا أصلح او فی امرھم تھاون، فیجوز للواقف الرجوع من ھذا الشرط، إلی ما قال ۔۔۔ وإن کان مشروطاً کالمؤذن والامام والمعلمات لم یکونوا أصلح، أو تھاونوا فی امرھم فیجوز للواقف مخالفة الشرط.

اور جبکہ عزل ناجائز ہوا تو جواز عزل پر تخفیف کا مرتب کرنا صحیح نہ رہا۔

ملہ اور عبارت "او عزل فی اثناء السنة" میں جو لفظ عزل مذکور ہے وہ جواز عزل اور عدم جواز سے ساکت ہے، چہ جائیکہ اسمیں جواز عزل کی تصریح ہو، جیسے کہ اگر "لو مات" کی جگہ "لو قتل" ہو تو جواز قتل سے ساکت ہے۔

۳ جبکہ تخفیف کا ایک علیحدہ مسئلہ ہے، عمل پر مرتب نہیں۔ فقہاء کے کلام سے یہ سمجھ
میں آتا ہے اگر مدرسہ میں اس سال اتنا سرمایہ موجود ہے کہ اس سرمایہ سے مدرسوں کی پوری
تنخواہیں ادا ہو سکتی ہیں تو تخفیف جائز نہیں، ورنہ تخفیف علی قدر المراتب جائز ہے۔ درمختار
ویبدأ من غلته بعمارته۔ ثم ما هو أقرب بعمارته كإمام مسجد ومدرس
مدرسة، يعطون بقدر كفايتهم۔ قال الشامي: قوله بقدر كفايتهم
أي لا بقدر استحقاقهم المشروط لهم، وفي موضع آخر والحاصل
فتحرر وتحرر أنه يبدأ بالتعمير الضروري، حتى لو استغرق جميع
الغلة صرفت كلها إليه۔ ولا يعطى أحد، ولو إماماً أو مؤذناً۔ فإن
فضل عن التعمير شيء يعطى ما كان أقرب إليه مما في قطعه ضرر
بين۔ إلى ما قال۔ إذا كان قدر كفايته، وإلا يزاد أو ينقص۔

واللہ اعلم بالصواب

کریم بخش غفرلہ

از سنبھل ضلع مراد آباد

تنقیح

اس سوال کا جواب لکھنے اور جواب تحریر کی تائید سے قبل چند امور قابل تحقیق
ہیں، ان تنقیحات مندرجہ ذیل کے بعد انشاء اللہ جواب لکھا جائیگا۔

۱ ان ہر سہ مدرسین کو کسی مدت تک کے واسطے مدرس رکھنے کی تصریح کی گئی ہے یا نہیں؟

۲ کیا وقف نامہ میں مدرسین کے واسطے کوئی مقدار معین ہے؟ کہ مدرس اول کو اتنا،
ثانی کو اتنا، یا کل مدرسین کو اتنا دیا جائے گا، یہ بھی لکھا جائے کہ خاص رقم معین ہے؟
مثلاً ایک صد روپیہ وغیرہ، یا آمدنی کا کوئی حصہ نصف، ثلث وغیرہ معین کیا گیا ہے؟

۳ ان مدرسین کو وقف کنندہ نے مقرر کیا ہے یا بعد والوں نے؟

۴ تنخواہ مدرسین کا مدار محض آمدنی وقف پر ہے یا چندہ کی امداد بھی ہے؟

۵ دیوبند کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل اور کسی جگہ سے لکھا ہوا جواب
وہاں بھیجا گیا ہے اسکی نقل بھی بھیجی جائے، تاکہ غور میں زیادہ مدد ملے۔

جواب تنقیح:۔ ۱ تصریح نہیں کی گئی ہے، البتہ مدرس اول نے بروقت معاملہ

یہ طے کیا تھا کہ اراکین مدرسہ کو میرے معزول کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس مدرسہ میں اکثر مدرسین کا سال دو سال میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا، مدرس اول کے متعلق یہ وعدہ اور معاہدہ ہو گیا ہے کہ آپ کو معزول نہیں کیا جائیگا۔

ے کسی مدرس کیلئے کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔ اور نہ کل مدرسین کیلئے کوئی مقدار معین ہے۔ کوئی حصہ اور کوئی رقم معین نہیں ہے۔

ے بعد والوں نے۔

ے امداد نہیں ہے۔

الجواب .... اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معاملہ عادۃً اس زمانہ میں اجارۂ سالانہ ہے۔ اسی واسطے کسی مدرس کو وسط سال میں معزول نہیں کیا جاتا ہے تو ماہ رمضان کی بھی تنخواہ اکثر مدارس میں دی جاتی ہے۔ اور اگر ماہانہ کہا جائے تو اس تنخواہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں، پہلے زمانہ میں بھی یہ معاملہ سالانہ ہوا کرتا تھا عالمگیری: الباب الرابع عشر میں ہے۔ غاب المتفقه شهراً أو شهرين يحرم عليه أخذ المرسوم بلا خلاف إن كان مشاهرة، وإن كان مسانهة، وحضر وقت القسمة، وقد أقام أكثر السنة يحل كذا في القنية۔

اور اس وجہ سے اگر کسی مدرس سے مہتمم مدرسہ یوں معاملہ کرنا چاہے کہ مجھ کو درمیان سال میں علیحدہ کرنے کا اختیار ہوگا، تو کوئی مدرس بھی اس طرح کا معاملہ کرنا نہیں چاہیگا، کم سے کم مہتمم مدرسہ ایک سال کیلئے مقرر کرتا ہے۔ اور بعدہ بطور تعامل اجارہ سالانہ ہوتا رہتا ہے، سالی تقرر ہے، اور اس سال میں کہ کام کیا گیا عقد لازم ہو گیا۔ اور بوجہ لزوم عقد ہر ایک کا حق کل تنخواہ کے ساتھ متعلق ہو گیا، لہٰذا تخفیف جائز نہیں۔ کتاب الاجارہ کی بعض عبارتیں جو لزوم عقد پر دلالت کرتی ہیں تحریر کی ہیں، اور ایک عبارت عالمگیری کی کتاب الاجارہ باب الرابع کی جو کل تنخواہ کے ساتھ حق متعلق ہو جانے کے ساتھ دلالت کرتی ہے تحریر کی ہے، وهو هذا ...... ولو أبى أحد عن الحق إلا دهما صح بالإجماع، لأنه بمنزلة الحط، اور واضح ہو کہ مدرسہ میں امسال روپیہ اس قدر موجود ہے کہ امسال کے کل مصارف مدرسہ اور تنخواہوں کیلئے بخوبی کافی ہو سکتا ہے، اس مدرس اول کی تقرری سے قبل ہمیشہ دو مدرس عربی مدرسہ

میں مقرر ہوتے ہیں، جبکہ طلبہ زائد ہو گئے تو مدرس اول کی تقرری کے کئی مہینہ بعد مدرس سوم مقرر ہوتے ہیں۔ والسلام

الجواب

دیوبند کا فتوی صحیح ہے کہ یہ معاملہ ماہوار عقد ہوتا ہے۔ اور ختم ماہ پر عاقدین میں سے ہر شخص کو اختیار ہے کہ آئندہ وہ عقد کو فسخ کر دے یا کمی بیشی پر معاملہ طے کر لے، ہاں اگر کسی مدت کے لزوم کی کوئی وجہ پائی گئی ہو مثلاً ایک سال یا چھ ماہ کا معاہدہ ہوا ہو تو اسکو بدون عذر عاقدین میں سے ایک شخص فسخ کا اختیار نہیں رکھتا، اور جن حضرات نے اس ملازمت کو سالانہ عقد قرار دیا ہے اسکی کوئی وجہ نہیں ہے اور جو وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ سب مخدوش ہیں۔

ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ وسط سال میں معزول نہیں کیا جاتا، یہ بھی خلاف واقعہ ہے وسط سال میں استعفاء اور معزولی دونوں واقع ہوتی رہتی ہیں (اور غالباً استعفاء دینے کا حق مدرس کے واسطے یہ حضرت بھی تسلیم کرتے ہونگے اگر حق استعفاء تسلیم ہے تو پھر معزولی کیوں جائز نہیں؟) اور شعبان میں معزولی کے وقت تنخواہ رمضان کا دینا اسکی نسبت اکثر مدارس کی طرف صحیح نہیں، دیوبند، سہارنپور وغیرہ تمام معروف مدارس کے قواعد میں درج ہے کہ تنخواہ رمضان کا حق اس مدرس کو ہے جو شوال میں کام پر آجائے، اور کسی جگہ یہ قاعدہ ہو بھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معاملہ عقد سالانہ ہے، بلکہ اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ۱۱ ماہ کو بمنزلہ ۱۲ ماہ قرار دے لیا ہے بناء بر للاکثر حکم الکل، اور یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ اگر (اس عقد کو) ماہانہ رکھا جائے تو اس تنخواہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں، اگر اسکی وجہ کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا، تو جواب آسان ہوتا، مگر اب صرف اتنا عرض ہے کہ ماہانہ تسلیم کرنے کی صورت میں جو شبہ شہور متعددہ کی تنخواہ پر واقع ہوتا ہے، وہی شبہ سالانہ ماننے کی صورت میں سنین متعددہ کی تنخواہ پر وارد ہوگا۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

اور عالمگیری کی عبارت «غاب المتفقه شهراً أو شهرين» سے کوئی مطلب حاصل نہیں ہوتا، اسمیں تو مرحوم کے مشاہدہ اور مسانہہ ہونے کی حالت میں ہر ایک کا جداگانہ حکم لکھا ہے اسمیں تو کسی کو کلام نہیں، ضرورت تو اسکی ہے کہ معاملہ بصورت فیہ

سالانہ ہے یا ماہوار؟ اسیطرح دوسرے جزئیات مندرجہ فتوی ۲ ما نحن فیہ سے تعلق نہیں رکھتے۔

اب جو فتوی ۲ سوالکے متعلق یہ عرض ہے کہ:۔

۱ بیشک صحیح ہے، مگر بعض اسپر راضی نہیں، کما سیجیٔ۔ اور فتوی ۲ میں جو عبارت درمختار کی تحریر فرمائی ہے وہ درمختار کی عبارت نہیں، بلکہ شامی کی سرخی ہے، اور شامی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے وہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں کیونکہ قول بحر ہو استفید من عدم صحة عزل الناظر الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب بحر نے مدرس وغیرہ کو ناظر پر قیاس کیا ہے۔ اور ناظر کیلئے یہ حکم عدم جواز عزل کا مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے۔ پس جب ناظر کی معزولی میں تفصیل ہے تو یہ مقیس علیہ ہے، تو مدرس کی معزولی میں بھی تفصیل ہونا لازم ہے ورنہ مقیس علیہ اور مقیس میں فارق تسلیم کرنا پڑیگا جو کہ مانع قیاس ہے۔

اور تفصیل یہ ہے......قال فی شرح الملتقی معزیا إلی الأشباہ لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا خیانة، ولو عزله لا یصیر الثانی متولیا ویصح عزل الناظر بلا خیانة لو منصوب القاضی أی لا الواقف، ولیس للقاضی الثانی أن یعیدہ، وإن عزله الاول بلا سبب لحمل أمرہ علی السداد، إلا أن تثبت أهلیته اھ۔

وأما الواقف فله عزل الناظر مطلقا وبه یفتی الخ (شامی ج ۳ ص ۴۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو وقف کنندہ کے علاوہ اور کوئی معزول نہیں کرسکتا۔ نہ واقف کی حیات میں نہ بعد موت کے۔ اور خود واقف اسکو بھی معزول کرسکتا ہے، اسیطرح قاضی اپنے مقرر کردہ ناظر کو بلا کسی خطا کے بھی معزول کرسکتا ہے۔ جب یہ قید ناظر میں ہے تو مدرس میں بدرجۂ اولیٰ ہوگی لأنہ المقیس، اور صورت مسئولہ میں مدرس مشروط له التدریس نہیں ہے، اسواسطے اسکا معزول کرنا غیر واقف کو بھی بلا کسی خطا کے جائز ہے۔

اور ۳ بھی صحیح ہے، اسمیں بلاشبہ مفتی دیوبند سے مسامحت ہوئی ہے۔

اور ۳ میں جو تفصیل مذکور ہے، یہ جب ہے جبکہ وقف کنندہ نے کوئی مقدار معین

کے قریب حصہ دار ہیں کام کرنے کیلئے پانچ آدمی ان میں سے منتخب کئے گئے گروہ کا معیار سنبھالیں
لیکن وہ لوگ جو منتخب کئے گئے ہیں شب وروز اسی کام میں مشغول رہتے ہیں۔ غریب طبقہ کے
لوگ ہیں جو ایک ایک دو دو کے حصوں کے خریدار ہیں، پس ان کی گذر بسر کیلئے ان کی ماہانہ
تنخواہ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر درست نہیں ہے تو کونسی صورت اختیار کی جائے جس سے ان کا گزارہ ہو سکے۔

الجواب

۱۔ درست نہیں۔ ونظیرہ ما فی الدر المختار: ولو استأجره لحمل طعام مشترك بينهما فلا أجر له، لأنه لا يعمل شيئا لشريكه إلا ويقع بعضه لنفسه، فلا يستحق الأجر اھ

۲۔ ان کے واسطے نفع میں زیادہ حصہ مقرر کردیا جائے۔ مثلاً ان کی رقم ½ کی نسبت رکھتی ہے، اور ان کو نفع میں سے ½ دیا جائے تو یہ جائز ہے کما فی العالمگیریہ (ج [illegible] ص [illegible]) ولو شرط الربح للعامل أكثر من رأس ماله جاز على الشرط، ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون
مورخہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

حکم الاجارۃ من الموجر

سوال: احقر نے اپنی جائیداد کا ٹھیکہ مبلغ دو سو روپیہ کے عوض گیارہ سال کو تحریر کرادیا، اور رجسٹری بھی تحصیل میں کرادی اور کل رقم مذکور وصول پائی، پھر ٹھیکیدار نے اسی وقت مبلغ اڑتالیس روپیہ سالانہ پر وہی جائیداد احقر کو دیدی، اب قابل دریافت یہ بات ہے کہ وہ جائیداد احقر کو کاشت کرانی یا کرنی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو اب تک جو ڈیڑھ سال اسکو میرے تصرف میں رکھا اسکا اجارہ کس کے ذمہ واجب ہے، جواب سے مطلع فرمائیں۔

از سائل عبداللطیف، پٹرانہ

الجواب

دوسرا ٹھیکہ صحیح نہیں ہوا اس واسطے مالک کے ذمہ ٹھیکیدار کو کچھ دینا لازم نہیں۔

اور چونکہ ٹھیکیدار کا تصرف اس عرصہ میں اس زمین پر نہیں ہوا، اس لئے ٹھیکیدار کے ذمہ بھی ان دونوں کا مقررہ روپیہ واجب نہیں، پس جتنے دن تک مالک کا قبضہ زمین پر رہا ان ایام کا زر ٹھیکہ دو سو روپیہ میں سے حساب کر کے واپس کر دینا ضروری ہے۔ اور آئندہ ٹھیکیدار کو زمین پر قبضہ کرا دیا جائے پھر چاہے وہ خود کاشت کرے، چاہے مالک کے سوا کسی اور کو اجارہ پر دیدے۔ اور ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر ٹھیکیدار کسی دوسرے کو نقد لگان پر دے تو اس لگان سے زیادہ پر دینا جائز نہیں جو اس نے مالک کو دیا ہے۔ البتہ اگر بجائے نقد کے غلہ مقرر کر لیا جائے تو جائز ہے، خواہ وہ غلہ ادا کردہ لگان سے زیادہ ہی قیمت کا ہو۔ فقط والسلام۔

(اضافہ مفیدہ) مستفتی کے پاس جواب مذکور روانہ کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ کتب فقہ کی عبارت بھی لکھ دی جائے۔ وھی ھذہ: فی الدر المختار: (ولہ السکنی بنفسہ ....) وكذا كل ما لا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد، لأنه غير مفيد، بخلاف ما يختلف به كما سيجيء ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسئلتين إذا أجرها بخلاف الجنس، أو أصلح فيها شيئا. ولو أجرها من الموجر لا تصح و تنفسخ الإجارة في الأصح. بحر معزيا عن الجوهرة. وسيجيء تصحيح خلافه فتنبه ــــــــ وفي رد المحتار (قوله ويبطل) بضم الياء من أبطل ويجوز الفتح. ولكن كان حقه أن يجعله مستأنفا، ويقول ويبطل فيه (قوله بخلاف ما يختلف فيه) كالركوب واللبس. قوله بخلاف الجنس أي جنس ما استأجر به، وكذا إذا أجر ما استأجر شيئا من ماله يجوز أن تعقد عليه إجارة فإنه تطيب له الزيادة كما في الخلاصة. (قوله أو أصلح فيها شيئا) بأن جصصها أو فعل فيها مسنا، وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملا لأمره على الصلاح، كما في المبسوط والكنس ليس بإصلاح الخ
(قوله لا تصح) أي قبل القبض أو بعده كما في الجوهرة، ولو تخلل ثالث على الراجح، وهي رواية عن محمد وعليها الفتوى بزازية (قوله في الأصح) أي الأولى، وأما الثانية فبالاتفاق (ج ۵ ص...).

قلت: (وقوله كما سيجئ) إشارة إلى قوله الآتي في صـ ... وفيما لا يختلف منه بطل تقييده به، كما لو شرط سكنى واحد، له أن يسكن غيره، لما مر أن التقييد غير مفيد اهـ - (وقوله وسيجئ الخ) المراد به قوله وهل تبطل الأولى بالإجارة للمالك الصحيح لا، وهبانية۔

قلت، وصححه قاضيخان وغيره. وفي المضمرات. وعليه الفتوى الخ۔

وقال الشامي تحت (قوله الصحيح لا) بل في التاترخانية عن شمس الأئمة أن القول بالانفساخ غلط، لأن الثاني فاسد والأول صحيح، أي والفاسد لا يرفع الصحيح (أهـ ج ۵ صفـ ...)۔

وفي الهداية، وأما العقار وما لا يختلف باختلاف المستعمل إذا شرط سكنى واحد، فله أن يسكن غيره لأن التقييد غير مفيد (الخ)

ان عبارات سے جواب کے سب اجزاء صراحۃً ثابت ہو گئے۔ اب ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جس شخص نے اجارہ پر زمین لی ہے وہ کسی اور کو مزارعت پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ سو اسکے متعلق صریح جزئیہ تو ملا نہیں، مگر ایجار بالاکثر مما استاجر بہ کے ممنوع ہونے کی وجہ مبسوط سرخسی میں یہ لکھی ہے، لا يطيب له الفضل لنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن ربح ما لم يضمن، والمنفعة بالعقد لم تدخل في ضمان المستاجر، فيكون هذا استرباحا على ما لم يضمنه، فعليه أن يتصدق به الخ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت پر دینا جائز ہے کیونکہ اجارہ بخلاف الجنس کی طرح اسمیں بھی ربح او رفضل غیر ظاہر ہے کما لا یخفی۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مؤرخہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

اطباء کے علاج کی ایک خاص صورت | سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء عظام ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ عام طور پر اطباء بعض خاص مرضوں کا ٹھیکہ لیتے ہیں اس طرح کہ مریض سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارے اس مرض میں حق تعالیٰ نے تم کو شفا بخشی تو مجھے

اتنی رقم مثلاً ایک سو روپیہ دے دیتا، اور اگر تم کو شفا نہ ہوئی تو مجھے کچھ نہ دینا لیکن صورت عدم شفاء کل رقم ضمن لے بیٹھے ہے، اور ملے ہونیکی وقت نصف قیمت ابتداء علاج میں ہی لی جاتی ہے، اور باقی قیمت شفاء ہونیکے بعد لیتے ہیں کیا یہ صورت جائز ہے؟

الجواب

یہ صورت تو جائز نہیں لیکن اس عقد کے جواز کی یہ صورت ہے کہ طبیب تخمینہ سے علاج کی مدت اپنے ذہن میں معین کر کے اس مدت کا ٹھیکہ کرلے کہ اتنی مدت تک علاج کا یہ معاوضہ لونگا، اور اس کا آٹھواں حصہ پیشگی لونگا، اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدے کہ اگر خدا نخواستہ شفاء نہ ہوئی تو اس آٹھواں حصہ کے علاوہ کچھ نہ لونگا جو پیشگی لیا جائیگا، اور اسکے علاوہ کل رقم مقرر کردہ چھوڑ دونگا۔

اور مریض کی طرف سے یہ بھی وعدہ کیا جائے کہ اگر جلد صحت ہوگئی تب بھی آپ کو پوری رقم دی جائیگی اور یہ دونوں طرف کے وعدے لازم ہونگے۔ کما قال الفقہاء فی البیع بشرط الوفاء۔ اور اگر درمیان میں طبیب علاج چھوڑ دے یا مریض چھوڑ دے تو جتنی مدت تک علاج ہوا ہے اسکا معاوضہ حساب سے لازم ہے، یعنی اگر اس مدت کے آٹھویں حصہ سے قبل علاج چھوٹ گیا ہے تو حساب کر کے باقی رقم واپس کی جائے اور اگر مدت سے آٹھویں حصہ سے زائد مدت تک علاج ہو چکا ہے تو زائد معاوضہ مریض کے ذمہ واجب ہوگا۔ البتہ اگر کوئی خاص وعدہ ہو جائے تو اسکے موافق عمل ہوگا۔

یہ صورت قواعد سے لکھی ہے، اس لئے دوسرے علماء سے بھی اسکا حکم دریافت کر لیا جائے اور جو جواب ملے اس سے ہمیں بھی مطلع کریں۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

سوال :- اگر مدرس مدرسہ کے وقت میں جبکہ طالب علم نہ آئے ہوں۔ اپنا قرآن پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

اوقات درس میں طالب علم حاضر نہ ہوں یا تکرار میں مشغول ہوں تو اس وقت مدرس اپنی تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

سائل ....

الجواب

ہاں اسوقت پڑھ سکتا ہے۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ رمضان ۴۸ھ

بقیہ سوال :۔ یا آئے ہوں تو اپنا پچھلا سبق یاد کر رہے ہوں یا پڑھا چکا ہو تو اسے کلام مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب ... نہیں، بلکہ اس وقت کو طلبہ کی نگرانی میں صرف کرنا چاہئے جو بچے پڑھنے میں کمزور ہوں ان کو اپنے سامنے سبق یاد کرائے۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
تاریخ بالا

ختم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے

سوال :۔ گذارش یہ ہے کہ ہمارے مشرقی بنگالیوں کا یہ معمول ہے کہ کسی مردے کے ایصال ثواب کیلئے علماء و قاریوں و ملاؤں کی دعوت کر کے ختم قرآن مجید کراتے ہیں اور بغیر کسی اجرت کہے سے ان کو دو تین یا پانچ روپے تک دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت سے ختم قرآن مجید کرانا، یا ملاؤں کو بقدر مذکور دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل : عبد المالک
پوسٹ بگوا بازار، دولت پور، نواکھالی

الجواب

جائز نہیں بلکہ اس سے بہتر یہ ہے کہ خود تین بار قل ھو اللہ پڑھ دے۔

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

نکاح خوانی اور طلاق رجسٹری کا پیشہ اختیار کرنا اور اسکی آمدنی کا حکم

سوال :۔ نکاح و طلاق رجسٹری کیلئے گورنمنٹ کی طرف سے ایک قاضی مقرر ہوتا ہے۔ اور فی دلیل کابین نامہ یا طلاق نامہ رجسٹری کرنے میں ایک روپیہ لینے کا حکم ہوتا ہے۔ تنخواہ ماہواری کچھ مقرر نہیں، مگر نذرانہ کچھ لینے کی اجازت ہے، اگر ناکح یا مطلق بخوشی دیں۔ اب قاضی مذکور بحکم سرکار یہ روپیہ تو لیتے ہی ہیں، پھر کچھ زائد روپیہ بھی

لیتا ہے، چنانچہ فی دلیل نکاح کی پانچ سو سے کم مہر میں دو روپیہ گیارہ آنہ، اور طلاق کی فی دلیل تین روپیہ گیارہ آنہ۔ اب اس صورت میں یہ قاضی کی جبری پیشہ شرعاً روا ہے یا نہیں؟ اور روپیہ اسکے لئے حلال ہے یا حرام؟

سائل بالا ــــــ

الجواب

لیکن اگر قاضی صاحب ایک ہی روپیہ میں دلیل نکاح وطلاق کی رجسٹری کردیں تو کوئی بھی انکو خوشی سے ایک پیسہ زیادہ نہ دیں گے، لوگ زیادہ جب ہی دیتے ہیں جبکہ یہ ایک روپیہ میں رجسٹری نکاح نہیں کرتے، پس یہ جبر ہوا، اور جبر جائز نہیں یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ گورنمنٹ کے مقرر کردہ اجر پہ عمل کیا جائے پھر زیادہ لیا جائے، اور اگر نکاح وطلاق والوں سے پہلے ہی کہدیا جائے کہ میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ اجر پہ رجسٹری نہ کروں گا، بلکہ زیادہ لونگا، اور زیادہ بھی عمل سے پہلے معین کردیا جائے تو یہ زیادت جائز ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۱۷ شوال ۱۳۴۹ھ

وصولیابی قرض کی خاطر سابق | سوال:- ....
ملازم مدرسہ کی ملازمت بحالی کرنا | زید عرصۂ دراز تک ایک دینی و اسلامی مدرسہ کی ذمہ دارانہ خدمت انجام دے چکا ہے، اور کچھ عرصہ سے اپنی ذاتی مشکلات کی بنا پر مدرسہ سے علیحدہ ہوکر زید نے دوسرا سلسلہ معاش اختیار کر لیا، لیکن اس میں ترقی نہ ہوئی اور وہ ناکام رہا، زید ملازمت مدرسہ کے زمانہ سے مدرسہ کا مقروض ہے، اور اسکی ادائیگی باوجود کوشش کے نہ ہو سکی، اور نہ اب اسکی موجودہ حالت اس قابل ہے کہ وہ اس قرض کو ادا کر سکے، لیکن اسکی دلی خواہش یہ ہے کہ وہ اس عذاب الدین سے جلد سے جلد بری ہو جائے۔ جس کی صورت اسکے سوا کچھ نہیں کہ زید بدستور سابق مدرسہ کی خدمت انجام دیکر حق الخدمت قرضہ میں محسوب کرائے۔ نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس کام کو نسبتاً دوسرے کی تنخواہ سے کم میں محض ادائیگی قرض کی بنا پر کرنے کیلئے

تیار ہوں، حالانکہ اس صورت میں زید کا مالی نقصان ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ مدرسہ کی تخفیف مصارف پر بھی نظر ہے کارپردازان مدرسہ کو کیا کرنا چاہئے؟ اور زید کا یہ خیال اس حالت میں کہ بارِ عظیم سے ہمیشہ کیلئے نجات ملتی ہو مستحسن ہے یا نہیں؟

عبدالرشید

خطیب جامع مسجد مسعد میرٹھ

الجواب

جب اہل مدرسہ کو اس شخص سے قرض مدرسہ کی وصولیابی کی اور کسی صورت سے امید نہیں، اور یہ شخص مدرسہ کی خدمت کرنے کا اہل ہے تو یہ صورت جائز ہے کہ اس شخص کو مدرسہ کی کسی خدمت پر مقرر کر لیا جائے، اور اس خدمت کے مناسب اسکی تنخواہ مقرر کر دی جائے، دوسرے لوگوں سے کم تنخواہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جتنی تنخواہ دوسروں کو دی جاتی ہے وہی اسکو دی جائے، اور اسکی تنخواہ میں سے جزو یا کل قرضہ میں ہر مہینہ اس سے بعد القبض لے لیا جائے، تو یہ شخص قرض مدرسہ سے سبکدوش ہو جائیگا، اور مدرسہ کو بھی نافع ہوگا مگر یہ امر ضروری ہے کہ ہر مہینہ اس شخص کو پوری تنخواہ دیکر پھر کہا جائے کہ اس میں سے کل یا بعض قرض مدرسہ میں ادا کرو، بدون تنخواہ دیئے اور تنخواہ پر قبضہ کرائے ہوئے تنخواہ وضع نہ کی جائے کہ اس شخص کے سبکدوش ہونے میں شبہ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ، از تھانہ بھون

۱۷ شوال ۱۳۴۵ھ

---

۱ یعنی جبکہ مدرسہ کو اسکی خدمت کی ضرورت ہو، محض اسکی اعانت کے خیال سے ایسا نہ کیا جائے ۱۲ ظ

۲ اور یہ شبہ اس صورت میں ہوگا جبکہ اس شخص کو یہ کہکر رکھا جائے کہ تم قرض مدرسہ کے معاوضہ میں اتنی مدت تک مدرسہ کی خدمت کرو! اس صورت میں خدمت کو قرض کا عوض بنانا لازم آتا ہے، اور منافع مال متقوم نہیں، اور اگر یہ کہکر رکھا جائے کہ تم اس تنخواہ پر اتنی مدت تک مدرسہ کا کام کرو، تمہاری تنخواہ سے مدرسہ کا قرض وصول کیا جائیگا تو شبہ نہیں، خواہ اسکے قبضہ کے بعد تنخواہ وضع کی جائے، یا بدون قبضہ کے ۱۲ ظ

اس شرط پر جانور کا بچہ پرورش کے لئے دینا کہ جب بڑا ہوگا فروخت کرکے قیمت نصفا نصف تقسیم کرلیں گے۔

سوال: گائے یا بھینس کا بچہ کسی کو اس شرط پہ پرورش کے لئے دینا کہ جب یہ بچہ تمہاری پرورش میں بڑا ہوگا تو اس کو بیچ کر جو قیمت آئے گی۔ وہ نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ یعنی آپ کو پرورش کے عوض میں نصف قیمت ملے گی۔ اور اگر یہ بچہ بڑا ہونے سے پہلے ہی مرجائے تو ہمارا کچھ نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، یہ اجارہ فاسدہ ہے، پرورش کرنے والے کو اجر مثل عمل کا استحقاق ہوگا، جانور میں کچھ حق نہ ہوگا۔ وجه الفساد جهالة الأجر والعمل۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون ۔ ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ

داخلہ اور ماہواری فیس لینا

سوال: مدارس میں فیس داخلہ و فیس ماہواری طلبہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے، کیونکہ یہ اجرت نہیں، بلکہ چندہ ہے اور چندہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس سے جبر لازم نہیں آتا جس کو شرط منظور نہ ہوگی۔ اس کو عدم داخلہ کا اختیار ہوگا۔

ودليه انه صلى الله عليه وسلم قال لمن أضافه: "وعائشة"؟ قال لا، قال: فلا إذن حتى قال في الثالثة: وعائشة، قال فنعم:

واللہ اعلم بالصواب

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

کتاب الودیعۃ والعاریۃ

امانت کا حکم جبکہ اس کا رکھوانے والا غائب ہو جکا

سوال: ایک شخص کی امانت میرے پاس موجود ہے اور اس شخص کا کچھ پتہ نہیں، میں نے اپنی رائے میں اس امانت کی اہمیت کی نسبت سے کافی تحقیق اس شخص کی کی مگر نہ تو اس کا اور نہ اس کے ورثاء کا کچھ پتہ ملا، اب اس امانت کو کیا کروں، اور اس بارے کس طرح سبکدوش ہوں۔ انتظار کی بھی حد گذر گئی۔ بظاہر کوئی صورت اس شخص کے پتہ ملنے کی نہیں معلوم ہوتی، امید ہے کہ فا الصا اللہ شرعی حکم سے مطلع کیا جاؤں گا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

الجواب

اس صورت میں اگر وہ مال دو درہم کی مقدار سے کم ہے تب تو لقطہ کے حکم میں ہے اور اگر زیادہ کا ہے تو بیت المال کا حق ہے بشرطیکہ کئی برس تک اس امانت والے کی اور اس کے ورثاء کی کافی تحقیق ہوگئی ہو، اور پتہ نہ ملا ہو، اور آج کل مدارس اسلامیہ کا حکم مثل بیت المال کے ہے، اور اگر سائل صدقہ کا مصرف ہو تو وہ خود بھی صرف کر سکتا ہے۔ وفی الحاوی: غریب مات فی بیت انسان ولم یعرف وارثہ، فترکتہ لقطۃ ما لم یکن کثیرا، فلبیت المال بعد الفحص عن ورثتہ سنین، فان لم یجدھم فلہ لو مصرفا اھ (درمختار ج ۳ ص ۴۹۹)

حررہ ظفر احمد

۲ / صفر سنہ ۱۳۳۰ھ

حکم امانت مفقود

سوال: منشی .... صاحب مرحوم کے پاس زید مسمّی .... بعمر بیس سال کچھ روپیہ نقد امانۃً رکھ کر مفقود و لاپتہ ہو گیا کہ جس کو مفقود ہوئے بھی غالباً پچیس سال کا عرصہ ہو گیا اور آج تک مفقود کا کچھ پتہ و نشان معلوم نہیں ہوا، ورنہ اس کا کوئی خط وغیرہ تاریخ مفقود سے اس کے ورثاء کے پاس آج تک آیا، واللہ اعلم کہ مفقود زندہ بھی ہے یا فوت ہو گیا ہے، بوقت سپردگی امانت منشی صاحب مرحوم نے مفقود سے سپردگی امانت سے ہر چند انکار کیا اور کہا کہ ہمارے پاس تمہارا روپیہ صرف ہو جائے گا۔ اور عند الطلب روپیہ ہمارے پاس موجود نہ ہو تو تمہارا بھی نقصان ہوگا، اور ہم کو بھی خفت ہوگی۔ لہٰذا تم یہ امانت کسی اور معتمد کو سپرد کر دو، کو بوجہ ان وجوہ سپردگی امانت سے انکار ہے، لیکن چونکہ مفقود کو بجز منشی صاحب مرحوم کے سپردگی امانت سے کسی اور پر اعتماد نہ تھا لہٰذا مفقود نے منظور نہ کیا، بجواب منشی صاحب مرحوم کے عرض کیا کہ آپ بوقت ضرورت روپیہ آپ کو اپنے خرچ میں لانے کی بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ اور جب کبھی میں آؤں گا اور مجھ کو روپیہ کی ضرورت ہوگی اور آپ کے پاس روپیہ موجود بھی ہوگا تو لے لوں گا، ورنہ نہیں۔ چنانچہ ایک وقت منشی صاحب مرحوم کو بوجہ باہمی تنازعات مکان مسکونہ کی وجہ سے کچھ روپیہ کی ضرورت پڑی، تو منشی صاحب مرحوم نے کچھ روپیہ اپنا فراہم کر کے اور بقیہ کمی کو امانت کے روپیہ سے کچھ حصہ مکان متنازعہ فیہ کا خرید کر بعض اپنے فرزندوں کے نام کرا دیا، اور متنازعہ فیہا بیع نامہ رفع کرا لیا، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ منشی صاحب مرحوم کی زوجہ، و تین فرزند ان کے مال سے ورثاء شرعی قرار پاتے کہ جو اس وقت موجود ہیں، اور منشی صاحب بوقت رحلت عازم آخرت ان چاروں ورثاء موجود سے کسی کو بابت مابقیہ امانت کچھ وصیت نہ کر سکے، اور فوت ہو چکے، و یہ واقعہ امانت ان چاروں ورثہ کو معلوم و تسلیم ہے۔ آیا اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے، مفقود کے ورثاء شرعی کو یہ روپیہ از روئے فرائض بعد رسد تقسیم کر دیا جائے تو منشی صاحب مرحوم اس بار گراں سے سبکدوش ہو سکتے ہیں یا نہیں، ور روز آخرت میں منشی صاحب مرحوم سے اس کا مطالبہ تو نہ ہوگا۔

جواب باصواب سے مشرف سرفراز و ممنون فرمائیے۔

المستفتی: محمد فصیح اللہ غفرلہ

الجواب

صورت مسئولہ میں مفقود کی رقم منشی صاحب مرحوم پر قرض ہے دلالة قوله "بوقت ضرورت بخوشی خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہوں، لیس بھبة، بل ودیعة بإذن تصرفه فیه) پس ورثاء منشی صاحب کو چاہیئے کہ اس رقم کو ورثاء مفقود میں سے کسی امانت دار شخص کے پاس امانت رکھ دیں۔ اور ایک کاغذ باقاعدہ لکھ کر ورثاء مفقود کے دستخط اس پر کرالیں کہ مفقود کی اتنی رقم اس کے ورثاء میں سے فلاں شخص کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔ اس طرح منشی صاحب مرحوم اس بار قرض سے سبکدوش ہوجائیں گے۔ اور ورثاء مفقود کو اس رقم کا ابھی تقسیم کرلینا جائز نہیں۔ بلکہ جب مفقود کے سب ہم عمر مرجائیں، یا مفقود کی عمر نوے سال ہوجائے، اس وقت ورثاء جو موجود ہوں وہ کسی عالم کے فتوی کے مطابق عمل کریں بلکہ اس کاغذ میں یہ حکم بھی لکھ دیا جائے کہ یہ رقم اتنی مدت تک امانت رکھی جائے اس کے بعد کسی عالم کے فتوی کے مطابق عمل کیا جائے۔

حررہ الاحقر ظفر عفا اللہ عنہ
۱۰ ر شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ

بغیر کچھ کہے سامنے کوئی چیز کسی نے رکھ دی اور وہ ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان لازم نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی سید محمود الحق صاحب وکیل ہردوئی کی تحویل میں سے ان کے محرراوں میں سے منشی سید ظفر یاب علی صاحب نے ایک نوٹ قیمتی دس روپیہ کا یہ کہہ کر امجد علی کے پاس تخت پر ڈال دیا کہ اس کے روپیہ درکار ہیں۔ مگر امجد علی کے ہاتھ میں نہیں دیا امجد علی تخت پر بیٹھا ہوا اپنا موزہ سی رہا تھا، امجد علی نے کچھ توجہ کی، تھوڑی دیر کے بعد امجد علی نے جب وہ موزہ سی چکا، دریافت کیا کہ نوٹ اٹھا لیا تھا؟ منشی ظفر یاب علی صاحب نے جواب دیا کہ میں نے نہیں اٹھایا، میں تم سے لوں گا، امجد علی صاحب نے اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہیں چلا۔ اس تخت پر ایک اجنبی

شخص بھی بیٹھا ہوا تھا، اور منشی ظفریاب علی صاحب بھی ادھر بیٹھے تھے، جب نوٹ نہیں ملا تو میں فوراً اس اجنبی شخص کو ڈھونڈ کر مکان تک لایا، اور اس سے کہا، اس نے اپنے کپڑے اور رضائی وغیرہ دکھلائی مگر نوٹ نہیں نکلا، اس کے بعد جب وہ چلا گیا، تو پھر تلاش کیا مگر نہیں ملا، امجد علی و ظفریاب علی صاحب دونوں کا گمان غالب یہ ہے، کہ نوٹ وہ اجنبی شخص لے گیا، امجد علی نے بدرجہ مجبوری مایوس ہوکر اپنی بیوی کے جہانجھ دس روپیہ پر گرو کرکے منشی سید ظفریاب علی صاحب نے ان روپیوں کو قبول کرکے رکھ لئے۔ اس حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ امجد علی کو دینا چاہئے تھا یا نہیں؟ میں بھی مولوی سید محمود الحق صاحب کے پاس نائب تحریری کا کام کرتا ہوں۔

آپ کا خادم امجد علی خاں

از ہردوئی

۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

الجواب

سوال سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس وقت ظفریاب علی صاحب نے تخت پر نوٹ ڈالا، اس وقت امجد علی نے زبان سے کچھ نہیں کہا، نہ یہ کہا اچھا دیتا ہوں، نہ یہ کہا کہ رکھ دو! تو اگر واقعہ یہی ہے کہ امجد نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو یہ نوٹ ظفریاب علی کا گیا امجد علی کا نہیں گیا، اور اس صورت میں ظفریاب علی کا امجد علی سے تاوان لینا درست نہیں، اور اس تاوان کو واپس کرنا اس پر واجب ہے اور اگر امجد علی نے تخت پر نوٹ ڈالنے کے وقت زبان سے کچھ کہا تھا تو سوال دوبارہ کیا جائے، اور بتلایا جائے کہ کس نے زبان سے کیا کہا تھا۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۱۹ر رمضان ۱۳۴۶ھ

امانت میں قلت احتیاط موجب ضمان ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں

علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمرو کے پاس امانت رکھا کرتا تھا، اب عمرو کے پاس زید کی امانت مبلغ تین سو پچیس روپیہ تھے۔ رمضان شریف میں زید نے ایک سو پچاس روپے طلب کئے، عمرو نے تھیلی باہر نکال جس میں سے زید کو حسب ضرورت ایک سو پچاس روپیہ دو تین بار گن کر دے دیئے، اور کہا کہ اب تمہارے دو سو پانچ روپیہ رہ گئے، چنانچہ زید ایک سو پچاس روپیہ لے کر، اور سو سو کے دو نوٹ اور پانچ روپیہ عمرو کے پاس باقی رکھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد عمرو نے تھیلی اس جگہ رکھی جہاں سے نوٹ چوہے لے جا سکتے تھے، اور عمرو کے ملازم بھی وہاں آتے جاتے تھے، دس بارہ روز کے بعد عمرو کے لڑکے کی نظر اس تھیلی پر پڑی۔ اور یہ دیکھا کہ تھیلی باندھی ہوئی نہیں ہے بلکہ کھلی ہوئی ہے۔ تھیلی کو غیر محفوظ حالت میں دیکھ کر اس نے تھیلی کو اٹھایا تو اس میں صرف پانچ روپیہ تھے، بعد کو عمرو کے لڑکے نے عمرو سے کہا کہ تھیلی میں صرف پانچ روپیہ ہیں، جس پر عمرو نے زید سے دریافت کیا، زید نے کہا کہ مجھے بخوبی یاد ہے کہ دو نوٹ سو سو کے، اور پانچ روپیہ تمہارے پاس چھوڑ گیا ہوں، عمرو نے کوٹھری میں نوٹوں کو دیکھا بھالا نوٹوں کو نہ پایا، اب عمرو زید سے کہتا ہے کہ تم بھول گئے ہو، میں تم کو دے چکا ہوں، عمرو کے پاس کوئی شہادت دو سو روپیہ کے دینے کی نہیں ہے۔ اور زید بھی دو سو پانچ روپیہ باقی رہنے کی شہادت پیش نہیں کرتا صورت مذکورہ بالا میں دو سو روپیہ عمرو کے ذمہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئلہ میں عمرو کی قلت احتیاط ظاہر ہے۔ پس اگر عمرو اپنی قلت احتیاط کا اقرار کرے۔ یعنی اس کو قبول کرے کہ میں نے تھیلی ایسی جگہ رکھی تھی جہاں سے چوہے نوٹ لے جا سکتے تھے، اور عمرو کے ملازم بھی وہاں آتے جاتے تھے اور یہ بھی تسلیم کرے کہ میرے پاس دو سو پانچ روپے رہ گئے تھے تو اس کے ذمہ ضمان واجب ہے اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے، تو عمرو کے ذمہ قسم ہے۔ اگر وہ قسم کھائے تو اس کے ذمہ ضمان نہیں، اور یہ قسم مجلس حکم میں ہونی چاہیئے۔

فی الحامدیة، سئل فیما إذا دفع زید لعمرو وصدرتحاسر

ليبيعه له، فعرضه على البيع، فلم يشتره أحد، فرده عمرو على زيد ثم جحد زيد وصوله من عمرو، فهل يقبل قول عمرو بيمينه؟

الجواب نعم، لأنه أمين، والقول للأمين مع اليمين، إلا إذا كذبه الظاهر، وفي الأشباه: كل أمين ادعى إيصال الأمانة إلى أهلها، قبل قوله، كالمودع إذا ادعى الرد، والوكيل والناظر ومثله في تنوير الأبصار اهـ (ج ٢ ص ٥٠)

قلت: ومثله إذا ادعى الأمين الحفظ، ورب المال عدم حفظه فالقول للأمين، لأن الظاهر معه ويحلف والله اعلم.

وفيه أيضاً: رجل أودع عند رجل صرة من المال غالية الثمن فوضعها المودع في اصطبل دار فسرقت، هل يضمنها أولا؟

والجواب مبني على معرفة الحرز، ففي البزازية. ولو قال: وضعتها بين يدي وقمت ونسيتها، فضاعت، يضمن. ولو قال: وضعتها بين يدي في داري، والمسئلة بحالها، إن مما لا يحفظ في عرصة الدار كصرة النقدين، يضمن. ولو كانت مما يعد عرصتها حصناله لا يضمن اهـ ومثله في الخلاصة والتاترخانية وغيرهما، وظاهره أنه لا يجب حرز كل شيء في حرز مثله اهـ (ج ٢ ص ٥٠)

قلت: والمكان الذي يدخل فيه الغلمان والخدم ليس بحرز لصرة النقدين إذا كانت بمرأى منه غير مقفلة في صندوق ونحوه كما هو المعروف. والله اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه

از تھانہ بھون

١٩، ذیقعدہ سنہ ١٣٤٢ھ

مودِع مفقود کی ودیعت کا حکم

سوال: عرصہ ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے کہ خاکسار کا سالا ایک بجرا

خرید کر اس وجہ سے کہ اس کے تیار ہو جانے پر بنام خدا مسکینوں کو کھلا دیا جائے گا لیکن وہ بکرے کو ہمارے پاس چھوڑ کر چلا گیا، اور ابھی تک کچھ اس کا پتہ نہیں اور بکرا قابل قربانی ہو گیا ہے۔ اس کی نگرانی ہمارے لئے مشکل ہو رہی ہے عجب نہیں کسی کا نقصان کرے، اور کوئی مار دے یا کہیں گم ہو جائے۔ بدین خیال جناب والا ان خدمت میں التماس ہے کہ اس کے متعلق ہم کو کیا کرنا چاہیئے، جیسا آپ حکم فرمائیں گے، وہی عمل میں لاؤں گا۔ کیونکہ وہ تین چار ماہ کے لئے کہہ کر گیا تھا، اور اب اس سے سال بھر سے بھی زائد ہو گیا، وہ لاپتہ ہے۔

از سائل: ابراہیم عرف کھیٹا
بہشتی محلہ کوٹ، از طول
ضلع گوڑگانوہ

الجواب

فی العالمگیریۃ (ج ۵ ص ۳۶۲) وان کانت الودیعۃ شیئاً لا یمکن ان یؤاجر، فالقاضی یأمرہ بان ینفق من مالہ یوماً او یومین، او ثلاثۃ رجاء ان یحضر المالک، ولا یأمرہ بالانفاق زیادۃ علی ذلک بل یأمرہ بالبیع وامساک الثمن اھ

وفی دیارنا لا یمکن الرفع الی القاضی فجماعۃ المسلمین قائمۃ مقامہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت امانت میں رکھنی چاہیئے، مگر خود تنہا فروخت نہ کرے، بلکہ چند معتبر مسلمانوں کی رائے سے فروخت کرے۔

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

کتاب الغصب

زمین مغصوب کا حکم اور غاصب پر حج اور زکوٰۃ فرض ہونے کا بیان

سوال:۔ اگر کسی کے باپ دادا نے غصبی روپیہ کی جائیداد خریدی، اور اس جائیداد کی وجہ سے وہ مالدار چیز آتا ہے۔
آیا ایسے شخص کے اوپر زکوٰۃ یا حج یا قربانی وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی جائیداد سے خود آپ یا اپنے لڑکے بالغ یا اور کسی بیگانے کی دعوت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض لکھتے ہیں کہ ملکیت ہو جانے سے حرمت حلت سے مبدل ہو جاتی ہے، مگر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح سے بحوالہ دلائل تصدیر فرمائیں گے؟

از سائل محمد شمس الدین عفی عنہ

الجواب

اگر اس نے دوسرے کی زمین غصب کی ہو تب تو وہ اس زمین سے مالدار نہیں ہو سکتا، لیکن زمین مغصوبہ میں غاصب جو کچھ کاشت وغیرہ کرے گا، وہ کھیتی اور اس کا منافع غاصب کی ملک ہے گو ملک خبیث ہے، اگر کھیتی اور پیداوار کی آمدنی مقدار زکوٰۃ اور مقدار حج کو پہنچ جائے گی، تو اس کے ذمہ زکوٰۃ و حج سب فرض ہے اور زمین مغصوب منہ کی ملک ہے اور غاصب کے ذمہ اس زمین کے استعمال کرنے کی اجرت واجب ہے، یعنی عرفاً جس قدر لگان کاشتکاروں سے زمیندار لیا کرتے ہیں۔ وہ اس کو دینا واجب ہے، نیز اس سے معاف چاہنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ اس نے بدون اجازت کے اس کی زمین کو استعمال کیا، جب تک غاصب ایسا نہ کرے دوسروں کو اس کی آمدنی سے دعوت قبول کرنا حرام ہے، اور اگر غاصب نے زمین غصب نہیں کی بلکہ روپیہ غصب کیا، اور اس روپیہ سے زمین خریدلی، تو یہ زمین غاصب ہی کی ملک ہے، روپیہ والے کی ملک نہیں، لیکن جب تک غاصب

مغصوب منہ کو روپیہ ادا نہ کرے اس وقت تک زمین اس کی ملکیت خبیث ہے، لیکن جب یہ زمین کا مالک ہے تو اس پر اس کی آمدنی میں زکوٰۃ و حج وغیرہ کی فرضیت ضرور ہوگی (بشرطیکہ آمدنی اس قدر ہوجائے کہ مغصوب منہ کی رقم ادا کرنے کے بعد بھی مقدار نصاب مقدار حج باقی رہے) اس صورت میں غاصب کے ذمہ مغصوب منہ کا روپیہ ادا کرنا واجب ہے اور وہ روپیہ اس کے ذمہ قرض ہے۔ زمین میں مغصوب منہ کا کوئی حق نہیں، زمین غاصب ہی کی ملکیت ہے۔ لیکن اگر غاصب اس کو روپیہ ادا نہ کرے تو وہ بعد حکم حاکم کے زمین بھی اپنے روپیہ کے معاوضہ میں لے سکتا ہے۔

یہ تو ملکیت کا حکم تھا۔ رہا دوسروں کا اس کے یہاں کھانا کھانا، دعوت قبول کرنا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر غاصب کی آمدنی اسی زمین سے ہے جس کو اس نے غصب کے روپے سے خریدی ہے تب تو لوگوں کو اس کا کھانا کھانا حرام ہے، اور اگر دوسری آمدنی بھی ہے اور حلال آمدنی حرام آمدنی پر غالب ہے، تو دعوت قبول کرنا فتوی سے جائز ہے، مگر تقوی کے خلاف ہے، جب تک یہ شخص غصب کو واپس نہ کردے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ رشوال ۱۳۴۶ھ

موروثی زمین کا حکم

سوال: زید کے پردادا کے وقت سے ایک زمین موروثی ہے۔ لیکن یہ علم نہیں ہے کہ زید کے پردادا نے مالکان زمین کی رضا مندی سے یا بارہ سال کے بعد یا کچھ رقم ادا کرکے موروثی کیا، اور نہ یہ معلوم ہے کہ پیشتر یہ زمین اہل ہنود کے قبضہ میں تھی یا مسلمانوں کی تھی، فی الحال زمین مذکورہ اہل ہنود کے قبضہ میں ہے۔ اب زید کو زمین مذکورہ بالا کی پیداوار جائز ہے یا نہیں، اور اس زمین کی پیداوار اس قدر نہیں ہے کہ زید کے اخراجات کو کوئی سرانجام دے سکے۔ بلکہ زید امامت کرتا ہے تب بسراوقات ہوتی ہے۔

آپ کا خادم: محمد حنیف راجپور

ڈیرہ دون۔

الجواب

صورت مذکورہ میں جب یہ معلوم ہے کہ زمین موروثی ہے، خواہ وہ کسی طرح موروثی ہوئی ہو، بہر حال زید کو اس پر قبضہ موروثی رکھنا جائز نہیں، اور اس کی پیداوار خبث و کراہت سے خالی نہیں، زید کو قبضۂ موروثی سے استعفا دے دینا لازم ہے پھر مالک کی رضا و خوشی سے از سرِ نو زمین کو کاشت پر لے سکتا ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۵ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

حکم وراثت اولاد غاصب در ترکہ مغصوب منہ

سوال: ....

مساۃ حسینی دختر اور چار پسر، مظہر علی خان صاحب نے وارث چھوڑا ہے مگر جائیداد متروکہ مظہر علی خان سب کی سب چاروں بھائیوں نے لے لی، بہن کو کچھ نہیں دیا، بعدہٗ وہ سب جائیداد مع حصہ مساۃ حسینی کے بھائیوں، بھتیجوں کے قرضہ میں نیلام ہو گئی، نیلام ہو جانے کے بعد مساۃ حسینی نے خریداران نیلام سے مقدمات لڑوا کر کچھ جائیداد اپنے حصہ کی نکالی، جو تقریباً نصف حصہ کے قریب ہو گئی، یعنی جتنا حصہ مساۃ حسینی کو شرعاً اپنے باپ سے ملتا اس سے نصف کے قریب اب دو ہزار روپیہ خرچ کر کے ملا ہے۔ اور نصف سے زائد جائیداد جو بھائیوں، بھتیجوں کے قرضے میں نیلام ہو گئی اور جس کو مساۃ حسینی نے واپس نہ لیا اس سے مساۃ حسینی اور اس کی اولاد محروم رہ گئے۔ مساۃ حسینی کے انتقال کو تقریباً دس سال ہو گئے، بروقت انتقال اس کی ایک لڑکی مساۃ سکینہ اور پانچ بھتیجے باقی تھے۔ حسب ذیل موضعات کے باغات و مکانات و جائیداد غیر منقولہ سے بھی مساۃ حسینی کو بھائیوں نے حصہ نہیں دیا، اور وہ تقریباً کل بھائیوں، بھتیجوں کے قبضہ میں رہا، اور کچھ اب بھی ہے اب ۵۲ سال کے بعد بھتیجوں سے وشار و عویدار ہیں کہ اس بقیہ جائیداد میں بھی جو نصف حصہ سے کم مساۃ حسینی نے خریداران نیلام سے مقدمات لڑوا کر واپس کرایا تھا، اور وہ ان کی لڑکی مساۃ

حسینی کے ورثاء کے قبضہ میں ہے، نصف کے ہم مالک ہیں، اور اس جائیداد کا زیادہ حصہ مسماۃ حسینی بیگم نے اپنی زندگی میں حاجی محمد فضل حق صاحب مرحوم کے نام رہن لکھدیا تھا پس از روئے شرع شریف کے یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا نہیں؟ آیا جو نصف سے زائد ان کے قبضہ میں پہنچ چکی ہے، اور ان کے قرضوں میں نیلام ہو چکی ہے۔ اور کچھ اب تک ان کے قبضہ میں ہے۔ اس کے علاوہ اس نصف سے کم حصہ میں سے جس کا زیادہ حصہ رہن ہے، اور جو مسماۃ حسینی لڑکی مسماۃ سکینہ کے ورثاء کے قبضہ میں ہے، عصبات مسماۃ حسینی شرعاً مالک ہیں یا نہیں؟ یا مسماۃ سکینہ کے ورثاء مالک ہیں!

الجواب مع تنقیح

مسئلہ ۱۰ مسماۃ حسینی

میت

بنت سکینہ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ
۵	۱	۱	۱	۱	۱

بعد تقدیم ما حقه التقدیم علی تقسیم الترکة مسماۃ حسینی کا کل متروکہ جس کو چھوڑ کر اس نے انتقال کیا ہے دس سہام پر تقسیم ہو کر پانچ سہام مسماۃ سکینہ اور اس کے ورثاء کا حق ہے، اور پانچ سہام مسماۃ حسینی کے بھتیجوں کا حق ہے۔ رہا یہ کہ مسماۃ حسینی کو اس کے والد کے ترکہ میں سے پورا حصہ نہیں ملا، بلکہ نصف کے قریب ملا ہے اور بقیہ نصف بھائیوں اور بھتیجوں کے قرضہ میں نیلام ہوا ہے تو سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیلام مسماۃ حسینی کی حیات میں ہوا ہے لیکن سوال سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ وقت نیلام چاروں بھائی زندہ تھے، یا بھائی زندہ نہ تھے، صرف بھتیجے زندہ تھے، تو جب تک اس کو واضح نہ کیا جائے اس وقت یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ یہ پانچوں بھتیجے بھی اس نصف کے غاصب تھے جس کو بھائیوں نے غصب کیا تھا، لہٰذا اس معاملہ کو واضح کیا جائے کہ وقت نیلام کے بھائیوں میں سے کون زندہ تھا اور کون زندہ نہ تھا، اور یہ بھتیجے کون سے بھائی کی اولاد ہیں، آیا اس کی جو وقت نیلام زندہ تھا، یا اس کی جو وقت نیلام

مرگیا تھا؛ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۱۷ رجب [illegible]ھ

کتاب الضمان

کسی شخص کا جانور اگر دوسرے کے جانور کو ہلاک کردے الخ

سوال :- ۱ـ ایک گابھن گائے کو نروں نے کود کود کے بالکل ہلاک کردیا۔ اور چرانے والا بھی نر و مادہ کا ایک شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چرانے والے پر تاوان ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ نروں کے مالک پر۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کسی پر نہیں۔ جواب باصواب مع دلائل مرحمت فرمائیں؟

۲ـ ایک شخص نے ایک بھینس کو خوب کھلا پلا کر، اور وہ خوب تازہ ہوئی اور مالک کا ارادہ تھا کہ اسے دوسرے کی بھینس سے لڑائے، اب اس بھینس نے دوسرے کی بھینس کو سینگ سے مار کر ہلاک کر ڈالا وہ بھینس خود بخود تازہ ہوا اور دوسرے کی بھینس کو مروا ڈالا۔ اب اس کے مالک پر مردہ بھینس کا تاوان آئے گا یا نہ؟ ہر دونوں جواب کو دلائل سے مزین فرمائیے۔

پتہ بندہ کا
ستھر اکیاب۔ ملک برما
پوسٹ میو بازار۔ انگریزی میں میو ملگون۔
محمد ستار [illegible]

احقر الانام فقیر محمد حبیب الرحمٰن کے نام بھیجنے سے خاکسار کو مل جائے گا۔

الجواب

۲: صورت ثانیہ میں کسی پر ضمان نہیں، نہ چرانے والے پر، نہ زخموں کے مالک پر
البتہ اگر چرانے والا زخموں کو ہٹا سکتا تھا، اور پھر بھی نہیں ہٹایا، تو وہ ضامن ہوگا اور
اگر زخم اس کے قابو سے باہر تھے جیسا ظاہر یہی ہے تو اس پر ضمان نہیں۔

قال فی رد المحتار: إذا کان فی دارہ بعیر، فأدخل علیہ آخر بعیراً مغتلما أولا، فقتل بعیرہ، إن بلا إذن صاحبہ یضمن کما فی البزازیۃ اھ

(ج ۵ ص ۱۰۰)

قلت: والصورۃ المسئولۃ ظاھرھا الإذن، لأن الراعی ماذون من أصحاب الدواب عرفاً أن یرعی دابتہ من شاء ویکیف شاء۔

واللہ اعلم

۳: ۔۔۔۔ صورت ثالثہ میں حکم یہ ہے کہ اگر بھینس والے نے دوسرے شخص کی بھینس پر اس کو بلا اجازت چھوڑا ہو تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا، اور اگر اجازت سے چھوڑا ہو، یا اس نے خود چھوڑا ہی نہیں تو اس پر ضمان نہیں، البتہ اگر اس نے خود تو نہیں چھوڑا لیکن جب بھینس نے دوسرے بھینس پر حملہ کیا، تو یہ وہاں موجود تھا، اور اگر یہ روکتا تو وہ رک جاتی، پھر بھی نہیں روکا تو ضامن ہوگا، اور اگر اس کے قابو سے باہر تھی جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

قال فی الدر: وفی الصیرفیۃ حمار یأکل حنطۃ إنسان فلم یمنعہ حتی أکل، الصحیح ضمانہ اھ۔ وفی رد المحتار: ظاھرہ ولو کان الحمار لغیر الرائی، وھو المستفاد من کلامہ فی کتاب اللقطۃ. والذی فی القنیۃ وغیرھا: رأی حمارہ. اسم بالإضافۃ إلی ضمیر الرائی، تأمل۔ ثم رأیت فی حاشیۃ الرملی علی جامع الفصولین فی أحکام السکوت، ما نصہ، أقول فلو رأی حمار غیرہ یأکل حنطۃ الغیر فلم یمنعہ، صارت واقعۃ الفتوی، فأجیب بأنہ لا یضمن والفرق ظاھر وھو أن فعل حمارہ ینسب إلیہ مع رجوع المنفعۃ، وامکان دفعہ، وقویت علۃ الضمان، بخلاف حمار الغیر، تأمل اھ وفی الدر: ومن أرسل بھیمۃ أو کلباً (ملتقی) وکان خلفھا سائقاً لھا فأصابت

فی فورها ضمن؛ لأنه الحامل لها، وان لم یمکث خلفا فی مادامت فی فورها ضمان فی حکمها، وان تراخی انقطع السوق اھ وفیہ ایضاً، اوانفلتت دابة بنفسها فاصابت مالاً او ادمیا نهاراً او لیلاً لا ضمان فی الکل، لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: العجماء جبار أی المنفلتة هدر اھ

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنه

۲۴ صفر سنہ ۱۳۴۱ھ

پالتو کتے نے کسی کی بکری کو کاٹ لیا اور وہ مرگئی تو کیا کتے کے مالک پر ضمان ہے؟

سوال: مسئلہ مرقومۃ الذیل بحضرت جناب عالی عرض کردہ آید کہ بندہ ناچیز امیدوارکہ از تفضلات کریمانہ جوابش تحریر فرمودہ رقع شبہ فرمایند اندریں کہ زید سگے پرورید، وآں سگ بزرع عمرو رفتہ گوسفند عمرو را گزید، وزید وعمرو ہر دو راضی شدہ دو شخص را از اہل محلہ حاکم قرار دادہ انصاف طلب کردند، وآں ہر دو حاکمان بعد تدارک تفتیش چار روپیہ بر صاحب سگ حکم کردند، وگوسفند مجروح را حوالہ صاحب سگ نمودند، وبعد مرور روز چند باعث آں درد وزخم گوسفند ہلاک شد، پس صاحب گوسفند را آں قیمت اخذ نمودن شرعاً جائز گردد یانہ؟ زیادہ گستاخی معاف فرمودہ باشد۔

ملک برما۔ ڈاکخانہ: منگڑو، محلہ کامرڈیل

حبیب اللہ کو سٹے۔

الجواب

قال فی الدر: وان أرسل طیراً ساقه اولا، أو دابة أو کلباً ولم یکن سائقاً له، أو انفلتت دابة بنفسها فأصابت مالاً أو آدمیاً نهاراً او لیلاً لا ضمان فی الکل، لقوله صلی اللہ علیه وسلم العجماء

جبار۔ ای المنفلتۃ ھدر اھ۔ وقال فیہ ایضاً قبیل ذالک فالمراد بالسوق المشی خلفھا اھ۔ وفی ردالمحتار قلت وفی غایۃ البیان عن الاسبیجابی یرید بہ اذا ارسلہ وضربہ او زجرہ عند ذالک حتی صار لہ سائقاً اھ۔ (ج ۵ صفحہ)

سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید کا کتا عمرو کے مزرعہ میں خود چلا گیا ہے، زید اس کو چھوڑ کر خود اس کے ساتھ نہ تھا، اس صورت میں زید پر عمرو کی گوسفند کا ضمان لازم نہیں، جیسا کہ عبارت مذکورہ سے واضح ہے۔ البتہ اگر زید نے اپنے کتے کو جڑکا کر چھوڑ دیا ہوتا اور وہ اس کے ساتھ ہوتا تب بے شک اس پر ضمان کا عائد ہونا صحیح ہوتا، مگر جب یہ صورت نہیں تو زید پر چار روپیہ کا ضمان عائد کرنا درست نہیں۔

واللہ اعلم

حررہ الحق ظفر احمد

۲ر جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۴۲ھ

ایضاً ایضاً ایضاً سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کتے نے دوسرے شخص کی بکری کو کاٹا، اور دو صاحب عدل نے جو بین العام والخاص معروف و مشہور ہیں، انہوں نے قیمت بکری پانچ روپیہ ٹھہرائی، اس میں سے چار روپیہ صاحب کتا کے ذمہ، ایک روپیہ صاحب بکری کے ذمہ ڈال دیا، اور وہ دونوں بہت سے معاملات کو فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب صاحب بکری نے انصاف منہ ، اور ایک سرکاری ملازم جو ہر قصبہ میں مقرر کر دئیے گئے ہیں۔ ان کے پاس مقدمہ گیا، مگر اس ملازم گورنمنٹ کے پاس لے جانے کے پیشتر بکری مر گئی۔ اب ملازم گورنمنٹ نے کوئی حکم نہ دیا، اس نے مولویوں سے استفتاء کیا، اب دو فرقے ہو گئے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ضمان لے سکتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ حرام ہوگا، اب بحکم مذہب حنفیہ آیا وہ لے سکتا ہے یا نہیں، جواب مدلل مرحمت فرمائیں۔

ملک : برما، ضلع : اکیاب، تھانہ منگڈو
ڈاکخانہ : بلی بازار، موضع : نگارا دریبل ،
محمد بدیع الرحمن

الجواب

قال فی الدر، وإن أرسل طیرًا ساقه اولا، أو دابة أو کلبًا ولم یکن سائقاله، أو انفلتت دابة بنفسها، فاصابت مالاً أو آدمیاً نهارًا اولیلاً لاضمان فی الکل، لقوله علیه السلام العجماء جبار والمنفلتة هدر اه وقال فیه ایضا قبیل ذلك، فالمراد بالسوق المشی خلفها اه. وفی رد المحتار، قلت، وفی غایة البیان عن الاسبیجابی یرید به إذا أرسله وضربه، أو زجره عند ذلك حتی صار له سائقاً اه (ج ٥ ص ٥٩٩)

اس سے معلوم ہوا کہ مالک سگ وغیرہ پر جنایت سگ سے ضمان اس وقت آتا ہے جبکہ دو باتیں پائی جائیں (١) یہ کہ مالک کتے کے ساتھ ہو (٢) یہ کہ مالک نے اس کو بھگایا، یا پھر کایا، یا ڈانٹا ہو۔

ان دو باتوں کے پائے جانے کے بعد جو نقصان کتا کرے گا اس کا ضمان مالک پر ہوگا، اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ پائی گئی ہو تو مالک پر ضمان نہ ہوگا اور اگر وہ کتا ہمیشہ سے کاٹنے والا تھا تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
بامر سید حکیم الامت دام مجدہم
٢٨ جمادی الثانیہ سنہ ١٣٤٢ھ

سرپنچ یا ممبر غلطی سے کسی پر زیادہ ٹیکس لگادے تو ضامن ہے یا نہیں؟

سوال :- ....
سرپنچ ممبروں کو لے کر گھروں پر جو چنگی یعنی چوکیداری ٹیکس جو مقرر کرتے ہیں

یہ اکثر سرپنچ اپنی رائے پر کرتے ہیں کبھی کبھی چوکیداروں سے باشندوں کی حالت معلوم کرکے ہی ٹیکس مقرر کرتے ہیں، اس میں اکثر غلطی واقع ہوتی ہے، یعنی بعض وقت غریبوں پر زیادہ اور رئیسوں پر کم، اور اکثر دوست، آشنا پر بھی کم کی جاتی ہے، یہ بھی تو بھول سے کبھی اپنی جی سے کی جاتا ہے ایسی حالت پر گذشتہ واقعہ پر کیا لازم ہوگا۔ اور کبھی کبھی ٹیکس وقتوں پر نہ دینے کی وجہ سے سرکار کی طرف سے ڈبل لینے کا حکم ہے، مگر بجائے ڈبل لینے فی آدمی ایک آنہ خرچ لیتے ہیں، مگر دیر ہونے کی وجہ سے کس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا اچھی طرح یاد نہیں، ان صورتوں میں ان سرپنچ کو کیا کرنا ہوگا؟

۲ اور ابھی وہ قانون بدل کے دوسرے طور پر ہو گیا، چوکیدار بڑھا گیا، اور ممبری پانچ کی جگہ نو مقرر کردیا، چھ تو الیکشن پر ہوتے ہیں اور تین سرکار کی طرف سے ہوتے ہیں یہ نو ممبر ملکر ایک صدر اور دوسرا نائب صدر کرتے ہیں، یہ نو ممبر مل کر علاوہ چوکیداری ٹیکس کے راستہ وغیرہ اور تالاب اور مدرسے اسکول کی مدد کے لئے ٹیکس مقرر کرتے ہیں، جو یہ مقرر کرتے ہیں، وہ محلہ والوں کو ضرور دینا ہوتا ہے، ورنہ ڈبل وصول کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی قوم کی نفع رسانی کے لئے ممبر ہو، تو شریعت کی رو سے منع تو نہیں ہے؟ ورنہ دوسری قوم میں سے ہو کر اپنی قوم کے لئے ضرر ہوں گے۔ اور مدرسہ والوں کو اس میں سے مدد لینا ناجائز ہوگا؟

عزیز محمد چاٹگامی
ساکن خانقاہ اشرفیہ

الجواب

جس ممبری اور سرپنچی کی بابت سوال ہے وہ قاعدہ سے جائز نہیں کہ اعانت فی الظلم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں کی نفع رسانی کی غرض سے قبول کرے، اور وہ جانتا بھی ہے کہ میں مسلمانوں کو نفع پہنچا سکتا ہوں۔ اور اپنے جاہ و مال کے لئے یہ عہدہ قبول نہیں کرتا تو ایسے شخص کو شریعت سے اجازت دی جاسکتی ہے کہ ممبر یا سرپنچ ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ قلوب کی نیت کو خوب جانتے ہیں اور مسلمان بھی اس کے طرز عمل کو پہچان لیں گے کہ اس کی نیت کیا تھی، یہ تو سوال ثانی کا جواب ہے۔

اور سوال اول کا جواب یہ ہے کہ جتنا ٹیکس قاعدہ کے مطابق لگایا ہے اس کا تو سرپنچ ضامن نہیں، اور جتنا ٹیکس قاعدہ کے خلاف زیادہ لگایا ہے، اس کا ضامن ہے، خواہ قصداً زیادہ لگایا ہو یا باشندوں کے کہنے سے لگانے میں غلطی کی ہو، کیونکہ غلطی کے علم ہونے کے بعد لازم تھا کہ اپنی غلطی کو تسلیم کرکے، اور اس کو ظاہر کرکے ٹیکس کم کردیا جاتا، یا کم از کم ٹیکس کم کرنے کی سفارش کردی جاتی۔ اگر ان میں سے ایک کام بھی نہیں کیا۔ تو جن پر قاعدہ سے زیادہ ٹیکس لگایا ہے، ان کو یہ زیادتی اپنے پاس سے سرپنچ کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے، ان کو تلاش کرنے اور محنت کرکے دریافت کرے کہ میرے ہاتھ سے کس پر ٹیکس زیادہ لگایا گیا ہے اور اس کو وہ رقم ادا کرے۔ رہا یہ کہ بعض پر قصداً یا بھولے سے کم ٹیکس لگایا گیا ہے سو اس کا کچھ ضمان واجب نہیں، البتہ غریبوں پر رئیسوں اور آشناؤں کو ترجیح دینا گناہ ہے کہ غریبوں پر تو زیادہ لگا دیا، اور رئیسوں دوستوں پر کم، اس گناہ سے توبہ کی جائے اور دیر ہونے کی صورت میں جو ڈبل لینے کا قاعدہ ہے، اس میں اگر ڈبل بھی لیا گیا ہو بشرطیکہ وہ اصل ٹیکس بھی قاعدہ کے موافق ہو اور قاعدہ سے زیادہ نہ ہو، تو سرپنچ پر تاوان لازم نہیں، کیونکہ قاعدہ کے تحت میں ہے۔ البتہ اگر ڈبل کو معاف کرنے کا بھی اس کو حق تھا اور پھر مسلمانوں کو معاف نہ کیا۔ تو اس کو یہ بھی گناہ ہوگا، جس سے استغفار کرنا چاہئے

فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۳ رجمادی الثانیہ سنہ ۱۳۴۵ھ

اور مدرسہ والوں کے لئے حکم بتلانا جواب تنقیح پر موقوف ہے۔

تنقیح

مدرسہ والوں کو یہ رقم گورنمنٹ دیتی ہے یا سرپنچ اور ممبر دیتے ہیں تو وہ گورنمنٹ کے حکم سے دیتے ہیں یا اپنے اختیار سے؟ اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔

ع لکونہ متسبباً. وقد أفتى المتأخرون بضمان المتسبب کالساعی لغلبة السعاة فی هذا الزمان صرح به فی الأشباہ و تنقیح الحامدیة ۱۲ منہ

مشترکہ جائیداد کی آمدنی سے متولی جائیداد ا شرکاء کو بے حساب زائد و کم دیتا رہا تو اب اہل حقوق کے حق سے کس طرح سبکدوشی ہو

سوال: ایک شخص ایک زوجہ اور تین لڑکے، اور پانچ لڑکیاں وارث چھوڑ کر انتقال کر گیا جن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی نابالغ اور باقی سب بالغ ہیں، اور جو دو لڑکے بالغ ہیں ان کے اذن سے کل نے خود اپنے حقیقی چچا کو جملہ جائیداد کا متولی بنایا، اور جائیداد اموال متروکہ مشترکہ تقسیم نہیں کیا ہوئی اور ان کے چچا جو تی الحال جملہ جائیداد کے متولی اور جملہ آمد و صرف کے محاسب ہیں۔ اس کا طرز عمل چار سال تک یہ رہا کہ جملہ جائیداد کے منافع کو ایک جا رکھ کر اس میں سے جس کو جس قدر ضرورت ہو، اس کو اسی قدر خرچ دیدیا، لیکن ہر شخص کے لئے الگ الگ حساب کتاب نہیں رکھا تھا، اور جائیداد کے منافع کو بموجب حصہ شرعی تقسیم کرکے الگ الگ نہیں رکھتا تھا اب سوال یہ ہے کہ یہ طرز عمل متولی صاحب کا جائز تھا یا نہیں؟ اور اگر کسی کے حق میں کمی بیشی ہوگئی ہو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جن چیزوں میں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کے حق میں کس قدر خرچ ہوئے ان کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ اور اب کوئی دو مہینے سے متولی صاحب نے یہ انتظام کیا کہ بموجب حصہ شرعی سب جائیداد کے منافع کو تقسیم کرکے سب کا حصہ الگ الگ کر رکھا ہے اور حساب کتاب بھی سب کا الگ الگ کرتا ہے، اور ہر شخص کو اپنے حصے سے اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ دیا کرتے ہیں، تو ایسی حالت میں قبل جائیداد تقسیم بموجب حصہ شرعی منافع کی تقسیم سے وارثوں کو حرج گزشت رہا جائز ہے یا نہیں؟

فقط بینوا توجروا۔

المستفتی: بندہ عبدالجبار عفا اللہ عنہ چاٹگامی

مورخہ ۲۰ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ

الجواب

متولی کا سابق طرز عمل جائز نہ تھا، اس کو لازم تھا کہ ہر شریک کا حصہ الگ الگ تقسیم کرکے رکھتا، اب اس کی تلافی یہ ہے کہ اول تو اس عمل سے توبہ واستغفار کرے، پھر اس کی کوشش کرے کہ نابالغ وغیرہ کے حق میں جو کچھ کمی ہوگئی ہو، اس کو

پورا کرے جس کی صورت یہ ہے کہ نابالغوں اور بالغوں کی ضروریات کو دیکھے کہ نابالغوں کو تو اس نوع کی ضروریات پیش آتی ہیں اور بالغ کتنی اور بالغوں کو اس نوع کی بجز دو عادل وصالح مسلمانوں سے اندازہ کرائے کہ ان ضروریات میں ماہوار یا سالانہ نابالغوں پر کتنا خرچ ہوسکتا ہے اور بالغوں پر کتنا، اور اس میں خود بھی غور کرے کیونکہ آخر متولی صاحب ان لوگوں کو چار سال تک خرچ دیتا رہا ہے۔ اس کو یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ بالغوں اور نابالغوں کی ضروریات میں کتنا فرق ہے اس نسبت فرق پر چار سال گذشتہ کی آمدنی کو تقسیم کرکے معلوم کرے کہ اندازہ سے نابالغوں کو کتنا دیا گیا اور بالغوں کو کتنا؟

پھر زمین کی آمدنی اور نابالغوں اور بالغوں کے حصہ سے جو زمین ملی ہے موازنہ کرکے دیکھے کہ اس اندازہ کو اصل آمدنی سے کتنا فرق ہے۔ اس موازنہ سے جس قدر کمی معلوم ہو وہ نابالغوں کو ادا کی جائے، بلکہ کچھ زیادہ دے دیا جائے یہاں تک کہ دل گواہی دیدے کہ ان کو پورا حق پہنچ گیا، اور جن لوگوں کو ان کے حق سے زیادہ دیا گیا ہو، متولی کو ان سے رجوع کا بھی حق ہے، جبکہ وہ زیادہ لینے کو تسلیم کرلیں، پس ان سے رجوع کرکے ان لوگوں کو دے جن کو کم پہنچا ہے، اور اگر وہ تسلیم نہ کریں یا واپس نہ کریں تو متولی کو ان لوگوں کا حق خود اپنے پاس سے پورا کرنا ہوگا جن کا حق اس نے دوسروں کو دیا ہے۔ واللہ اعلم وھذا کلہ بالقواعد۔ اب جو صورت متولی نے اختیار کی ہے۔ وہ جائز ہے۔

قال فی الهندية: عليه ديون له ناس شتى، لزيادة فى الأخذ و نقصان فى الدفع، ولو تحرّى ذلك، وتصدق على الفقراء بثوب قوم بذلك يخرج عن العهدة اھ (ج ۴ ص۲۲۳)

ومحل الاستشهاد (قوله فلو تحرّى ذلك) ففيه دلالة على ان حق الغير إذا اختلط عليه، ولم يعرف مقداره، قام التحرى مقام العلم، ولو استشار فى ذلك عدلين كان أولى، والله اعلم۔ واما ثبوت حق الرجوع للمتولى على من اخذ الزائد عن حقه فظاهر غير خفى، فإن كل شريك لا يستحق الأخذ إلا بقدر حقه، فلم يملك الزائد منه۔ والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ، ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ

حکم ضمان امانت

سوال : حضرت قبلہ مولانا صاحب، السلام علیکم امرتسر میں ایک انجمن تجوید القرآن کے نام سے کام کر رہی ہے، اور میں اس انجمن کا سکریٹری اور خزانچی ہوں، چنانچہ اس انجمن کا کئی روپیہ جو قریباً اسّی یا نوّے روپے تھے میں نے اپنے روپیے کے ساتھ ایک الگ ڈبہ میں روپیہ والے بکس کے اندر رکھا ہوا تھا، اس بکس کی چابیاں بھی میز پر رہ جاتی ہیں، مگر بہت کم۔ چنانچہ چند روز ہوئے بکس کھولا تو دیکھا کہ انجمن کے روپیے والا ڈبہ نہیں ہے۔ جواب تک نہیں ملا، اب وہ روپیہ میں ادا کروں، یا شرعاً میرے ذمہ ضمان نہیں، اور روپیہ کے گم ہونے کے وقت اور اس کے قریب ایام میں نہیں کہہ سکتا کہ چابی میز پر رہ گئی تھی یا نہیں؟

عزیز احمد امرتسری

الجواب

قال فی الحامدیۃ: سوق قام من حانوتہ الی الصلوٰۃ و فی حانوتہ ودائع فضاع شئ منھا لاضمان علیہ، لأنہ غیر مضیع لما فی حانوتہ لان جیرانہ یحفظون، وفی البزازیۃ: قام من حانوتہ إلی الصلوٰۃ، وفیہ ودائع الناس: وضاعت لاضمان، وإن أجلس علی بابہ إبناً لہ صغیراً، فضاع، ان کان الصبی یعقل الحفظ ویحفظ لایضمن، وإلا یضمن، إلی أن قال: والمعتبر فی ضمان الودائع، التعدی والتقصیر فی الحفظ الاتری أنہ لو وضعھا فی دارہ فخرج، وکانت زوجتہ غیر امینۃ، یضمن ولو وضعھا فی الدار وخرج والباب مفتوح ولم یکن فی الدار احد من عیالہ، یضمن، إلی أن قال: ومعلوم ان وضع الودیعۃ فیما لایوضع فیہ، امثالھا تقصیر فی الحفظ، کما ھو صریح عبارۃ البزازیۃ وغیرھا، فالمراد بالحرز ھنا، حرز کل شئ بحسبہ اھ (ج ۲ ص۶۹)

وفی العالمگیریہ: غاب المودع وترک مفتاحہ عند غیرہ فلما رجع لم یجد الودیعۃ فی مکانہ: لایضمن، لدفع المفتاح إلی غیرہ،

کذا فی الوجیز للکردری اھ (ج ۵ ص ۲۱۱)

صورت مسئولہ میں قاعدہ سے تو ضمان لازم نہیں، جبکہ مودع نے ودیعت کو محفوظ مقام میں رکھا، جہاں وہ ایک رقم کو رکھتا تھا، ور چابی کا میز پر رہ جانا تقصیر فی الحفظ ہو سکتا ہے، جبکہ گھر والے وہیں نہ ہوں، اور میز پر چابی رہ جانے سے غالب گمان تلف کا ہے اور اگر ایسا نہیں، تو یہ تقصیر فی الحفظ نہیں، اور خصوصاً جبکہ مودع کو یہ بھی یاد نہیں، کہ ایام ضیاع ودیعت میں چابی میز پر رہ گئی تھی یا نہیں، تو اس صورت میں محض اس احتمال پر کہ شاید چابی میز پر رہ گئی ہو، وجوب ضمان نہیں ہو سکتا، لان الضمان لا یجب بالشك، مگر مودع کو بہتر یہ ہے کہ اگر زیدہ بار نہ ہو تو یہ رقم ذخیرہ مذکور میں اپنی طرف سے داخل کر دے، تاکہ تہمت سے برأت ہو جائے، جو کہ مطلوب و محمود ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ر شوال سنہ ۱۳۴۳ھ

طالب علم سے مدرسہ کی کتاب ضائع ہونے پر ضمان لازم ہوگا یا نہیں	سوال: مدرسہ سے طالب علموں کو جو کتابیں پڑھنے کو دی جاتی ہیں، ضائع ہونے سے ان کا ضمان لازم ہوگا

یا نہیں؟

السائل

ممتاز احمد گیاوی

مقیم حسن انقاد

الجواب

اگر باوجود احتیاط کے گم ہو گئی ہیں۔ تو ضمان لازم نہیں۔ کما فی الشامی ج ۳ ص ۴۲۹ بعد تفصیل طویل تحت قول الدر (فبطل شرط واقف الکتب الرهن کما فی التدبیر) وعلی کل فلا یثبت له احکام الرهن، ولا بیعه ولا بدل الکتاب الموقوف بتلفه، ان لم یفرط، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ

بے احتیاطی اور لاپرواہی سے گم ہو جائے تو ضمان واجب ہے۔

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

مسئلہ ضمان سوال: ۔ معروض آنکہ در فی الحال غلام را جواب مسئلہ ذیل

است ضرورت است، غلام نوازی فرمودہ جلدی بہ بازگوجواب

برکارڈ متصلہ بسترک ب سرفراز فرمایند کہ واقعہ درپیش است۔ (مسئلہ)

شخصے برائے شکار خنزیراں در وقت شب مع بندوق منتظر شکار بود، کہ خنزیراں

نقصان زراعت می کردند، بخیال خود بندوق بسمت خنزیر رہا کرد، در اصل خرکرہ بود مردہ

شد، بیان فرمایند، کہ دریں قتل خطا۔ برصیاد ضمان خرکرہ لازم می شود یا بسبب خطا،

معاف است؟ بینوا توجروا۔

خلاصہ: صاحب مالک خرکرہ قیمت بموجب منصفان طلب می کنند، زصیاد مذکور

کہ بخطاء قتل کردہ است، با خیرہ آمدیا نہ۔

۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

محمد محسن عفی عنہ

از سبرہوائی۔ ضلع ڈیرہ غازی خان۔ صوبہ پنجاب

امام مسجد جامع

الجواب

قال الشامی: (ج ۵ ص ۵۹۵) تحت قول الدر (ضمن کمن حمل علی رأسہ

او ظہرہ شیأ فی الطریق فسقط منہ علی آخر الخ) وکذا اذا سقط متعثربہ انسان،

ہدایۃ۔ لان حمل المتاع الطریق علی رأسہ أو علی ظہرہ مباح لہ لکنہ

مقید بشرط السلامۃ، بمنزلۃ الرمی الی الہدف او الصید اھ۔

پس درصورت مسئولہ کہ خنزیر پنداشتہ بندوق رہا کرد، و دراصل خرکرہ بود، ضمان خرکرہ لازم شود، و معنی معاف شدن خطا معافی از گناہ است، نہ از ضمان۔ فقط

عبدالکریم عفی عنہ

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

غرۃ الجمادی الثانیہ ۱۳۴۲ھ

ایسے شخص پر وجوب ضمان جو کسی وارث کا نام سرکاری کاغذات میں نہ لکھوائے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

(۱) بشمبر ناتھ (ہندو) نے ایک قطعہ مکان کا ⅓ ثلث خریدا۔ جس کے دو ثلث ⅔ پر خالد بحیثیت بقیہ مالک و قابض ہے۔

(۲) خالد اس مکان کے تمام محاصل کرایہ داروں سے معہ بشمبر ناتھ کے ⅓ حصہ کے، وصول کرتا رہا۔

(۳) تین چار سال بعد مسمی خالد نے کل ⅓ محاصل سے ثلث ⅓ اخراجات وضع کرکے بقیہ بشمبر ناتھ کے حوالہ کیا جس پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

(۴) اس کے بعد برابر خالد کہلواتا اور کہتا رہا کہ تقسیم حصہ بقدر ایک ثلث ⅓ کر والو، اور اپنا کرایہ تم خود وصول کرو، ہم حساب وغیرہ نہیں رکھ سکتے، یا ہر ماہ آکر اپنے حصہ کا کرایہ بعد وضع اخراجات بقدر ⅓ لیجایا کرو، مگر بشمبر ناتھ نے اس کا کوئی جواب شافی نہ دیا بلکہ بہ دروغ یہ کہا کہ ہم ⅔ دو ثلث کے مالک ہیں اس لئے ہم کو محاصل وغیرہ بقدر دو ثلث ⅔ ملنا چاہئے، خالد نے کہا اگر ایسا ہے تو دیکھ جائے گا۔ اس کے بعد بھی خالد نے ایک آدمی اس غرض کے لئے بھیجا کہ وہ اپنے حصہ کا کرایہ لے جاتے۔ مگر وہ نہ آیا۔

(۵) سابق کرایہ دینے کے تین سال بعد بشمبر ناتھ نے بلا کسی قسم کی اطلاع و تقاضا کے دیوانی دعویٰ ⅔ حصہ تقسیم مکان اور ⅔ حصہ کرایہ کا دائر کیا، اور جعلی طور پر سمن یہ کہہ کر تعمیل کرادیا کہ مدعی علیہ مکان مسکونہ سابق میں اب بھی موجود ہے، اور مدعی علیہ کے آدمی فرضی ملازم سے جعلی دستخط سمن پر کرادیئے، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ مدعی علیہ وہاں سے کئی سو میل کے فاصلہ پر نوعیت معاملہ سے بالکل بے خبر تھا، یہ تمام فرضی کارروائی کرکے عدالت سے ڈگری حاصل کرلی، خالد

کروا دیا، اتفاقیہ طور پر اس کا علم ہوا تو اس نے عذر خواہی کی، اور مقدمہ از سرِ نو چلایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عدالت نے مدعی کو صرف ۳ سال کے محاصل بعد وضع اخراجات مرمت وغیرہ دینے کا حکم دیا،

اب قابلِ سوال یہ امر ہے کہ (۱) عدالت نے بجائے چھ سال کے صرف تین سال کی جو ڈگری بنام خالد دی ہے تو کیا خالد کو یہ مجاز ہے کہ وہ بقیہ تین سال کے محاصل جو بشمیر ناتھ کے خالد کے ذمہ ہیں، اور جس کو عدالت نے نہیں دلایا، خالد اپنے مصارف عدالت مثل طلبانہ گواہی و فیس وکیل، وغیرہ یہ وضع کر کے بقیہ محاصل بشمیر ناتھ کو ادا کرے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ مدعی نے بلا وجہ اور ناحق عدالت میں مقدمہ دائر کیا کیونکہ مدعی خالد اس کا حق دینے سے انکار نہ کرتا تھا بلکہ بار بار خود اس سے کہتا رہا کہ اپنا کرایہ تم بعد وضع مصارف کے لے جاؤ، تو اس حالت میں مدعیٰ علیہ خالد کو مدعی کے اس دعویٰ سے جو کچھ زیر باری ہوئی، اس کا سبب مدعی ہے۔

وافتی المتأخرون بالغرامة علی المتسبب فی مثل هذه، قال فی الهندیة: سئل قارئ الهدایة عن رجل له حق علی آخر، فطالبه به عند الولاة والحجاب، فغرم مبلغًا للاتباع، واعوان الظلمة، هل یلزم الشاکی بذلك. اجاب: اذا كان فی البلد قاض یخلص الحقوق، وتحصل المدعی منه، وشكاه من غیره، وغرم المدعی علیه، افتی المتأخرون ان للمشتكی ان یرجع بما غرم علی الشاکی اھ (ج ۱ صـ[؟])

پس مدعی اس زیر باری کا ضامن ہے، اس لئے مدعیٰ علیہ خالد کو جائز ہے کہ وہ بقیہ تین سال کے محاصل میں سے اپنے مصارف عدالت وضع کر کے، بقیہ محاصل مدعی کو ادا کر دے، مگر یہ لحاظ ضروری ہے کہ مصارفِ عدالت وہی وضع کئے جائیں جن کے بغیر مقدمہ میں چارہ نہ تھا، اور جو مصارف بلا ضرورت صرف ہوئے ہوں، وہ وضع نہ کئے جائیں، فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۲۱ / محرم ۱۳۴۶ھ

اگر دو محافظوں سے مال گم یا ضائع ہو جائے تو ضمان دونوں پر یا ایک پر لازم آئے گا؟

سوال :- کیا حکم ہے علماء دین کا اس مسئلہ میں کہ ایک کوٹھار کی دو کنجیاں دو ذمہ داروں کے پاس رہتی تھیں، ایسی حالت میں تین من آرد کی کمی ہوئی تو صورت مذکورہ میں ضمان دونوں ذمہ داروں پر یا ایک پر لازم آئے گا، یا نہیں، بینوا توجروا۔

بندہ عنایت الٰہی عفی عنہ

مہتمم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

الجواب

قال فی الدر: فان اودع رجل عند رجلین ما یقسم اقتسماہ وحفظ کل نصفہ، کمرتہنین ومستبضعین ووصیین وعدلی رہن، ووکیلی شراء، ولو دفعہ احدھما الی صاحبہ ضمن الدافع ای النصف فقط اھ (ج ۴ صفحہ) باب الودیعۃ

صورت مسئولہ میں چونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں ذمہ دار مدرسہ کی جنس کو تقسیم کر کے بطور خود حفاظت کرنے کے ماذون نہ تھے، بلکہ مدرسہ ہی کے مکان میں حفاظت کرنے کے مامور تھے، اس لئے کسی پر ضمان نہیں آسکتا، فقط قفل کے ذمہ دار ہونے سے وہ غلہ کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے، غلہ کے ذمہ دار جب ہوتے، جبکہ ان کو اجازت دی جاتی کہ جو صورت حفاظت کی تم کرسکو کرو، خواہ اپنے گھر لے جا کر رکھو، یا جہاں چاہو رکھو، چونکہ یہاں بظاہر یہ صورت نہ تھی۔ اس لئے کسی پر ضمان نہیں ہوسکتا، البتہ اگر ثابت ہو جائے، کہ ان لوگوں نے قفل لگانے میں سستی کی، اور کبھی قفل کھلا رہ گیا، یا بینہ سے ثابت ہو جائے، کہ ان ذمہ داروں میں سے کسی نے غلہ چرا کر اپنے گھر بھیجا ہے، یا کسی کو دیا ہے، تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۶ھ

مدعی ناحق سے مصارف دعویٰ لینا جائز ہے یا نہیں

سوال :- ایک شخص نے ناحق دوسرے شخص پر عدالت میں دعویٰ کیا، عدالت

نے مدعی پر ڈگری کردی، پھر مدعی علیہ نے خرچ کا دعویٰ کیا جو اس کو مدعی کے ناحق مقدمہ کی پیروی میں وکلاء وغیرہ کو دینا پڑا، عدالت نے احقر کو ثالث مقرر کیا ہے، اور فریقین نے شریعت پر فیصلہ منظور کر لیا ہے، کیا مدعی علیہ کو یہ خرچہ مدعی سے لینا جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ اور اگر جائز ہے تو کون خرچ لے سکتا ہے اور کون نہیں؟ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے اس کو ناجائز لکھا ہے۔ اور عدالت نے چھ روپیہ ہر دو فریق سے ثالث کے لئے مقرر کئے ہیں کہ تین تین روپے ہر ایک فریق سے لے لے۔ کیا ثالث کو یہ رقم متخاصمین سے لینا جائز ہے یا نہیں۔ ولا بد من حوالۃ الکتب۔ فقط والسلام

الجواب

قال فی الحامدیۃ، أفتی المتأخرون أن للمشکی أن یرجع بما غرم علی الشاکی، وسئل (السراج قاری الھدایۃ) عن شخص تسبب فی غرامۃ شخص عند بعد الظلمۃ، وأغراھم علیہ حتی غرم مالا للظلمۃ ھل یلزم المتسبب أم لا؟ الجواب —

إذا تعاون شخص، ورفعہ إلی الظالم فعادۃ الظالم أن من رفع إلیہ وتعون علیہ أن یأخذ منہ مالا مصادرۃ، یضمن الشاکی فی ھذہ الصورۃ ما أخذہ الظالم، ھذا ھو المفتی بہ أفتی بہ المتأخرون من علمائنا رحمھم اللہ تعالیٰ۔ اھ (ج ۲، ص ۔)

اس سے معلوم ہوا کہ مدعی "ناحق" سے مدعی علیہ کو مصارف مقدمہ لینا جائز ہے۔ متأخرین کا فتویٰ اسی پر ہے۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کا فتویٰ متقدمین کے قول پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مصارف وہی لینا چاہیے جو ناگزیر اور ضروری ہے اور جو مصارف اپنی سہولت و راحت کے لئے اعوان عدالت کو بطور خوشامد کے دیئے گئے۔

وہ لینا جائز نہیں، فان الشاکی لم یکن متسببا لها، اور حکم کو فیصلہ پر اجل مقدرسے بظاہر رقم (جو سوال میں مذکور ہے) لے لینا جائز ہے۔

فان الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم لا یجوز الاستئجار علیها عندنا، کما فی الشامیة نقلا عن الهدایة (ج ۵ ص ۴۲)

وقال فی الکفایة فی شرح قوله یختص بها المسلم: أی یختص بملة الاسلام، أما إذا لم تختص بها، فیجوز، کما إذا استأجر ذمیا علی تعلیم التوراة، لأن تعلیمها لا یختص بملة الاسلام اھ (ج ۹ ص ۳۰)

قلت: وکذا التحکیم لا یختص بملة الإسلام بل هو فی کل ملة من الملل۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۶ر شعبان سنہ ۱۳۴۶ھ

دھوبی بے احتیاطی سے کپڑے ضائع کرے تو اس سے ضمان لینا جائز ہے

سوال: آج کل دھوبی اکثر کپڑے کھو دیتے ہیں یا اپنے استعمال میں لگا لیتے ہیں، غرض اس سے بہت نقصان ہوتا ہے تو اگر متعدد بار معاف کرنے پر بھی وہ باز نہ آئے تو اس سے حسب حیثیت کپڑے کے قیمت کا اجرت میں سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

احقر محمد احمد رضا عفا اللہ عنہ
از بجنور،
۲۵ر شوال سنہ ۱۳۴۶ھ یوم سہ شنبہ

الجواب

اگر بے احتیاطی سے کپڑے ضائع کرتا ہے، اور آج کل یہی غالب ہے تو ضمان لینا جائز ہے لیکن اگر وہ بے احتیاطی کا انکار کرے تو اس سے حلف لے سکتے ہیں، اگر وہ قسم کھالے تو پھر ضمان لینے کا حق نہیں۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۲۸ شوال سنہ ۱۳۴۶ھ

حکم صورت ضمان بر ضامن

سوال: مسمی احمد نے ایک مہاجن کے بیل چرائے چند روز کے بعد یہ معلوم ہو گیا اور مسمی احمد نے مہاجن کو فتح محمد خان ضامن دیا کہ اگر دس یوم میں تمہاری حق رسی نہ کر رسا تو تم مبلغ ۱۵۰ روپیہ قیمت بیل فتح محمد سے لے لینا، فتح محمد خان نے منظور کر لی، مدت معینہ تک مسمی احمد نے رقم ادا نہ کی، فتح محمد مسمی احمد سے تقاضا کرتا رہا، مگر مسمی احمد نے ادا نہ کیے، آخر کار فتح محمد خان کے نام مہاجن نے رقم مذکور سودی لکھ لی، اس کے بعد فتح محمد خان نے مسمی احمد کو اطلاع دی، کہ رقم سودی لکھی گئی، اس کو جلدی ادا کرو، ورنہ تم کو سود دینا پڑے گا۔ تاہم مسمی احمد نے ادا نہ کیے حتی کہ اب سود بہت بڑھ گیا، اب سوال یہ ہے کہ مسمی احمد کو قرضہ مہاجن کا کل ادا کرنا پڑے گا، اور سود فتح محمد خان کے ذمہ ہوگا۔ یا صرف ایک سو پچاس روپے دینا پڑے گا، اور سود فتح محمد خان کے ذمہ رہے گا؟

سائل ......

الجواب

سود کا ادا کرنا ضامن کے ذمہ تو کسی طرح بھی نہیں، کیونکہ ضامن تو صرف ایک سو پچاس کا ضامن ہے، مگر مسمی احمد کے ذمہ بھی عرفاً سود کا ادا کرنا واجب نہیں، کیونکہ مہاجن سے سودی رقم تنہا اپنی مرضی سے اس کے نام لکھی ہے، اس کی رضامندی سے نہیں لکھی، اور شرعاً تو سود لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

فقط ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون

۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ

وقف میں تعدی واستہلاک سے ضمان لازم آتا ہے،

سوال: ایک مدرس صاحب مدرسہ سے تعلق قطع کر کے اپنے مکان پر آ گئے، پھر کسی مدرسہ میں

جاکر ایک کتاب امورِ عامہ ایک طالب علم کو پڑھانے کے واسطے لے آئے، غالباً مہتمم مدرسہ کے بلا اجازت لائے تھے، پھر اس طالب علم کو پڑھنے کے لئے دے دی اور مدرس صاحب خود بھی اس کتاب کا مطالعہ کرتے تھے، کچھ دن وہ طالب علم اس مدرس صاحب کے پاس پڑھتا رہا۔ پھر وہ طالب علم وہ کتاب لے کر بلا اجازت اس مدرس کے دوسری جگہ چلا گیا، اور کتاب اس خیال سے لے گیا تھا کہ کتاب پڑھ کر اس مدرس صاحب کو دے دیگا یا اس مدرسہ میں دے دیگا۔ مگر وہ طالب علم دوسری جگہ پڑھتا ہی تھا کہ کتاب مع اسباب کے گم ہوگئی، اور وہ مدرسہ بھی زمانہ دراز سے موقوف ہوگیا ہے، مہتمم مدرسہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔ اور اس مدرسہ کی کتابیں کچھ مدرسین لے گئے اور کچھ طلبہ لے گئے۔ غرض یہ ہے کہ وہ طالب علم جو کتاب امورِ عامہ مدرس مذکور سے بلا اجازت لے گیا تھا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا کتاب امورِ عامہ لے کر کسی اور مدرسہ میں دے دی جائے یا کسی طالب علم کو دی جائے، یا قیمت امورِ عامہ کی مدرسہ میں دی جائے، یا کسی محتاج کو یا ان سب باتوں میں خیار ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وقف کی کتابوں میں استہلاک و تعدی سے ضمان لازم آتا ہے اور بدون اذن لے جانا تعدی میں داخل ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں ضمان واجب ہے، اور وہ مدرسہ باقی نہیں تو اس کے زیادہ قریب میں جو مدرسہ ہو اس میں داخل کردی جائے۔ فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

ودیعت بالاجر میں مفتی بہ عدم لزوم ضمان ہے

سوال: پچھلے سال سفرِ حج میں جہاز اترتے ہوتے جدہ کی بندرگاہ پر جب مزدور سامان اٹھا کر باہر لے گئے تو ان مزدوروں نے گھی کا ایک ڈبہ کسی طرح گم کر دیا، معلم و وکیل کے باوجود بہت تلاش کرنے کے کہیں نہیں ملا، بعد ازاں مدینہ منورہ جاتے ہوئے اپنا سامان وکیل کی تحویل میں دیئے گئے، جب مدینہ منورہ سے واپس جدہ پہنچے تو

کرایہ دے کر اپنا سامان لینا چاہا، لیکن ایک بوری سامان کی کہیں نہیں ملی، اس رسید
پر میں نے لکھوا لیا کہ سامان میں ایک بوری گم ہے، جو چیزیں بوری میں تھیں، ان چیزوں کا
اس ملک کے بھاؤ کے مطابق اندازے سے قیمت لگا کر ایک فہرست تیار کر لی، مگر ساتھ
ہی وکیل کو وجہ سے گھی کا ڈبہ وصول کرنے کی فکر تھی، مگر اس کی کوئی رسید نہیں تھی، اس لئے
مستقل مطالبہ کرنے کے بجائے یہ کیا کہ اس فہرست میں گھی کی قیمت کا اندازہ کر کے وہ قیمت
بوری والی چیزوں میں بڑھا دی، پھر ایک عرضی درخواست اور وہ رسید حکومت حجاز کے
نام تیار کر کے پہلے وکیل کو دکھلا دی کہ یا تو اس کا فیصلہ کر دیجئے ورنہ یہ درخواست حکومت
میں دیتا ہوں، اس غریب نے کوئی حجت نہیں کی، اور غالباً حکومت کے دباؤ سے اس
نے پوری قیمت میرے حوالہ کر دی مگر ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ میں قیامت تک معاف نہیں کروں گا
مجھے اپنی اس حرکت پر بے چینی رہتی ہے، اور ڈر لگتا ہے کہ کہیں آخرت میں میری پکڑ نہ ہو جائے
اب تو معلم سید [illegible] کا ملازم بمبئی آیا ہوا ہے، روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ اس کے پاس
بھیج سکتا ہوں، تاکہ وہ وکیل جدہ کو تمام کر دے، نیز اس وصول شدہ روپیہ کی ایک تہائی
دوسرے ساتھی کے پاس چلی گئی ہے، میرے پاس دو تہائی باقی ہیں، اس ایک تہائی کا مطالبہ
میرے ذمہ تو نہیں ہوگا۔

والسلام

عبدالغفور عفا عنہ

الجواب

صورت مسئولہ میں وکیل سے گھی کا ضمان لینا جائز نہ تھا، کیونکہ وہ تو مزدوروں نے گم
کیا تھا، وکیل نے گم نہیں کیا، پس اس کا واپس کرنا لازم ہے، اور بوری گم شدہ کا ضمان لینا
بھی مطابق قول مفتی بہ جائز نہ تھا کیونکہ ودیعت یا اجیر میں عدم ضمان پر فتویٰ ہے پس اس کا
ضمان بھی قابل واپسی ہے۔

كذا في الخلاصة ج ۲ ص ۱۲۴، والشامي ج ۲ ص ۵۵، قال في الخلاصة
فإن شرط عليه الضمان إذا هلك يضمن في قولهم جميعاً لأن الأجير
المشترك إنما لا يضمن عند أبي حنيفة إذا لم يشترط عليه الضمان
أما إذا اشترط يضمن، قال الفقيه أبو الليث، الشرط وعدم الشرط سواء

لأنه أمين، واشتراط الضمان على الأمين باطل، وبه يفتي أ ه، وقال الشامي: وأما من جرى العرف بأنه يأخذ في مقابلة حفظه أجرة يضمن لأنه وديعة بالأجر، لكن الفتوى على عدمه ـ سائحاني ـ فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۴ر شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ ضمان کی ایک خاص صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امین مدرسہ جس کو مہتمم صاحب مدرسہ یعنی مختار مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کی ضرورت کے لئے بھیجا، امین مذکور نے ایک جگہ بیٹھ کر جیب میں سے بٹوہ نکالا، بٹوہ میں اوپر ایک پوڑیہ میں نوٹ کی رقم تھی جو بغرض حفاظت پھٹنے ٹوٹنے کی وجہ سے پوڑیہ میں رکھی تھی۔ اور پوڑیہ کے نیچے اور رقم ریزگاری ذخیرہ میں بٹوہ مذکور میں تھی، سو پہلے وہ پوڑیہ اوپر کی نکال کر ضرورت رفع کرکے بقیہ دام ریزگاری وغیرہ بٹوہ میں ڈال کر جیب میں بٹوہ ڈال لیا، وہ پوڑیہ یاد نہیں رہی، بٹوہ میں ڈالتے بیٹھے بیٹھے یہ قصہ ہوا، اس کے بعد اس جگہ سے اٹھ کر چلے گئے بعد میں کئی گھنٹے کے وہ پوڑیہ یاد آئی، وہ پوڑیہ کسی نے اٹھائی، اس کا پتہ نہیں چلا، کیا اس صورت میں امین مدرسہ کو ضمان دینا واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

احقر فرزند علی، شاہ پور، ضلع سہارنپور،

الجواب

صورت مسئولہ میں امین مذکور کے ذمہ ضمان لازم ہے، کما صرح في العالمگیریة، ونصه هكذا: لو قال المودع: وضعت الوديعة بين يدي، فقمت ونسيتها، وضاعت ضمن، وبه يفتي. كذا في جواهر الأخلاطي (ج ۵ ص ۳۴۰) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۲۰ر رجب ۱۳۵۰ھ

مرغی یا بکری نے کسی کا کھیت یا غلہ کھا لیا تو مالک پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکری یا مرغی کسی کا کھیت چر جائے یا دانہ غلہ جو سکھلانے کے لئے رکھ دیا ہو، کھا جائے تو اس کا تاوان جانور والے کو دینا ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: ولایت حسین

الجواب

فی الہندیۃ (ج ۶ ص ۵۱) وان کانت فی ملک غیر صاحب الدابۃ فان دخلت فی ملک الغیر من غیر ادخال صاحبہا بان کانت منفلتۃ فلا ضمان علی صاحبہا وان دخلت بادخال صاحبہا فصاحب الدابۃ ضامن فی الوجوہ کلہا سواء کانت واقفۃ او سائرۃ وسواء کان صاحبہا معہا یسوقہا او یقودہا او کان راکبا علیہا او لم یکن معہا ہکذا فی الذخیرۃ اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بکری وغیرہ کسی کے کھیت وغیرہ میں خود جا کر نقصان کرے تو مالک پر تاوان نہیں، اور اگر مالک خود کھیت میں چھوڑ دے، تو کھیت والا اس سے تاوان لے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ
(از تحفہ نمبر ۳)
۳ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

جائیداد منقسم کے تین حصوں میں ایک وقف کا تھا، پٹواری کے غلط اندراج کے سبب وقف کی جمع سرکاری جائیداد لی گئی، تو یہ زائد جمع سرکاری کس سے لی جائے گی۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین کے تین قطعہ منقسم ہیں اور تین مالک ہیں۔ ایک زید اور ایک عمر اور ایک موتو ذلمہ ہے اور اس

کی جمع سرکاری کبھی پٹواری کے کاغذات میں اس طریقہ پر منقسم ہیں، کہ مدرسہ کے، زید کے، عمر کے، میزان کل مبلغ مار [illegible]

زید نمبردار ہے وہ بقیہ حصہ داروں سے جمع سرکاری کی معینہ رقم وصول کرکے سب تحصیل میں سالانہ داخل کرتا رہتا ہے اب پندرہ بیس سال کے بعد معلوم ہوا کہ پٹواری کے کاغذات میں اندراج غلط تھا، اور اب اسی طریقہ سے صحیح کیا گیا ہے۔ [illegible] میزان کل مبلغ ما

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ سے سالانہ مبلغ [illegible] روپیہ جو زائد گئے ہیں وہ زید و عمر سے وصول کئے جائیں یا نہیں؟ کیونکہ ان کے پاس سے کم گئے ہیں، جواب باصواب سے مطلع فرمائیں اور اپنے دستخط سے مزین فرمائیں۔

السائل: محمد سعید

الجواب

اہل مدرسہ کو چاہئے کہ سرکار سے مطالبہ کریں، یا نمبردار پر نالش کریں، ان میں جو طریقہ موافق قانون ہو وہ اختیار کریں، پھر سرکار خواہ اپنے پاس سے مدرسہ کو زائد رقم واپس کردے۔ خواہ زید و عمر سے لے کر دیوے، اور اگر اس قسم کے مطالبہ اور نالش کا حق مدرسہ کو قانون سرکاری میں نہ ہو، تو دوبارہ سوال کرلیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون، مورخہ ١٩ ربیع الثانی سنہ [illegible]

ایضاً ایضاً ایضاً

سوال: سائل بالا کا دوبارہ خط آیا کہ ...... قانون میں نالش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا دوسرا جواب عنایت فرمایا جائے۔

الجواب

اول نمبردار کے متعلق غور کرنا چاہئے کہ شرعاً وہ کیا حیثیت رکھتا ہے: سو وہ درحقیقت سرکار کا آلہ کار ہے، اور زمینداروں کی طرف سے بھی نمبردار کی منظوری ہوتی ہے، اس واسطے زمینداروں کا وکیل بھی ہے، آلہ ہونے کی وجہ سے وہ اس رقم کا ضامن نہ ہوگا جو دراصل سرکار کی طرف سے زمینداروں کے ذمہ مقرر کی گئی ہے اور وکیل ہونے کی وجہ سے وہ اس رقم کو زمینداروں سے وصول کرسکتا ہے جو اس نے زمینداروں کی جانب سے سرکار کو دی

ہے، در حقیقت زائد رقم نمبردار نے جس سے وصول کر لی ہے وہ اس کا ذمہ دار اور ضامن ضرور ہے خواہ دانستہ وصول ہوئی ہو، خواہ کسی غلطی کی وجہ سے، کیونکہ حقوق مالیہ میں عمد اور خطا کا ایک ہی حکم ہے۔ لہٰذا مدرسہ سے جو زائد رقم زید نے لے کر سرکار کو دی ہے وہ زید کے ذمہ ہے اہل مدرسہ کو اسی سے مطالبہ کا حق ہے، اور زید کو اختیار ہے کہ وہ عمرو سے رقم لے لے، جو درحقیقت اس کی طرف سے دی گئی ہے۔ اہل مدرسہ کا عمرو سے براہ راست کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وفی الدر المختار (باب الغصب) واعلم أن الأمر لا ضمان علیہ بالأمر إلا فی ستۃ: إذا کان الآمر سلطانا اھ وقال الشامی تحتہ: لأن أمرہ إکراہ کما مر فی بابہ، وفی اکراہ الدر، وضمن رب المال المکرہ بالکسر لأن المکرہ بالفتح کالآلۃ اھ

قلت: والمال الذی أخذ بغیر امر السلطان، فکون الأمر ضامنا له ظاہر غیر خفی، واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون
۴ جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ

الجواب عندی صحیح
اشرف علی
۴ جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ

ع کیونکہ زید عمرو کا وکیل قرار دیا گیا تھا، تو اس کو رجوع کا حق ہے، جیسا کہ شروع میں زمینداروں کی منظوری سے نمبردار کا وکیل بن جانا مذکور ہے۔ ۱۲ منہ

ع اگر اس پر یہ شبہ ہو کہ نمبردار خود اپنے کار منصب سے کسی طور پر نمبرداری کے لئے مجبور نہیں کرتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو خاص شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا، مگر اس پر تو زور دیا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ضرور بنے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ۱۲ منہ

مدت مقررہ میں مستعیر چیز واپس نہ کرے پھر وہ چوری یا ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان آئے گا یا نہیں؟

سوال :- زید یہ کہہ کر چار پانچ روز میں واپس آجاؤں گا، خالد سے گھوڑا لے گیا۔ اس وقت تک اتفاقاً واپسی نہ ہوئی، اس کے بعد اگر گھوڑا کہیں گم ہو جائے، یا چوری ہو جائے، یا مر جائے، اور اس وجہ سے تو کیا زید سے قیمت گھوڑے کی طلب کرے، اس صورت میں زید کو قیمت کا دے دینا۔ اور خالد کو تقاضا کر کے لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

سائل ....

الجواب

جتنے روز کے لئے جانور مستعار لیا گیا تھا۔ اس سے زیادہ وقت گزر جانے پر مستعیر ذمہ دار ضمان کا ہو گیا۔ پس خالد کو مطالبۂ قیمت کا حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ مستعیر نے مدت مقررہ کے بعد بھی اس کو استعمال کیا ہو۔ (عالمگیریہ ج ۵ ص ۲۲۴)

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۷ رمضان [illegible]ھ

قانونی گرفت سے بچنے کے لئے خریدا ہوا مسروقہ مال تلف کر دیا تو ضمان لازم آئے گا یا نہیں

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس کوئی شخص چند تصاویر لایا، اور ظاہر کیا کہ یہ میری ہیں، ان کو بیچنا چاہتا ہوں، زید نے ان کو خرید لیا، چند روز کے بعد زید سے حامد غیر مسلم ملا، اور کہا میری چند تصاویر گم ہو گئیں، اگر تمہیں پتہ لگے اطلاع دینا۔ زید کو شبہ ہوا کہ وہ تصاویر جو میرے پاس فلاں شخص اپنی ملکیت ظاہر کر کے فروخت کر گیا، دراصل اس کی ملک نہ تھی، اس نے حامد سے چرائی ہیں، اس لئے چاہا کہ کسی ایسے طریقے سے حامد کے پاس وہ تصاویر پہنچا دوں، کہ قانونی حیثیت سے مجرم بھی نہ ہوں، اسی غرض سے زید نے حامد سے کہا کہ اگر میں نے تمہاری چیز کا پتہ لگایا، جو جگہ تم تجویز کرو میں خفیہ طریقے سے وہاں پہنچا دوں گا، تم اٹھا لینا، حامد نے زید کو قانونی مجرم بنانا چاہا، اور اس کی کوشش کے لئے پولیس میں اطلاع کر دی۔ زید کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے قانونی

جرم سے بچنے کی غرض سے تمام تصاویر کو معہ اس آئینہ کے اور چوکھٹے کے، جس میں وہ چسپاں تھیں، توڑ کر جلا دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا زید کے ذمہ لازم ہے، کہ حامد کو تصاویر کی قیمت ادا کرے یا نہیں؟ اور اگر لازم ہے تو ادائیگی کس طریقہ سے کر سکتا ہے۔

الجواب

اگر زید کو اس امر کا یقین ہے کہ یہ تصاویر حامد کی تھیں، اور اس کا بھی یقین ہو کہ بیچنے والے نے چوری کی تھی، تو اس کے ذمہ ضمان لازم ہے، وہ ان تصاویر کو زمین میں دفن کر کے بھی پولیس کی گرفت سے بچ سکتا تھا۔ یا حامد سے یہ کہتا کہ میں نے پتا لگایا، بلکہ خفیہ صورت سے اس کے یہاں بھیج دیتی۔ اب جس طرح ممکن ہو اس کو ان تصاویر کی قیمت ادا کر دے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ یہ ظاہر نہ کرے کہ یہ روپیہ تصاویر کی قیمت ہے۔ بلکہ یہ ہدیہ دوستانہ ظاہر کر کے اس کو رقم دے دے، اور اس بیچنے والے سے قیمت واپس لے سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون،

۷ رشوال ۱۳۴۷ھ

سوال:- سرکاری اسکول کے ایک طالب علم نے دوسرے طالب علموں کی کاپیوں کے سادہ اوراق جو ایک جگہ جمع تھے، اٹھا کر اپنے خرچ میں کر لئے، اب یہ معلوم کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن ہے کہ وہ اوراق کن کن لڑکوں کے تھے، تو یہ حق کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے؟

ایک طالب علم نے دوسروں کی کاپیوں کے سادہ اوراق اپنے خرچ میں کر لئے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اوراق کن کن لڑکوں کے تھے، تو اس سے سبکدوشی کیسے ہوگی؟

الجواب

اپنے ساتھیوں میں سے جن کا نام اور پتہ معلوم ہو، ان سے بذریعۂ خط وغیرہ کے ان کے اوراق سے معافی چاہ لیں، اور جن کے نام وغیرہ یاد نہ ہوں، ان کے حقوق کا گمان غالب سے اندازہ لگا کر رقم خیرات کر دیں، ان کی نیت سے ان کی طرف سے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۲۹ شوال سنہ ۱۳۴۸ھ

سرکاری حقوق تلف ہوں توان کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی

سوال:- اگر سرکاری حقوق تلف ہوئے ہوں، مثلاً ریل کے سفر میں پندرہ سیر سے زیادہ بوجھ بلا کرایہ لے جایا گیا، یا سرکار کی کسی چیز کا نقصان کر دیا، یا کوئی سرکاری چیز چرالی، تو ان حقوق کی ادائیگی کی کیا صورت ہے۔

الجواب

تخمینہ گمان غالب سے لگا کر، اس ریلوے کے ٹکٹ اور ڈاکخانہ کے ٹکٹ خرید کر چاک کر دیں، اس طرح ریلوے کو اور سرکار کو حق پہنچ جائے گا۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۲۹ شوال سنہ ۱۳۴۸ھ

باپ سے روپیہ اور دیگر اشیاء چھپا کر دوسرے شخص سے مل کر خرچ کرے تو اس دوسرے شخص پر ضمان آئے گا یا نہیں

سوال: زید و عمرو آپس میں دوست تھے، زید اپنے باپ کے مال میں سے نقد اور دیگر اشیاء چھپا کر لاتا تھا اور عمرو کے ساتھ مل کر خرچ کرتا تھا، نیز باپ کے مال میں سے بلا اجازت زید نے عمرو کو نقد اور قیمتی اشیاء وغیرہ دیں، تو اگر عمرو پر زید کے والد کے یہ حقوق واجب الاداء ہوں، تو ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہے۔

الجواب

اس صورت میں آپ کے ذمہ صرف توبہ و استغفار ہے، مالی حق کچھ نہیں، اس کا ضامن لڑکا خود ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۹ شوال سنہ ۱۳۴۸ھ

بلا اجازت سرکاری درخت کاٹنے اور ان کی قیمت داخل خزانہ کرنے کی جائز صورتیں

سوال:- زید نے دس درختان تاڑ بلا اجازت سرکار کاٹ لئے، ان کی قیمت عہ روپیہ داخل خزانہ سرکار کرنا چاہتا ہے، حضرت والا نے تلافی کی صورتیں دریافت فرمائی تھیں، وہ حسب ذیل معروض ہیں۔

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ سررشتہ آبکاری میں عہ مزید تاڑ کے درختوں کے لئے داخل کئے جائیں، مگر اجازت نامہ قطع و بریدکا ملنے پر مزید درخت نہ کٹوائے جائیں۔ اور اجازت نامہ چاک کر دیا جائے، لیکن اجازت نامہ کی اجرائی کے لئے اہل عملہ رشوت طلب کریں گے، اور ستائیں گے، مزید درخت نہ کٹوائے جائیں، تو اندیشہ ہے کہ کوئی نقل اجازت نامہ حاصل کرکے ناجائز طور پر درخت کٹوالے، یہ صورت خالی از دقت نہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عہ روپیہ کے ٹکٹ ڈاکخانہ سے خرید کر ان کو تلف کیا جائے اور کام میں نہ لایا جائے، اس طرح رقم داخل خزانہ ہو جاتی ہے، گو بجائے سررشتہ آبکاری میں جمع ہونے کے سررشتہ ڈاکخانہ جات میں جمع ہوگی، مگر ہر دو سررشتہ جات ایک ہی گورنمنٹ کے ہیں، اور یہ صورت ثانی صورت اولی سے اسہل اور بے خطر ہے۔

الجواب

دوسری صورت کافی ہے، مگر درختوں کی خود تجویز کردہ قیمت کافی نہیں، بلکہ جو قیمت دو معتبر عادل مسلمان جو درختوں کی قیمت لگانے میں ماہر ہوں تجویز کریں، وہ قیمت داخل کی جائے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۲ ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۹ھ

متعلق سوال بالا

سوال:- بالسلاک عریضہ مورخہ ۸ ذیقعدہ سنہ ۴۹ھ روانہ بابت عرض ہے کہ زید نے درختان تاڑ بلا اجازت سرکار قطع کر لئے تھے، ان کی قیمت بصورت ٹکٹ ڈاک داخل کرنا جائز بتلایا گیا ہے، لیکن یہ ارشاد ہوا ہے کہ درختوں کی خود تجویز کردہ قیمت کافی نہیں، اس کی قیمت عرض ہے کہ سرکار سے ہر درخت تاڑ

کی قیمت بلا لحاظ چھوٹے بڑے ہونے کے عان مقرر ہے۔ اگر زید سرکار سے اجازت لیتا تو اس کو فی درخت عانہ کی داخل خزانہ سرکار کرنے پڑتے تھے، کیا ایسی حالت میں بھی قیمت کی قرارداد دو معتبر عادل مسلمان سے کرانے کی ضرورت ہے۔

فقط سائل بالا

الجواب

اس صورت میں دو معتبروں سے تجویز قیمت کی ضرورت نہیں، بلکہ سرکاری ریٹ کے موافق قیمت دے دینا بھی کافی ہے کیونکہ خود مالک کی مقرر کردہ قیمت دوسروں کی تجویز سے مقدم ہے جیسے ریل کا کرایہ جو ریلوے کمپنی نے مقرر کر دیا ہے وہی معتبر ہے۔

متعلق سوال بالا

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ذات انور، فلاک عریضہ سابقہ مورخہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ، بادب عرض ہے کہ زید نے درختان [illegible] بلا اجازت سرکار آج سے سات آٹھ سال پیشتر جبکہ سرکاری نرخ فی درخت [illegible] روپیہ مقرر تھا، قطع کرتے تھے، اب جبکہ تلافی مافات کے لئے قیمت درختان مذکور داخل خزانہ سرکار کرنا چاہتا ہے، نرخ فی درخت [illegible] روپیہ ہوگیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زید کو اب فی درخت [illegible] روپیہ کے حساب سے قیمت داخل کرنی چاہیئے یا بحساب [illegible] فی درخت؟

الجواب

کاٹنے کے وقت جو نرخ تھا اس کے حساب سے روپیہ داخل کر دینا کافی ہے بعد کے حساب کی رعایت لازم نہیں۔

قال فی الهداية: وما لا مثل له فعليه قيمته يوم غصبه. اھ (ج [illegible] صفحہ [illegible])

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

بیوی کے ہاتھ پر پتھر مارا اس کے ہاتھ میں لونگ تھی گر کر گم ہوگئی، تو شوہر پر ضمان آئے گا یا نہیں؟

سوال: میرے گھر میں ایک لونگ گم ہوگئی ہے اس میں میرا بھی کچھ دخل ہے، وہ یہ کہ میں ان پر

کسی بات پر خفا ہو رہا تھا، مگر میں زبان چلانے لگی، میں نے ان کے ہاتھ پر ایک تھپڑ ماری اس وقت اتفاق سے ان کے ہاتھ میں لالٹین تھی، وہ لالٹین ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی، اور ٹوٹ گئی تو اب مجھ کو اس کا تاوان دینا ہوگا یا نہیں؟

یکے از مقیمین خانقاہ امدادیہ

الجواب

قال فی الہندیۃ فی تفسیر الغصب شرعاً، ھو اخذ مال متقوم محترم بغیر اذن المالک علی وجہہ یزیل ید المالک إن کان فی یدہ، او یقصر یدہ (بالمنع والحبس) إن لم یکن فی یدہ، کذا فی المحیط، ومن حال بینہ وبین ملکہ (یضمن لانہ لیس بغصب ومن منع مالکہ من حفظہ مالکہ حتی ھلک لم یضمن، کذا فی الینابیع اھ (ج ۶ ص ۷۹)

صورت مسئولہ میں سائل پر ضمان نہیں کیونکہ اس کا فعل غصب میں داخل نہیں باقی تطییب قلب کے واسطے ضمان دے دیا جائے تو اچھا ہے۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ رجب ۱۳۵۵ھ

امداد الاحکام
امداد الفتاوی کا تکملہ جو ۱۳۳۰ھ کے بعد کے فتاوی پر مشتمل ہے
تالیف
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی
زیر نگرانی
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی